قرآن حکیم ماخذ سیرت طیبہ

(تحقیقی و تجزیاتی جائزہ)

مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی (علوم اسلامیہ)

مقالہ نگار

حافظ محسن ضیاء قاضی

نگران مقالہ

ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری

ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ

نمل یونیورسٹی، اسلام آباد

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

سیشن 2020-2013

قرآن حکیم ماخذ سیرت طیبہ

(تحقیقی و تجزیاتی جائزہ)

تحقیقی مقالہ پی ایچ۔ڈی (علوم اسلامیہ)

مقالہ نگار

حافظ محسن ضیاء قاضی

نگران تحقیق

ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری

ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ

نمل یونیورسٹی، اسلام آباد

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

سیشن ۲۰۱۳ء-۲۰۲۰ء

©حافظ محسن ضیاء قاضی

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

منظوری فارم برائے مقالہ ودفاع مقالہ

(Thesis and Defense Approval Form)

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالہ کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: **قرآن حکیم ماخذ سیرت طیبہ**

(تحقیقی و تجزیاتی جائزہ)

" Quran-e-Hakeem as a source of Seerat-e-Tayyebah"

(An analytical Study)

"Quran-e-Hakeem Makhiz Seerat-e-Tayyebah "

(Tahqeeqi o Tajzeyati jaeeza)

نام مقالہ نگار: حافظ محسن ضیاء قاضی

رجسٹریشن نمبر: 454-PhD/IS/13

ایسوسی ایٹ پروفیسر ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری ____________________

(نگران مقالہ) دستخط نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر شاہد صدیقی ____________________

(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز) دستخط ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز

میجر جنرل (ر) محمد جعفر ____________________

(ریکٹر نمل) دستخط ریکٹر نمل

تاریخ: ____________________

حلف نامہ فارم

(Candidate Declaration Form)

میں مقالہ نگار حافظ محسن ضیاء قاضی ولد قاضی عزیز احمد

رجسٹریشن نمبر 454-PhD/IS/13

طالب علم پی ایچ۔ڈی (شعبہ علوم اسلامیہ) نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد، حلفاً اقرار کرتا ہوں کہ مقالہ:

بعنوان: **قرآن حکیم ماخذ سیرت طیبہ**

(تحقیقی و تجزیاتی جائزہ)

پی ایچ۔ڈی (علوم اسلامیہ) کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے، اور ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری کی نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے، راقم الحروف کا اصل کام ہے، ماسوائے جہاں متن مقالہ میں بیان کیا گیا ہے اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کروایا گیا ہے، نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لیے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

نام مقالہ نگار: حافظ محسن ضیاء قاضی

دستخط مقالہ نگار: ____________________

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

انتساب

مقام و ادبِ رسالتِ سرور کائنات ﷺ کے شعور کا فیض بخشنے والے والد بزرگوار ''قاضی عزیز احمد طال اللہ عمرہ و زید شرفہ کے نام کہ جن کی دعاؤں اور جہد مسلسل نے اس ناچیز کو آقائے من سرور کائنات حضرت محمد مصطفٰے ﷺ کی سیرت طیبہ پر کام کرنے کے قابل بنایا۔

اظہار تشکر

سب سے پہلے میں اپنے پروردگار عالم اللہ جل شانہ کا بے حد شکر گزار ہوں کہ جس کی توفیق وعنایت سے یہ تحقیقی مقالہ پایہ تکمیل تک پہنچا اور پھر لامتناہی درود و سلام ہوں اس ذات پر جن کی رحمت کے زیر سایہ تمام جہاں ہیں اور انہی کے رحمت سے اللہ کریم نے ہمیں سرفراز فرمایا ہے۔ اس کے بعد میں ہر اس شخص کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں جس نے کسی بھی طرح سے مقالہ نگاری میں میری رہنمائی کی، بالخصوص جناب ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری صاحب صدر شعبہ علوم اسلامیہ نمل کا میں بے حد مشکور ہوں جنہوں نے ہر مشکل حالات میں انتہائی خلوص کے ساتھ میری راہنمائی کی اور اپنے تبحر علمی اور مشفقانہ رویے سے میری خوابیدہ صلاحیتوں کو طاقت پرواز بخشی جس کے نتیجہ میں اپنے اس مقالہ کو اس مقام تک پہنچانے میں کامیاب ہوا۔ ممکنہ طور پر میری کج علمی سے کئی تحقیقی پہلوؤں پر کام رہ گیا ہو گا یا کئی پہلو ادھورے رہ گئے ہوں گے کیونکہ یہ بہت وسیع موضوع ہے اور اس امر میں بھی کوئی شک نہیں کہ خود قرآن مجید ایک علم کا سمندر رہے اور اس کے علوم کا احاطہ قطعی ناممکن ہے۔ البتہ میں اس بات کا اعتراف ضرور کرتا ہوں اور یہ میرے لیے دائمی اعزاز ہے کہ میرے نگران مقالہ قبلہ بخاری صاحب نے میرے ساتھ بہت محنت کی ہے اور مقالہ کی جملہ خوبیاں انہیں کے زیور علم سے آراستہ ہیں۔ اور میں یونیورسٹی کے دیگر جملہ اساتذہ کرام کا بھی بے حد ممنون و مشکور ہوں کہ جنہوں نے میرے ساتھ یونیورسٹی میں داخلے سے لیکر مقالے کی تکمیل تک ہر ممکن مدد کی۔

میں بے حد مشکور ہوں اپنے والد گرامی قاضی عزیز احمد زید شرفہ کا، جنہوں نے مجھے ترغیب دلائی، حوصلہ دیا، رہنمائی فرمائی اور اللہ تعالیٰ کے نبی کریم شب زندہ داریوں میں خصوصی دعاؤں میں یاد رکھا کہ آج یہ ساری تحقیق انہیں دعاؤں کا ثمر ہے، اللہ کریم ان کی عمر، زہد، اور صحت میں بے شمار برکتیں عطا فرمائے۔ اس کے ساتھ ساتھ میں اپنے بھائی جان ڈاکٹر محسن عطا قاضی اور اپنی بہنوں کا بے حد ممنوں ہوں کہ جنہوں نے ہر موقع پر میری مدد کی اور میرے لیے دعائیں کیں۔ اور اپنے دیگر تمام دوست واحباب کے لیے جن کی دعائیں اور تحریک میرے لیے باعث حوصلہ رہی۔ میں اپنی اہلیہ محترمہ کا بھی بے حد مشکور ہوں جنہوں نے شبانہ روز میری حوصلہ افزائی کی اور تحقیقی و تحریری کام میں میری معاونت کی۔ میں تمام کا ممنون و مشکور ہوں اللہ تعالیٰ سب کی دنیا و آخرت بہتر فرمائے۔ آمین

حافظ محسن ضیاء قاضی

رموز و اشارات

مقالہ ہذا میں غیر ضروری طوالت سے بچنے اور زیبائی کے لیے درج ذیل رموز و اشارات کا استعمال کیا گیا ہے۔

آیات کے لیے	﴿ ﴾
احادیث کے لیے	« »
دیگر اقتباسات کے لیے	" "
صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے	ﷺ
رحمۃ اللہ علیہ کے لیے	ؒ
رضی اللہ عنہ کے لیے	ؓ
رضی اللہ عنہم کے لیے	ؓ

متنِ مقالہ اور حواشی میں بعض اہم نکات کے لیے۔

ایک ہی صفحہ same حوالہ آنے پر وہاں حوالہ ایضاً / سابقہ حوالہ لکھا گیا ہے۔

اصطلاحات کی وضاحت یا تو متن میں کر دی گئی ہے یا پھر حواشی میں کی گئی ہے۔

مقالہ میں آنے والے تمام غیر معروف اسماء واماکن وغیرہ کا مختصر تعارف حواشی میں دیا گیا ہے۔

اندازِ تحقیق تجزیاتی و بیانیہ ہے۔

اپنی تحقیق کو موضوع کے مطابق تعمیری فکر کے انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

مقالے کے آخر میں نتائج تحقیق و سفارشات، فہرست کتابیات، فہرست آیات و آحادیث درج کی گئی ہے۔

Abstract

The thesis has composed on the topic: **<u>"Quran Hakeem, source of Seerat e Tayyebah" (An analytical study)</u>**

The Holy Qur'an is the original and most accurate and authentic source of the noble life of beloved Prophet. The Qur'an serves as the source of character in two ways. A. It mentions several events of the blessed life of Prophet, Ghazwat and predicts certain other upcoming events. There are descriptions and short details somewhere.

B. Qur'an contains all the teachings practically implemented by the Holy Prophet. Similarly, some of the objections and their responses to contemporary non-Muslims has mentioned. Therefore, Qur'an gives some detailed information about the Sirat-e-Tayyeba, and through short hints. It identifies the origin of the events in the Quran and convince us to know its details. The study of the life of Holy Prophet is must for every Muslims and non-Muslims, who wishes to know, understand and practice Islam.

For the Muslims, the need and importance of study the Seerah is because Allah Almighty has declared his Personality as the best role model in Quran and has commanded the believes to follow his lifestyle, so it is not possible to practice his way of living without having the knowledge about his life.

It means that it is mandatory for us to follow the character of Holy Prophet (SAW).Therefore, the Holy Prophet (SAW) ordered the Muslims to learn and follow His (SAW) teachings and His (SAW) personality.

So, until we are not aware of the manners of the Holy Prophet (SAW), we can neither understand the Holy Quran nor can we offer worship in a good way. As the life of the Holy Prophet (SAW) is the only way to get the love and to obey Allah Almighty. In addition, there is not any way to obey Allah without the obedience of the Holy Prophet (SAW)

In short, every part of His (SAW) is the practice of Holy Quran. If we read Quran attentively beside the acquisition of knowledge, the character and importance of the Holder of Quran comes forward transparently. Therefore, one of the scopes of this study is that with the understanding of the Holy Quran, the personality and stature of the wonder of Quran can understood. People criticized the events mentioned in the book of seerah; they are of the view that the events mentioned in these books are not accurate.

The life of Holy Prophet (SAW) mentioned and adopted from the Holy Quran is authentic more than all the books written by man. As only, the one clause about the life of the Holy Prophet (SAW) mentioned in the Holy Quran has saved. The Holy Quran is enough to tell the world that, who is the bringer, in which era He (SAW) come, in which land was He (SAW) born who were his friends and family members? What kind of people they were? What kind of life did he spend? How did he treated people and how did people treat him? What kind of family life he had? How did he spend his days and nights? What sacrifices did he present to promote the oneness of Allah the Almighty?

فہرست عنوانات

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
1	مقالہ منظوری کا فارم	x
2	حلف نامہ(Declaration)	x
3	انتساب(Dedication)	vi
4	اظہار تشکر(A word of thanks)	vii
5	ملخص مقالہ(Abstract)	ix
6	فہرست عنوانات(Table of contents)	X
7	مقدمہ	xiv
8	**باب اول: سیرت طیبہ اور ماخذ سیرت**	1
9	فصل اول: سیرت کا مفہوم اور اس کی اہمیت	2
10	مبحث اول: سیرت کا لغوی مفہوم اور اس کے اطلاقات	3
11	مبحث دوم: سیرت کا اصطلاحی مفہوم	6
12	مبحث سوم: سیرت طیبہ کی اہمیت	10
13	فصل دوم: سیرت نگاری کا ارتقائی جائزہ	17
14	مبحث اول: عہد متقدمین میں سیرت نگاری	18
15	مبحث دوم: متأخرین علمائے سیرت	29
16	فصل سوم: سیرت نگاری کے اہم اسالیب	34
17	محدثانہ اسلوب سیرت نگاری	36
18	فقیہانہ اسلوب سیرت نگاری	37
19	مؤرخانہ اسلوب سیرت نگاری	39
20	مؤلفانہ اسلوب سیرت نگاری	40
21	محققانہ اسلوب سیرت نگاری	40
22	مناظرانہ اسلوب سیرت نگاری	41

42	قرآنی اسلوب سیرت نگاری	23
45	فصل چہارم: ماخذ سیرت	24
46	مبحث اول: قرآن حکیم	25
53	مبحث دوم: کتب تفاسیر	26
58	مبحث سوم: دیگر الہامی کتب	27
63	مبحث چہارم: کتب احادیث	28
66	مبحث پنجم: کتب تاریخ	29
69	**باب دوم: قرآن حکیم ماخذ اوصاف وخصائص رسول کریم ﷺ**	30
70	فصل اول: مقاصد دعوتِ دین	31
74	مبحث اول: اصلاح عقائد	32
88	مبحث دوم: اصلاح اعمال	33
97	مبحث سوم: اصلاح معاشرہ	34
104	فصل دوم: اسمائے رسول کریم ﷺ	35
105	مبحث اول: اسمائے ذاتیہ	36
115	مبحث دوم: اسمائے صفاتیہ	37
135	مبحث سوم: اسمائے صفاتیہ دائمیہ متصف باللہ	38
137	مبحث چہارم: اسمائے صفاتیہ عارضیہ	39
140	فصل سوم: خصائص مصطفیٰ کریم ﷺ	40
141	مبحث اول: نبی کریم ﷺ کے خصائص ذاتیہ	41
152	مبحث دوم: نبی کریم ﷺ کے خصائص نبویہ	42
207	فصل چہارم: معجزات رسول کریم ﷺ	43
208	مبحث اول: آسمانی معجزات	44
228	مبحث دوم: زمینی معجزات	45
238	**باب سوم: قرآن حکیم اور رسول کریم ﷺ کی عائلی زندگی**	46
239	فصل اول: ازدواجی زندگی	47

240	مبحث اول: تزویج	48
261	مبحث دوم: تعدد ازواج	49
268	مبحث سوم: عفت ازواج	50
273	مبحث چہارم: ایلاء	51
280	فصل دوم: آلِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر	52
281	مبحث اول: بیٹوں کا ذکر	53
286	مبحث دوم: بیٹیوں کا ذکر	54
292	مبحث سوم: لے پالک کا ذکر	55
294	فصل سوم: اصحاب رسول کا ذکر	56
295	مبحث اول: خلفاء راشدین کا ذکر	57
316	مبحث دوم: دیگر صحابہ کرام اور درجہ اصحاب کا ذکر	58
326	**باب چہارم: قرآن حکیم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات**	59
327	فصل اول: غزوہ بدر	60
347	فصل دوم: غزوہ احد	61
362	فصل سوم: غزوہ احزاب	62
372	فصل چہارم: فتح مکہ و دیگر غزوات	63
373	مبحث اول: فتح مکہ	64
378	مبحث دوم: دیگر غزوات	65
401	**باب پنجم: قرآن حکیم اور غیر مسلموں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملات**	66
402	فصل اول: معاہدات کا ذکر	67
403	مبحث اول: مطلق معاہدہ	68
408	مبحث دوم: صلح حدیبیہ	69
413	فصل دوم: مشرکین اور ان کے ساتھ معاملات کا ذکر	70
421	فصل سوم: منافقین اور ان کے ساتھ معاملات کا ذکر	71
430	فصل چہارم: اہل کتاب کے بارے میں ذکر	72

73	سوالنامہ	439
74	خلاصہ بحث	441
75	نتائج	443
76	سفارشات	444
77	فہرست آیات	445
78	فہرست احادیث	458
79	فہرست اعلام	461
80	فہرست بلادو اماکن	463
81	فہرست مصادر و مراجع	464

مقدمہ

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوۃ والسلام علی اشرف الانبیاء والمرسلین وعلیٰ اٰلہ واصحابہ و اھلِ بیتہ وذرّیاتہ اجمعین-

موضوع کا تعارف

سیرتِ طیبہ سے آگاہی رکھنا اور آپ ﷺ کی زندگی کے واقعات وحالات اور آپ ﷺ کی ذات وصفات اور خصائص ومعمولات کے بارے میں جاننا نہ صرف مسلمانوں کے لیے بلکہ تمام بنی نوع انسان کے لیے بہت ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر فلاح ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک انسانیت کی رشد وہدایت کے لیے تمام اقوام کے لیے اُن کے ادوار میں رسل وانبیاء مبعوث فرمائے۔ اِرشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ(1)

اور کوئی امت ایسی نہیں ہوئی جس میں ڈرسنانے والا نہ گزرا ہو۔

نیز اِرشاد باری تعالیٰ ہے : وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (2) اور ہر قوم کے لئے ہادی ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو تمام نسلِ انسانی کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ اِسی لیے تمام انسانیت کو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اتباع کرنے اور آپ پر ایمان لانے کا حکم دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا (3)

آپ کہہ دیجئے اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔

جب تک شخصیت کے کردار اور حالات کی خبر نہ ہو اتباع کرنا ممکن نہیں۔ اِس لیے سیرتِ طیبہ کا مطالعہ ہمیں ایک اچھا مسلمان بننے میں مفید ہے۔ اہل اسلام کو خصوصاً اللہ تعالیٰ نے اسوہ حسنہ پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (4) یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ میں بہترین نمونہ ہے۔

---

(1) فاطر:۲۴

(2) الرعد:۷

(3) اعراف:۱۵۸

(4) احزاب:۲۱

گویا رسول اللہ ﷺ کی سیرت کو اپنانا ہم پر لازم ہے۔ اِسی لیے نبی کریم ﷺ نے بھی اہلِ ایمان کو حکم دیا کہ وہ میرے طرزِ عمل کو جانیں اور اُس کو اپنائیں۔

نبی کریم ﷺ کا ارشادِ پاک ہے: مَن رغِب عن سُنتي فليس مِنِّي[1]

لہٰذا ہم جب تک آپ ﷺ کے طور طریقوں سے واقف نہ ہوں گے تب تک نہ قرآن کو سمجھ سکیں گے نہ ہی عبادت کا حق ادا کر سکیں گے۔ کیونکہ سیرتِ رسول ﷺ محبت و اطاعتِ الٰہی کی واحد عملی صورت ہے۔ قرآنِ حکیم نے بصراحت یہ اعلان جا بجا کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی اطاعت ہی اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور آپ ﷺ کی محبت ہی اللہ تعالیٰ کی محبت ہے اور آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ کی پیروی کے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی کی اور کوئی صورت نہیں۔ رِشاد باری تعالیٰ ہے:

مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ [2] جس نے اس رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ[3]

کہہ دیجئے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو خود اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرمادے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

بیان مسئلہ

سیرت طیبہ کا سب سے مستند ذکر قرآنِ پاک میں ہے، قرآنِ حکیم تقریباً سیرت کے تمام پہلوؤں کو اظہر من الشمس کرتا ہے۔ سید العالمین ﷺ کے اسماء، شمائل، فضائل، خصائل، ہجرت، غزوات، معاملات سبھی کا تذکرہ قرآنِ حکیم میں موجود ہے۔ قرآنِ حکیم کو سامنے رکھا جائے تو آپ ﷺ کی سیرت وحیات پر واضح روشنی پڑتی ہے اور جس طرح قرآنِ پاک اپنی کسی بات میں اپنے غیر کا محتاج نہیں اسی طرح اپنے حامل و مبلغ کے وجود و حیات کے بیان میں اپنے علاوہ کسی دوسرے ماخذ کا محتاج نہیں ہے۔ اس تحقیق کا بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ قرآن حکیم سے نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کے نمایاں پہلوؤں کو بیان کرنا تاکہ قاری کو ایک جامع اور مستند سیرت طیبہ میسر ہو سکے۔

---

(1) صحیح بخاری، محمد بن اسماعیل ابو عبد اللہ البخاري، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، حدیث نمبر ۵۰۶۳، بیروت: دار طوق النجاۃ، ۱۴۲۲ھ، ج۷، ص۲

(2) النساء: ۸۰

(3) اٰل عمران: ۳۱

موضوع پر سابقہ تحقیقی کام

سیرتُ النبی ﷺ قرآن کی روشنی میں، اِس موضوع پر درج ذیل یونیورسٹیز میں ایم فل اور ایم اے کے تحقیقی مقالات لکھے گئے ہیں:

ایم فل مقالہ:

1. قرآن حکیم میں خصائص مصطفیٰ ﷺ کا مطالعہ، نازیہ نورین، نگران تحقیق: محمد طیب عثمانی، کلیہ عربی و علوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد (سیشن 2015-2016)

ایم اے مقالات:

1. سیرت رسول اکرم ﷺ قرآن کی روشنی میں، رضیہ سلطانہ، نگران: علاؤالدین صدیقی، شعبہ علومِ اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور (سیشن 2005-2007)
2. قرآن بطور ماخذ سیرت رسول ﷺ، عائشہ تقدیس، نگران تحقیق: ڈاکٹر محمد اکرم رانا، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان (سیشن 2005-2007)
3. قرآن حکیم میں سیرت رسول ﷺ، شیر افضل، نگران تحقیق: ڈاکٹر سعید الرحمن، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان (سیشن 2005-2007)

کتب سیرت قرآنیہ عربی:

1. سیرت رسول ﷺ صو ر مقتبسة من القرآن الکریم، محمد عزت دروزہ، المکتبہ العصریہ، بیروت، ۱۹۸۰ء
2. السیرة النبویة فی ضوءِ القرآن و السنة، ڈاکٹر محمد ابوشہبہ، دار القلم، دمشق، طبع ثانیہ ۱۹۹۲ء
3. رسول اللہ فی القرآن الکریم، حسن کامل المطاوی، دار المعارف، القاہرہ، ۱۹۷۲ء

کتب سیرت قرآنیہ اردو:

1. سیرتِ رسول قرآن کے آئینے میں، ڈاکٹر عبد الغفور راشد، ادارہ نشریات لاہور، 2006
2. سیرۃ نبوی قرآنی، مولانا عبد الماجد دریا آبادی، ندیم یونس پرنٹر لاہور، طبع دوم ۱۹۸۵ء
3. جمال مصطفٰی، علامہ عبد العزیز عرفی، کیلانی پبلشرز کراچی، ۱۹۸۳ء
4. ہمہ قرآن در شان محمد، ڈاکٹر غلام مصطفٰی خان حیدر آبادی،
5. صاحب قرآن بنگاہ قرآن، اہلیہ ڈاکٹر سہراب انور، دار الاشاعت کراچی، 2003

6. حیات محمد قرآن کے آئینے میں، ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی

موضوعِ تحقیق کی اہمیت

سیرتِ نبویہ ماخوذ و مستنبط از قرآنِ حکیم کی اہمیت انسانوں کی ترتیب دی ہوئی ساری کُتب سیرت سے زیادہ ہے۔ کیونکہ سیرتِ نبویہ ماخوذ و مستنبط از قرآن کلام الٰہی کا ایک کلمہ منطوقہ (هٰذَا كِتَابُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ)[1] و محفوظہ (بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَجِيدٌ۔فِي لَوْحٍ مَحْفُوظٍ)[2] ہے۔ اور صرف قرآنِ پاک ہی کافی ہے کہ وہ ہمیشہ دنیا کو بتا دے، اس کا لانے والا کون ہے؟ وہ کیسے زمانے میں تشریف لایا؟ وہ کس سرزمین میں پیدا ہوا؟ اس کے اصحاب و اہلِ خانہ کون تھے؟ کیسے تھے؟ اس نے کیسے زندگی بسر کی؟ اس کا سلوک دنیا کے ساتھ کیسا تھا اور دنیا والوں نے اس کے ساتھ کیا کیا؟ اس کی گھریلو زندگی کیسی تھی؟ اس کے شب و روز کیسے بسر ہوئے؟ اس نے توحید کی سرفرازی کے لیے کیا قربانیاں دیں؟ غرض کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا ہر گوشہ قرآن روشن کرتا ہے۔ اسی لیے سب سے قبل اس امر کی طرف توجہ سیدہِ کائنات ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دلوائی تھی کہ جب آپ سے کسی نے نبی کریم ﷺ کے اخلاقِ حسنہ کے بارے میں سوال کیا تو آپ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

''فَإِنَّ خُلُقَ نَبِيِّ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ كَانَ الْقُرآنَ''[3]

قرآنِ حکیم کو بغور پڑھنے سے حصولِ علومِ قرآن کے ساتھ حاملِ قرآن کی ذات و اہمیت بھی نکھر کر سامنے آتی ہے۔ لہٰذا اس موضوع کا ایک اہم فائدہ یہ بھی ہے کہ قرآن کے سمجھنے کے ساتھ ساتھ صاحب قرآن کی ذات و مقام بھی سمجھ آتا ہے۔ سیرت کی کُتب میں کئی وقائع سیر پر لوگوں نے اعتراضات کئے ہیں کہ یہ من گھڑت ہیں لیکن سیرت کے اس ماخذ پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس میں صرف وہی بات ذکر ہو گی جو قرآن بیان کرتا ہے۔

مقاصد تحقیق

منتخب موضوع کے درج ذیل اہداف و مقاصد ہیں:

1۔ قرآنِ حکیم کو ماخذ سیرتِ طیبہ کی حیثیت سے پیش کرنا۔

2۔ قرآنِ حکیم میں مذکور سیرت کے مختلف پہلوؤں کو اُجاگر کرنا۔

---

(1) الجاثیہ:۲۹

(2) البروج:۲۲،۲۱

(3) صحیح مسلم، مسلم بن الحجاج ابو الحسن القشیری، کتاب صلوۃ المسافرین، باب جامع صلوۃ اللیل، حدیث نمبر ۷۴۶، بیروت: دار احیاء التراث العربی، ج۱، ص ۵۱۲

3۔ قرآن حکیم میں بیان کردہ مقامِ نبوّت اور رسالت کی اہمیت کو واضح کرنا۔

4۔ سیرتِ طیبہ کی عملی زندگی میں اہمیت وضرورت کو بیان کرنا۔

تحقیقی سوالات

اس تحقیقی مقالے کے بنیادی سوال درج ذیل ہیں:

1۔ سیرت طیبہ کے کن کن موضوعات پر قرآن حکیم نے بحث کی ہے؟

2۔ نبی کریم ﷺ کے کون کون سے خصائص کا ذکر قرآن حکیم نے بیان کیا ہے؟

3۔ دعوتِ دین کے کون کون سے مقاصد قرآن حکیم نے بیان کیے ہیں؟

4۔ آنحضرت ﷺ کی عائلی زندگی کا نقشہ قرآن حکیم نے کیسے کھینچتا ہے؟

5۔ قرآن مجید آپ ﷺ کے کن کن غزوات کو صراحتاً اور کن کن غزوات کو اجمالاً بیان کرتا ہے؟

6۔ کیا قرآن مجید نے رسول اللہ ﷺ اور غیر مسلموں کے مابین معاملات کو بیان کیا ہے؟

اسلوب تحقیق

مقالہ ہذا کا اسلوب تحقیق تجزیاتی وبیانیہ ہے اور اس کے لئے درج ذیل مصادر اور ٹولز کا استعمال کیا گیا ہے:

1. لائبریریاں (مطبوعہ وغیر مطبوعہ مواد)
2. تحقیقی مقالات اور ریسرچ آرٹیکلز
3. سوالنامے

تحقیقی طریقہ کار

1. تحقیق میں بین الاقوامی طور پر منظور شدہ طریقہ کار میں سے کوئی ایک طریقہ کار آخر تک استعمال کیا گیا ہے۔
2. تحقیقی موضوع میں پوری کوشش کے ساتھ اصل مأخذ و مصادر سے استفادہ کیا گیا ہے۔ضرورت کے تحت تشریح و توضیح کے لیے ثانوی مصادر ومراجع سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔
3. ضروری معلومات حوالہ جات کے طور پر حواشی میں دی گئی ہیں۔
4. مقالہ میں آنے والے غیر معروف اسماء واماکن وغیرہ کا مختصر تعارف حواشی میں دیا گیا ہے۔
5. آیات واحادیث کو قوسین میں بند کیا گیا ہے۔
6. اقوال اور اقتباسات کو واوین" " کے درمیان لکھا گیا ہے۔
7. قرآن پاک کی آیات کا ذکر سورت کے نام اور آیت کے نمبر کے ساتھ کیا گیا ہے۔

8. موضوع سے متعلق احادیث مبارکہ کو ان کے اصل مصادر کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے۔

9. سیرت مطہرہ کے اصل مصادر سے استفادہ کیا گیا ہے۔

10. مشکل کلمات کی تشریح لغت کے مطابق کی گئی ہیں۔

11. فہرست کی ترتیب اس انداز سے کی گئی ہیں۔

فہرست آیات قرآنیہ

فہرست احادیث نبویہ

فہرست اعلام

فہرست بلاد واماکن

فہرست مصادر ومراجع

باب اوّل: سیرت طیبہ اور مآخذ سیرت

فصل اوّل: سیرت کا مفہوم اور اس کی اہمیت

فصل دوم: سیرت نگاری کا ارتقائی جائزہ

فصل سوم: سیرت نگاری کے اہم اسالیب

فصل چہارم: مآخذ سیرت

فصل اوّل: سیرت کا مفہوم اور اس کی اہمیت

مبحث اوّل: سیرت کا لغوی مفہوم اور اس کے اطلاقات

لفظ "سیرت" متعدد معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ جن کو اہل لغت نے بیان کیا ہے۔ ذیل میں اس کے چند لغوی معانی و اطلاقات بیان کئے گئے ہیں:

سیرت کا لغوی مفہوم

سیرت عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے حروف اصلی س، ی، ر ہیں۔ اس کا مادہ سار یسیر سیر (باب ضرب یضرب) ہے۔ سیرت کی جمع سِیَر آتی ہے۔ لفظ سیرت کے معانی ہیں، چلنا پھرنا، راستہ، عادات، طرزِ زندگی، ہیت اور انداز ہیں۔[1]

سیرت کے اطلاقات

سیرت کے لفظ کا اطلاق چند اہم معانی پر ہوتا ہے۔ جو کہ درج ذیل ہیں:

1۔ طریقہ، برتاؤ

لفظ طریقہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے، حضرت علیؓ کے خطبہ میں مذکور ہے۔

"قبض رسول الله ﷺ واستخلف ابو بکر ؓ فعمل بعمله وسار بسیرته"[2]

رسول اللہ ﷺ کی روح قبض کرلی گئ اور حضرت ابو بکرؓ خلیفہ بنے تو آپ رسول اللہ ﷺ کے طریقہ پر چلے۔

سیرت کے مفہوم کو بیان کرنے کے لیے مذکورالذکر تعریف بڑی جامع اور واضح ہے مگر چند اور تعریفات بھی بیان کی گئی ہیں تاکہ مفہوم مزید واضح ہوسکے۔

علامہ الجرجانی "کتاب التعریفات" میں لکھتے ہیں:

" السیرة: هی الطریقة، سواء کانت خیراً او شراً "[3]

اسی طرح برتاؤ کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے جیسا کہ عربی زبان میں کہتے ہیں کہ

" سار الوالی فی رعیته سیرة حسنه "[4] یعنی حکمران نے اپنی رعایا کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا۔

---

(1) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور: دانش گاہ پنجاب، طبع اول ۱۹۸۰ء، ج ۱۴، ص ۴۷

(2) مسند، مسند علی بن ابی طالب، امام الشیبانی، احمد بن حنبل، بیروت: دار صادر، ۱۹۶۹ء، ۱/۱۲۸

(3) کتاب التعریفات، الجرجانی، علی بن محمد سید الزین ابو الحسن، لاہور: مکتبہ رحمانیہ، س ن، ص ۸۹

(4) لسان العرب، ابن منظور، محمد بن مکرم الافریقی الانصاری، بیروت: دار صادر، س ن، ج ۴، ص ۳۹۰

2۔ عادات و کردار

عربی میں سیرت کے لفظ کا اطلاق عادات و کردار پر بھی ہوتا ہے۔ چاہے کسی کا کردار اچھا ہو یا بُرا ہو۔ کسی کے کردار کو بطور تحسین یوں ذکر کیا جاتا ہے کہ ''انه حسن السيرة ''[1] یعنی وہ شخص اچھے کردار کا مالک ہے۔

3۔ ہیئت و حالت

لفظ سیرت کبھی ہیئت و حالت کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔

علامہ ابن منظور لکھتے ہیں:

''السيرة : الهيئة ''[2] جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

﴿ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ ﴾[3]

ہم اسے اس پہلی ہی حالت میں لوٹا دیں گے۔

4۔ سوانحِ عمری و حالات زندگی

کسی شخصیت کے حالات زندگی کو بیان کرنے کے لیے بھی لفظ سیرت استعمال ہوتا ہے۔ المعجم الوسیط میں ہے:

''قرات سيرة فلان : تاريخ حياته''[4]

یعنی میں نے فلاں کی سیرت (سوانح عمری) کا مطالعہ کیا۔

عوانہ بن حکم کلبی متوفی ۱۴۷ھ نے کتاب ''سیرت معاویہ و بنو امیہ ''[5] لکھی۔ اسی طرح واقدی متوفی ۲۰۷ھ نے ''کتاب السیرۃ اور کتاب سیرت ابو بکر ''[6] تحریر کیں۔ اور جیسے مولانا شبلی نعمانی نے ۱۳۳۲ھ میں امام اعظم ابو حنیفہؒ کے حالات زندگی پر کتاب لکھی جس کا نام ''سیرتِ نعمان''[7] ہے۔

اس بحث سے معلوم یہ ہوا کہ سیرت کے لفظ کا اطلاق جانا، چلنا پھرنا، عادات و کردار، طور طریقہ، ہیئت و

---

(1) لسان العرب، ابن منظور، ج ۴، ص: ۳۹۰

(2) ایضاً، ص ۶۸۴

(3) طہ: ۲۱

(4) المعجم الوسیط، ابراہیم مصطفیٰ و دیگر، استنبول: دار الدعوۃ، ۱۹۸۹ء، ص ۴۶۷

(5) الفہرست، ابن ندیم، علامہ ابو الفرج محمد بن ابو یعقوب، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۸۷ء، ص ۱۳۴

(6) ایضاً، ص ۱۴۴

(7) سیرت النبی، شبلی نعمانی، مولانا، المصباح، اردو بازار، لاہور، ج ۱، ص ۴۱

حالت، سنت، روش اور سوانح عمری ان سب پر لغوی اعتبار سے ہوتا ہے۔ یعنی لغت میں ان سب مذکور الذکر الفاظ پر سیرت کے لفظ کا اطلاق آتا ہے۔ ان میں سے طور طریقہ اور سوانح عمری کے لیے یہ لفظ زیادہ استعمال ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کی تصنیف کے لیے سیرت کا لفظ ہی استعمال ہوا ہے۔ جیسے سیرت ابن ہشام و سیرت ابن اسحاق تو گویا اس زمانے میں سیرت کا لفظ سوانح عمری کے لیے بولا جاتا تھا۔ اور اس لفظ کا استعمال نبی کریم ﷺ کے علاوہ صحابہ کرامؓ کی سوانح عمری کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ اس لیے یہ لفظ باقی معنوں میں مستعمل ہونے کے ساتھ زیادہ انہی معنوں (طریقہ و عادات اور سوانح عمری) میں لیا گیا ہے۔

مبحث دوم: سیرت کا اصطلاحی مفہوم

سیرت کی اصطلاحی تعریف یوں ہے:

حافظ ابن حجر سیرت کی تعریف میں لکھتے ہیں:

''والسیر جمع سیرۃ، و اُطلق ذالک علی اَبوابِ الجھادِ، لانھا متلقاۃ مِن اَحوالِ النبیِ ﷺ فِی غَزواتِہ''[1]

لفظ سیر سیرت کی جمع ہے اور اس کا اطلاق جہاد کے ابواب پر ہوتا ہے، کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ان حالات سے ماخوذ ہوتے ہیں جو غزوات میں پیش آئے۔

امام ابن ہمام سیرت کے اصطلاحی مفہوم کے بارے میں لکھتے ہیں:

''السِیَر جَمعُ السیرۃ، و ھِی الطَرِیقۃُ فِی الامورِ و فِی الشرعِ تَختَص بِسِیَرِ النَبِیِ علیہ الصلٰوۃُ و السلام فی مَغازِیہِ ولکن غلب فی لسانِ اھلِ الشرعِ علی الطرائقِ المامُور بھا فی غزوۃ الکفارِ''[2]

سیرت بمعنی طور طریقہ، اس کا اطلاق شریعت میں مغازی میں رسول اللہ ﷺ کے احوال کے ساتھ خاص ہے۔ مگر علمائے شریعت کے نزدیک اس کا اطلاق عام طور سے ان طریقوں پر ہوتا ہے جن کا حکم کفار سے جنگ میں دیا گیا ہے۔

شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ سیرت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آنچہ متعلق بود پیغمبر ما ﷺ و صحابہ کرام و آں عظام است و از ابتدائے تولد آنجناب تا غایت و فات آں را سیرت گویند''[3]

جو کچھ ہمارے پیغمبر ﷺ اور حضرات صحابہ کرامؓ کی عظمت اور ان کے وجود سے متعلق ہو جس میں آنحضرت ﷺ کی پیدائش سے وفات تک کے واقعات بیان کئے گئے ہوں وہ سیرت ہے۔ اسی طرح محدثین اور ارباب رجال کی اصطلاح قدیم یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے خاص غزوات کو مغازی اور سیرت کہتے تھے۔ چنانچہ ابن اسحاق کی کتاب کو مغازی بھی کہتے ہیں اور سیرت بھی۔ حافظ ابن حجر فتح الباری کتاب المغازی میں یہ دونوں نام ایک ہی کتاب کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ فقہ کی بھی یہی اصطلاح ہے۔

---

(1) فتح الباری، عسقلانی، حافظ ابن حجر احمد، امام، کتاب الجہاد و السیر، دار النشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۹۸۱ء، ج۶، ص ۳

(2) فتح القدیر، کمال الدین محمد بن عبد الواحد السیواسی المعروف با بن الہمام، بیروت: دار الفکر، ۱۹۸۳ء، ج۵، ص ۴۳۵، ۴۳۴

(3) عجالہ نافعہ، محدث دہلوی، شاہ عبد العزیز، (مترجم: ڈاکٹر عبد الحلیم چشتی) نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، ۱۹۶۴ء، ص ۴۸

اس بارے میں علامہ شبلی نعمانی مقدمہ (فن روایت) کے حاشیہ میں لفظ "سیرت" کے اطلاق کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"فقہ میں جو باب کتاب الجہاد والسیر باندھتے ہیں، اس میں سیرت کے لفظ سے غزوات اور جہاد کے احکام مراد ہوتے ہیں۔ یہ طریقہ کئی صدی تک جاری رہا۔ چنانچہ تیسری صدی تک جو کتابیں سیرت کے نام سے مشہور ہوئیں، مثلاً سیرت ابن ہشام، سیرت ابن عائذ، سیرت اموی وغیرہ، ان میں زیادہ تر غزوات ہی کے حالات ہیں۔ البتہ زمانہ مابعد میں مغازی کے سوا اور چیزیں بھی داخل کرلی گئیں ہیں مثلاً مواہب لدنیہ میں غزوات کے علاوہ سب کچھ ہے۔"[1]

اس بحث میں نبی کریم ﷺ کے غزوات و مغازی کو کہا گیا ہے۔ جس کی مثال یہ پیش کی گئی ہے کہ قدیم سیرت نگاروں کی کتب کو کتب مغازی اور کتب سیر بھی کہا گیا ہے۔ اس کے بارے میں عصر حاضر کے سیرت نگاروں نے بھی لکھا ہے کہ سیرت کا لفظ سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے اس طرز عمل کے لیے استعمال کیا گیا ہے جو آپ ﷺ نے کفار سے معاملات، غزوات اور معاہدات میں اپنایا۔

بعض سیرت نگاروں نے لفظ سیرت کو نبی کریم ﷺ کے معاملات کے لیے استعمال کیا اور بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ سیرت سے مراد نبی کریم ﷺ کے حالات زندگی اور اخلاق و عادات کو بیان کرنا سیرت کہلاتا ہے۔ دونوں طرح سے کوئی خاص فرق نہیں ہے بس مغازی کو سیرت کہنے والے اس لفظ کو خاص کر دیتے ہیں جبکہ دوسری تعریف میں سیرت عام ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ کے جملہ حالات بیان کرنے کا نام ہے۔

ڈاکٹر خالد محمود سیرت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"نبی کریم ﷺ کے حالات زندگی اور اخلاق و عادات کو بیان کرنے کا نام "سیرت" ہے۔"[2]

اس تعریف کی تائید میں ایک اور تعریف ہے جو اس سے مماثلت رکھتی ہے۔ اس میں سیرت سے مراد نبی کریم ﷺ سے منقول ہر قول، فعل و تقریر چاہے وہ اعلان نبوت سے قبل ہو یا بعد سب کو سیرت کہا جاتا ہے۔ سیرت کی تعریف کے متعلق اگر مطالعہ کیا جائے تو قدیم سیرت نگاروں کی نسبت معاصر علماء نے بہت تفصیل سے لکھا ہے۔ اسی لیے ان کی بیان کردہ تعریفات زیادہ لی گئی ہیں۔ مذکورہ بالا تعریف سے ملتی جلتی تعریف علامہ محمد سرور نے بھی لکھی ہے۔ وہ سیرت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"سیرت کا لفظ جب مطلقا بولا جاتا ہے تو شریعت میں اس سے مراد وہ کام ہوتا ہے جو نبی کریم

---

(1) سیرت النبی، ج۱، ص ۳۷

(2) اردو نثر میں سیرت نگاری، ص ۳

ﷺ نے کرنے کا حکم دیا یا جس سے روکا یا جسے جائز سمجھا۔ مزید آگے چل کر لکھتے ہیں کہ سیرت بھی ایک قسم کی تاریخ ہے۔"[1]

لفظ سیرت کا ارتقائی جائزہ بھی علماء نے پیش کیا ہے۔ اس کی ایک مثال یوں ہے کہ لفظ سیرت کا لغوی مفہوم سے اصطلاحی مفہوم کی طرف جو سفر ہے اس کے بارے میں علامہ محمد أعلی فاروقی تھانوی لکھتے ہیں:

"سیر" اصل میں بمعنی چلنا اور جانا تھا۔ اس سے طریقہ کی طرف انتقال معنی ہوا۔ پھر شرع میں اس سے خاص معنی: "طريقة المسلمين فى المعاملة مع الكافرين و الباغين و غيرهما من المستامنين و المرتدين و اهل الذمة" یعنی مسلمانوں کا وہ طریقہ کار جو وہ کفار، مسلمان باغی، مرتدین، اہل ذمہ اور دوسرے لوگوں سے معاملات میں وہ اختیار کرتے ہیں۔ الکفایہ کے مطابق اس کے مخصوص معنی آنحضرت ﷺ کے مغازی میں طریقہ و برتاؤ کے ہیں۔"[2]

اس ساری بحث سے حاصل یہ ہوا ہے کہ سیرت کا لفظ پہلے پہل تو عادات واطوار اور چلنا پھرنا کے مفہوم میں استعمال ہوتا رہا ہے۔ بعد ازاں یہ عمومی طور پر کسی بھی مسلمان کی سوانح عمری کے لیے بولا جانے لگا مگر خصوصی طور پر لفظ سیرت نبی کریم ﷺ کے طور طریقہ، معاملات اور عادات و اطوار کے لیے مستعمل ہو گیا۔ اب یہ لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

لفظ سیرت کا اوّلین استعمال

سیرت کی پہلی کتاب کے مؤلف عبد الملک بن ہشام، م ۲۱۸ ہیں۔ انہوں نے سیرت پر جو کتاب لکھی اس کا نام سیرت رسول ہے۔ کتاب کی ابتدا میں وہ لکھتے ہیں کہ "هذا كتاب سيرة رسول الله ﷺ" یعنی یہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت کی کتاب ہے۔[3]

لفظ سیرت کا استعمال نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس کے لیے اس سے پہلے بھی ہوا ہے۔ متعدد احادیث میں نبی کریم ﷺ کی سوانح عمری کے لیے بھی سیرت کا لفظ بولا گیا ہے۔ عہد نبوی کے مشہور شاعر حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے غزوہ احد میں نعتیہ قصیدہ کہتے ہوئے ارشاد فرمایا:

---

(1) دراسات فی السیرۃ النبویۃ، محمد سرور بن زین العابدین، دار الارقم، ۱۹۸۶ء، ص ۴۷

(2) کشاف اصطلاحات الفنون، تھانوی، محمد أعلی فاروقی، طبع، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی، س ن، ص ۶۶۳

(3) کشف الظنون عن آسامی الکتب والفنون، چلپی، حاجی خلیفہ مصطفیٰ بن عبد اللہ، تہران: مکتبہ اسلامیہ والجعفری، ۱۳۷۸ھ، ج ۲، ص ۱۵۱۲

الحَقُّ مَنْطِقُهُ وَالْعَدْلُ سِيرَتُهُ ــ فَمَنْ يُجِبْهُ إِلَيْهِ يَنْجُ مِنْ تَبَبِ (1)

آپ ﷺ کی بات حق ہے اور آپ ﷺ کی سیرت عدل ہے۔ جس نے آپ ﷺ کی پیروی کی وہ ہلاکت سے نجات پا گیا۔

اس شعر سے ثابت ہوتا ہے کہ سیرت کا لفظ ابن ہشام کی کتاب سے پہلے بھی آپ ﷺ کی ذات اقدس کے لیے بولا جاتا تھا۔ مذکورہ بالا بحث سے ثابت یہ ہوتا ہے کہ اصطلاح میں سیرت سے مراد نبی کریم ﷺ کے اقوال و افعال و احوال ہیں اور وہ واقعات جو آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش ہوئے اس پر آپ ﷺ نے رضامندی کا اظہار فرمایا ہو یا دیکھ کر خاموشی اختیار کی ہو۔ مذکورالذکر تعریفات میں سے شاہ عبدالعزیزؒ کی تعریف زیادہ جامع ہے کیونکہ آپ نے سیرت کی تعریف میں آپ ﷺ کے ساتھ آپ کے اصحاب کو بھی شامل کیا ہے۔ چونکہ نبی کریم ﷺ نے خود اپنے اصحاب کی تربیت فرمائی ہے اس لیے صحابہ کے جملہ اوصاف و خوبیاں تربیت رسول ﷺ کا ثمر ہیں۔ لہذا سیرت رسول میں اصحاب رسول کا ذکر بھی ضروری ہے۔

---

(1) السیرۃ النبویہ، ابن ہشام، عبدالملک بن ھشام، بیروت: مصطفی البابی، ۱۴۱۱ھ، ج۲، ص ۱۶۱

مبحث سوم: سیرت طیبہ کی اہمیت

نبی کریم ﷺ کی سیرتِ طیبہ سے آگاہی رکھنا، آپ ﷺ کی زندگی کے حالات وواقعات اور آپ ﷺ کی ذات وصفات اور خصائص ومعمولات کے بارے میں جاننا نہ صرف مسلمانوں کے لیے بلکہ تمام بنی وانسان کے لیے بہت ضروری ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر فلاح ممکن نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سارے پیغمبروں کی بعثت کا مقصد انسانیت کی رُشد وہدایت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام اقوام کی فلاح ونجات کے لیے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر رسول اللہ ﷺ تک انبیاء اور رُسل مبعوث فرمائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ﴾ (1)

کوئی قوم ایسی نہیں جس میں کوئی انسانوں کو تنبیہ کرنے والا نہ گزرا ہو۔

﴿ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ (2)

ہر قوم کی طرف ہادی بھیجا گیا۔

مگر فرق یہ ہے کہ باقی تمام نبی صرف اپنی امتوں کے لیے اور صرف ایک خاص دور اور علاقے کے لیے مبعوث ہوئے جبکہ نبی رحمت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام نسلِ انسانی کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اِسی لیے تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اتباع کرنے اور آپ ﷺ پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا ﴾(3)

آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہوں۔

علامہ غلام رسول سعیدی اس آیت کریمہ سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ سیدنا محمد ﷺ کی رسالت تمام مخلوق کے لیے ہے اور تمام مخلوق آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے کی مکلف ہے۔"(4)

آنحضرت ﷺ کی رسالت کے عموم پر بہت ساری قرآنی آیات واحادیث موجود ہیں۔ امام بخاری حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو عطا نہیں کی گئیں، ایک ماہ کی مسافت سے میرا رعب طاری کیا گیا ہے اور

---

(1) ا۔ فاطر: ۲۴

(2) الرعد: ۷

(3) الاعراف: ۱۵۸

(4) تبیان القرآن، سعیدی، علامہ غلام رسول، لاہور: فرید بک سٹال، ۲۰۰۴ء، ج ۴، ص ۳۹۵

میرے لیے تمام روئے زمین پاکیزہ، پاک کرنے والی اور مسجد بنادی گئی ہے، پس میرا امتی جس جگہ بھی نماز کا وقت پائے وہیں نماز پڑھ لے اور میرے لیے غنیمتیں حلال کر دی گئی ہیں اور مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کی گئی تھیں اور مجھے شفاعت عطا کی گئی ہے '' وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً ''اور ہر نبی کو اپنی مخصوص قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور مجھے تمام انسانوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔[1]

جس ذات اقدس کو اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان کی رسول بنا کر بھیجا ہے ساتھ ہی اُس کے احکام کو ماننے اور اس کی پیروی کرنے کا حکم بھی دیا ہے۔ اور یہاں تک کہ فلاح دارین کو ان کی اطاعت کے ساتھ خاص کر دیا ہے۔ اور ہمیں جب تک کسی شخصیت کے کردار اور حالات کی کامل خبر نہ ہو اس وقت تک ہمارے لیے اتباع کرنا ممکن نہیں۔ لہٰذا جو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے وہ تعمیلِ حکم بنا مطالعہ سیرت کے کس طرح ممکن ہو سکتا ہے؟ اہلِ اسلام کو خصوصاً اللہ تعالیٰ نے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾[2]

یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں عمدہ نمونہ ہے۔

امام راغب الاصفہانی لفظ ''اسوہ'' کا معنی لکھتے ہیں:

''الأُسْوَة والإِسْوَةُ كالقدوة والقدوة، وهي الحالة التي يكون الإنسان عليها في اتباع غيره إن حسنا وإن قبيحا، وإن سارّا وإن ضارّا، ولهذا قال تعالى: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ، فوصفها بالحسنة''[3]

اسوہ کا معنی ہے ایسا نمونہ جس پر عمل کیا جائے، انسان کسی دوسرے شخص کی اتباع اور پیروی میں جس طریقہ پر ہوتا ہے اس کو اسوہ کہتے اور نمونہ کہتے ہیں، خواہ وہ طریقہ اچھا ہو یا برا، اس لیے اس آیت کریمہ میں اسوہ کو حسنہ کے ساتھ مقید کیا گیا ہے۔

گویا اس آیت کریمہ میں مومنوں کو حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے لیے نبی کریم ﷺ کی ذات میں عمدہ طریقہ موجود ہے۔ علامہ قرطبی اس آیت مقدسہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''هَذَا عِتَابٌ لِلْمُتَخَلِّفِينَ عَنِ الْقِتَالِ، أَيْ كَانَ لَكُمْ قُدْوَةٌ فِي النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

---

(1) صحیح بخاری، البخاری، محمد بن اسماعیل، کتاب التیمم، حدیث نمبر ۳۳۵، کراچی: قدیمی کتب خانہ، ۱۹۶۱ء، ج ۱، ص ۴۷

(2) الاحزاب: ۲۱

(3) المفردات فی غریب القرآن، الاصفہانی، ابو القاسم محمد بن الحسین، امام راغب، بیروت: دار القلم، ۱۴۱۲ھ، ج ۱، ص ۷۶

حَيْثُ بَذَلَ نَفْسَهُ لِنُصْرَةِ دِينِ اللَّهِ فِي خُرُوجِهِ إِلَى الْخَنْدَقِ.''[1]

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر عتاب کیا گیا ہے جو غزوہ خندق میں رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر چلے گئے تھے، یعنی آپ ﷺ کی ذات میں نہایت عمدہ نمونہ ہے، کہ آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت کے لیے اپنی جان کو خرچ کیا اور کفار و مشرکین سے جہاد کرنے کے لیے میدان جنگ میں آئے اور بہ نفس نفیس خندق کھودی۔

مراد یہ ہے کہ جو کوئی بھی چاہے وہ حالت امن میں ہو یا جنگ میں جس بھی کیفیت میں ہو گا اس کے لیے رسول اللہ ﷺ کی اتباع لازم ہے۔ غزوہ خندق میں جن لوگوں نے آپ ﷺ کو چھوڑ دیا اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت بیان فرمائی۔ اس کے بارے میں مزید وضاحت کرتے ہوئے حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کریمہ کے تحت لکھتے ہیں:

''هَذِهِ الْآيَةُ الْكَرِيمَةُ أَصْلٌ كَبِيرٌ فِي التَّأَسِّي بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَقْوَالِهِ وَأَفْعَالِهِ وَأَحْوَالِهِ؛ وَلِهَذَا أُمِرَ النَّاسُ بِالتَّأَسِّي بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْأَحْزَابِ، فِي صَبْرِهِ وَمُصَابَرَتِهِ وَمُرَابَطَتِهِ وَمُجَاهَدَتِهِ وَانْتِظَارِهِ الْفَرَجَ مِنْ رَبِّهِ، عَزَّ وَجَلَّ''[2]

یہ آیت بہت بڑی دلیل ہے اس امر پر کہ آنحضرت ﷺ کے تمام اقوال، افعال، احوال، اقتدا، پیروی اور تابعداری کے لائق ہیں۔ جنگ احزاب میں جو صبر و تحمل اور عدیم المثال شجاعت کی مثال آپ ﷺ نے قائم کی مثلاً اللہ تعالیٰ کی راہ میں تیاری، شوق جہاد اور مشکل کے وقت بھی اللہ تعالیٰ سے آسانی کی امید اس وقت آپ ﷺ نے دکھائی۔ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ہمارے لیے حضرت محمد ﷺ کی ذات میں عمدہ نمونہ ہے اور نیک اور اچھی خصلتیں ہیں، اور ایسی سنن صالحہ ہیں جو واجب الاتباع ہیں، آپ ﷺ جہاد میں ثابت قدم رہتے ہیں، بھوک و پیاس کی سختیوں سے گھبراتے نہیں، اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو زخم کھاتے ہیں ان پر صبر کرتے ہیں۔

اس امر میں تو کوئی شک نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیشہ صبر و استقامت سے کام لیا۔ غزوہ احد میں آپ ﷺ کے سر پر زخم آیا، آپ کے سامنے کے دانت کا ایک حصہ شہید ہو گیا، آپ کے عم مکرم سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا ان کا مثلہ کیا گیا، اللہ تعالیٰ کی راہ میں بہت ایذائیں دی گئیں آپ ﷺ ثابت قدم رہے، آپ نے کبھی گھبراہٹ اور بے چینی کا اظہار نہیں کیا، سو اے مسلمانو! تم آپ ﷺ کے اسوہ اور نمونہ کی اتباع کرو۔ یقیناً یہ تمام چیزیں اس قابل ہیں کہ مسلمان انہیں اپنی زندگی کا جزو اعظم بنالیں اور اپنے پیارے پیغمبر اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ کو اپنے لیے بہترین نمونہ بنالیں اور ان اوصاف سے اپنے آپ کو موصوف کرلیں۔ گویا رسول اللہ

---

(1) الجامع لاحکام القرآن، القرطبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر، القاہرہ: دار الکتب المصریہ، ۱۳۸۴ھ، ج۱۴، ص ۱۵۵

(2) تفسیر القرآن العظیم، ابن کثیر، ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر، بیروت: دار طیبہ للنشر والتوزیع، ۱۴۲۰ھ: ج۶، ص ۳۹۱

ﷺ کی سیرت کو اپنانا ہم سب پر لازم ہے اس کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگائیں کہ نبی کریم ﷺ نے بھی اہلِ ایمان کو حکم دیا ہے کہ وہ میرے طرزِ عمل کو جانیں اور اس کو اپنائیں، اور جو میری سنت پر عمل نہیں کریں گے وہ ہم میں سے نہیں جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشادِ پاک ہے:

« فمن رغب عن سنتی فلیس منّی»[1]

پس جو میری سنت سے منہ پھیرے وہ مجھ میں سے نہیں۔

ہم جب تک آپ ﷺ کے طور طریقوں سے واقف نہ ہوں گے تب تک نہ قرآن پاک کو سمجھیں گے نہ ہی عبادات کا حق ادا کر سکیں گے۔ یہاں تک کہ محبتِ الٰہی و معرفتِ الٰہی کو بھی نہ پا سکیں گے۔ کیونکہ سیرتِ رسول ﷺ محبت و اطاعتِ الٰہی کی واحد عملی صورت ہے اور آپ ﷺ کی اطاعت و محبت ہی اللہ تعالیٰ کی اطاعت و محبت ہے اور آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کی پیروی کے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی کی کوئی صورت نہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ﴾[2]

جس نے رسول ﷺ کا حکم مانا، بے شک اس نے اللہ تعالیٰ کا حکم مانا۔

اسی طرح سورہ اٰل عمران میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾[3]

اے نبی ﷺ آپ فرما دیں: اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تب اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا محبوب بنالے گا۔

اطاعتِ رسول ﷺ کے لیے آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا مطالعہ ضروری ہے اور یہ امر بھی واضح ہے کہ سیرۃ الرسول شریعتِ اسلامیہ کا بنیادی ماخذ ہے۔ اگر ہم یہ سوچیں کہ سیرت کے مطالعہ کے بغیر فلاح ممکن ہے تو ایسا ہرگز نہیں ہے۔ سیرتِ طیبہ کا مطالعہ ہر مسلمان کے لیے اس لیے بھی لازمی ہے کیونکہ مسلمانوں کے لیے دونوں جہانوں کی سعادت ارجمندی کا حصول اسوہ حسنہ پر عمل پیرا ہوئے بغیر ناممکن ہے۔ پس جو مسلمان اپنی ذات کے ساتھ مخلص ہے اور خود کو فلاح کی طرف لانا چاہتا ہے وہ سیرت طیبہ سے وابستگی اختیار کرلے۔

صاحب ”زاد المعاد“ لکھتے ہیں:

---

(1) صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، حدیث نمبر ۵۰۶۳، ج7، ص2

(2) النساء:۸۰

(3) اٰل عمران:۳۱

''و اذا كانت سعادة العبد فى الدارين معلقة بهدى النبى فيجب على كل من نصح نفسه و احب نجاتهاوسعادتها ان يعرف من هديه وسيرته و شانه ما يخرج به عن الجاهلين به و يدخل به فى عداد اتباعه و شيعته و حزبه''(1)

اور جب کہ دونوں جہانوں میں بندے کی سعادت نبی کریم ﷺ کی ہدایت کے ساتھ ہی مشروط ہے تو ہر اس شخص پر جو اپنے نفس کے لیے مخلص ہو اور اس کی نجات و سعادت کو پسند کرتا ہے، لازم ہے کہ آپ کی ہدایت، سیرت اور معاملے سے واقفیت حاصل کر لے۔ اس قدر کہ وہ جاہلوں سے نکل کر آپ ﷺ کے پیروکاروں، ساتھیوں اور آپ ﷺ کی جماعت میں شامل ہو جائے۔

معاصر سیرت نگاروں نے بھی سیرت طیبہ کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔ ان کی آراء کا ذکر اس لیے ضروری ہے کہ آج پر فتن دور میں جو دین سے بے زاری بڑھتی جا رہی ہے اور مسلمان سیرت طیبہ سے نابلد ہوتے جا رہے ہیں ایسی صورت میں معاصر خرابیوں کا علاج معاصر سیرت نگار زیادہ احسن انداز سے پیش کر سکتے ہیں۔

مولانا ابوالکلام آزاد سیرت طیبہ کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اگر ہمیں مسلمان بننے کے لیے قرآن کریم کی تلاوت کی ضرورت ہے تو یقین کیجیے کہ اسے ایک عملی زندگی کی صورت میں دیکھنے کے لیے اس ''اسوہ حسنہ'' کے مطالعہ کی ضرورت ہے ''لقد كان لكم فى رسول الله اسوة حسنة '' اور یہ پچھلی ضرورت پہلی ضرورت ہی جتنی ہے، پہلی سے کم نہیں۔''(2)

ایک مسلمان اور مومن کے لیے اپنا جاننا اتنا ضروری نہیں جتنا کہ رسول اللہ ﷺ کا جاننا ضروری ہے جو شخص آپ ﷺ کو نہیں جانتا وہ اپنے ایمان اور اسلام کو کیسے جان سکتا ہے؟ مومن اپنے وجود ایمانی میں سراسر وجود پیغمبر کا محتاج ہے۔ عیاذ باللہ اگر وجود پیغمبر سے قطع نظر کر لی جائے تو ایک لمحہ کے لیے بھی مومن کا وجود ایمانی باقی نہیں رہ سکتا۔ اسی لیے ارشاد باری تعالیٰ ہے: النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ (3) نبی ﷺ مومنین کے حق میں ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ کیونکہ مومن کا وجود ایمانی آفتاب نبوت کا ایک معمولی سا عکس اور پر تو ہے اور ظاہر ہے کہ عکس اور پر تو کو جو قرب اور تعلق اپنے اصل منبع یعنی آفتاب سے ہو سکتا ہے وہ آئینہ سے نہیں ہو سکتا۔ مومن کو جو ایمان پہنچتا ہے وہ نبی کے واسطہ سے پہنچتا ہے۔ معلوم ہوا کہ ایمان نبی سے قریب ہے اور مومن سے

---

(1) زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، ابن قیم، الحافظ محمد ابی بکر الجوزی، بیروت: مؤسسہ الرسالہ، ۱۹۹۶ء، ج۱، ص۶۹

(2) رسول رحمت، مولانا عبد الکلام آزاد، کراچی: شیخ غلام اینڈ سنز، س ن، ص۲۶

(3) الاحزاب:۶

بعید ہے۔ اس لیے کہ نبی ایمان کے ساتھ متصف بالذات ہے اور مومن ایمان کے ساتھ متصف بالعرض ہے۔

پس ضروری ہوا کہ مومن اپنے اور اپنے ایمان کے جاننے سے پہلے اپنے نبی ﷺ کی سیرت کو جانے تا کہ اسی راستے پر چلے اور دوسروں کو بھی اس پر چلنے کی دعوت دے۔ اس موقف کی تائید قرآن مجید سے بھی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے حالات وواقعات قرآن مجید میں ذکر کئے ہیں اور اس کی حکمت بھی بیان فرمائی ہے کہ ہم نے انبیاء و مرسلین کے حالات کیوں بیان کئے ہیں۔ سورہ ہود میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَكُلًّا نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ وَجَاءَكَ فِي هَذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ ﴾(1)

اور ہم آپ کے سامنے انبیاء کے واقعات بیان کرتے ہیں جس سے آپ کے قلب کو قوت اور سکون عطا کریں اور ان واقعات کے ضمن میں اہل ایمان کے لیے حق اور حقیقت اور موعظمت اور نصیحت اور تذکیر اور یاد دہانی سامنے آجائے۔

سیرت نبوی کا مطالعہ یقیناً ہر مسلمان کے لیے بڑی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ یہ بہت سے اہداف کو حقیقت کا روپ دیتا ہے۔ ان میں سے اہم ترین ہدف رسول اللہ ﷺ کے نقش قدم پر چلنا ہے۔ سیرت کے مطالعہ سے جہاں آپ ﷺ کی شخصیت کی معرفت حاصل ہوتی ہے وہاں آپ ﷺ کے معمولات و فرمودات اور ان امور و اعمال سے بھی واقفیت ہوتی ہے جنہیں آپ ﷺ نے دیکھ کر پسند فرمایا اور برقرار رکھا۔ ڈاکٹر علی محمد صلابی سیرت طیبہ کی اہمیت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”رسول اللہ ﷺ کی پیدائش سے وفات تک کے تمام مراحل یعنی بچپن، جوانی، بعثت، دعوتِ دین، جہاد، مشکلات پر صبر اور دشمن پر فتح یابی جیسے امور کو آشکار کرتے ہوئے حیات طیبہ کی چھوٹی بڑی تمام جزئیات کی تفصیل سیرت نبوی کی بدولت ہمارے سامنے آتی ہیں۔ اور یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ آپ ﷺ شوہر بھی تھے اور باپ بھی، رہنما بھی تھے اور سپاہی بھی، حکمران بھی تھے اور سیاستدان بھی، مربی بھی تھے اور داعی بھی، زاہد بھی تھے اور قاضی بھی غرضیکہ ہر مسلمان کو اپنا مطلوب سیرت طیبہ میں مل جاتا ہے۔“(2)

---

(1) ھود: ۱۲۰

(2) سیرت النبی، الدکتور علی محمد صلابی، (مترجمین: محمد یونس بٹ وغیرہم) اسلام آباد: دارالسلام، ۲۰۱۲ء، ص ۳۴

خلاصہ بحث

خلاصہ بحث یہ ہے کہ سیرت طیبہ کا مطالعہ مسلمان کے لیے بہت ضروری ہے۔ اور یہ ضروریاتِ دین میں سے ہے۔ اس کے بغیر بندۂ خدا صراط مستقیم پر گامزن نہیں ہو سکتا۔ اسی عبدِ خاص ﷺ کی سیرت پاک کو اللہ کریم نے بہترین نمونہ قرار دیا ہے، جس پر عمل اُخروی کامیابی کی ضمانت ہے۔ جیسا کہ مذکور الذکر بحث میں بخوبی طور پر متد قدمین کے اقوال بھی اس امر کو واضح کرتے ہیں کہ مسلمان کا وجود سراسر وجود پیغمبر ﷺ کا محتاج ہے اور اس کا ایمان اتباع رسول ﷺ کے ساتھ مشروط ہے اور اطاعت کے ثمرات سیرت طیبہ کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے۔ لہذا ہم خود بھی اور جہاں تک آگے ممکن ہو سکے سیرت طیبہ کے اجالوں سے لوگوں کو مستفیض کریں۔ اور سیرت النبی ﷺ کے مطالعہ کے دوران چند اہم مندرجہ ذیل مقاصد مد نظر رکھ کر مطالعہ کرنا چاہیے:

تا کہ نبی کریم ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کر کے آپ ﷺ کی نبوی حیثیت کو سمجھا جا سکے اور واضح ہو جائے کہ رسول اللہ ﷺ محض عبقری شخصیت کے مالک نہ تھے جس کی وجہ سے قوم میں آپ کو عزّت و عظمت حاصل ہو گئی بلکہ آپ ﷺ کی اوّلین حیثیت رسول کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی اور خصوصی تائید سے نوازا تھا۔ تا کہ انسان کے سامنے زندگی کے ہر معاملے میں عظیم نمونہ موجود رہے اور وہ اسے اپنا دستور اور جادۂ منزل بنا لے۔ یقیناً انسان جب بھی زندگی کے کسی پہلو میں اعلیٰ نمونہ کا متلاشی ہو گا تو اسے واضح اور کامل ترین صورت میں نبی کریم ﷺ کی ہی حیاتِ طیبہ میں ہی پائے گا۔

تا کہ بندہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کر کے کتاب کو سمجھنے اور اس کی روح اور مقصد کو پانے میں کامیاب ہو سکے۔ اور تا کہ بندہ سیرتِ رسول کا مطالعہ کر کے صحیح عقائد تک رسائی حاصل کر سکے اور اپنے اخلاق کو سنوارنے میں مدد لے سکے۔

فصل دوم: سیرت نگاری کا ارتقائی جائزہ

مبحث اوّل: عہد متقدمین میں سیرت نگاری

نبی کریم ﷺ کی سیرت پاک پر باقاعدہ تحریری سرمایہ کب مرتب کیا گیا، اس پر بحث کرنے سے قبل ہم مختصر جائزہ لیں گے کہ لکھنے کا کام کس دور میں شروع ہوا اور سب سے پہلے کس نے کیا؟

فن تحریر کی ابتدا

عرب میں زمانہ قدیم سے لکھنے پڑھنے کا تسلسل (گو کم سہی) پایا جاتا تھا۔ جیسا کہ قدیم زمانہ میں خط حمیری اور نابتی مشہور تھے۔ جن کے کتبے اہل یورپ کی بدولت مہیا ہو گئے۔ اسلام سے کچھ عرصہ قبل عربی خط ایجاد ہوا جس نے بہت ساری صورتیں بدل کر آج یہ صورت اختیار کر لی ہے۔ اس خط کے بارے میں علماء نے کہیں کہیں بیان دیا ہے۔ کہ یہ خط کہاں سے چلا اور کیسے کیسے اس نے اپنا ارتقائی سفر طے کیا ہے۔ جیسا کہ ابن ندیم لکھتے ہیں کہ:

میں مامون الرشید کے کتب خانہ میں گیا، وہاں میں نے ایک دستاویز دیکھی جو عبد المطلب بن ہاشم کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی، اور اس دستاویز کا خط ایسا تھا جیسا عورتوں کا خط ہوتا ہے۔ جس کے الفاظ یہ تھے:

"حق عبد المطلب بن هاشم من اهل مكة على فلان ابن فلان الحميرى من اهل وزل صنعا عليه الف درهم فضلة كيلا بالحديدة و متى دعا بها اجابة شهد الله والملكان۔"(1)

یہ عبد المطلب بن ہاشم جو مکہ کا باشندہ ہے۔ اس کا قرضہ فلاں بن فلاں الحمیری شخص پر ہے جو صنعا کا رہنے والا ہے۔ یہ چاندی کے ہزار درہم ہیں، جب طلب کیا جائے گا وہ ادا کرے گا۔ خدا اور دو فرشتے اس کے گواہ ہیں۔

اس سے پتا چلتا ہے رسول اللہ ﷺ کے دادا جان حضرت عبد المطلب لکھنا پڑھنا جانتے تھے تبھی تو آپ نے یہ دستاویز تحریر فرمائی اور دوسری بات یہ پتا چلتی ہے کہ آپ موحد تھے اسی لیے اللہ تعالیٰ کی ذات کی گواہی تحریر کی۔ اگر آپ موحد نہ ہوتے تو ،لات و منات و عزیٰ کا ذکر کرتے جیسا کہ مکہ کے مشرک کیا کرتے تھے۔ پس اس عبارت سے آپ کا خواندہ اور موحد ہونا ثابت ہوتا ہے۔

علامہ بلاذری قریش کی خواندگی کے بارے میں تصریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"آنحضرت ﷺ کی جب بعثت ہوئی تو قریش میں ۱۷ لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابو عبیدہ، حضرت طلحہ، حضرت زید، ابو حذیفہ، ابو سفیان، شفاء بنت عبد اللہ رضی اللہ عنہم وغیرہ تھے۔"(2)

---

(1) الفہرست، ص۱۷

(2) فتوح البلدان، بلاذری، علامہ ابو الفضل احمد بن یحیی، مطبوعہ یورپ، ذکر خط، ص ۴۷۱

علامہ بلاذری کی تحریر سے واضح ہوتا ہے کہ پڑھے لکھے لوگوں نے اسلام کی دعوت کو جلدی قبول کیا۔ گویا عالم و جاہل کا فرق یہاں سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ قریش کے ۱۷ لوگوں میں سے زیادہ نے اوائل میں ہی اسلام قبول کر لیا اور باقی جو رہ گئے انہوں نے بھی بعد میں اسلام قبول کر لیا۔

طبقات ابن سعد میں بھی قریش کی خواندگی کا ذکر ہے کہ:

> ”معرکہ بدر میں قریش کے جو لوگ گرفتار ہوئے ان سے فدیہ لیا گیا۔ لیکن بعض ایسے تھے جو مفلسی کی وجہ سے فدیہ ادا نہ کر سکے۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ ہر شخص دس دس بچوں کو اپنے ذمہ لے کر ان کو لکھنا سکھا دے۔ چنانچہ حضرت زید بن ثابت جو کاتبِ وحی ہیں، انہوں نے اسی طرح لکھنا سیکھا تھا۔“[1]

قریش جس خط سے شناسا تھے وہ خط حمیری و نابتی تھا۔ پھر بعد میں یہ خط مختلف اشکال میں بدلتا ہوا آج اس رسم الخط میں موجود ہے۔ اس خط کی ابتدا کہاں سے ہوئی؟ اس خط کا خالق کون تھا؟ اور یہ اسم الخط کیسے ارتقائی منازل طے کرتا ہوا موجودہ صورت حال تک پہنچا؟ اس کے متعلق بہت ساری متفرق روایات ہیں۔ ان تمام روایات کو نقل کرنے کے بعد علامہ شبلی لکھتے ہیں:

> ”ان تمام روایتوں میں سے جو قرین قیاس ہے، وہ روایت ہے، جو ابن ندیم نے عمرو بن شبہ کی کتاب ”مکہ“ سے نقل کی ہے، یعنی سب سے پہلے عربی خط ایک شخص نے ایجاد کیا جو بنو مخلد بن نضر بن کنانہ کے خاندان سے تھا اور غالباً یہ وہ زمانہ ہے جب قریش نے عروج حاصل کر لیا تھا اور تجارت کے ذریعے بیرونی ممالک میں آمد و رفت رکھتے تھے۔“[2]

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات تو ثابت ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں اہل عرب کے ہاں لکھنے پڑھنے کا خاصہ رواج پڑ چکا تھا، البتہ یہ امر ابھی بحث طلب ہے کہ کیا آپ ﷺ کے زمانہ میں احادیث قلمبند ہوئی تھیں اور کیا سیرت کا کوئی تحریری مسودہ بھی موجود تھا کہ نہیں؟ احادیث طیبہ کے بارے میں تو بہت سارے شواہد ملتے ہیں کہ ان کو لکھنا شروع کر دیا گیا تھا۔ کتابی شکل تو عہد نبوی میں نہیں ملتی مگر بہت سارے اصحاب نے اپنے پاس احادیث لکھ کر کسی نہ کسی طریقے سے محفوظ کر رکھی تھیں۔

جیسا کہ سیدنا ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

> ”صحابہ کرامؓ میں مجھ سے زیادہ کسی کے پاس احادیث محفوظ نہیں تھیں البتہ عبد اللہ بن عمرو بن

---

(1) الطبقات الکبریٰ، ابنِ سعد، محمد الزہری، بیروت: دار صادر، ۱۹۵۷ء، ج ۲، ص ۲۲

(2) سیرت النبی، ج ۱، ص ۳۹

العاص رضی اللہ عنہ مستثنیٰ ہیں کیونکہ وہ آنحضرت ﷺ کی احادیث لکھ لیا کرتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا۔"(1)

اس سے پتا چلتا ہے کہ احادیث مبارکہ کو آنحضرت ﷺ کے حیات طیبہ میں ہی لکھنا شروع کر دیا گیا تھا۔ اور اس میں یہ امر مصدقہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے عہد میں باضابطہ طور پر کوئی تحریر سیرت کے عنوان سے نہیں لکھی گئی۔ ہاں البتہ نبی کریم ﷺ کی حیات اقدس کے بارے میں سیرت کی ذیلی مباحث کسی نہ کسی طرح سے کہیں کہیں تحریر کی جاچکی تھیں۔ ان سب کی تفصیل ذیل میں بیان کی گئی ہے۔

سیرت نگاری کے ابتدائی دور میں تین عہد شامل ہیں۔

۱۔ عہد نبوی ﷺ ۲۔ عہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ۳۔ عہد تابعین و تبع تابعین رحمہم اللہ

سیرت نگاری کا یہ ابتدائی دور تقریباً تیسری صدی ہجری کے آخر تک ہے۔ اس دور کی سیرت نگاری کو بالترتیب ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ عہد نبوی میں سیرت نگاری

نبی کریم ﷺ کے معمولات کا صحابہ کرامؓ بغور مشاہدہ کرتے اور فرامین رسول ﷺ کو اچھی طرح حفظ کرتے اور آنحضرت ﷺ کے اقوال و فرامین آپ ﷺ کی موجودگی میں ہی ضبط تحریر میں لائے گئے۔ صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کے شمائل، فضائل اور خصائل کو تحریر کرتے۔ عہد رسالت میں مکمل طور پر جامع سیرت نگاری سامنے نہیں آئی کہ جس میں سیرتِ طیبہ کے سارے واقعات ایک جگہ جمع ہوں، تاہم کافی حد تک سیرت کے واقعات جمع ہو چکے تھے جو کہ احادیث کے مجموعہ سے ملتی ہیں۔ جن میں شاہانِ عالم کو لکھے گئے خطوط کا تذکرہ، اسلام کی پہلی مردم شماری جس کے تحت صحابہ کرام کے نام قلمبند کروائے گئے، خطبات مکہ و حجۃ الوداع، معاہدات جو طے ہوئے ان کی تفصیل، یہ ساری تفصیلات سیرت النبی ﷺ کا حصہ ہیں جو کہ عہد نبوی میں ہی تحریر کروائے گئے۔ جن میں سے درج ذیل شواہد قابل ذکر ہیں:

۱۔ نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر اپنا دیا گیا خطبہ، ایک صحابی ؓ کی فرمائش پر تحریر کرنے کا حکم دیا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ یمن سے آئے ہوئے ایک صحابی ابو شاہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میرے لیے یہ خطبہ لکھوا دیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا" اکتبوا لابی شاہ" ابو شاہ کو لکھ کر دے دو۔ پس

---

(1) صحیح بخاری، کتاب العلم، باب کتابۃ العلم، حدیث نمبر ۱۱۳، ج ۱، ص ۳۴

صحابہ کرام نے ابو شاہ کو لکھ کر دے دیا۔[1]

۲۔ نبی کریم ﷺ نے اہلِ یمن کو حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے ذریعے فرائض، سنن اور دیات کے احکام لکھ کر بھجوائے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کے معمولات بھی شامل تھے[2]

۳۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ کی قوم کو دیت کے احکام لکھ کر روانہ فرمائے۔[3]

۴۔ رسول اللہ ﷺ نے کسریٰ و قیصر، نجاشی اور دیگر اپنے ارد گرد کے بادشاہوں اور سرداروں کے نام اسلام کی دعوت پر مبنی خطوط روانہ فرمائے۔[4] ان میں سے بعض خطوط آج بھی محفوظ ہیں۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے جو خط قیصر روم کو لکھا تھا اس کا متن یہ ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

''مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ، إِلَى هِرَقْلَ عَظِيمِ الرُّومِ، سَلاَمٌ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الهُدَى، أَمَّا بَعْدُ: فَإِنِّي أَدْعُوكَ بِدِعَايَةِ الإِسْلاَمِ، أَسْلِمْ تَسْلَمْ، وَأَسْلِمْ يُؤْتِكَ اللَّهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ، فَإِنْ تَوَلَّيْتَ، فَعَلَيْكَ إِثْمُ الأَرِيسِيِّينَ-''

محمد رسول الله[5]

۵۔ ہجرتِ مدینہ کے فوراً بعد میثاقِ مدینہ تحریر ہوا جو کہ مسلمانوں، یہودیوں اور دیگر غیر مسلموں کے درمیان تھا۔[6]

۶۔ چھ ہجری میں صلح حدیبیہ ہوا جو کہ ایک تحریری صلح نامہ مسلمانوں اور قریشِ مکہ کے مابین تھا۔[7]

۷۔ اللہ کے رسول ﷺ نے بہت لوگوں کو امان نامے لکھ کر دیے جیسا کہ امام بخاری روایت کرتے ہیں،

---

(1) صحیح مسلم، القشیری، مسلم بن الحجاج، کتاب الحج، باب تحریم مکہ و تحریم صیدھا، حدیث نمبر ۱۳۵۵، کراچی: قدیمی کتب خانہ، ۱۹۵۶ء، ج۱، ص۴۳۸

(2) سنن نسائی، النسائی، احمد بن شعیب، کتاب القسامۃ والقود والدیات، باب عقل الاصابع، حدیث ۴۸۴۶، لاہور: مکتبہ السّلفیہ، س ن، ج۲، ص۲۴۷

(3) الاحادیث المختارہ (کتاب الھادی) مقدسی، ابو عبد اللہ محمد عبد الواحد الحنبلی، مکہ مکرمہ: المکتبہ النہضہ الحدیثہ، ۱۴۱۰ھ، ج۸، ص۸۵

(4) مکتوباتِ نبوی، رضوی، مولانا سید محبوب، لاہور: یونائیٹڈ آرٹ پرنٹر، ۱۹۸۸ء، ص۳۰۵

(5) صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب دعا النبی ﷺ الناس، حدیث نمبر ۲۹۴۰، ج۴، ص۴۵

(6) الروض الانف، السہیلی، عبد الرحمٰن بن عبد اللہ، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۷ء، ج۲، ص۳۴۶

(7) صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب صلح حدیبیہ، حدیث نمبر ۱۷۸۴، ج۲، ص۱۰۴

مدینہ ہجرت کے موقع پر آپ ﷺ نے عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ سراقہ بن مالک کو امان نامہ لکھ کر دو۔[1]

۸۔ نبی کریم ﷺ نے ملکِ نجد کے سردار ثمامہ بن اُثال کو حکم نامہ بھیجا کہ تم مکہ والوں کا اناج بند نہ کرو۔[2]

۹۔ آپ ﷺ نے مدینہ طیبہ میں مردم شماری کا کام بھی تحریری صورت میں کرایا، جس میں پندرہ سو افراد کے نام تحریر کئے گئے۔[3]

۲۔ عہد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سیرت نگاری

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین دورِ رسول ﷺ سے متعلقہ معلومات و احکام کو ایک جگہ اکٹھا ہی ذکر کرتے اور الگ الگ عنوان کے تحت نہ لکھتے تھے۔ صحابہ کرام نے عہد نبوی میں لکھے ہوئے احوالِ رسول (جو کہ سیرت طیبہ کے بنیادی ماخذ ہیں) سے متعلقہ سرمائے کو محفوظ رکھنے کی پوری کوشش کی اور بہت سے صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کے فرامین یا احوال کو تحریر کرنے کی طرف توجہ دی اور کئی ممتاز صحابہ نے صحیفے یا مجموعے مرتب کیے۔ آپ ﷺ کے زمانہ میں جو چیزیں بھی لکھوائی گئیں وہ علم حدیث کا بھی جُز ہیں اور سیرت کا جز بھی ہیں۔ مثلاً میثاق مدینہ وہ اہم ترین چیز ہے جس کو صحابہ کرامؓ نے نبی کریم ﷺ کے کہنے پر قلمبند کیا۔ اس کا مکمل متن کتب سیر اور بعض کتب احادیث میں موجود ہے۔ جبکہ مختصر تذکرہ احادیث کی ساری کتابوں میں موجود ہے۔ میثاق مدینہ ایک ایسی دستاویز ہے جو کہ سیرت طیبہ کے اہم ترین واقعات میں سے ہے۔ اسی طرح اور دیگر گئی ایک ایسی چیزیں ہیں جو کہ احادیث و سیرت کے موضوعات میں سے ہیں۔ جو زیادہ مشہور ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کتاب پانچ سو احادیث کا مجموعہ تھی۔[4]

۲ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے دیت کے متعلق احکام اور مدینے کے حرم ہونے کے بارے میں بیان پر صحیفہ مرتب کیا تھا۔[5]

۳۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے صحیفے کا نام "الصادقہ" ہے۔ اس صحیفے میں اتنی کثرت سے احادیث تھی کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عبد اللہ بن عمرو کے پاس مجھ سے زیادہ احادیث ہیں کیونکہ وہ لکھ

---

(1) صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب ہجرۃ النبی والصحابہ الی المدینہ، حدیث نمبر ۳۹۰۶، ج۱، ص ۵۵۴

(2) زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، ابن قیم، حافظ محمد بن ابی بکر الجوزی، بیروت: مؤسسہ الرسالہ، ۱۹۹۶ء، ج۳، ص ۲۴۸

(3) صحیح بخاری، کتاب الجہاد، باب کتابۃ الامام الناس، حدیث نمبر ۳۰۶۰، ج۱، ص ۴۳۰

(4) معرفۃ علوم الحدیث، نیشاپوری، محمد بن عبد اللہ الحاکم، بیروت: المکتب البخاری للنشر والتوزیع، س ن، ص ۲۳۸

(5) صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، باب مایکرہ من التعمق، حدیث نمبر ۷۳۰۵، ج۲، ص ۱۰۸۴

لیا کرتے تھے۔ اس صحیفہ میں کئی موضوعات ایسے ہیں جو کہ سیرت پاک سے متعلق ہیں۔[1]

۴۔ حضرت براء بن عازب الانصاری رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ آپ صرف مغازی اور سیرت کے متعلق املا کرایا کرتے تھے۔ ابو اسحاق ان کے شاگرد تھے جنہوں نے ان سے ساری معلومات لے کر ان کے سارے مجموعے کو مرتب کیا۔ چلتے چلتے یہ مرتبہ امام بخاری تک پہنچا جسے آپ نے اپنی صحیح میں محفوظ کر لیا۔ صحیح بخاری میں مغازی و سیرت کے بارے میں بہت ساری روایات ایسی ہیں جو کہ براء بن عازب رضی اللہ عنہ اور ابو اسحاق سے منقول ہیں۔

۵۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے غزوات اور سیرت کے بارے میں بہت زیادہ تحریر کر رکھا تھا۔ آپؓ کی تحریروں کا وزن ایک گدھے کے بوجھ کے برابر تھا جو کہ آپ کے شاگرد کریب کے پاس تھیں۔ آپ تفسیر و حدیث کے ساتھ ساتھ مغازی و سیرت کے بارے میں بھی معلومات تابعین تک پہنچایا کرتے تھے۔ غزوات و سیرت کے بارے میں آپکی یادداشتیں اور نوٹس مقدار میں اتنے زیادہ تھے کہ لوگ ان کے بارے میں کہا کرتے تھے '' وکان عندہ حمل بعیر '' ان کے پاس ایک اونٹ کے وزن کے برابر یادداشتیں تھیں۔[2]

۶۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث آپ کے شاگرد نے آپ کے کہنے پر لکھیں جس کا نام ہمام تھا اور اس صحیفے کا نام ''صحیفہ ہمام'' ہے۔[3]

۷۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہی مجموعہ تیار کر لیا تھا جس سے وہ بعد میں اپنے شاگردوں کو تعلیم دیا کرتے تھے۔[4]

۸۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے جو احادیث کا مجموعہ تیار کیا تھا وہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے حفظ کر رکھا تھا۔[5]

۳۔ عہد تابعین و تبع تابعین رحمہم اللہ میں سیرت نگاری

عہد تابعین و تبع تابعین رحمہم اللہ میں سیرت نگاری اور مغازی کی الگ الگ شناخت بنی۔ انہیں کے دور میں مغازی اور سیر پر باضابطہ کتب تحریر کی گئیں جن میں سے بہت سی کتب ناپید ہیں جو کہ ہم تک نہیں پہنچی۔ البتہ ان کتب کے حوالے متاخرین سیرت نگار کی کتب میں ملتے ہیں۔ ہم تک جو پہنچی ان میں ابنِ اسحاق کی مغازی و سیرت کی کتاب، واقدی کی مغازی اور ابنِ سعد کی طبقات ہیں۔ اس عہد کے معروف اصحاب المغازی والسیر درج ذیل ہیں:

---

(1) صحیح بخاری، کتاب العلم، باب کتابت العلم، حدیث نمبر ۱۱۳، ج۱، ص ۳۴

(2) الطبقات الکبریٰ، ج۵، ص ۲۹۳

(3) فتح الباری، کتاب الایمان والنذر، ج۱، ص ۳۱۱

(4) المستدرک علی الصحیحین، حاکم، ابو عبد اللہ محمد نیشاپوری، کتاب معرفۃ الصحابہ، ذکر انس بن مالک، بیروت: دار الکتب العربی، ج۳، ص ۵۷۹

(5) الطبقات الکبریٰ، ج۷، ص ۲۲۹

۱۔ حضرت امام علی بن حسین رضی اللہ عنہ (زین العابدین) م ۹۵ھ تابعین میں انتہائی قابل احترام نام ہے۔ آپؒ نے اپنی یاداشت کے لیے سیر و مغازی کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا۔ واقدی نے اس کے بارے میں وضاحت کی ہے اور ابن کثیر نے بھی البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے اپنی یاداشت کے لیے سیرت اور مغازی کے موضوعات پر مشتمل ایک مجموعہ مرتب کیا تھا اور جس طرح سے وہ قرآن پاک کی تلاوت کیا کرتے تھے اسی طرح اُس سیرت و مغازی کے مجموعہ کی تلاوت بھی کیا کرتے تھے۔

۲۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ [1] بعض محققین کے نزدیک سب سے پہلے مغازی اور سیرت پر لکھنے والے ہیں۔ آپ نے علم سیرت و مغازی پر ایک مجموعہ مرتب کیا۔ جس سے آپ کے شاگردوں نے استفادہ کیا۔ بعض میں خلفاء اور دیگر حضرات کے کہنے پر آپ نے اپنا مجموعہ ایک سے زائد مرتبہ مرتب کیا۔ آپ کے اپنے ہاتھ سے لکھا ہوا نسخہ دستیاب نہیں ہے البتہ آپ نے اپنے شاگردوں کو جو املا کرائی تھی وہ سب محفوظ ہے۔ شاگردوں کا لکھا ہوا مجموعہ مشہور مؤرخین اسلام طبری، ابن سعد اور واقدی تک پہنچا۔ انہوں نے اس مجموعے کو اپنی اپنی تصنیف میں درج کیا۔[2]

۳۔ ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ [3] حدیث، فقہ اور مغازی کے عالم تھے۔ آپؒ نے اپنی مغازی مرتب کر کے ۸۲ھ میں خلیفہ سلیمان بن عبد الملک کو پیش کی۔ آپ کے مجموعے کا نام مغازی ابان بن عثمان ہے۔ آپ اس کی املا اپنے شاگردوں کو کروایا کرتے تھے۔ طلباء نے اس کتاب کے نسخے تیار کر رکھے تھے۔

۴۔ عامر بن شراحیل رضی اللہ عنہ [4] کی پیدائش اور پرورش صحابہ کرام کے دور میں ہوئی۔ علمی اعتبار سے اپنے زمانے کے امام اور علامہ تھے۔ قرآن و حدیث، فقہ و مغازی، ریاضی و ادب اور شاعری میں انہیں یکساں دسترس حاصل تھی۔ آپ خلافت دمشق کی طرف سے سفیر بن کر قسطنطنیہ گئے تھے۔ آپ کی علمیت کا اندازہ اس قول سے لگائیں کہ آپ خود فرماتے ہیں:

''مَا سَمِعْتُ مُنْذُ عِشْرِيْنَ سَنَةً رَجُلاً يُحَدِّثُ بِحَدِيْثٍ إِلاَّ أَنَا أَعْلَمُ بِهِ مِنْهُ''[5]

---

(1) حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ م ۹۴ھ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کے صاحبزادے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے تھے۔ خاندان نبوت سے قرابت آپ کو نفع دے گئی جس کی وجہ سے آپ کو معلومات دیگر کی نسبت زیادہ تھیں.

(2) کشف الظنون، چلپی، حاجی خلیفہ مصطفٰی بن عبد اللہ، باب المیم، علم المغازی والسیر، تہران: مکتبۃ الاسلامیہ، ۱۳۷۸ھ، ج ۲، ص ۱۷۴۶

(3) ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ م ۱۰۵ھ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں۔

(4) شعبی، عامر بن شراحیل م ۱۰۹ھ کی پیدائش اور پرورش صحابہ کرام کے دور میں ہوئی۔ علمی اعتبار سے اپنے زمانے کے امام اور علامہ تھے۔

(5) سیر اعلام النبلاء، الذہبی، علامہ شمس الدین، مصر: المکتبۃ التوفیقیہ، ۲۰۱۴ء، ج ۴، ص ۴۸۵

یعنی میں نے بیس سال کے عرصہ میں کسی سے کوئی ایسی نئی حدیث نہیں سنی کہ اسے بیان کرنے والے سے زیادہ واقف نہ رہا ہوں۔

فن مغازی و سیرت میں آپ کو اس درجہ واقفیت تھی کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ گو میں ان غزوات میں بذاتِ خود شریک تھا مگر یہ مجھ سے زیادہ ان حالات کو جانتے ہیں۔

۵۔ وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ[1] نے مغازی پر تحریری سرمایا جمع کیا۔ محدثین کے ہاں آپؒ نہایت ثقہ راوی اور وسیع عالم ہیں۔ ان کی مرتب کی ہوئی کتاب کا ایک نسخہ جو ان کی وفات کے سو سال بعد ۲۲۸ھ میں لکھا گیا تھا جرمنی کتب خانہ میں موجود بتایا جاتا ہے۔[2]

۶۔ عاصم بن عمر رضی اللہ عنہ بن قتادہ رضی اللہ عنہ م ۱۲۱ھ دمشق کی جامع مسجد میں حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کے حکم سے غزوات اور مناقب کا درس دیتے تھے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے مغازی کے فن پر خصوصی توجہ دی اور حکم دیا کہ غزوات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص حلقۂ درس قائم کیا جائے۔ اس سے لوگوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے معاملات پتا چلتا ہے۔[3]

۷۔ شرحبیل بن سعدؒ م ۱۲۳ھ مدنی ہیں اور سو سال سے زائد آپ نے عمر پائی۔ آپ نے تدوین سیرت میں نمایاں کام کیا۔ یہاں تک کہ سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ مغازی اور اصحابِ بدر کے حالات کا ان سے بہتر جاننے والا اور کوئی نہ تھا۔[4]

۸۔ محمد بن مسلم بن شہاب زہریؒ م ۱۲۴ھ عہد تابعین کے بہت بڑے فقیہ اور محدث تھے۔ آپ احادیث اور روایات اکھٹی کرنے کے لیے مدینہ منوّرہ میں ایک ایک انصاری کے گھر جاتے اور جوان یا بوڑھا مرد جو بھی مل جاتا یہاں تک کہ پردہ نشین عورتوں سے بھی جا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و احوال دریافت کرتے۔ بعض اہلِ علم کے نزدیک آپ کی کتاب المغازی اپنے فن کی اوّلین تصنیف ہے۔[5]

---

(1) وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ م ۱۱۴ھ یمنی تھے۔ آپ ہمام بن منبہؒ کے چھوٹے بھائی ہیں جو کہ علم حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے۔ ہمام بن منبہ نے احادیث جمع کیں اور وہب بن منبہ نے سیرت اور مغازی کے متعلق روایات جمع کیں۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۸۵)

(2) کشف الظنون، ج ۲، ص ۱۷۴۶

(3) تہذیب التہذیب، حافظ احمد بن حجر، بیروت: دار احیاء التراث العربی، ۱۹۹۳ء، ج ۳، ص ۳۹

(4) ایضاً، ج ۲، ص ۴۸۷

(5) الرسالۃ المستطرفہ البیان مشہور کتب السنۃ المشرفۃ، کتانی، محمد بن جعفر، کراچی: نور محمد اصح المطابع، ۱۹۶۰ء، ص ۸۹

۹۔ عبد اللہ بن ابی بکرؒ[1] نے ایک کتاب "کتاب المغازی" تحریر کی تھی۔[2]

۱۰۔ موسیٰ بن عقبہؒ م ۱۱۴ھ نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا تھا اور امام زہریؒ کے تلامذہ میں سے تھے۔[3]

آپؒ کی مغازی کے بارے میں امام مالکؒ نے تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا

"علیکم بمغازی موسیٰ بن عقبه فانه ثقة"[4]

یعنی موسیٰ بن عقبہ کی مغازی کو لازم پکڑو اس لیے کہ وہ ثقہ ہیں۔

۱۱۔ ہشام بن عروہ م ۱۴۶ھ مدینہ میں پیدا ہوئے اکابر صحابہ میں انہوں نے عبد اللہ بن عمر کو دیکھا تھا، فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے اور میرے بھائی محمد کو ابن عمر کے پاس بھیجا گیا، انہوں نے گود میں بٹھا کر ہمارا بوسہ لیا۔ سیرت کے ذخیرہ روایات میں ان کا بہت بڑا حصہ شامل ہے جن کو وہ اپنے باپ عروہ بن زبیرؓ کے واسطہ سے حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں۔[5]

۱۲۔ محمد بن اسحاق بن یسارؒ م ۱۵۱ھ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو بھی دیکھا تھا۔ سیر و مغازی میں ان کے اساتذہ عاصم بن عمر، عبد اللہ بن ابی بکر اور امام زہری وغیرہ ہیں۔ آپ نے سیرت و مغازی کے بارے میں اتنی واقفیت بہم پہنچائی اور اپنے علم کو اتنا وسیع کیا کہ خود ان کے استاد امام زہری ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ " هذا اعلم الناس بها "یعنی میرا یہ شاگرد اس مضمون کا سب سے بڑا عالم ہے۔ آپ کی کتاب المغازی کا زیادہ حصّہ اپنی صحیح اور مدون شکل میں بعد میں آنے والوں تک پہنچا ہے۔[6]

۱۳۔ معمر بن راشدؒ م ۱۵۳ھ کوفی ہیں۔ سیر و مغازی میں مہارت رکھتے تھے۔ ان سے عبد الرزاق نے بھی روایت کی ہے اور ایک کتاب المغازی ان کی طرف بھی منسوب ہے۔[7]

۱۴۔ ابو معشر عبد الرحمٰن بن ولید السندی المدنیؒ م ۱۷۰ھ ہشام بن عروہ کے شاگرد تھے۔ امام ثوری اور

---

(1) عبد اللہ بن ابی بکرؒ م ۱۳۵ھ حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے پوتے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قرابت دار تھے۔ (طبقات ابن سعد، ج۲، ص۱۵)

(2) تدوین سیر و مغازی، مبارک پوری، قاضی اطہر، لاہور: دار النوادر، ۲۰۰۵ء، ص۱۹۱، ۱۹۰

(3) تہذیب التہذیب، ج۵، ص۵۷

(4) الجرح والتعدیل، رازی، عبد الرحمٰن بن حاتم محمد بن ادریس التیمی، بیروت: دار احیاء التراث، ۱۹۵۲ء ج۸، ص ۱۵۴

(5) تاریخ بغداد، خطیب بغدادی، ابو بکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مہدی، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۷ھ، ج۱۴، ص ۳۸

(6) میزان الاعتدال، ج۳ ص ۲۶۹

(7) الفہرست، ص۱۳۸

واقدی نے ان سے روایت کیا ہے۔ ان کی کتاب المغازی دستیاب نہیں ہے۔ ان کی شہرت کی وجہ حوادث و سیر جاننے کے حوالے سے تھی۔ (1)

۱۵۔ ابو عبد اللہ محمد بن عمر الواقدیؒ م ۲۰۷ھ کو بطور سیرت نگار زبردست شہرت حاصل ہوئی۔ واقدی نے اپنی تصنیف میں روایات کا انبار لگا دیا۔ محدثین نے واقدی کو جھوٹا کہا ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ واقدی کی تمام تصانیف جھوٹ کا انبار ہیں مگر اس کے باوجود وہ مغازی، سیرت اور فتوحات و احکام اور اخبار کا بڑا عالم تھا۔ (2)

۱۶۔ ابو محمد عبد الملک بن ہشام م ۲۱۸ھ کی کتاب "السیرۃ النبویہ" ہر دور میں متداول رہی محفوظ شکل میں بعد والوں تک پہنچی۔ ابن ہشام نہایت ثقہ عالم اور مستند مورخ تھے۔ انہیں انساب، لغت اور قواعد میں مکمل مہارت حاصل تھی۔ (3)

ابن ہشام نے ابن اسحاق کی کتاب المغازی کی کانٹ چھانٹ کی اور کمزور روایات کو خارج کیا، کچھ اضافے کئے اور اس کتاب کو نئی ترتیب دے کر اس کا نام رسول اللہ ﷺ کی سیرت کی کتاب رکھا۔ (4)

۱۷۔ محمد بن سعد بن منیع م ۲۳۰ھ کو واقدی کا کاتب کہا جاتا ہے۔ واقدی کے علاوہ بھی آپ نے حجاز و بغداد میں جا کر بڑے بڑے علماء و محدثین سے استفادہ کیا۔ ان کو سیرت اور تاریخ میں مہارت تھی۔ ان کی کتاب کا نام "طبقات ابن سعد" ہے۔ اس کتاب میں سیرت رسول کے ساتھ صحابہ و تابعین کے احوال بھی ذکر ہیں۔ سیرت کے علاوہ طبقات الرجال پر ان کی مستند تصانیف "طبقات الکبریٰ اور طبقات الکبیر" شہرہ آفاق کتب ہیں۔ آپ کے شاگردوں میں "بلاذری" جو کہ مشہور مؤرخ ہیں۔ (5)

خلاصہ بحث

اس بحث کا ماحاصل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے معمولات کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بغور مشاہدہ کرتے اور فرامین رسول ﷺ کو اچھی طرح حفظ کرتے اور آنحضرت ﷺ کے اقوال و فرامین آپ ﷺ کی موجودگی میں ہی ضبط تحریر میں لائے گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے شمائل، فضائل اور خصائل کو تحریر کرتے۔ عہد رسالت میں مکمل طور پر جامع سیرت نگاری سامنے نہیں آئی کہ جس میں سیرتِ طیبہ کے سارے واقعات ایک جگہ جمع

---

(1) الفہرست، ص ۱۳۶

(2) ایضاً، ص ۱۴۴

(3) کشف الظنون، ج ۲، ص ۷۹۷

(4) ابجد العلوم، قنوجی، صدیق بن حسن، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۷۸ء ج ۲، ص ۳۳۱

(5) طبقات الحفاظ، سیوطی، جلال الدین عبد الرحمٰن، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۳ھ، ج ۱، ص ۱۸۶

ہوں، تاہم کافی حد تک سیرت کے واقعات جمع ہو چکے تھے جو کہ احادیث کے مجموعہ سے ملتی ہیں۔ جن میں شاہانِ عالم کو لکھے گئے خطوط کا تذکرہ، اسلام کی پہلی مردم شماری جس کے تحت صحابہ کرام کے نام قلمبند کروائے گئے، خطبات مکہ وحجۃ الوداع، معاہدات جو طے ہوئے ان کی تفصیل، یہ ساری تفصیلات سیرت النبی ﷺ کا حصہ ہیں جو کہ عہد نبوی میں ہی تحریر کروائے گئے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین دورِ رسول ﷺ سے متعلقہ معلومات واحکام کو ایک جگہ اکٹھا ہی ذکر کرتے اور الگ الگ عنوان کے تحت نہ لکھتے تھے۔ صحابہ کرام نے عہد نبوی میں لکھے ہوئے احوالِ رسول (جو کہ سیرت طیبہ کے بنیادی ماخذ ہیں) سے متعلقہ سرمائے کو محفوظ رکھنے کی پوری کوشش کی اور بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کے فرامین یا احوال کو تحریر کرنے کی طرف توجہ دی اور کئی ممتاز صحابہ نے صحیفے یا مجموعے مرتب کیے۔ آپ ﷺ کے زمانہ میں جو چیزیں بھی لکھوائی گئیں وہ علم حدیث کا بھی جُز ہیں اور سیرت کا جز بھی ہیں۔ مثلاً میثاق مدینہ وہ اہم ترین چیز ہے جس کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم ﷺ کے کہنے پر قلمبند کیا۔ اس کا مکمل متن کتب سیر اور بعض کتب احادیث میں موجود ہے۔ جبکہ مختصر تذکرہ احادیث کی ساری کتابوں میں موجود ہے۔

عہد تابعین و تبع تابعین میں بھی مغازی و سیر پر سیر حاصل کام ہوا تھا۔ یوں تو بہت سے اصحاب کا نام اس عظیم علمی کارنامے کی خدمات کے حوالے سے آتا ہے مگر وہ لوگ جن کا کام آج محفوظ ہے اور لوگ اس سے اکتساب فیض کر رہے ہیں ان میں سے چند سر فہرست ہیں۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ہیں جو کہ سب سے پہلے مغازی و سیرت پر لکھنے والے ہیں۔ آپ کے مرتبہ سے بعد میں آپ کے شاگردوں نے استفادہ کیا اور وہی معلومات طبری، ابن سعد اور واقدی تک پہنچی۔ وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ نے بھی مغازی و سیرت پر کام کیا ہے۔ ان کی مرتب کی ہوئی کتاب کا ایک نسخہ جو ان کی وفات کے سو سال بعد ۲۲۸ھ میں لکھا گیا تھا جرمنی کتب خانہ میں موجود بتایا جاتا ہے۔ اس کے بعد امام زہری کا نام نمایاں ہیں جو کہ پردہ نشین عورتوں سے بھی جا کر نبی کریم ﷺ کے احوال جمع کیا کرتے تھے اور بعض کے نزدیک ان کی تصنیف فن مغازی کی اوّلین کتاب ہے۔ ان کے شاگرد موسیٰ بن عقبہ تھے جن کی مغازی کے متعلق امام مالکؒ نے بھی تاکید کی تھی، آپ کا بھی مغازی و سیرت میں بڑا نام ہے۔ ابو عبد اللہ محمد بن عمر الواقدی کا بھی سیرت نگاری میں بڑا نام ہے۔ اس نے اپنی تصنیف میں روایات کا انبار لگا دیا تھا۔ بے شک یہ مغازی، سیرت اور فتوحات واخبار کا بڑا عالم تھا۔ ابن ہشام نے ابن اسحاق ہی کی کتاب المغازی کی کانٹ چھانٹ کی اور کمزور روایات نکال کر اس کو نئی شکل دے کر اس کا نام "السیرہ النبویہ" رکھا۔ یہی وہ عظیم لوگ ہیں جنہوں نے سیرت نگاری کی ابتداء کی اور ان سے پھر بعد میں آنے والے متأخرین علمائے سیرت نے استفادہ کر کے بڑی بڑی تصانیف تیار کیں ہیں۔

مبحث دوم: متأخرین علمائے سیرت

متاخرین سیرت نگاروں نے سیرت طیبہ پر کئی اہم کتب تالیف کی ہیں۔ ان کی کتب کا مرجع وماخذ متقدمین کا علمی سرمایا ہی ہے۔ جن کو شرح کے طور پر جدید انداز میں پیش کیا گیاہے۔ متأخرین کی جن کتب کو زیادہ قبولیت حاصل ہوئی ہے وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ شرف المصطفیٰ

یہ آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے اور حافظ ابو سعید عبد الملک بن ابی عثمان محمد بن ابراہیم نیشاپوری کی تصنیف ہے جن کا سنِ وفات ۴۰۶ھ ہے۔ آپ ثقہ عالم اور پرہیز گار انسان تھے۔ آپ کی اس تصنیف کا حوالہ اکثر حافظ ابن حجر ''اصابہ'' میں ذکر کرتے ہیں۔ (1)

۲۔ جوامع السیر

یہ ایک مختصر مگر جامع کتاب ہے۔ اس کے مصنف ابو محمد علی بن احمد المعروف ابنِ حزم ظاہری ہیں۔ ان کا سنِ وفات ۴۵۶ھ ہے۔ اپنے وقت کے عظیم علماء میں ان کا شمار ہے۔ ان کی دیگر مشہور تصانیف میں ''المحلی'' اور '' الفصل فی الملل والأھواء والنحل'' وغیرہ ہیں۔ (2)

۳۔ الدرر فی اختصار المغازی والسیر

یہ ایک مختصر تصنیف ہے۔ اس کے مصنف ابو عمر یوسف بن عبد اللہ المعروف ابنِ عبد البر القرطبی ہیں۔ ان کا سنِ وفات ۴۶۳ھ ہے۔ اختصار کی وجہ کمزور اور ضعیف روایات کو ترک کرنا ہے۔ (3)

۴۔ کتاب الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ

اس کے مصنف ابو الفضل قاضی عیاض بن موسیٰ مالکیؒ ہیں۔ ان کا سنِ وفات ۴۷۶ھ ہے۔ آپؒ اپنے دور کے عظیم محدث، امام اور علم نحو، صرف، لغت، تاریخ اور انساب کے بڑے عالم تھے۔ آپؒ کی کثیر تصانیف میں سے سب سے زیادہ مشہور ''کتاب الشفاء'' ہے۔ جسے بعض تذکرہ نگار موضوع اور ضعیف روایات کے حوالے سے تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ (4)

---

(1) سیرت النبی، ج۱، ص۳۸

(2) تذکرۃ الحفاظ، ذہبی، شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان، بیروت: مؤسسہ الرسالہ، ۱۴۱۳ھ، ج۳، ص۱۱۴۶۔۱۱۵۲

(3) الدرر فی اختصار المغازی والسیر، ابن عبد البر، حافظ یوسف، قاہرہ: دار المعارف، ۱۴۰۳ھ، ص۲۷

(4) تذکرۃ الحفاظ، ج۴، ص۱۳۰۵

۵۔ الروض الأنف

یہ ابو القاسم عبد الرحمٰن بن عبد اللہ السہیلی کی تالیف ہے۔ ان کا سنِ وفات ۵۸۱ھ ہے۔ آپ ایک نابینا جید عالم تھے اور اپنے زمانے کے اکابر محدثین میں سے ہیں۔ آپ کی کتاب "الروض الأنف" سیرتِ ابن ہشام کی شرح ہے۔[1]

۶۔ سیرت گازرونی

یہ شیخ ظہیر الدین علی بن محمد گازرونی کی تصنیف ہے۔ ان کا سنِ وفات ۶۹۴ھ ہے۔ بمبئی کے کتب خانہ جامع مسجد میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے۔[2]

۷۔ سیرت دمیاطی

یہ حافظ عبد المومن دمیاطی کی تالیف ہے۔ ان کا سنِ وفات ۷۰۵ھ ہے۔ کتاب کا اصل نام "المختصر فی سیرۃ سید البشر" ہے۔ اکثر کتابوں میں اس کے حوالے آتے ہیں۔ سو صفحات پر مشتمل کتاب ہے جو کہ پٹنہ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔[3]

۸۔ عیون الاثر فی فنون المغازی والسیر

اس کتاب کے مصنف کا نام ابو الفتح محمد بن محمد المعروف ابنِ سید الناس ہے اور ان کا سنِ وفات ۷۳۴ھ ہے۔ ابن سید الناس مشہور اندلسی عالم ہیں۔ آپ نے سند کا اہتمام کر کے سیرت کے واقعات نقل کئے ہیں اور معتبر و مستند روایات اکٹھی کی ہیں۔ جس سے جو نقل کیا ہے اس کی سند بھی نقل کی ہے۔[4] اس کے قلمی نسخہ کی جلد دوم کلکتہ کے کتب خانہ میں ہے۔[5]

۹۔ نور النبراس

اس کتاب کے مصنف کا نام ابراہیم بن محمد ہے۔ یہ دو ضخیم جلدوں پر مشتمل عیون الاثر کی شرح ہے۔ اصل نام "نور النبرس فی سیرۃ ابن سید الناس" جو کہ مفید معلومات اور حقائق کا گنجینہ ہے۔[6]

---

(1) تذکرۃ الحفاظ، ج۴، ص۱۳۴۹

(2) سیرت النبی، ج۱، ص۵۲

(3) ایضاً

(4) شذرات الذھب، ابو الفتح، ابن العماد الحنبلی، بیروت: المکتبہ الاسلامیہ، ۱۹۷۹ء، ج۶، ص۱۰۸

(5) سیرت النبی، ج۱، ص۵۳

(6) شذرات الذھب، ج۶، ص۱۰۹

۱۰۔ زاد المعاد فی ھدی خیر العباد

یہ ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر الزرعی الدمشقی المعروف حافظ ابنِ قیم الجوزی کی تصنیف ہے۔ ان کا سنِ وفات ۷۵۱ھ ہے۔ ابن قیم الجوزی اپنے دور کے بڑے محدث اور جید عالم تھے۔ آپ نے اپنی کتاب میں واقعات کے ساتھ ساتھ احکام و مسائل پر بھی بحث کی ہے۔[(1)]

۱۱۔ الزھر الباسم

یہ علاؤالدین مغلطائی کی تالیف ہے۔ ان کا سنِ وفات ۷۶۳ھ ہے۔ آپ نے سیرت ابنِ ہشام اور روض الانف کو بھی اپنی تصنیف میں شامل کر کے ایک جامع کتاب "الزھر الباسم" تیار کی۔[(2)]

۱۲۔ السیرۃ النبویہ

اس کتاب کے مصنف کا نام ابو الفداء حافظ اسماعیل بن کثیر ہے۔ ان کا سنِ وفات ۷۷۴ھ ہے۔ یہ کتاب "البدایہ والنہایہ" کا حصہ ہے۔[(3)]

۱۳۔ الشھاب

سیرت النبی ﷺ پر تیس جلدوں پر مشتمل یہ ایک جامع تصنیف ہے۔ اس کے مصنف کا نام احمد بن اسماعیل الشافعی الواعظ ہے۔ ان کا سنِ وفات ۸۳۵ھ ہے۔ آپ نے ابن اسحاق کی سیرت، ابن کثیر کی البدایہ، واقدی کی مغازی اور دیگر کتب کو بھی ساتھ شامل کیا ہے۔[(4)]

۱۴۔ امتاع الاسماع بما للنبی من الاحوال والاموال والحفدۃ والمتاع

یہ احمد بن علی المقریزی الحنفی کی تالیف ہے۔ جن کا سنِ وفات ۸۴۵ھ ہے۔ آپ اپنے وقت کے بڑے عالم تھے۔ سیرت پر آپ کی کتب "امتاع الاسماع" اور "کتاب الخیر عن البشر" ہیں۔[(5)]

۱۵۔ المواھب اللدنیہ

یہ ابو العباس احمد بن محمد قسطلانی کی تصنیف ہے۔ آپؒ ایک عظیم محدث تھے۔ آپ کو "ارشاد الساری شرح صحیح بخاری" لکھ کر بہت شہرت حاصل ہوئی۔ سیرت پر " المواھب اللدنیہ " ہے جو کہ خاصی مفصل کتاب

---

(1) الاعلان، سخاوی، محمد بن عبد الرحمٰن، بیروت: دار الکتب العربی، ۱۹۷۹ء، ص ۸۶

(2) ایضاً، ص ۸۸

(3) ایضاً، ص ۹۰

(4) ایضاً

(5) شذرات الذھب، ج ۷، ص ۲۵۵

ہے۔ متاخرین اس تصنیف کا حوالہ اکثر استعمال کرتے ہیں۔ آپ ابن حجر عسقلانی کے ہم مرتبہ ہیں۔ کتب سیرت میں "المواہب اللدنیا" کو خاصی شہرت حاصل ہے۔[1]

۱۶۔ السیرۃ الشامیہ

یہ کتاب محمد بن یوسف الشامی کی ہے۔ آپ کا سنِ وفات ۹۴۲ھ ہے۔ کتاب کا اصل نام "سبل الہدی و الرشاد فی سیرۃ خیر العباد" ہے۔ صحیح روایات کی وجہ سے اس کے حوالے اکثر کتبِ سیر میں نظر آتے ہیں جس کی وجہ سے یہ ایک مستند کتاب ہے۔[2]

۱۷۔ الخمیس فی احوال انفس النفیس

یہ کتاب پانچ حصوں پر مشتمل شیخ حسین بن محمد ایاز بکری کی تصنیف ہے۔ آپ کا سنِ وفات ۹۶۶ھ ہے۔ یہ کتاب تاریخ الخمیس کے نام سے مشہور ہے۔ مصنف نے ایک سو بائیس کتب کے استفادہ سے اس کتاب کو ترتیب دیا ہے۔[3]

۱۸۔ السیرۃ الحلبیہ

کتاب کا اصل نام "انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون" ہے جو کہ علی بن برہان الدین الحلبی کی تالیف ہے۔ آپ کا سنِ وفات ۱۰۴۴ھ ہے۔ سیرۃ الحلبیہ مشہور و معروف اور معتبر کتاب ہے۔ یہ ایک مشہور و متداول کتاب ہے۔[4]

۱۹۔ شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیہ

یہ کتاب المواھب اللدنیہ کی مفصل شرح ہے۔ اس کے مصنف کا نام محمد بن عبد الباقی الزرقانی ہے۔ آپ کا سنِ وفات ۱۱۲۲ھ ہے۔ علامہ زرقانی نے یہ ایک جامع تصنیف تیار کی ہے اور ہر واقعہ سے متعلق مختلف روایات اور ضروری مواد ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔[5]

۲۰۔ السیرۃ الدحلانیہ

یہ کتاب سید احمد الدحلانی المکی کی تالیف ہے۔ ان کا سنِ وفات ۱۳۰۴ھ ہے۔ یہ کتاب کئی بار سیرۃ حلبیہ کے

---

(1) سیرت النبی، ج۱، ص۳۹۹

(2) شذرات، ج۸، ص۲۵۰

(3) تاریخ الخمیس فی احوال انفس النفیس، دیار بکری، حسین بن محمد، مؤسسہ شعبان، بیروت، س ن، ج۱، ص۳

(4) الاعلام، ج۶، ص۳۳۴

(5) ایضاً، ص۱۸۴

ساتھ بھی چھپ چکی ہے اور یہ ایک معروف کتاب ہے۔[1]

خلاصہ بحث

معلوم ہوا کہ سیرت کی تدوین عہد نبوی میں ہی شروع ہوگئی تھی۔ جس کے شواہد مذکورہ بالا بحث میں ذکر کئے گئے ہیں۔ کہ خود نبی کریم ﷺ شاہان عالم کو خطوط بھجوائے اور معاہدات تحریر کئے گئے، احکام وفرمان جاری کئے گئے اور مدینہ طیبہ کی ابتدائی مردم شماری کروائی گئی۔ اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نبی کریم ﷺ کے احکام وفرمان اور شمائل وخصائل لکھ کر محفوظ کئے ہوئے تھے۔ اس سے یہ احباب خود بھی فائدہ اٹھاتے اور آگے تابعین کو بھی انہوں نے علم حدیث کا فیضان پہنچایا۔ صحابہ کرام سے علم حدیث لے کر آگے تابعین وتبع تابعین نے بھی اس کو چار چاند لگا دیئے۔ بعد میں آنے والے ان اصحاب نے باقاعدہ احادیث، سیر ومغازی پر بڑی بڑی تصانیف تیار کی جو کہ آج بھی بنیادی ماخذ کا درجہ رکھتی ہیں۔ اور آج جو سیرت نگاری پر ہزارہا کتب موجود ہیں ان میں ان مذکور الذکر کتب کا کثیر حصہ ذکر ہے۔ اس بحث میں ضروری کتب سیر کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ تفصیل سے اس لیے اجتناب کیا گیا ہے کہ اس سے ہم اپنے موضوع سے دور نکل جاتے ہیں۔

---

(1) السیرہ النبویہ والاثار المحمدیہ المعروف السیرہ الدحلانیہ علی ہامش الحلبیہ، دحلان، احمد زینی، بیروت: المکتبہ الاسلامیہ، ج ا، ص ا

فصل سوم: سیرت نگاری کے اہم اسالیب

سیرت نگاری کے اہم اسالیب

سیرت النبی ﷺ کا احاطہ تحریر میں رقم ہونا اور رہتی دنیا تک کے لوگوں کے لیے محفوظ ہو کر سامانِ رُشد و ہدایت بن جانا نبی کریم ﷺ کا معجزہ ہے۔ جس طرح کائنات میں امام الانبیاء ﷺ کی سیرت پاک کو مختلف النوع اسالیب اختیار کر کے محفوظ کیا گیا ہے اس طرح کسی بھی ذات کے احوال کو رقم بند نہیں کیا گیا۔ سیرت کی تاریخ میں اگر بغور دیکھا جائے تو کہیں اجمالاً تو کہیں مفصلاً لکھی گئی کتب سیر موجود ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے تو مشاہدات کے بعد آپ ﷺ کے بارے میں لکھا مگر کسی خاص اسلوب یا عنوان کے تحت نہیں بلکہ سیرت النبی ﷺ کے متعلق جتنا مواد تھا سب ایک ہی جگہ اکٹھا ذکر کیا۔

متاخرین سیرت نگاروں نے متقدمین کی کتب سے معلومات اخذ کر کے تصانیف تیار کیں۔ جن میں سیرت نگاری کے مختلف اسالیب نظر آئے، کچھ نے منظوم انداز میں سیرت نگاری کی تو بعض نے محققانہ اسلوب اختیار کیا۔ کچھ نے محدثانہ اسلوب اپنایا جبکہ بعض نے ادیبانہ انداز میں نبی کریم ﷺ کے کمالات، معجزات، اوصاف، فضائل، محاسن اور حالات کو قلم بند کیا۔ سیرت النبی کے اسالیب کا سلسلہ لامتناہی ہے یہ کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے۔ کیونکہ نہ تو قرآن صامت کے عجائب و غرائب کبھی ختم ہونگے اور نہ ہی قرآن ناطق کی سیرت کے نئے نئے انداز و پہلو سامنے آنا بند ہونگے۔ بلکہ تا قیامت سیرت طیبہ کی عظمت و معنویت کے نئے نئے پہلو ہمارے سامنے آتے جائیں گے۔ سیرت طیبہ کے اسالیب کے بارے میں اگر دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جملہ اسالیب متعین و قدرے واضح نہیں ہیں کیونکہ سیرت نگاروں نے پہلے کسی اسلوب کو متعین کر کے اور اس کی حد بندی کرتے ہوئے سیرت نگاری نہیں کی بلکہ جیسا کسی کا علمی منہج تھا اسی طرح اس نے سیرت مرتب کی۔ علمائے حدیث نے محدثانہ، علمائے تاریخ نے مؤرخانہ، متکلمین نے متکلمانہ و مناظرانہ اسلوب اختیار کیا۔

علماء نے سیرت نگاری کے بہت سے اسالیب بیان کئے ہیں۔ اگر ان سب کو تفصیل سے ذکر کیا جائے تو موضوع میں غیر ضروری طوالت آ جاتی ہیں اور ہم اصل موضوع سے دور نکل جاتے ہیں۔ سیرت النبی ﷺ کی تاریخ میں اگر طائرانہ نگاہ دوڑائی جائے تو درج ذیل اہم اسالیب سامنے آتے ہیں۔ ان کو الگ الگ ذکر کیا گیا ہے۔

۱۔ محدثانہ اسلوب سیرت نگاری ۲۔ فقیہانہ اسلوب سیرت نگاری ۳۔ مؤرخانہ اسلوب سیرت نگاری

۴۔ مؤلفانہ اسلوب سیرت نگاری ۵۔ محققانہ اسلوب سیرت نگاری ۶۔ مناظرانہ اسلوب سیرت نگاری

ا۔ محدثانہ اسلوب سیرت نگاری

محدثین میں جن حضرات نے سیرت نگاری کا کام کیا، ان میں تمام اکابر محدثین شامل ہیں۔ جن کی عمر کا بیشتر حصہ اور وقت علمِ حدیث پڑھنے پڑھانے میں گزرا۔ انہوں نے علم حدیث کے قواعد اور اصول کو سامنے رکھا اور انہیں اصولوں کے پیشِ نظر مواد کا انتخاب کیا، اس کو ترتیب دیا اور اس کے بعد سیرت کے وقعات و موضوعات کی ترتیب سے اس مواد کو مرتب کر کے جمع کر دیا۔ محدثین نے جو بنیادی اصول مد نظر رکھا وہ یہ ہے کہ جو بات بھی نبی رحمت ﷺ کی طرف منسوب کی جائے وہ مکمل طور پر درست ہو اور اس میں کسی قسم کا ذرہ برابر بھی شک نہ ہو۔ بڑی ہی خوبصورت احتیاط کے ساتھ محدثین نے نبی کریم ﷺ کی سیرت کے واقعات کو جمع کیا ہے۔ کتبِ احادیث میں جتنے بھی مجموعے شامل ہیں سبھی میں نبی رحمت ﷺ کے مبارک خاندان، ازواجِ مطہرات، اصحابِ رسول، جہاد، ہجرت، معجزات، شمائل و خصائلِ نبی اور دیگر سیرت النبی ﷺ کے پہلوؤں پر ابواب موجود ہیں۔ جملہ موضوعاتِ سیرت محدثین نے مختلف ابواب کے تحت ذکر کئے ہیں۔ سیرت النبی ﷺ کے بارے میں جتنا بھی علمی ذخیرہ مستند کتبِ احادیث میں موجود ہے وہ قابل اعتماد ہے کیونکہ اسکی مکمل سند صحت کے ساتھ موجود ہے۔

کتبِ سیر اور احادیث میں فرق:

کتبِ سیر میں موجود واقعات کی تصدیق کتب احادیث سے کی جاتی ہے اور حدیث قرآنِ پاک کے بعد سیرت النبی ﷺ کا دوسرا ماخذ ہے۔ کتبِ احادیث و سیر میں سیرت نگاری کے حوالے سے فرق یہ ہے کہ مثلاً فتح مکہ کے حالات اگر آپ تفصیل سے پڑھنا چاہیں تو وہ تفصیلات آپ کو کتبِ سیر میں ملیں گی جبکہ احادیث کی کتابوں میں صرف کوئی خاص واقعہ ہی مل سکتا ہے اور ایک ہی موضوع پر ایک ہی واقعہ مختلف ابواب میں ملے گا ساری معلومات یکجا نہیں ملیں گی۔ احادیث کی کتابوں کو بطور کتبِ سیر عام لوگوں میں زیادہ مقبولیت حاصل نہیں ہوئی۔ کیونکہ علماء کرام جب حدیث پاک کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان کے لیے سند و متن کوئی نہ سمجھ آنے والی اور دشواری میں پڑنے والی بات نہیں ہے جبکہ ایک عام قاری جب اس اسلوب کا مطالعہ کرتا ہے تو اس کے لیے روایات کا مکرر ہونا اور سند حدیث میں مذکور ناموں کا بار بار آنا ایک دشوار عمل ہے۔ کتب سیر و احادیث میں فرق تو ضرور ہے مگر ابتداء میں یہ ساری معلومات احادیث کے ذخیرہ میں موجود تھیں پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی الگ الگ تقسیم کر دی گئی۔ ایک مسلمہ حقیقت یہ ہے کہ کتب احادیث سیرت طیبہ کا ماخذ ہیں۔

محدثانہ اسلوب پر عربی و اردو میں کئی کتب لکھی گئی ہیں۔ عربی میں "شمائل ترمذی"[1] نمایاں ہے۔ اردو ادب میں بھی اس اسلوب کو اختیار کیا گیا ہے اور ایسی کتب جن میں محدثانہ اسلوب نمایاں نظر آتا ہے وہ یہ ہیں: "سیرۃ المصطفی"[2]"اصح السیر فی ھدی خیر البشر"[3]"الرحیق المختوم"[4]"الصادق الامین"[5]"خصائص النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم"[6] اور "سیرت النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم"[7] ہیں۔

۲۔فقیہانہ اسلوب سیرت نگاری

سیرت نگاری کے اسالیب میں سے ایک فقیہانہ اسلوب ہے۔اس اسلوب سے مراد یہ ہے کہ سیرتِ طیبہ پر اگر روشنی ڈالی جائے تو اس میں بہت سے واقعات ایسے ہیں جو اسلامی قوانین کا ماخذ بھی ہیں۔مثلاً وہ واقعات جن سے فقہی احکام نکلتے ہیں۔اس میں بالخصوص مغازی اور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی مہمات کی تفصیل ہے جن میں کئی واقعات سے فقہی مسائل کا حکم ملتا ہے۔نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے خوب سیکھا اور سفر حج کی ساری روداد جمع کی۔ جب یہ مواد بعد کے لوگوں تک پہنچا تو اس سے تفصیلی احکام مرتب کئے جانے لگے پس جس کو جس انداز سے معلومات تھی اس نے اس انداز سے احکام کا استنباط کیا اور تفصیلات کو اسی انداز سے مدون کیا۔مثلاً حج کی تین مشہور اقسام ہیں۔حج افراد، حج قران اور حج تمتع۔عجب یہ ہے کہ بعض صحابہ کے نزدیک آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حج افراد فرمایا، بعض کے نزدیک حج قران اور بعض کے مطابق حج تمتع ادا فرمایا۔جن فقہانے اپنی تحقیق سے یہ رائے قائم کی کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے قران ادا فرمایا ان میں امام ابو حنیفہؒ ہیں پس انہوں نے حج قران کو افضل قرار دیا۔

امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حج افراد فرمایا اس لیے ان کے ہاں حج افراد افضل ہے۔امام شافعیؒ کے مطابق آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حج تمتع ادا فرمایا لہذا ان کے ہاں حج تمتع افضل ہے۔یہ سب تحقیق کا اختلاف ہے۔یہ سارے مباحث بیک وقت سیرت کے مباحث بھی ہیں۔اس لیے کہ اس میں واقعاتی اعتبار سے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے حج کی تفصیلات سامنے آتی ہیں۔یہ فقہی مسئلہ بھی ہے۔حدیث کا مسئلہ بھی ہے کیونکہ حج کے احکام

---

(1) الشمائل المحمدیہ والخصائل المصطفویہ، الترمذی، ابوعیسی، محمد بن عیسی بن سورۃ بن موسی، مکہ مکرمہ: المکتبہ التجاریہ، ۱۹۹۳

(2) سیرۃ المصطفی، کاندھلوی، مولانا محمد ادریس، لاہور: مکتبہ عثمانیہ، ۱۹۹۲

(3) اصح السیر فی ھدی خیر البشر، داناپوری، حکیم ابوالبرکات عبدالرؤف، کلکتہ: مطبع ستارہ، ۱۹۳۲

(4) الرحیق المختوم، مولانا صفی الرحمن مبارکپوری، لاہور: المکتبہ السلفیہ

(5) الصادق الامین، السلفی، ڈاکٹر محمد لقمان، مظفر گڑھ: الفرقان، س ن

(6) خصائص النبی، حافظ زاہد علی، لاہور: راحت پبلشرز، ۲۰۰۷ء

(7) سیرت النبی، شبلی نعمانی، مولانا، المصباح، اردو بازار، لاہور

سے متعلق احادیث بھی اس میں زیر بحث آتی ہیں۔ یہ سیرت نگاری کا فقیہانہ اسلوب ہے۔ اس پر کافی زیادہ کام ہوا ہے۔

فقیہانہ اور فقہ میں فرق:

فقہ کی تعریف میں علامہ ابن منظور لکھتے ہیں:

لغت میں فقہ سے مراد: "کسی شے کا جاننا اور اُس کی معرفت و فہم حاصل کرنا اور شرعی اصطلاح میں فقہ کا لفظ علمِ دین کا فہم حاصل کرنے کے لئے مخصوص ہے۔"[1]

لہٰذا دین کا علم حاصل کرنا اور احکامِ شریعت کی معرفت حاصل کرنے کو فقہ کہتے ہیں۔ فقیہانہ اسلوب سیرت کے بارے میں محمد علی صلابی لکھتے ہیں:

"اس اسلوب میں واقعات سیرت کا احاطہ کرنے کے ساتھ ساتھ واقعات پر تدبر کرنے کے بعد جو اہم نکات اور احکام و مسائل معلوم ہوتے ہیں، سیرت نگاری کے اس منفرد اسلوب میں ان اہم نکات کو مناسب جگہ دی جاتی ہے۔ اصطلاح میں کتاب سیرت کے ایسے طرز نگارش کو فقیہانہ سیرت نگاری کہا جاتا ہے۔"[2]

فقہ میں مہارت رکھنے والا جب سیرت کا مطالعہ کرتا ہے تو وہ فقہی نگاہ سے واقعات میں تدبر کرتا ہے جس سے نئے نئے عقدے کھلتے ہیں۔ اس اسلوب کی نمائندہ کتاب "زاد المعاد" ہے۔ اس کے مصنف حافظ ابن قیمؒ ہیں۔ مؤلف نے جا بجا رسول اللہ ﷺ کے طریقوں اور سنن کے حوالے سے بھرپور بحث کی ہے اور متعلقہ معاملے کی شرعی حیثیت واضح کرنے کی کوشش کی ہے مثلاً طہارت کے مسائل میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی اجازت کے بارے میں تفصیل سے بحث کرتے ہوئے فیصلہ دیتے ہیں کہ ایسا کرنا کب جائز اور کب ناجائز ہے۔[3] دیگر اور کئی مقامات پر مولف یہی اسلوب اختیار کرتے ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ سیرت نگاری کے دوران ان کے اسلوب پر یہی رجحان غالب رہا ہے۔ اسی طرح اس اسلوب پر "الاساس فی السنۃ وفقہھا"[4] "فقہ السیرۃ النبویۃ"[5] بھی تحریر کی گئی ہے۔

---

(1) ابن منظور، لسان العرب، ج ۱۳، ص ۵۲۲

(2) سیرت النبی، الدکتور علی محمد صلابی، ص ۲۹

(3) زاد المعاد، ج ۱، ص ۲۱۵

(4) الاساس فی السنۃ وفقہھا (السیرہ النبویہ)، حوّی، سعید، دار السلام، ۲۰۱۶

(5) فقہ السیرۃ النبویہ، البوطی، ڈاکٹر محمد سعید رمضان (مترجم: ڈاکٹر محمد رضی الاسلام) لاہور: نشریات، ۲۰۱۰ء

۳۔ مؤرخانہ اسلوب سیرت نگاری

مؤرخانہ اسلوب حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے اختیار کیا۔ آپ حضرت اسماء بنتِ ابی بکرؓ کے پوتے تھے۔ آپ نے سیرت اور مغازی کے واقعات کے بارے میں معلومات کو یکجا اور مرتب کر کے پیش کیا۔ اس چیز کی ضرورت اس وقت محسوس ہوئی جب بعد میں آنے والے اہل اسلام نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جاننے کے لیے کتبِ احادیث کا رخ کرتے تو راویوں کے اسماء کا تکرار، کسی واقعہ کے بارے میں معلومات کا یکجا نا ہونا اور غیر مفصل معلومات سے ان کی تسلی نہ ہوتی۔ ان کی دلچسپی اس بات میں ہوتی کہ پوری معلومات سامنے آ جائیں۔ چنانچہ حضرت عروہ اور دیگر اہلِ علم (جن میں امام زہری، محمد بن اسحاق، واقدی، ابنِ سعد اور ابنِ ہشام ہیں) نے مؤرخانہ اسلوبِ سیرت نگاری کو اختیار کیا۔[1]

اس اسلوب کی مقبولیت کی اصل وجہ یہ تھی کہ جب کوئی آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کچھ جاننا چاہتا تھا مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع میں کیا ارشاد فرمایا اور ارکان حج کس طرح ادا فرمائے اسی طرح کوئی شخص یہ جاننا چاہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے واقعات پڑھنا چاہے تو یہ سب تفصیلات جاننے کے لیے اس کو کوئی دلچسپی نہیں ہوگی کہ ان واقعات کو بیان کرنے میں کن کن راویوں کے نام آتے ہیں یا کس واقعہ کو کس نے کس انداز میں بیان کیا۔ قاری کی دلچسپی صرف اس بات میں ہوگی کہ پوری تفصیلات مل جائیں۔ چنانچہ لوگوں کی اس ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے بعض اہل علم نے مؤرخانہ اسلوب کو اختیار کیا اور تحریریں مرتب کیں۔ اوائل میں محدثین نے اس اسلوب کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا اور اس طرزِ سیرت نگاری کو ناپسند کیا۔ سب سے زیادہ اعتراض حضرت امام احمد ابنِ حنبل نے ابن اسحاق پر کیا۔ جیسا کہ آپ سے ابن اسحاق کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ مجھے ابن اسحاق کی شخصیت سے کوئی اختلاف نہیں مگر انہوں نے روایات کو بیان کرنے کا جو طریقہ کار اختیار کیا ہے مجھے اس سے اختلاف ہے، وہ انداز درست نہیں ہے۔ لیکن بعد میں آنے والوں نے اس اسلوب کو پسند کیا جس کی وجہ سے محدثین کا اعتراض کمزور پڑ گیا اور تیسری صدی ہجری میں آ کر واقدی اور ابن سعد نے اس کو مزید آگے بڑھایا جس کی وجہ سے یہ ایک معروف اسلوب بن گیا۔ اس اسلوب پر عربی میں لکھی گئی "محمد ہاشم ٹھٹوی" کی "بذل القوہ فی حوادث سنی النبوہ"[2] بھی ہے۔

---

(1) سیر اعلام النبلاء، ج۱۸، ص۱۵۳

(2) بذل القوہ فی حوادث سنی النبوہ، ٹھٹوی، محمد ہاشم، اردن: دار الفتح لدراسات والنشر، ۲۰۱۶

۴۔ مؤلفانہ اسلوب سیرت نگاری

یہ اسلوب مؤرخانہ اسلوب کے نتیجہ میں سامنے آیا ہے۔اس اسلوب سے مراد یہ ہے کہ مختلف ماخذ سیرت کو سامنے رکھ کر ایک تصنیفی انداز میں ایک مرتب و مربوط کتاب لکھی جائے۔مؤرخانہ اسلوب سیرت جب زیادہ متعارف ہوا اور اس پر پے در پے کتابیں آنا شروع ہو گئیں تو تیسری صدی کے اٰخیر اور چوتھی صدی کے اوائل میں اس اسلوب پر سیرت نگاروں نے کام کرنا شروع کر دیا۔پھر اس کے بعد سے لے کر آج تک جتنی بھی کتابیں لکھی گئی ہیں یا لکھی جارہی ہیں ان میں اکثر کا اسلوب مؤلفانہ ہے۔علامہ ابن کثیر دمشقی کی تصنیف جو چار جلدوں پر مشتمل ہے اسی اسلوب پر لکھی گئی ہے۔[1] اسی طرح ”سیرت طیبہ مسند امام احمد ابن حنبل کی روشنی میں“[2] اور ”شان حبیب کبریا صحاح ستہ کی روشنی میں“[3] اسی اسلوب پر اردو میں لکھی گئی ہیں اور اکثر کتب سیر کا اب اسلوب یہی ہوتا ہے۔

۵۔ محققانہ اسلوب سیرت نگاری

محققانہ اسلوب سے مراد یہ ہے کہ سیرت نگار مستند ترین ذرائع سے معلومات جمع کرے اور پھر ان کو یکجا کر کے مرتب کرے۔ بعض دفعہ احتیاط کی وجہ سے محققین نے بہت کم معلومات جمع کیں جس کی وجہ سے ان کی تصانیف مختصر ہو گئیں مگر اس کا فائدہ یہ ہوا کہ بعد میں آنے والے اہلِ علم نے ان پر اعتماد کیا۔

محققانہ اسلوب سیرت نگاری کے خصائص مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ محققین صرف مستند مآخذ سے معلومات لیتے ہیں کسی بھی کمزور روایت پر اعتماد نہیں کرتے۔جیسا کہ موسیٰ بن عقبہ کے بارے میں ہے کہ وہ اس قدر تحقیق میں احتیاط کرتے تھے کہ صرف ثقہ راوی سے معلومات لیتے تھے۔ ان کی اسی خوبی کی وجہ سے امام مالکؒ ان کی مغازی کو لازم پکڑنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔اسی طرح ابنِ ہشام کے بارے میں بھی ذکر ہے کہ وہ بھی روایات لینے میں ثقاہت کا خاص خیال کیا کرتے تھے۔

۲۔ محققین تحقیق کے بعد کمزور ثابت ہونے والی آراء پر تنقید کرتے ہیں۔صرف صحیح اور معتبر روایات پر توجہ دیتے ہیں۔جن سیرت نگاروں پر بہت زیادہ تنقید کی گئی ہے ان میں واقدی سرِفہرست ہیں۔کیونکہ محققین نے ثابت کیا ہے کہ وہ کذب وافترا سے کام لیتے ہیں۔[4]

---

(1) السیرہ النبویہ (من البدایہ والنہایہ لابن کثیر)، ابن کثیر، ابو الفداء اسماعیل بن عمر الدمشقی، بیروت: دار، ۱۹۷۶ء

(2) سیرت طیبہ مسند امام احمد ابن حنبل کی روشنی میں، فیضی، مولانا محمد ابراہیم، لاہور: زوار پبلیکیشنز، س ن

(3) شان حبیب کبریا صحاح ستہ کی روشنی میں، عبد الرسول ارشد، لاہور: ضیاء القرآن پبلیکیشنز، ۲۰۰۴

(4) سیر اعلام النبلاء، ج۹، ص ۴۵۴

واقدی پر تنقید کی تفصیل یہ ہے کہ انہوں نے کتاب مغازی میں کئی مقامات پر تضاد سے کام لیا ہے جیسا کہ ایک یہودی کعب ابن اشرف کے قتل کے واقعہ کو نقل کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ ہجرت کے پچیسویں مہینے ربیع الاوّل کی چودہ تاریخ کو نبی رحمت ﷺ نے حضرت محمد بن مسلمہؓ کو کعب بن اشرف کے قتل کے لیے روانہ فرمایا اور روانگی کے وقت آپ ﷺ ان کے ساتھ چل کر بقیع الغرقد تک آئے۔[1] جب کہ دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اس مہینہ کی بارہ تاریخ کو غزوہ ذی امر کے لیے مدینے سے جا چکے تھے۔[2]

مذکورہ بالا تضاد سے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بارہ تاریخ کو مدینے سے جا چکے تھے تو پھر آپ ﷺ چودہ کو مدینے میں ہی محمد بن مسلمہ کے ہمراہ کعب ابن اشرف کے قتل کے لیے روانہ کرتے وقت کیسے موجود تھے؟ واقدی کے اسی طرح کے تضادات کی وجہ سے محققین ان پر اعتراض کرتے ہیں۔ تو گویا محققین کے اس طرز سیرت نگاری کو بھی تسلیم کیا گیا ہے۔ اس اسلوب پر بھی سیرت طیبہ کی بہت ساری کتب ہیں جن میں سے "رسول اللہ کی سیاسی زندگی"[3] "الصادق الامین"[4] "انسان کامل"[5] "سیرۃ الرسول"[6] "عہد نبوی کے میدان جنگ"[7] شامل ہیں۔ اسی طرح دیگر کئی کتب اس اسلوب پر لکھی گئی ہیں۔

۶۔ مناظرانہ اسلوب سیرت نگاری

یہ اسلوب سیرت نگاری بہت بعد میں پیدا ہوا ہے۔ جو کہ مسلمان مسالک کے مابین مناظروں کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ جہاں جہاں مناظرے ہوئے ہیں وہاں وہاں مسلمانوں میں مختلف رائے اور نظریات رکھنے والے لوگوں نے سیرت کے مختلف واقعات کی تعبیر اپنے اپنے نقطہ نظر کے مطابق بیان کی۔ اس اسلوب میں سیرت نگاروں نے اپنے مؤقف کی تائید میں دلائل پیش کئے اور دوسروں کے نقطہ نظر پر تنقید کی۔ امت میں اس اسلوب پر کام بہت بعد میں شروع ہوا ہے۔ اس اسلوب پر کام چار صدیاں گزرنے کے بعد آہستہ آہستہ شروع ہوا مگر اس اسلوب پر زیادہ کام اہل عرب نے نہیں کیا بلکہ برصغیر میں تقریباً ایک صدی سے زائد عرصہ ہو چکا ہے اس اسلوب پر سیرت نگاروں

---

(1) کتاب المغازی، ابو عبد اللہ محمد بن عمر الواقدی، ذکر قتل ابن الاشرف، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۲۰۱۳ء، ج ۱، ص ۱۴۸

(2) ایضاً، ج ۱، ص ۱۹۳

(3) رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی، ڈاکٹر حمید اللہ، لاہور: نگارشات پبلشرز، ۱۹۹۵

(4) الصادق الامین، السلفی، ڈاکٹر محمد لقمان، مظفر گڑھ: الفرقان، س ن

(5) انسان کامل، علوی، ڈاکٹر خالد، لاہور: الفیصل ناشران، ۲۰۰۹

(6) سیرۃ الرسول، القادری، ڈاکٹر محمد طاہر، لاہور: منہاج القرآن پبلیکیشنز، اشاعت نہم ۲۰۰۸

(7) عہد نبوی کے میدان جنگ، ڈاکٹر حمید اللہ، لاہور: ادارہ اسلامیات، ۱۹۸۳

نے کام شروع کیا ہوا ہے۔ مسلمانوں کے ہاں فرقہ پرستی نے جب سے زور پکڑا ہے تب سے اس اسلوب کو سیرت نگاروں نے اختیار کیا ہے جس سے مسلمانوں کے آپس میں اختلافات بہت زیادہ بڑھ گئے ہیں اور ملت اسلامیہ تفریق در تفریق اور تقسیم در تقسیم کا شکار ہوتی چلی جارہی ہے۔ اور فرقہ واریت کی وجہ سے آپس میں ایسے ایسے مسائل پر سوالات اٹھائے گئے جو کہ پچھلی بارہ صدیوں میں نہیں اٹھائے گئے ہیں۔

مذکورہ بالا ہر فرقہ نے اپنے نقطہ نظر کی تائید میں قرآن مجید سے بھی استدلال کیا جو کہ نسبتاً محدود تھا جبکہ سیرت اور احادیث پاک سے زیادہ استدلال کیا۔اس سارے عمل کے نتیجہ میں مناظرانہ اسلوب سامنے آیا۔اس اسلوب سے بالواسطہ طور پر اتنا فائدہ ضرور ہوا ہے کہ سیرت النبی ﷺ کا علم نسبتاً زیادہ عام ہو گیا ہے۔ پس یہ مناظرانہ اسلوب زیادہ پرانا نہیں ہے۔ اس کو تھوڑا عرصہ ہی ہوا ہے منظر عام پر آئے ہوئے البتہ اس سے کچھ اختلافی مسائل پیدا ہوتے ہیں جو اتحاد امت کے لیے نقصان دہ ہیں۔ اس اسلوب پر بہت ساری کتب موجود ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ برصغیر میں جتنی بھی کتب سیرت پر لکھی گئی ہیں ان میں کثیر تعداد ایسی ہے کہ جن میں یہ اسلوب پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ جس بھی سیرت نگار نے کتاب تحریر کی ہے اس نے اختلافی مسائل میں مناظرانہ اسلوب اختیار کیا ہے اور اپنے موقف کو مضبوط کرنے کے لیے دلائل دیئے ہیں۔ "جن میں مقام رسول"[(1)] اور دیگر اختلافی مسائل کو نمایاں کر کے لکھی جانے والی جملہ کتب شامل ہیں۔

۷۔ قرآنی اسلوب سیرت نگاری

سیرت النبی ﷺ کا اصل ماخذ قرآن حکیم ہی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے نبی رحمت ﷺ کا ذکر جمیل بہت ساری جہتوں کے اعتبار سے کیا ہے۔ کہیں نبی کریم ﷺ کے شخصی فضائل و کمالات کا ذکر ہے تو کہیں آپ ﷺ کے اخلاق و کردار کا تذکرہ ہے۔ بہت سارے مقامات پر اللہ تعالیٰ نے جہاں احکامات و تعلیمات کا ذکر کیا ہے وہاں رسول اللہ ﷺ کی اتباع کا حکم دیا ہے۔ اس لیے سیرت النبی ﷺ کے بیان میں قرآن مجید ہی معیارِ اتم ہے۔

جس زمانے میں مستشرقین نے ماخذ سیرت پر اعتراضات وارد کئے اس دور میں بعض اہل علم نے یہ تجویز کیا کہ سیرت پاک کا ایک قرآنی نقشہ پیش کیا جائے تاکہ اس کے مستند ماخذ ہونے میں مستشرقین کو بھی تامل نہ ہو۔ برصغیر میں سب سے پہلے علامہ اقبال نے اس کام میں دلچسپی ظاہر کی۔ اور آپ نے بعض اہل علم ساتھیوں کی توجہ اس طرف مبذول کرائی کہ قرآن مجید کی روشنی میں سیرت طیبہ مرتب کی جائے۔ بہت سارے دوستوں کو آپ نے خطوط لکھے اور کئی لوگوں کو زبانی طور پر بھی کہا۔ آپ کی زندگی میں تو کسی نے اس پر کام نہ کیا مگر علامہ صاحب کے

---

(1) مقام رسول، فیضی، علامہ منظور احمد، لاہور: ضیاء القرآن پبلشرز، ۲۰۰۷

وصال کے بعد مولانا عبد الماجد دریا آبادی نے قرآنی سیرت پر کام کیا۔ ۱۹۵۷ مدراس میں مولانا نے سیرت پر کچھ لیکچرز دیئے جو قرآن مجید کو سامنے رکھ کر سیرت طیبہ کے واقعات کو سمجھنے کی پہلی سنجیدہ کوشش تھی۔ علامہ نے چونکہ قرآن پاک کی تفسیر لکھی ہے اس لیے قرآن پاک پر آپ کو خاصی دسترس حاصل تھی۔ اس لیے آپ کی یہ کاوش ایک خوبصورت اور منفرد ثابت ہوئی۔ آپ کے علاوہ بھی عرب و عجم سے چند اور لوگوں نے اس اسلوب پر کام کیا ہے۔ ان کا ذکر ذیل میں کیا گیا ہے۔ جزوی طور پر قرآن مجید سے حوالوں کا ذکر سبھی سیرت نگاروں نے کیا ہے مگر مستقلاً قرآن حکیم کو ہی ماخذ بنا کر سیرت النبی ﷺ کو بیان کرنا بہت تھوڑے لوگوں نے ایسا کیا ہے۔ ان کی تصانیف کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ مولانا عبد الماجد دریا آبادی نے قرآن مجید سے سیرت النبی ﷺ پر کچھ لیکچرز دیئے ہیں۔[1]

۲۔ مولانا عبد الماجد دریا آبادی کے معاصر عرب عالم محمد عزت دروزہ نے بھی قرآن حکیم کی روشنی میں سیرت پر دو کتابیں لکھی ہیں۔ ایک کا نام ''عصر النبی ﷺ'' اور دوسری کا نام '' سیرت رسول ﷺ صو ر مقتسبة من القرآنالکریم '' ہے۔[2]

۳۔ ڈاکٹر محمد ابو شہبہ نے قرآنی سیرت کے حوالے سے دو جلدوں پر مشتمل کتاب ''السیرة النبویة فی ضوءِ القرآن و السنة ''[3] مرتب کی ہے۔

۴۔ علامہ عبد العزیز عرفی نے قرآن کریم کی ترتیبِ نزولی کے اعتبار سے سیرت رسول ﷺ کو مرتب کیا ہے۔ ان کی کتاب ''جمال مصطفٰی'' چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے قرآن، حدیث اور سیرت تینوں کو یکجا کر کے پیش کیا ہے۔[4]

۵۔ ڈاکٹر عبد الغفور راشد نے ''سیرت رسول ﷺ قرآن کے آئینے میں'' تصنیف کی ہے۔ مصنف نے ایک اچھی کتاب مرتب کی ہے اور حتی المقدور قرآن حکیم کے ہی موضوعاتِ سیرت پر بحث کی ہے۔[5]

۶۔ حسن کامل المطاوی کی ''رسول الله فی القرآن الکریم'' ایک اچھی تصنیف ہے۔ یہ سیرت پاک پر جامع

---

(1) سیرت نبوی قرآنی، دریابادی، عبد الماجد، مولانا، لاہور: ندیم یونس پرنٹر، طبع دوم ۱۹۸۵ء

(2) سیرت رسول ﷺ صور مقتسبہ من القرآن الکریم، محمد عزت دروزہ، بیروت: منشورات المکتبہ العصریہ، ۱۹۸۰ء

(3) السیرہ النبویہ فی ضوءِ القرآن والسنہ، ڈاکٹر، محمد ابو شہبہ، دمشق: دار القلم، طبع ثانیہ ۱۹۹۲ء

(4) جمال مصطفٰی، عرفی: عبد العزیز، علامہ، کراچی: کیلانی پبلشرز، ۱۹۸۳ء

(5) سیرت رسول قرآن کے آئینے میں، عبد الغفور راشد، ڈاکٹر، لاہور: نشریات، ۲۰۰۶ء

کتاب تو نہیں ہے مگر کافی حد تک رسول اللہ ﷺ کے بارے میں قرآنی معلومات یکجا کی گئیں ہیں۔[1]

۷۔ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان حیدر آبادی نے قرآنی سیرت کے حوالہ سے ایک تصنیف مرتب کی ہے جس کا نام "ہمہ قرآن در شان محمد" ہے۔ ہر سورت کا الگ الگ جائزہ لے کر بتایا ہے کہ یہ سیرت کے کون سے پہلو پر روشنی ڈالتی ہے۔

۸۔اہلیہ ڈاکٹر سہراب انور نے مختصر مگر خوبصورت کاوش کی ہے۔ آپ کی اس کتاب کا نام "صاحب قرآن بنگاہ قرآن" ہے۔ یہ ۲۰۰ صفحات پر مشتمل تصنیف ہے جس میں قرآن مجید کی روشنی میں آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ کے چند پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا ہے۔

۹۔ڈاکٹر سید محمد ابو الخیر کشفی نے قرآنی سیرت پر "حیات محمد قرآن کے آئینے میں" تحریر کی ہے۔

مذکورہ بالا کتب میں اکثر ناچیز کے کتب خانہ میں موجود ہیں۔اس انداز پر لکھی گئی ایک بھی کتاب نہیں ہے جیسا کہ میرے تحقیقی مقالہ میں مواد ہے اور ہر ایک کا انداز دوسرے سے جدا ہے کوئی کسی کی نقل نہیں ہے۔ پس ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ پر مختلف اسالیب اختیار کر کے سیرت کی کتب مرتب کی گئی ہیں۔ اپنے پرائے سب نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ جس انداز سے کائنات میں آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ کو قلمبند کیا گیا ہے ایسی شان و عظمت نہ پہلے کسی کو ملی ہے نہ آئندہ ملے گی۔ کسی نے آپ ﷺ کی سیرت پاک نثر کی صورت میں مرتب کی، کوئی منظوم انداز میں حیات طیبہ کا نقشہ کھینچ رہا ہے، کسی نے اجمالاً تو کسی نے مفصلاً سیرت پاک پر روشنی ڈالی۔ گویا ہر کوئی شان و عظمتِ رسالت مآب ﷺ کو اجاگر کرنے کی سعی میں ہے۔ اس فصل میں چند اہم اسالیب محدثانہ، فقیہانہ، مؤرخانہ، مؤلفانہ، محققانہ، مناظرانہ اور قرآنی اسلوب سیرت نگاری بیان کئے گئے ہیں جبکہ متکلمانہ، ادیبانہ اور دیگر کئی اور اسالیب پر بھی لکھا جا سکتا ہے جن سے سیرت پاک کے اس باب میں اسالیب سیرت نگاری کا مزید تعارف پیش کیا جا سکتا ہے۔ اختصار کی وجہ یہ ہے کہ آگے مزید تفصیلات سے ہم اپنے اصل موضوع سے دور نہ نکل جائیں۔ لہذا چند اہم اسالیب کو ذکر کیا گیا ہے جس سے ثابت ہوا کہ نبی کریم ﷺ کی سیرت نگاری پر مختلف اسالیب اختیار کر کے ہر دور میں تصانیف کا سلسلہ جاری رہا جو کہ آج بھی جاری و ساری ہے اور آگے بھی نئی جہتوں کے ساتھ یہ سلسلہ بڑھتا رہے گا۔

---

(1) رسول اللہ فی القرآن الکریم، المطاوی، حسن کامل، القاہرہ: دار المعارف، ۱۹۷۲ء

فصل چہارم: ماٰخذ سیرت

مبحث اول: قرآن حکیم

سیرت نگاروں نے بہت سارے مصادر کو سامنے رکھ کر کتبِ سیر کو مرتب کیا ہے۔اس اعتبار سے ماٰخذِ سیرت بہت زیادہ ہیں، مثلاً قرآن حکیم، دیگر الہامی کتب، احادیثِ نبویہ، کتبِ سیر و مغازی، کتبِ تاریخ، کتبِ فقہ، کتبِ ادب اور کتب الرجال وغیرہ ہیں۔ ہم یہاں صرف چند اہم ماٰخذ ذکر کریں گے۔

سیرت النبی ﷺ کا اصلی بنیادی ماخذ قرآن مجید ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے بارے میں بہت سارے اہم واقعات کہیں صراحتاً تو کہیں اشارۃً بیان فرمائے ہیں۔ مشہور حدیثِ پاک ہے کہ ایک دفعہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کریمہ کے بارے میں پوچھا تو سیدہ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

« فَإِنَّ خُلُقَ نَبِيِّ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ الْقُرْآنَ »(1)

رسول اللہ ﷺ کے وہی اخلاق تھے جو قرآن کریم بیان کرتا ہے۔

قرآن کریم نے آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے بہت سارے پہلوؤں کی وضاحت کی ہے۔ جیسے آپ ﷺ کی ابتدائی زندگی، تلاشِ حق، بعثت، نزولِ وحی، دعوت و تبلیغ، کفار کی دشمنی، اسلام کی فتح، معراج و اسراء کا واقعہ، ہجرتِ مدینہ کا ذکر، غزوات کا ذکر، فتح مکہ کا ذکر، دیگر معجزات و فضائل و محاسن کا ذکر اور عائلی زندگی کا ذکر قرآن حکیم میں موجود ہے۔ اسی وجہ سے جملہ سیرت نگاروں نے قرآنِ حکیم کو سیرت کا پہلا بنیادی ماخذ تسلیم کیا ہے۔ قرآن حکیم کو بنیادی ماخذ تسلیم کر لینے کے باوجود قرآنی سیرت پر اتنا کام نہیں ہو سکا جتنا ہونا چاہیے تھا۔

اس بات کا اظہار علامہ ابوالکلام آزاد نے بھی کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ”جہاں تک مجھے معلوم ہے آج تک کبھی اس کی کوشش نہیں کی گئی کہ صرف قرآن حکیم میں دائرہ اسناد و اخذ محدود رکھ کر ایک کتاب سیرت میں مرتب کی جائے“(2)

رسول اللہ ﷺ کی قرآنی سیرت کی اہمیت کا ذکر و اعتراف صرف مسلمان سیرت نگاروں نے ہی نہیں کیا بلکہ غیر مسلم سیرت نگاروں نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ سر ولیم میور لکھتے ہیں:

> ”قرآن کی اس خصوصیت میں قطعاً کوئی مبالغہ نہیں کہ محمد ﷺ کی سیرت اور اسلام کی ابتدائی تاریخ معلوم کرنے کے لیے اس میں بنیادی باتیں موجود ہیں اور محمد ﷺ کی زندگی کے تمام تحقیق طلب امور، اس کے ذریعے صحت کے ساتھ جانچے جاسکتے ہیں۔ چنانچہ ہمیں محمد ﷺ کے

---

(1) صحیح مسلم، کتاب صلوۃ المسافرین، باب جامع صلوۃ اللیل، حدیث نمبر ۷۴۶، ج۱، ص ۵۱۲

(2) رسول رحمت، ابوالکلام آزاد، شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز، لاہور، ص ۱۸

مذہبی خیالات، ان کے پبلک افعال اور ان کی نجی زندگی کے متعلق تمام مواد قرآن میں مکمل طور پر مل جاتا ہے۔ محمد ﷺ کی سیرت اور ان کا کردار معلوم کرنے کے لیے قرآن ایک ایسا شفاف آئینہ ہے جس میں ہمیں سب کچھ صاف صاف نظر آجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائی مسلمانوں میں یہ بات ضرب المثل کے طور پر مشہور تھی کہ آپ ﷺ کی سیرت "قرآن" ہے۔"(1)

میرے مقالہ کا موضوع ہی "قرآن حکیم ماخذ سیرت طیبہ" ہے۔ اس لیے اگلے ابواب میں ساری اسی موضوع کے بارے میں تفصیلات بیان ہیں۔ مگر یہاں میں چند مثالیں ایسی قرآنِ حکیم سے پیش کروں گا جو سیرت النبی ﷺ کے کسی نہ کسی موضوع سے متعلق ہوں، وہ درج ذیل ہیں:

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی رحمت ﷺ کے مزاج واخلاقِ کریمہ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ﴾(2)

(اے رسول ﷺ) پس اللہ تعالیٰ کی کیسی رحمت ہے کہ آپ ان کے لیے کتنے نرم مزاج ہیں اور اگر آپ تند خُو، سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے گرد سے چھٹ کر بھاگ جاتے پس آپ ان سے در گزر فرمایا کریں اور ان کے لیے بخشش مانگا کریں اور معاملات میں ان سے مشورہ کیا کریں پھر جب آپ پختہ ارادہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا کریں بے شک اللہ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

اس مذکورہ بالا آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے اخلاق کریمہ کا ذکر فرمایا ہے کہ آپ ﷺ نرم مزاج ہیں۔ اسی وصف کریمانہ کی وجہ سے لوگ آپ ﷺ کی طرف قلبی رغبت رکھتے ہیں اگر آپ ﷺ نرم دل کے مالک نہ ہوتے تو لوگ کبھی بھی آپ ﷺ کی طرف متوجہ نہ ہوتے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں نبی رحمت ﷺ کا مومنوں پر حد درجہ شفیق و مہربان ہونے اور ان کی ہدایت کے لیے حریص ہونے کا ذکر کرتے ہوئے یوں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ

(1) The life of Mohammad: Sir William Muir.(Introduction), p.28.

(2)آل عمران:159

رَحِيمٌ﴾[1]

بے شک تمہارے پاس تم میں سے (باعظمت) رسول تشریف لائے، تمہارا تکلیف و مشقت میں پڑنا ان پر سخت گراں گزرتا ہے۔ وہ تمہارے لیے (بھلائی اور ہدایت کے) بڑے آرزو مند رہتے ہیں اور مومنوں کے لیے نہایت ہی شفیق بے حد رحم فرمانے والے ہیں۔

جس بہترین کردار و اخلاق کو اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا ہے اسی کو امت کے لیے بہترین نمونہ بھی قرار دیا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نبی رحمت ﷺ کے اسوہ حسنہ کو اُمت کے لیے بہترین نمونہ قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾[2]

بے شک یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ کی ذاتِ اقدس) میں نہایت ہی حسین نمونہ ہے

اسی طرح اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت اور دیگر جن صفات حمیدہ سے آپ ﷺ کو متصف فرما کر بھیجا، ان کا ذکر بھی قرآن حکیم میں بیان فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًاOوَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا﴾[3]

اے نبی (ﷺ) بے شک ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، گواہیاں دینے والا اور خوشخبریاں سنانے والا اور تنبیہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے، اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف دعوت دینے والا اور منّور کرنے والا آفتاب بنا کر بھیجا ہے۔

اس آیت کریمہ میں آپ ﷺ کی نبوت، رسالت، شہادت، بشارت اور انذار کا ذکر فرمایا ہے۔ ایسے ہی نبی کریم ﷺ کے منصب نبوت اور بعثت کی حکمت کو بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے کہ ہم نے رسول کو کیوں تمہارے پاس بھیجا ہے اور آپ ﷺ تمہارے پاس کیا تعلیمات لے کر آئے ہیں۔ اور نبی ﷺ کا انداز تبلیغ کیا ہے؟ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ﴾[4]

(1) التوبہ:۱۲۸

(2) الاحزاب:۲۱

(3) ایضاً:۴۵۔۴۶

(4) الجمعہ:۲

وہی ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں انہی میں سے ایک (عزت والا) رسول (ﷺ) کو بھیجا ہے، وہ ان پر اس کی آیات تلاوت کرکے سناتے ہیں۔ اور ان کا تزکیہ کرتے ہیں اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں بے شک وہ لوگ اِن (کے تشریف لانے) سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی ذات پاک اور ازواج مطہرات کی شان وفضیلت کو قرآن مجید میں بیان کیا ہے اور ازواج مطہرات کو مومنوں کی مائیں قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ﴾(1)

یہ نبی (ﷺ) مومنوں کے ساتھ ان کی جانوں سے زیادہ قریب اور حق دار ہیں اور آپ کی ازواج مومنوں کی مائیں ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کے معاملات بطورِ معلم ذکر کئے ہیں اور ساتھ ہی متعلمین مؤدبین جو بارگاہِ مصطفوی سے فیضیاب ہوئے ہیں ان کی کامیابی کا ذکر یوں بیان فرمایا ہے:

﴿الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾(2)

جو اس رسول کی پیروی کرتے ہیں جو امی ہیں جن کے کو وہ لوگ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، جو انہیں اچھی باتوں کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں اور ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو حرام کرتے ہیں اور ان سے ان کے بارگراں اور طوق جو ان پر تھے، ساقط فرماتے ہیں، پس جو لوگ ان پر ایمان لائیں اور ان کی تعظیم وتوقیر کریں گے اور ان کی مدد ونصرت کریں گے اور اس نور کی پیروی کریں گے جو ان کے ساتھ اتارا گیا ہے وہی لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں۔

قرآن مجید میں آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کے حوالے سے بہت زیادہ تذکرہ ملتا ہے۔ یہ تذکرہ گو کہ اجمالی صورت میں ہے مگر آپ ﷺ کی سیرت سے آگاہی حاصل کرنے میں بڑی رہنمائی عطا کرتا ہے۔ جس کی چند مثالیں میں مذکورہ بالا بحث میں ذکر کر چکا ہوں۔ اب صرف اجمالاً نظر ڈالیں گے کہ قرآن مجید آنحضرت ﷺ کی حیات

---

(1) الاحزاب:٦

(2) الاعراف:١٥٧

طیبہ کے کس کس پہلو کو بیان کرتا ہے، جیسا کہ قرآن مجید نے آپ ﷺ کو دعائے خلیل[1] و نوید مسیحا[2] بھی کہا۔ آپ ﷺ کے اسمائے ذاتیہ اسم محمد ﷺ[3] و احمد ﷺ[4] کو بیان کیا ہے۔ اور صفاتی طور پر مزمل[5] مدثر[6] یٰسین[7] طٰہٰ[8] نبی امی[9] شاہد[10] مبشر[11] نذیر[12] داعی الی اللہ[13] سراج منیر[14] منذر[15] ہادی[16] معلم کتاب و حکمت[17] نور[18] رسول صادق[19] اللہ رب العزت کی برہان[20] حاکم برحق[21] سراپا ہدایت[22] رحمۃ للعالمین[23] رؤف ورحیم[24] صاحب خُلق عظیم[25] عبداللہ[26] اول المسلمین[27] خاتم النبیین[28] صاحب کوثر[29] محبوب رب العالمین[30] ممدوح ملائکہ[31] اور رسول اللہ[32] بھی کہا گیا ہے۔ قرآن پاک میں امام الانبیاء ﷺ کی حیات طیبہ کے چند اور پہلوؤں کا ذکر بھی ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ کی حیات طیبہ قبل از بعثت[33] منصب نبوت کا ذکر[34] ابتداء وحی[35] مشرکین مکہ کو تبلیغ دین[36] اور پھر دعوت حق میں مشکلات کا سامنا[37] قریش کی مخالفت و ایذا رسانی[38] حتی کہ آپ ﷺ کے قتل کا ارادہ[39] سفر معراج[40]

1-البقرۃ:۱۲۹	2-الصف:۶	3-الفتح:۲۹	4-الصف:۶
5-المزمل:۱	6-المدثر:۱	4-یٰسین:۱	8-طٰہٰ:۱
9-الاعراف:۱۵۸	10-الاحزاب:۴۵	11-ایضاً	12-ایضاً
13-الاحزاب:۴۶	14-ایضاً	15-الرعد:۷	16-ایضاً
17-آل عمران:۴۶	18-المائدہ:۱۵	19-النساء:۱۷۰	20-النساء:۱۷۴
21-النساء:۱۰۵	22-النحل:۲۷	23-الانبیاء:۱۰۷	24-التوبہ:۱۲۸
25-القلم:۴	26-بنی اسرائیل:۱	27-الانعام:۱۶۲	28-الاحزاب:۴۰
29:الکوثر:۱	30-الاحزاب:۵۶	31-ایضاً	32-الاعراف:۱۵۸
33-العنکبوت:۴۸	34-آل عمران:۱۶۴	35-العلق:۱تا۵	36-المائدہ:۶۷
37-الانعام:۱۰۶تا۱۰۷	38-الانعام:۳۳تا۳۵	39-الانفال:۳۰	40-بنی اسرائیل:۱

اور سعادت مند روحوں کا قبول اسلام[1] ہجرت حبشہ[2] ہجرت مدینہ[3] قیامِ غار ثور[4] مدینہ طیبہ میں بسنے والے جملہ قبائل کا اخلاق و کردار اور آنحضرت ﷺ کا ان سے سلوک[5] درسگاہ صفہ میں تربیت پانے والے اصحاب رسول[6] مسجد ضرار کا انہدام[7] مسجد قبا کی تعمیر[8] تحویل قبلہ[9] غزوہ بدر[10] غزوہ احزاب[11] غزوہ حنین[12] غزوہ تبوک[13] بیعت رضوان[14] صلح حدیبیہ[15] فتح مکہ[16] حجۃ الوداع[17] کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ قرآن مجید نے آپ ﷺ کی ازدواجی زندگی کے بارے میں بھی بیان کیا ہے۔[18] اسی طرح آنحضرت ﷺ کی معاشرتی زندگی[19] اخلاق و عادات[20] ازواج رسول کا مقام[21] آپ ﷺ کا ان سے عمومی و استثنائی رویہ[22] واقعہ تحریم[23] سیدہ زینب کی حضرت زیدؓ سے طلاق اور آپ ﷺ سے نکاح[24] واقعہ افک اور سیدہ عائشہؓ کی برات[25] مباہلہ کا ذکر[26] آپ ﷺ کے ساتھیوں کا ذکر[27] اور دشمنان رسول کے لیے وعید[28] بے دینوں کے آپ ﷺ پر اعتراضات کا ذکر[29] اور جواباً کی صفات حمیدہ کا تذکرہ[30] کفار مکہ کے معجزات طلب کرنے پر اللہ تعالیٰ کا ان کو جواب[31] شق قمر کے معجزہ کا ذکر[32] (اس معجزہ کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک یہ آپ ﷺ کے ہاتھوں ظاہر ہو چکا ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ قرب قیامت میں ظاہر ہو گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ اس کی تفصیل معجزات کے باب میں آگے آئے گی) بشریت مصطفیٰ کا ذکر[33] شرح صدر[34] آپ ﷺ کی پیشن گوئی کے سچ ہونے کی گواہی کا بیان جیسا کہ اہلِ مکہ کو آنحضرت ﷺ نے نافرمانی کرنے پر قحط میں مبتلا ہونے کی بد عادی تھی[35] رومیوں پر ایرانیوں کے غلبہ پانے کی پیشن گوئی کا ذکر آپ ﷺ کا مکہ میں امن سے داخلے والے خواب کا ذکر بھی موجود ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کے اخلاق و آداب، شجاعت و استقامت، ایثار و سخاوت، صبر و درگزر، حق و صداقت[36]

1- الانعام:۵۲	2- النحل:۴۱	3- التوبہ:۴۰	4- ایضاً
5- التوبہ، البقرۃ اور المنافقون کی متعدد آیات	6- البقرۃ:۲۷۳	7- التوبہ:۱۰۷ تا ۱۱۰	8- التوبہ:۱۰۸
9- البقرۃ:۱۴۴	10- آل عمران:۱۲۳	11- الاحزاب:۹ تا ۲۰	12- التوبہ:۲۵-۲٦
13- ایضاً:۱۱۷ تا ۱۲۳	14- الفتح:۱۸-۱۹	15- ایضاً:۲ تا ۲۷	16- بنی اسرائیل:۸۱
17- المائدہ:۳	18- الاحزاب:۲ تا ۵۱	19- آل عمران واحزاب کی متعدد آیات	20- آل عمران واحزاب آیات
21- الاحزاب:۳۰ تا ۳۴	22- التحریم:۳ تا ۵	23- ایضاً:۱-۲ تا ۱۸	24- الاحزاب:۳۷
25- النور:۱۱	26- آل عمران:٦۴	27- التوبہ:۴۰ تا ۵ ۴٦	28- لہب:۱
29- سبا:۴٦	30- الطور:۲۹	31- الاعراف:۲۰	32- القمر:۱ تا ۳
33- الکہف:۱۱۰	34- الم نشرح:۱-۲	35- الدخان:۱۰ تا ۱۱٦	36- الروم:۲ تا ۴

قیادت وسیادت، بصیرت و حسن تدبر، رحم دلی وشفقت، احسان و مروت، عبادت و ریاضت، رشد و ہدایت، عدل و مساوات، فیاض و فراخ حوصلگی، عسکری صلاحیت، بشریت وعبودیت، اور خلق خدا سے محبت وخیر خواہی کا متعدد باذکر قرآن مجید میں بیان کر کے آنحضرت ﷺ کو حامل خُلق عظیم، رؤف ورحیم اور رحمۃ للعالمین قرار دیا گیا ہے۔[1]

قرآن مجید میں ایک طرف آنحضرت ﷺ کی زندگی کے اہم پہلو واضح کئے گئے ہیں، دوسری طرف آپ ﷺ کے عہد کے بعض وقائع پر بحث کی گئی ہے اور تیسری طرف آپ ﷺ کے عمدہ کردار کی جملہ خصوصیات ذکر کی گئی ہیں۔ الغرض قرآن مجید میں نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ کے بارے میں اس قدر آیات درج ہیں کہ اگر ان کو جمع کیا جائے تو آپ ﷺ کی سیرت طیبہ مرتب کی جاسکتی ہے۔ اور قرآن حکیم کی تعلیمات کی روشنی میں سیرت النبی کی جو دلآویز صورت نظر آتی ہے اس سے استفادہ کر کے سیرت طیبہ پر عمل وفکر کی راہیں کھولیں جاسکتی ہیں۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اگر کائنات میں اسلامی تاریخ کی جملہ کتب نہ رہیں اور صرف قرآن مجید ہی باقی رہے پھر بھی نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس اور آپ ﷺ کی سیرت وحیات کے دلائل وشواہد مٹ نہیں سکتے، کیوں کہ یہ صرف قرآن حکیم ہی ہے جو ہمیشہ لوگوں کو بتلاتا رہے گا کہ اس کا حامل کون ہے؟ وہ کس جگہ کے باسی تھے؟ ان کے اصحاب وآل کیسے تھے؟ انہوں نے معاشرے میں کیسے زندگی بسر کی؟ آپ کی گھر سے باہر کی زندگی کیسی تھی اور گھر کے اندر کی معاشرت کا کیا حال تھا؟ صاحب قرآن کے دن کیسے بسر ہوتے تھے اور راتیں کیسے کٹتی تھیں؟ کون کون سے اہم واقعات وحوادثات آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں پیش آئے؟ پھر جب دنیا سے جانے کا وقت آیا تو دنیا اور دنیاوالوں کو کس عالم میں چھوڑ گیا؟ غرض کہ قرآن آپ ﷺ کے متعلق ہر بات کا تذکرہ کرتا ہے۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

> ”اگر کتابوں کا تمام ذخیرہ دنیا سے مٹ جائے جو آئمہ اسلام نے سالہا سال کی محنتوں سے مہیا کیا ہے، حدیث وسیر کا ایک ورق بھی دنیا میں نہ رہے جس سے محمد ﷺ کی زندگی کا کچھ حال معلوم ہوسکتا ہو اور صرف کتاب اللہ ”قرآن مجید“ ہی باقی رہ جائے، تب بھی ہم اس کتاب سے ان تمام بنیادی سوالات کا جواب حاصل کرسکتے ہیں، جو اس کے لانے والے کے متعلق ایک طالب علم کے ذہن میں پیدا ہوسکتے ہیں۔“[2]

مندرجہ بالا امثال اس امر کو بھی واضح کرتی ہیں کہ قرآن مجید سیرت الرسول ﷺ کا اصلی وبنیادی ماخذ ہے۔ قرآن حکیم کو بنیاد بنا کر سیرت نگاروں نے سیرت کے مجموعے مرتب کئے ہیں۔

---

(1) التوبہ: ۱۲۸۔۱۲۹

(2) سیرت سرور عالم، مودودی، مولانا سید ابوالاعلیٰ، لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، ۲۰۰۹ء، ج۲، ص ۳۱

مبحث دوم: کتب تفاسیر

ماٰخذ سیرت میں دوسرا اہم ماخذ کتب تفاسیر ہیں۔ جن کو قرآن حکیم کے مطالب و معانی کی تشریح ووضاحت کے لیے قدمانے مرتب کیا ہے۔ کتب تفاسیر سے ہمیں اُس وقت بڑی مدد ملتی ہے جب ہم کسی آیت کے بارے میں یہ جانتے ہیں کہ اس کا شان نزول کیا تھا اور اس کا آنحضرت ﷺ کی حیات مبارکہ سے کیا تعلق تھا؟ یہ تفصیلات ہمیں کتب تفاسیر سے ہی ملتی ہیں۔ جن کو بطور ماخذ سیرت النبی بہت سارے سیرت نگاروں نے لیا ہی نہیں نہ ہی ان کا ذکر کیا ہے۔ البتہ دکتور مہدی رزق اللہ نے اپنی کتاب "السیرۃ النبویہ فی ضوء المصادر الاصلیۃ"[1] میں کتب تفاسیر کو دوسرے نمبر پر قرآن مجید کے بعد ذکر کیا ہے۔ اور ڈاکٹر انور محمود خالد نے اپنی کتاب "اردو نثر میں سیرت رسول"[2] میں پانچویں نمبر پر کتب تفاسیر کو بطور ماخذ سیرت نقل کیا ہے۔

لفظ تفسیر "فسر" سے مشتق ہے۔ جس کے معانی ہیں واضح کرنا، کھولنا، ظاہر کرنا اور بے حجاب کرنا۔ یہ لفظ ابتدا میں قرآن مجید کے ساتھ خاص نہیں تھا مگر اب مستعمل ہے اور تفسیر قرآن کے لیے یہ لفظ بولا جاتا ہے۔[3]

علامہ زرکشی نے تفسیر کی تعریف یوں کی ہے:

"علم یعرف به فهم کتاب الله المنزل علی نبیه محمد و بیان معانیه و استخراج احکامه و حکمه"[4]

یعنی ایسا علم جس کے ذریعے نبی کریم ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب کو سمجھا جائے اس کے معانی و مفہوم کی وضاحت کی جائے اس سے احکامات اور اس کے فلسفہ کو معلوم کیا جائے۔

آیات قرآنیہ کی سب سے پہلے تشریح و توضیح خود آنحضرت ﷺ نے بیان فرمائی ہے۔ آپ ﷺ کے اس عظیم منصب کا تذکرۃ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے:

﴿ بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴾[5]

روشن دلائل اور الہامی کتابوں کے ساتھ اور ہم نے آپ کی طرف بھی اتارا اس ذکر (حکیم) کو،
تاکہ آپ کھول کر بیان کریں لوگوں کے لیے ان تمام چیزوں کو جن کو اتارا گیا ہے ان کی طرف،

---

(1) السیرۃ النبویہ فی ضوء المصادر الاصلیۃ، دکتور، مہدی رزق اللہ، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ص ۱۶

(2) اردو نثر میں سیرت نگاری، ص ۱۵۸

(3) القاموس الجدید، وحید الزمان، لاہور: ادارہ اسلامیات، ۱۹۹۰، ص ۷۰۳

(4) البرہان فی علوم القرآن، بدر الدین زرکشی، بیروت: دار المعرفۃ، ۲۰۱۳ء، ج ۱، ص ۱۳

(5) النحل: ۴۴

تاکہ وہ غور وفکر سے کام لیں۔

تو گویا نبی کریم ﷺ نے اولاً خود قرآن حکیم کے مطالب و معانی ارشاد فرمائے ہیں۔اور ثانیاً آنحضرت ﷺ سے قرآنی احکام و مسائل اور اسرار و حکم سیکھ کر آگے صحابہ کرامؓ نے بھی بیان کئے ہیں۔اصحاب رسول کی تفسیری روایات بعد میں کتب احادیث میں بھی نقل کی گئی ہیں۔بعض نے تو بڑے اہتمام کے ساتھ ان روایات کو بقاعدہ اپنی کتب میں ابواب بندی کی صورت میں جمع کیا ہے۔جیسا کہ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری میں ان تفسیری روایات کو ایک باب کے تحت ذکر کیا ہے جس باب کا نام "کتاب تفسیر القرآن" ہے۔(1)

تفسیر قرآن کا سلسلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ ہی میں شروع ہو گیا تھا، مفسرین صحابہ کرام کی تعداد اگرچہ بہت زیادہ نہیں ہے لیکن ان کی تفسیری روایات کی اہمیت یہ ہے کہ انہوں نے وہی کچھ بیان کیا ہے جو انہوں نے رسول اکرم ﷺ سے بالواسطہ یا بلاواسطہ سنا یا جس آیت کریمہ کے سبب نزول سے وہ خود واقف تھے، یا اجتہاد و استنباط کے ذریعے وہ جس نتیجے پر پہنچے۔(2)

جماعت صحابہ کرام میں دس صحابی مفسر قرآن مشہور ہوئے۔ جن میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ، سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، اور سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ شامل ہیں۔خلفائے راشدین میں سب سے زیادہ روایات تفسیر قرآن کے حوالے سے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں۔ان مذکور الذکر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ بھی چند اور ہیں جن سے تفسیری روایات مروی ہیں۔(3)

ان اصحاب کی مرویات کی تعداد بہت کم ہے۔ تاہم ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا۔(4)

اس ماخذ کی سب سے اہم خصوصیت سیرت نگاری کے حوالے سے یہ ہے کہ جب ہم کسی قرآنی آیت کی تشریح و توضیح سیرت رسول کی نسبت سے کرتے ہیں تو وہ مقامات زیادہ اہم ہو جاتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ نے ذات آنحضرت ﷺ کو مخاطب بنایا ہے یا آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کے مختلف واقعات کی طرف اجمالی اشارے کئے

---

(1) صحیح بخاری، کتاب تفسیر القرآن، ج۶، ص۱۶

(2) اردو نثر میں سیرت نگاری، ص۳

(3) الاتقان فی علوم القرآن، السیوطی، امام جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر، (ترجمہ محمد حلیم انصاری) لاہور: مکتبۃ العلم، ج۲، ص۵۹۵

(4) اردو نثر میں سیرت نگاری، ص۱۶۰

ہیں۔ ان مقامات پر جو وضاحت اور آیت کی تفسیر ہوتی ہے وہی سیرت طیبہ کی بنیاد ہے۔ اس ماخذ کے ذریعے ہمیں یہ بھی معلوم پڑتا ہے کہ سیرت طیبہ سے متعلق آیاتِ قرآنیہ کے اسباب نزول، اوقات اور مقامات کیا ہیں؟ اور ان آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی ذات اقدس سے کیا تعلق ہے؟ یہ بات سوائے کتب تفاسیر کے کہیں نہیں ملتی۔ اس لیے کتب تفاسیر کو سیرت النبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا اہم سرچشمہ قرار دیا گیا ہے۔ جن شخصیات نے سیرت و مغازی کو جمع کیا ہے، انہی سے تفسیر قرآن کا ذخیرہ منقول ہے۔[1] صحابہ کرام اور تابعین کے بعد جو لوگ زیادہ تفسیری روایات کو جاننے والے تھے ان کے بارے میں امام ابن تیمیہ نے لکھا ہے۔ اہلِ مکہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"سب سے زیادہ تفسیر کا علم رکھنے والے اہل مکہ ہیں۔ کیونکہ وہ ابن عباسؓ کے شاگرد ہیں۔ جن میں مجاہد عطاء بن ابی رباح، عکرمہ، مولیٰ ابن عباس، طاؤس بن کیسان، جابر بن زید ازدی اور سعید بن جبیر وغیرہم۔ پھر ابن ابی رباح اور عکرمہ کے تلامذہ۔"

اہلِ کوفہ و مدینہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"اہلِ کوفہ میں عبد اللہ ابن مسعود کے تلامذہ ہیں۔ جن میں علقمہ بن قیس، اسود بن یزید، ابراہیم النخعی، اور شعبی کو دیگر اہلِ تفسیر پر فوقیت حاصل ہے۔ اہلِ مدینہ میں زید بن اسلم جن سے امام مالک نے تفسیری روایات لی ہیں، کو باقیوں پر برتری حاصل ہے۔ اور زید بن اسلم سے ان کے بیٹے عبد الرحمٰن اور عبد اللہ بن وہب (متوفی ۱۹۹ھ) نے بھی تفسیری روایات لی ہیں۔"[2]

تدوین تفسیر کا وہی دور ہے جو حدیث و سیرت کا ہے۔ البتہ اس کی تقسیم تین ادوار میں کی جاسکتی ہے۔

۱۔ تدوین تفسیر کے اولین دور میں تفسیری روایات کو بطریق روایت نقل کیا جاتا تھا۔ صحابہ کرامؓ آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے بھی فرامین نقل کیا کرتے اور آپس میں ایک دوسرے سے بھی اقوال بیان کیا کرتے تھے۔ ایسے ہی تابعین صحابہ سے بھی اکتساب فیض کرتے اور اپنے ہم عصر تابعین سے بھی احکام نقل کرتے تھے۔

۲۔ تدوین تفسیر کا دوسرا دور اس وقت شروع ہوا جب تدوین حدیث کا آغاز ہوا۔ اس دور میں حدیث پاک کو مختلف ابواب میں منقسم کیا گیا۔ ان ابواب میں باقاعدہ ایک باب تفسیر پر بھی مشتمل تھا۔ تدوین تفسیر کے ادوار عہد صحابہ و تابعین اور مابعد مذکورہ دور میں ایسی کوئی تصنیف نہیں کی گئی کہ جس میں ایک ایک آیت یا سورت پر مستقلاً کوئی تحریر کی گئی ہو۔ صورت حال یہ تھی کہ ان ادوار میں ایسے علماء تھے جو مختلف علاقوں میں گھوم پھر کر حدیثیں جمع کرتے اور اسی ضمن میں وہ تفسیری اقوال بھی روایت کرتے جو آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اور صحابہ کرام اور تابعین کی طرف

---

(1) اصول سیرت نگاری، ثانی، ڈاکٹر صلاح الدین، کراچی: مکتبہ علامہ شبیر احمد عثمانی، ۲۰۰۳ء، ص ۱۰۰

(2) اصول تفسیر، ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم، لاہور: المکتبہ السلفیہ، ۲۰۱۴ء، ص ۱۵

منسوب ہوتے تھے۔ محدثین تفسیری اقوال کو احادیث طیبہ کی حثیت سے ہی جمع کرتے تھے، الگ کسی اور علم کی حثیت سے ذکر نہیں کرتے تھے۔

۳۔ تدوین تفسیر کا تیسرا دور وہ ہے کہ جہاں آکر تفسیری اقوال حدیث نبویہ سے الگ ہو گئے اور ان کو ایک جداگانہ علم کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ اس دور میں ہر ہر آیت کی تفسیر مرتب کی جانے لگی۔ گویا یہ وہ دور ہے کہ جس میں کتب تفاسیر تصنیف کی گئی اور تفسیری روایات کو مستقلاً ایک الگ علم کی صورت میں پیش کیا گیا۔(1)

تدوینِ تفسیر میں مفسرین کا طریقہ کار:

تدوینِ تفسیر میں مفسرین کے دو اہم اسالیب سامنے آئے ہیں، تفسیر بالروایت اور تفسیر بالرائے۔

ا۔ تفسیر بالروایت یا تفسیر بالماثور

تفسیر بالروایت سے مراد قرآن حکیم کی ایسی تفسیر جو رسول اللہ ﷺ کے فرامین، آثارِ صحابہ اور اقوالِ تابعین کی روشنی میں بیان کی جائے اور اس میں ذاتی رائے کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔

۲۔ تفسیر بالرائے

تفسیر بالرائے سے مراد یہ ہے کہ قرآنی آیات کی رسول اللہ ﷺ کے فرامین، آثارِ صحابہ اور اقوالِ تابعین کی روشنی میں بیان کی جائے اور اس میں ذاتی رائے بھی داخل ہوتی ہے۔ اس تفسیر میں مفسر عہد حاضر کے کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنی رائے سے بھی آیات کا مفہوم اخذ کرتا ہے۔ ہر دور میں تفسیر بالماثو راور تفسیر بالرائے، دونوں طریقوں پر سینکڑوں تفاسیر لکھی گئیں۔(2)

اس بحث سے یہ بات عیاں ہے کہ کتب تفاسیر سیرت النبی ﷺ کا ماخذ ہے۔ وہ قاری جو سیرت النبی ماخوذ من القرآن کا مطالعہ کرنا چاہتا ہے اس کی تشنگی پوری نہیں ہوتی جب تک کہ وہ کتب تفاسیر کی طرف رجوع نہ کرے۔ کیونکہ صرف آیات کی تلاوت سے بعض اوقات مفہوم واضح نہیں ہوتا جس کے لئے پھر کتب تفاسیر کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ ایسی بہت ساری مثالیں ہیں قرآن مجید میں کہ جہاں تفاسیر سے استفادہ کئے بغیر سیرت طیبہ کے پہلو میں تشنگی باقی رہ جائے گی۔ جیسا کہ سورہ انفال آیت نمبر ۶۷ میں بدر کے قیدیوں کے حوالے سے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾(3)

---

(1) فی ظلال القرآن، سید قطب شہید، القاہرہ: دار الشروق، ۲۰۰۱ء، ج ۲، ص ۵۱۰

(2) شاہ ولی اللہ، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، (مترجم: مولوی رشید احمد انصاری) دہلی: مکتبہ برہان، جولائی ۱۹۵۵ء، ص ۷۵۔

(3) الانفال: ۶۷

پیغمبر کو شایان نہیں کہ اس کے قبضے میں قیدی رہیں جب تک (کافروں کو قتل کر کے) زمین میں کثرت سے خون (نہ) بہادے، تم لوگ دنیا کے مال کے طالب ہو۔ اور خدا آخرت (کی بھلائی) چاہتا ہے۔ اور خدا غالب حکمت والا ہے۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ سے معاملہ صحیح طور پر واضح نہیں ہوتا کہ قیدیوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اور اس موقع پر آپ ﷺ پر کیا لازم آتا ہے؟ کیونکہ قیدی تو زندہ ہی کو بنایا جاتا ہے۔ اب اس آیت کریمہ کی جب تفسیر اور شان نزول کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ واضح ہوتا ہے کہ اس سے مراد ہے جو نبی کریم ﷺ نے بدری قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا تھا وہ عمل اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں آیا جس پر رب کریم نے تنبیہ فرمائی۔ اس طرح تفسیر کے ساتھ سیرت طیبہ کی تکمیل ہوئی۔ ایسے بہت سے مقامات ہیں قرآن مجید میں کہ جہاں سیرت کی تکمیل کتب تفسیر کے سہارے سے ہوتی ہے۔ اور اسی ضرورت کے پیش نظر کتب تفاسیر کو سیرت کا ماخذ دوم قرار دیا گیا ہے۔

مبحث سوم: دیگر الہامی کُتب

قرآن مجید کے ساتھ ساتھ دیگر الہامی کُتب توریت وانجیل میں بھی نبی رحمت ﷺ کا ذکر موجود ہے۔اس اعتبار سے یہ کتب بھی سیرت النبی ﷺ کی ماخذ ہیں۔سیرت نگاروں نے ان سے استفادہ کیا ہے اور بطور ریفرنس ان کتب کا استعمال کیا ہے مگر کسی نے بھی توریت وانجیل کو بنیاد بنا کر سیرت نگاری نہیں کی۔جس کی اہم وجہ ان کے الفاظ و معانی میں تغیر و تبدل کا واقع ہونا ہے۔توریت وانجیل میں رسول اللہ ﷺ کے ظہور اقدس و مطہر کی مذکور پیش خبریوں کی تصدیق قرآن مجید نے بھی کی ہے۔قرآن حکیم نے یہ تذکرہ کہیں توضمناً کیا ہے اور کہیں تفصیلاً براہ راست کیا ہے اور ایسے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے اوصاف کا ذکر جمیل بھی کیا ہے۔ضمناً ذکر کی مثال جیسے سورہ الشعراء میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿ وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ﴾ (1)

اور اس (رسول ﷺ) کا ذکر اگلے صحیفوں میں بھی موجود ہے۔

اور مستقلاً ذکر کی مثال جیسے اللہ تعالیٰ نے سورہ الاعراف میں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (2)

(وہ لوگ) جو اس رسول کی پیروی کرتے ہیں جو امی ہیں جن کے (اوصاف و کمالات) کو وہ لوگ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، جو انہیں اچھی باتوں کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں اور ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو حرام کرتے ہیں اور ان سے ان کے بار گراں اور طوق جو ان پر (بوجہ نافرمانی مسلط) تھے، ساقط فرماتے ہیں، پس جو لوگ ان پر ایمان لائیں اور ان کی تعظیم و توقیر کریں گے اور ان کی مدد و نصرت کریں گے اور اس نور (قرآن مجید) کی پیروی کریں گے جو ان کے ساتھ اتارا گیا ہے وہی لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سورہ الصف میں بھی رسول اللہ ﷺ کے بارے میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی ایک پیش

---

(1) الشعراء:۱۹۶

(2) الاعراف:۱۵۷

خبری کو براہ راست ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُبِينٌ ﴾ (1)

اور جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا اے الِ اسرائیل! میں تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کا پیغمبر بن کر آیا ہوں۔ تصدیق کرنے والا توریت کی جو مجھ سے پہلے (نازل ہوئی) ہے۔ اور بشارت دینے والا ہوں مایک رسول کی جو میرے بعد تشریف لانے والے ہیں۔ جن کا نام احمد (ﷺ) ہوگا۔ پھر جب وہ ان کے پاس کھلی ہوئی نشانیاں (اللہ تعالیٰ کی) لے کر آئے تو یہ بولے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔

مذکورہ بالا آیات سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اوصاف وعلامات اہلِ کتاب کے ہاں توریت وانجیل میں مذکور ہیں۔ قرآن مجید نے بھی علی الاعلان یہ دعویٰ کر دیا ہے تاکہ اہلِ کتاب اس سے انحراف نہ کر سکیں وگرنہ جہاں انہوں نے رسولِ خدا ﷺ کے بارے میں اور بہت سی باتوں کا انکار کیا ہے وہاں یہ بھی کہہ دیتے کہ ان کا ذکر توریت وانجیل میں کہاں ہے؟

توریت، زبور اور انجیل میں نبی کریم ﷺ کا ذکر جمیل ملاحظہ ہو:

"خداوند تیرا خدا تیرے لیے تیرے ہی درمیان سے، تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ یہ تیری اس درخواست کے مطابق ہوگا جو تونے خداوند سے مجمع کے دن حورب میں کی تھی کہ مجھ کو نہ تو خداوند اپنے خدا کی آواز پھر سُننی پڑے اور نہ ایسی بڑی آگ ہی کا نظارہ ہو تاکہ میں مر نہ جاؤں۔ اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ میں اُن کے لیے اُن ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اُس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا۔ اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے گا تو میں ان کا حساب اس سے لوں گا۔"(2)

توریت کی مذکورہ بالا پیشین گوئی صراحتاً آپ ﷺ کے بارے میں ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا ہے کہ میں تیرے بھائیوں میں سے ایک نبی برپا کروں گا۔ ساتھ ہی یہ بھی بشارت دی کہ وہ (اے موسیٰ) تمہاری ہی مانند ہوگا اور یہ تمہاری دعا کے مطابق ہوگا جو تم نے کی تھی۔ اور میں اس کے منہ میں اپنا کلام

---

(1) الصف:٦

(2) اِستثناء: باب ١٨۔ آیات ١٥ تا ١٩

ڈالوں گا۔

استثناء میں ہی درج ہے کہ:

”خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ ایک آتشی شریعت ان کے لیے تھی۔“[1]

اس بشارت سے مراد بھی رسول اللہ ﷺ ہیں۔ کیونکہ فاران کی چوٹی سے جو نورِ نبوت ظاہر ہوا وہ ہمارے نبی ﷺ ہی کا تھا۔ اور آتشی شریعت بھی ہمارے رسول کی تھی۔ مذکورہ بالا حوالہ سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ذکر اقدس اللہ تعالیٰ نے امم ماضیہ کے ساتھ بھی کیا ہے۔

باب پیدائش میں ہے کہ:

”اور اسمٰعیل کے حق میں میں نے تیری سنی۔ دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور اسے برومند کروں گا اور اُسے بہت بڑھاؤں گا اُس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے میں اسے ایک بڑی قوم بناؤں گا۔“[2]

یہاں بھی ساری بشارتیں ہمارے رسول کریم ﷺ کی ذات اقدس کے لئے ہیں۔ اور آپ ﷺ ہی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ باب پیدائش ہی میں درج ہے کہ:

”یہوداہ سے ریاست کا عصا جدا نہ ہو گا اور نہ حاکم اُس کے پاؤں کے درمیان سے جاتا رہے گا۔ جب تک کہ وہ نہ آجائے جو بھیجا جانے والا ہے اور قومیں اس کے پاس اکٹھی ہوں گی۔“[3]

اس عبارت کی مصداق بھی رسول کریم ﷺ ہی کی ذات اقدس ہے۔ کیونکہ اقوام عالم ہمارے ہی رسول ﷺ کے عَلم کے نیچے جمع ہوئیں ہیں اور آپ ﷺ ہی نبی و مرسل ہیں۔ آپ ﷺ کے ہی تشریف لانے سے یہودیوں کا اقتدار ٹوٹا ہے۔ زبور میں رسول اللہ ﷺ کی شانِ رفعت یوں بیان کی گئی ہے:

”میں ساری پشتوں کو تیرا نام یاد دلاؤں گا پس سارے لوگ ابد الآباد تک تیری ہی ستایش کریں گے۔“[4]

یہ مذکورہ بالا بشارت بھی بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ہے کیونکہ ستایش کو عربی میں محمدت کہتے ہیں جس سے صاف صاف اسم محمد ﷺ مراد ہے۔ یسعیاہ کے اندر نبی رحمت ﷺ کی بزرگی و عظمت کا تذکرہ یوں

---

(1) اِستثناء: باب ۳۳۔ آیت ۲

(2) پیدائش: باب ۱۷۔ آیت ۲۱

(3) ایضا: باب ۴۹۔ آیت ۱۰

(4) زبور: باب ۴۵۔ آیت ۱۷

ذکر ہے:

"دیکھو میرا بندہ جسے میں سنبھالتا۔ بڑا برگزیدہ جس سے میرا جی راضی ہے میں نے اپنی روح اس پر رکھی وہ قوموں کے درمیان عدالت جاری کرے گا۔ اس کا زوال نہ ہو گا اور نہ مسلا جائے گا جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کرے گا اور بحری ممالک اس کی شریعت کی راہ تکیں۔"(1)

یہاں اس مذکورہ بالا عبارت میں بھی یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ عبد سے کون مراد ہے ؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے اندر صرف اپنے حبیب مکرّم ﷺ کو ہی عبدہ کہا ہے۔ اور بزرگی بھی سارے عالم پر امام الانبیاء ﷺ کی مسلم ہے اور آپ ہی کی شریعت ہے جس کو زوال نہ ہے نہ کبھی ہو گا (ان شاء اللہ تعالیٰ عزوجل) کیونکہ کے آپ ﷺ ہی خاتم النبیین والمرسلین ہیں۔ اور صرف شریعت محمدی ہی بحری ممالک تک پھیلی ہوئی ہے۔ یوحنا میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یوں کہا:

"اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔"(2)

پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت کے ساتھ آپ ﷺ کے تذکرے کیے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ خدا کو ہی بھول گئے نبی ﷺ کو کیسے یاد رکھتے۔ اسی باب کی آیت نمبر ۲۶ میں ہے کہ:

"لیکن مددگار یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائے گا۔"(3)

مزید فرمایا:

"لیکن جب وہ مددگار آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی رُوحِ حق جو باپ سے صادر ہوتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا۔"(4)

مذکورہ بالا بشارتیں بھی صرف رسول امین پر پوری اُترتی ہیں کیونکہ آپ ﷺ کے سوا اور کون حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرنے والا ہو سکتا ہے ؟ قرآن مجید کی وہ آیات بیان کی جاچکی ہیں کہ جن میں بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نہ صرف سابقہ انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کریں گے بلکہ امم ماضیہ کی بھی گواہی اللہ تعالیٰ کے نبی

---

(1) یسعیاہ: باب ۴۲۔ آیت ۱ تا ۴

(2) یوحنا: باب ۱۴۔ آیت ۱۶

(3) ایضا: باب ۱۴۔ آیت ۲۶

(4) ایضا: باب ۱۵۔ آیت ۲۶

کریم پیش کریں گے۔ یوحنا باب ۱۶ میں امام المرسلین ﷺ کی آمد پاک کا تذکرہ کچھ یوں ہے:

"لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہیں آئے گا لیکن اگر میں جاؤں گ تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارے میں قُصوروار ٹھہرائے گا۔ لیکن جب وہ یعنی روح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئیندہ کی خبریں دے گا۔ وہ میرا اجلال ظاہر کرے گا۔ اس لیے کہ مجھ ہی سے حاصل کرکے تمہیں خبریں دے گا۔"[1]

مذکورہ بالا جملہ دلائل کی روشنی میں یہ امر واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں توریت، زبور اور انجیل میں بہت ساری نشانیوں، (جن میں آپ ﷺ کے معجزات، کمالات اور فضائل و محاسن شامل ہیں) کا ذکر موجود ہے۔ جو کہ ماخذِ سیرت ہیں۔ اور یہ امر بھی اظہر من الشمس ہے کہ آپ ﷺ کی شان اللہ تعالیٰ نے امم ماضیہ میں ظاہر کی اور ان کو بھی کہا کہ میرے نبی آخر زمان ﷺ کا زمانہ قریب آرہا ہے۔ تم میں جو کوئی ان کا زمانہ پائے وہ ان پر ضرور ایمان لے کر آئے۔

---

(1) یوحنا: باب ۱۶۔ آیت ۲۸

مبحث چہارم: کتب احادیث

لفظ حدیث کے معنی "جدید" کے ہیں۔ حدیث پاک کے مقابلے "قدیم" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ امام ابن حجر عسقلانیؒ کے مطابق حدیث کو حدیث اس لیے کہا جاتا ہے کہ قرآن مجید قدیم ہے اور حدیث، قرآن مجید کے مقابلے میں جدید ہے۔ جیسا کہ امام ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

"شریعت کی اصطلاح میں حدیث سے مراد وہ کلام ہے جس کی نسبت آنحضرت ﷺ کی طرف کی جاتی ہے گویا حدیث کو قرآن مجید کے مقابلے میں استعمال کیا گیا ہے کیونکہ قرآن مجید قدیم ہے اور حدیث جدید۔"[1]

سیرتِ طیبہ کا ایک اہم ماخذ کتبِ احادیث بھی ہیں۔ حدیث اور سیرت دونوں ایک ہی ہیں۔ لیکن حدیث کا درجہ سیرت سے زیادہ ہے۔ اس لیے کہ حدیث کو اخذ کرنے کی شرائط سخت رکھی گئی ہیں۔ اور یہ سخت شرائط سیرت طیبہ کو نقل کرنے میں نہیں رکھی گئیں۔ سیرت طیبہ حدیث پاک کے بغیر کبھی مکمل نہیں ہو سکتی کیونکہ سیرت طیبہ کا بہت بڑا ذخیرہ کتب احادیث میں موجود ہے جس کی وجہ سے حدیث پاک کو سیرت طیبہ کا ماخذ قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے عہدِ مبارکہ میں حدیث اور سیرت میں کوئی فرق نہ تھا۔ آہستہ آہستہ فنی لحاظ سے علمِ سیرت، علمِ حدیث سے جدا ہوتا چلا گیا۔ ابتدائی دور میں سیرت کی کتابوں کو مغازی کا نام دیا جاتا تھا جبکہ اُن میں مغازی کے علاوہ دیگر مباحث بھی ہوتے تھے۔ حدیث کی روایت و نقل میں عام کتب تاریخ کی نسبت زیادہ تحقیق و چھان بین سے کام لیا جاتا ہے، اس لیے کتب حدیث میں بیان کردہ واقعات سیرت قرآن کے بعد باقی تمام ماٰخذ سیرت سے زیادہ مستند اور زیادہ قابل اعتماد ہیں۔ موطا امام مالک اور جُملہ مستند احادیث کے مجموعوں میں سیرت کے بارے میں اہم واقعات موجود ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ معلوماتِ سیرت کا بنیادی ڈھانچہ کتبِ احادیث سے جامع اور مکمل طور پر مرتب ہو جاتا ہے۔ چند سیرت نگاروں نے صحیح بخاری و صحیح مسلم کو بنیاد بنا کر کتبِ سیر کو مرتب کیا ہے اور بعض سیرت نگاروں نے صحیحین کے ساتھ ساتھ سابقہ کتب سے بھی استفادہ کیا ہے اور قرآن و احادیث کو سامنے رکھ کر سیرت کی کتب کو مرتب کیا ہے اور اس کے علاوہ کسی اور ماٰخذ سے بالکل حوالہ نہیں دیا۔ ان کے مجموعوں اور دیگر کتب سیر میں بنیادی طور پر کوئی فرق نظر نہیں آتا جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سیرت کے جو اصل وقائع اور اساسی تفصیلات و معلومات ہیں وہ ساری کی ساری کتبِ احادیث میں موجود ہیں۔ اسی لیے تمام سیرت نگاروں نے اپنی تصانیف میں کتبِ

---

(1) تدریب الراوی، السیوطی، امام جلال الدین، مصر: دار الکتب الحدیثہ، ۱۳۸۵ھ ج۱، ص ۴۲

احادیث سے استفادہ ضرور کیا ہے۔ اگر نام پیش کئے جائیں اُن کتب کے جن کا ماخذ احادیثِ صحیحہ ہیں تو فہرست میں جُملہ کتب سیر کا نام آئے گا۔اس لیے قرآنِ حکیم کے بعد احادیثِ صحیحہ سیرت طیبہ کا بنیادی اور بڑا اہم ماخذ ہیں۔ سیرت نگاروں نے اس کو بطور ماخذ سیرت لیا ہے اور سیرت کی کتاب احادیث پاک سے استفادہ کیے بغیر لکھنا ناممکن ہے۔ کتب احادیث میں صحاح ستہ (ا۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری کی ''الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله صلى الله عليه وسلم وسننه وأيامه'': مختصر نام صحیح بخاری ۲۔ ابو الحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری کی '' المسند الصحيح المختصر بنقل العدل عن العدل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم ''مختصر نام صحیح مسلم ۳۔ ابو عیسی محمد بن سورہ بن شداد کی ''جامع الترمذی ''۴۔ ابو داود سلیمان بن الاشعث بن اسحاق بن بشیر الازدی السجستانی کی ''سنن ابی داؤد''۵۔ امام احمد بن شعیب النسائی کی ''سنن نسائی''٦۔ محمد بن یزید ابن ماجہ کی'' سنن ابنِ ماجه'') اپنے اپنے درجہ استناد کے مطابق معلومات سیرت کے مستند ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس میں کوئی دوسری رائے نہیں ہے کہ علماء امت نے صحاح کی صحت کو تسلیم کیا ہے۔ صحاح ستہ کے بعد جو کتابیں وقیع مواد پر مشتمل ہونے کے ساتھ ساتھ بڑی حد تک قابل اعتماد بھی ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

1. مسند امام احمد (1)	2. السنن الکبریٰ، امام بیہقی (2)	3. مصنف عبد الرزاق (3)
4. مصنف ابن ابی شیبہ (4)	5. المعجم الکبیر، امام طبرانی (5)	6. مجمع الزوائد، علامہ ھیثمی (6)

درج بالا کتب حدیث، قرآن مجید کے بعد سیرت کا ایک بہت اہم اور ضروری ماخذ ہیں۔ جن کے راویوں کی تعداد ایک لاکھ کے لگ بھگ ہیں۔ محدثین نے بے حد تلاش، محنت، کاوش، لگن اور احتیاط کے بعد یہ کتب مرتب کی ہیں اور یوں سیرت رسول ﷺ کے لیے ایسا بے مثال ریکارڈ محفوظ کیا کہ جس کی دنیائے تاریخ میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔

کتب شمائل نبویہ بھی سیرت طیبہ کا ماخذ ہیں یہ وہ کتابیں ہیں جو نبی کریم ﷺ کے صرف اخلاق وعادات

---

(1) مسند الامام احمد بن حنبل، حنبل، ابو عبد اللہ احمد بن محمد، بیروت: مؤسسہ الرسالہ، الطبعہ الاولی، ۱۴۲۱ھ

(2) السنن الکبری، البیہقی، احمد بن الحسین بن علی الخراسانی ابو بکر، بیروت: دار الکتب العلمیہ، الطبعہ الثالثہ، ۱۴۲۴ھ

(3) المصنف، ابو بکر عبد الرزاق بن ہمام بن نافع، بیروت: المکتب الاسلامی، الطبعہ الثانیہ، ۱۴۰۳ھ

(4) مصنف ابن ابی شیبہ، ابی شیبہ، ابو بکر عبد اللہ بن محمد، بیروت: دار القبلہ، س ن

(5) المعجم الکبیر، الطبرانی، سلیمان بن احمد بن ایوب، ابو القاسم، القاہرہ: مکتبہ ابن تیمیہ، الطبعہ الثانیہ، ۱۴۱۵ھ

(6) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، الہیثمی، علی بن ابی بکر بن سلیمان، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۲ھ

اور فضائل و معمولات زندگی پر لکھی گئی ہیں، اِن میں سب سے مشہور اور اہم شمائل ترمذی ہے (شمائل ترمذی، مرتبہ امام ابو عیسیٰ ترمذی ۲۰۹ھ تا ۲۷۹ھ) اسی طرح الشفا (قاضی عیاض کی الشفافی حقوق المصطفیٰ اور اس کی شرح شہاب خفاجی کی 'نسیم الریاض') بھی ہے۔

اسی طرح کتب دلائل النبوہ بھی سیر کا ماخذ ہیں۔ ان سے مراد ایسی کتابیں جو رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی صداقت ثابت کرنے کے لیے تحریر کی گئی ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے مشہور کتاب دلائل النبوۃ از امام ابو نعیم اصفہانی کی ہے۔ اس میں آپ ﷺ کے خصائص و کمالات اور فضائل و مکارم اور دلائل نبوت و معجزات بیان کئے گئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے خصائص واوصاف قرآن مجید اور احادیث طیبہ کی روشنی میں پیش کئے گئے ہیں۔ اسی طرح امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی کی دلائل النبوۃ بھی مشہور تصنیف ہے۔ اس موضوع پر الخصائص الکبریٰ امام جلال الدین سیوطی کی تصنیف لطیف بھی ہے جس میں رسولِ رحمت ﷺ کے معجزات اور مناقب بیان کیے گئے ہیں۔

تمام محدثین نے، جن کی سعی اور کوشش کا دنیا پر بہت بڑا احسان ہے، اپنی اپنی کتابوں میں ان حدیثوں کو بھی بیان کیا ہے، جو آپ ﷺ کی زندگی کے حالات سے متعلق ہیں۔ پس وہی حدیث کی کتابیں ہیں جن سے کم و بیش آنحضرت ﷺ کی زندگی کے حالات صحیح صحیح دریافت ہو سکتے ہیں اور جن کو معقول طرح سے ترتیب دینے سے اور صحیح کو غلط سے تمیز کرنے سے ایک معتبر تذکرہ آپ ﷺ کی کی زندگی کا جمع ہو سکتا ہے۔

کتب احادیث میں چونکہ موضوعاتِ سیرت پر انتہائی اختصار کے ساتھ بحث کی گئی ہے اس لیے صرف ان پر اکتفاء کر کے ہم بعض اوقات الجھنوں اور پیچیدگیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ مثلاً صحیح بخاری شریف کی روایت ہے کہ:

"نبی ﷺ نے بنو مصطلق پر حملہ کیا، حالانکہ وہ لوگ غفلت میں مبتلا تھے۔"(1)

حقیقت سے عاری انسان یعنی جو تاریخ و سیر کی کتابوں سے ناواقف ہے جب اس روایت کو پڑھے گا تو وہ یہی سمجھے گا کہ نبی کریم ﷺ نے بغیر انذار و اہتمام حجت کے ان پر حملہ کر دیا اور نبی کریم ﷺ کا یہ فعل اسلام کے اس اصول سے ٹکراتا ہے کہ "کسی قوم پر اتمام حجت کیے بغیر حملہ نہیں کیا جا سکتا۔" اور جب ہم سیرت کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ بنو مصطلق تک دعوتِ دین پہنچ چکی تھی اور وہ غزوۂ احد میں کفار مکہ کے ساتھ جنگ میں شریک تھے۔ گویا وہ اہلِ اسلام کے ساتھ حالتِ جنگ میں تھے۔ اس سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ کتب احادیث کے ساتھ کتب سیر کا مطالعہ ضروری ہے تاکہ ایک عام قاری کے لیے سیرت سے آگاہی آسان ہو سکے۔

---

(1) صحیح بخاری، کتاب العتق، باب من ملک من العرب رقیقاً، حدیث نمبر ۲۵۴۱، ج ۳ ص ۱۴۸

مبحث پنجم: کتب تاریخ

سیرت النبی ﷺ کا ایک بڑا ماخذ تاریخ ہے۔ تاریخ بطور ماخذ سیرت نگاری پر بحث کرنے سے قبل تاریخ کا لغوی واصطلاحی معنی ذکر کرتے ہیں۔

لفظ تاریخ کی لغوی واصطلاحی تعریف

مولوی فیروز الدین لفظ ''تاریخ'' کا لغوی معنی ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تاریخ (History) سے مراد دن، رات، مہینے یا کسی چیز کے ظہور کا وقت یا ایسا فن یا کتاب ہے جس میں مشہور افراد حکمرانوں، روایات قصوں اور جنگوں کے حالات کا بیان ہو۔''[1]

مذکورہ بالا تعریف سے ثابت ہوتا ہے کہ معروف و مشہور لوگوں کے حالات و واقعات اور جنگی قصوں اور حکمرانوں کے حالات کو بیان کرنا تاریخ کہلاتا ہے۔ اسی طرح علامہ ابن منظور ''تاریخ'' کا لغوی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''التاریخ تعریف الوقت، و التوریخ مثله-''[2]

تاریخ وقت کو پہچاننے کا نام ہے اور توریخ بھی اسی طرح ہے۔

یعنی انسان جس علم کے ذریعے ''وقت'' اور حوادثات وقت و زمانہ کو پہچانے وہ علم تاریخ کہلاتا ہے۔ لفظ تاریخ اردو و عربی دونوں میں مشترکہ ہے۔ اور اصلی وضع کے اعتبار سے یہ عربی کا لفظ ہے۔ اس کے مفہوم کی ادائیگی کے لیے اردو میں کوئی لفظ خاص نہیں ہے۔ اسی لیے یہی لفظ اردو میں بھی مستعمل ہونے لگا۔

لفظ ''تاریخ'' کی اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے محمد شفیق لکھتے ہیں:

'' هو قصة ماضى انسان او هو عرض منظم مكتوب للاحداث و خاصة تلك التى هو ترقى امة او نظام او علم او فن-''[3]

یعنی تاریخ ماضی کے انسان کا قصہ بیان کرنے کو یا اس منظم معروض کو کہتے ہیں جو ان خصوصی واقعات کے متعلق ہو جو کسی امت، نظام، علم یا فن میں امتیازی حیثیت رکھتے ہوں۔

مروجہ تاریخ نویسی کا رواج عربوں میں نہیں تھا۔ کوئی مرتب اور مدون تاریخ نویسی اُن میں رائج نہیں تھی۔ مگر وہ اپنے بزرگوں کے ماضی کے واقعات سے واقف تھے اور ان کی تفصیلات کو محفوظ رکھتے تھے۔ خصوصاً دو ادارے

---

(1) فیروز اللغات، مولوی فیروز الدین، لاہور: فیروز اینڈ سنز، ۱۹۶۷ء، ص ۳۰۱

(2) لسان العرب، ابن منظور، محمد بن مکرم الافریقی الانصاری، بیروت: دار صادر، ۱۳۰۰ھ، ج ۳، ص ۴

(3) الموسوعہ العربیہ المیسرۃ، محمد شفیق غربال، قاہرہ: المکتبۃ العرب، ۱۹۵۹ء، ص ۴۸۰

ایسے تھے جن میں یہ معلومات ناگزیر تھیں۔ ایک ادارہ "منافرہ" کے نام سے تھا۔ منافرہ سے مراد یہ تھی کہ جب دو عرب قبائل میں اختلاف ہو جاتا کہ کون سا قبیلہ افضل ہے۔ یا قبائل کی سرداری میں دو افراد کے درمیان مقابلہ ہو جاتا تھا تو یہ سوال کہ ان دونوں دعویداروں میں سے کس کو ترجیح دی جائے، اہم سوال سمجھا جاتا تھا۔ ایسے مواقع پر ترجیح کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہوتا تھا کہ کس کے اباواجداد کی خدمات زیادہ تھیں۔ کس کا خاندان خدمت میں زیادہ پیش پیش تھا۔ کس کے اباواجداد کی صلاحیتیں زیادہ تھیں۔ جب یہ مرحلہ پیش آتا تھا تو پھر آباواجداد کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کی ضرورت پڑتی تھی۔ ان معلومات کی بنیاد پر سربراہ منافرہ تنازعہ کا فیصلہ کیا کرتا تھا۔ منافرہ کا یہ ادارہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خاندان میں چلا آرہا تھا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چوتھے دادا جناب عبد مناف کا انتقال ہوا تو ان کی جانشینی پر ان کے دو بیٹوں میں اختلاف ہوا۔

جناب ہاشم کا دعویٰ تھا کہ میں زیادہ حقدار ہوں اور ان کے بڑے بھائی عبد شمس کا دعویٰ تھا کہ میں زیادہ حقدار ہوں۔ اب ان دو بھائیوں میں جو ایک بڑے باپ کے بیٹے تھے۔ مکہ کی سرداری کے بارے میں اختلاف ہوا۔ اس موقعہ پر حسب روایت حضرت عمر فاروق کے دادا کو حکم دیا گیا، کیونکہ منافرہ کا محکمہ ان کے پاس تھا۔ انہوں نے تفصیل سے دونوں کا موقف سنا اور جناب ہاشم کے حق میں فیصلہ دے دیا کہ مکہ کی سرداری کا حقدار جناب ہاشم ہیں۔ اس طرح کئی اور مثالیں بھی ہیں۔ یوں منافرہ کے لیے ضروری تھا کہ قبائل کے حالات اور اکابر کی خدمات کے بارے میں معلومات جمع کی جائیں۔ اس لیے یہ معلومات جمع ہوتی تھیں اور عرب قبائل اس سے نامانوس نہیں تھے۔ اس طرح کا دوسرا بڑا ادارہ "ایام" کے نام سے تھا۔ ایام العرب کے نام سے ایک الگ فن موجود تھا۔ عربوں میں قدیم قبائل کے کارنامے اور خاص طور پر جنگوں میں فتوحات کے تذکرے باقاعدگی سے ہوا کرتے تھے۔ ایام العرب پر اس وقت بھی بہت سی کتابیں موجود ہیں۔ ایک بڑی ضخیم کتاب آج سے کوئی پچاس سال پہلے ایک مصری عالم نے مرتب کی تھی۔ اس میں کوئی پچاس ساٹھ کے قریب ایام کا تذکرہ موجود ہے۔ یوم بعاث، یوم فجار، یوم ذی قار، یہ بڑی بڑی جنگیں تھیں۔ یہ معلومات عربوں میں جمع ہوتی تھیں اور نسلاً بعد نسل چلتی رہتی تھیں۔ اس لیے ان حقائق کی بنیاد پر ہم بلاخوف تردید یہ کہہ سکتے ہیں کہ تاریخ سے شغف کسی حد تک عربوں میں موجود تھا۔

مؤرخین نے جو کتابیں تاریخ اسلام والمسلمین کے حوالے سے مرتب کی ہیں ان میں اکثر کا ابتدائی حصہ یا درمیانی حصہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل ہے۔ جس کی وجہ سے کتب تاریخ کو سیرت طیبہ کا ماخذ قرار دیا گیا ہے۔ ذیل میں مختصر تعارف ان کتب تاریخ کا پیش کیا گیا ہے کہ جن میں سیرت کا تذکرہ موجود ہے۔

1۔ قدیم ترین حضرات میں سے ایک مؤرخ خلیفہ بن خیاط بھی ہیں جن کی تاریخ چھپی ہوئی موجود ہے۔ ان کی کتاب کا ابتدائی حصہ سیرت پر مشتمل ہے۔ ان کے مآخذ میں امام بیہقی، امام بقی بن مخلد اور امام لیث بن سعد جیسے

صف اوّل کے محدثین کے علاوہ بیشتر نامور سیرت نگار شامل ہیں۔ یہ خلیفہ بن خیاط مستند ترین مؤرخین میں سے شمار ہوتے ہیں۔ امام بخاری کے اساتذہ میں شامل ہیں۔ ان کے مستند ہونے پر حضرات محدثین بھی متفق ہیں۔

۲۔ طبقات ابن سعد کی ابتدائی دو جلدیں سیرت النبی ﷺ پر مشتمل ہیں۔

۳۔ المعارف لابن قتیبہ کے اندر دیگر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا حسب و نسب اور دیگر کوائف کا ذکر موجود ہے۔

۴۔ المحبر بن حبیب کے اندر نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ کا تفصیل سے ذکر موجود ہے۔ جس میں آپ ﷺ کی ازواج مطہرات، اولاد اطہار، غزوات اور خلفا کرام کا ذکر کیا گیا ہے۔

۵۔ تاریخ طبری میں بھی صاحب تصنیف نے بہت سارا مواد سیرت کا ذکر کیا ہے۔

۶۔ تاریخ مدینہ و دمشق میں بھی ابن عساکر نے پہلی جلد ساری سیرت طیبہ پر تحریر کی ہے۔

۷۔ البدایۃ والنہایۃ میں علامہ ابن کثیر نے تقریباً ۷۰۰ صفحات کے قریب سیرت طیبہ کا ذکر کیا ہے۔

۸۔ تاریخ الاسلام میں محمد حسین ذھبی نے جلد اول سیرت طیبہ پر لکھی ہے۔

خلاصہ بحث

ان مذکورہ بالا مباحث میں ہم نے سیرت النبی ﷺ کے ماٰخذ پر بحث کی ہے۔ اس بحث سے یہ بات تو واضح ہے کی سیرت النبی کا اصل ماخذ تو قرآن مجید ہے۔ اس کے بعد محققین نے تو بہت سارے ماٰخذ نقل کئے ہیں مگر اس فصل میں چند اہم اور ضروری ماٰخذ پر گفتگو کی گئی ہے۔ جن میں سے کتب تفاسیر، احادیث، دیگر الہامی کتابیں اور تاریخ شامل ہیں۔ اور یہ وہ سارے اہم ماٰخذ ہیں کہ جن سے سیرت نگاروں نے استفادہ کر کے کتب سیر مرتب کی ہیں۔ ان کے بغیر سیرت پر کچھ لکھنا اور بیان کرنا از حد دشوار ہے۔ اس بحث میں یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ شروع میں الگ الگ کوئی موضوع بنا کر کچھ بیان یا تحریر نہیں کیا جاتا تھا۔ سب علوم ایک ہی جگہ دستیاب ہوتے تھے۔ آہستہ آہستہ علوم زیادہ ہو گئے اور ایک دوسرے سے جدا ہوتے چلے گئے۔ اس لیے آج جب ہم سیرت طیبہ کے بارے میں کچھ جاننا یا لکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں ان تمام ماٰخذ سیرت سے رجوع کرنا پڑتا ہے۔

باب دوم:

قرآن حکیم ماخذ اوصاف و خصائص رسول کریم ﷺ

فصل اول: مقاصدِ دعوتِ دین

فصل دوم: اسمائے رسولِ کریم ﷺ

فصل سوم: خصائص رسول کریم ﷺ

فصل چہارم: معجزاتِ رسول کریم ﷺ

فصل اول: مقاصدِ دعوت دین

مقاصد دعوتِ دین

اس فصل میں آنحضرت ﷺ کی بعثت کے مقاصد بیان کئے گئے ہیں۔ سیرت النبی میں بنیادی سوال یہ ہے کہ جس نبی کی ذات پر بحث ہو رہی ہے اس کی تعلیمات کیا ہیں؟ ہمارا موضوع بحث اس فصل میں یہ ہے کہ کیا قرآن مجید نے آنحضرت ﷺ کی تعلیمات اور ان کے نبوی پیغام کے بارے میں کیا کچھ بیان کیا ہے؟ اس لیے اس فصل میں نبی کریم ﷺ کی تعلیماتِ اصلاح عقائد، اعمال اور معاشرہ کے بارے میں جو کچھ قرآن مجید نے بیان کیا ہے، وہ پیش کیا گیا ہے۔ انبیاء علیھم السلام کی بعثت کا بنیادی مقصد اصلاح عقائد، اعمال اور معاشرہ ہے۔ انھیں مقاصد کے پیش نظر وہ انسان تک اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا کلام سناتے ہیں۔ جس میں دعوت الی اللہ بذریعہ انذار و تبشیر اور تذکیر کے ہوتی ہے۔ پس اس طرح جو علم انبیاء تک پہنچا ہے اس سے وہ آگے اوروں کو بہرہ ور کرتے ہیں۔ انبیاء علیھم السلام کی بعثت کا یہ خوبصورت مقصد جس کا ذکر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یوں کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ﴾ (1)

اے پیغمبر ﷺ (پورے کا پورا) پہنچادو اس پیغام کو جو کہ اتارا گیا آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے، اور اگر (بالفرض) آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اس کی رسالت (و پیغمبری) کا حق ادا نہیں کیا، اور (لوگوں سے نہ ڈرنا کہ) کہ اللہ آپ کی حفاظت فرمائے گا لوگوں (کے شر) سے بیشک اللہ ہدایت (کی دولت) سے سرفراز نہیں فرماتا کافر لوگوں کو۔

اس آیتِ مقدسہ سے پہلے آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاری کے باطل عقائد اور بداعمالیوں کا ذکر فرمایا اور ساتھ ہی مشرکین کی خرافات کے بارے میں آیات نازل فرمائیں جن سے ان کی خرابیوں کا پتہ چلتا ہے۔ اس کے بعد مذکورہ آیت میں فرمایا: اے رسول آپ کے اوپر جو کچھ بھی آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، وہ سب آپ دوسروں تک پہنچادیں اور تبلیغ کے اس خوبصورت کام میں آپ ہرگز دشمنانِ دین کی مخالفت کی پرواہ نہ کیجئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ان مفسدین کے شر سے ضرور آپ کی حفاظت فرمائے گا۔ اور اگر بہ فرض محال آپ نے میرا پیغام ان تک نہ پُہنچایا تو آپ نے امورِ رسالت کو سر انجام نہ دیا۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مقاصدِ بعثت میں اہم امر تبلیغ دین ہے۔ اس آیت کریمہ میں دو مسئلے بیان ہوئے ہیں:

ا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے" يا ايها الرسول بلغ ما انزل اليک" اس سے مراد یہ کہ تبلیغ اعلانیہ شروع کر دیں۔ کیونکہ اوائل اسلام میں مشرکین کے خوف سے مسلمان خفیہ تبلیغ کرتے تھے۔ اب اس آیت میں

---

(1) المائدہ:٦٧

اعلانیہ تبلیغ کا حکم آ گیا اور فرمایا آپ اعلانیہ اشاعت دین کا کام کریں ہم آپ کو لوگوں سے بچائیں گے۔

۲۔ارشاد باری تعالیٰ ہے'' واللہ یعصمک من الناس'' اس میں نبی کریم ﷺ کی نبوت کی دلیل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے معصوم ہونے کی اطلاع دی۔ آپ ﷺ نے کوئی بھی عمل ایسا ترک نہیں کیا کہ جس کے کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہو۔[1]

اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی دعوت الی اللہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تو ان کی بعثت کا مقصد ہے اور ان کے منصب کا تقاضا بھی یہی ہے۔ حضرت یوسف کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾[2]

آپ ان سے صاف کہہ دو کہ میرا راستہ تو یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں میں خود بھی پوری بصیرت سے اپنا راستہ دیکھ رہا ہوں اور میرے ساتھی بھی، اور اللہ تعالیٰ پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

ایک مقام پر رسول اللہ ﷺ کے منصب رفیعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾ [3]

(اے پیغمبر !(ﷺ) لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے رب کے رستے کی طرف بلائیں اور بہت ہی اچھے طریقہ سے ان سے بات چیت کریں۔ جو اس کے راستہ سے بھٹک گیا اللہ تعالیٰ اسے بھی خوب اچھی طرح جانتا ہے اور جو رستے پر چلنے والے ہیں ان سے بھی خوب واقف ہے۔

مشرکین اور سابقہ گمراہ فرقوں نے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی، ان کے ساتھ استہزا کرتے اور ان کی دعوت سے انکار کرتے۔ جس کی وجہ سے انبیاء و مرسلین کو ان کی جہالت پر افسوس ہوتا اور وہ ان کی اصلاحی حالت پر مایوس ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے قرآن مجید کے اندر مستحکم دلائل قائم کئے اور عام فہم تماثیل بیان فرمائیں اور اسی اسلوب کے تحت اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ مکرم کو بھی ارشاد فرمایا کہ آپ بھی اپنے رب کی طرف ان کافروں کو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اپنے رب کی طرف بلائیں۔ اس مقام پر بھی اللہ تعالیٰ نے مقصدِ

---

(1) الجامع لاحکام القرآن، القرطبی، ج۶، ص ۲۴۳

(2) یوسف:۱۰۸

(3) النحل ۱۲۵

بعثت (وعظ و ارشاد) کا تذکرہ خصوصیت کے ساتھ فرمایا۔ جس سے ثابت ہوا کہ رسولوں کی بعثت کا مقصد ہی اللہ کی طرف بلانا اور لوگوں کا تزکیہ کرنا، رسول اللہ ﷺ نے بطریق احسن اس فریضہ کو سر انجام دیا۔ ابتدا میں لوگوں کے عقائد کو درست کیا اور جب وہ باطل عقائد سے ہٹے تو پھر ان کا تزکیہ نفس کیا یعنی ان کے اعمال کی اصلاح کی اور جب وہ مقاصد حیات کو پہنچ چکے تو پھر اسلامی معاشرہ تشکیل دیا اور اصلاح معاشرہ کی طرف توجہ دی۔ اس فصل میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے مقاصد کو مد نظر رکھتے ہوئے تین مباحث میں تقسیم کیا گیا ہے۔ جو کہ درج ذیل ہیں:

(۱) مبحث اوّل اصلاح عقائد

(۲) مبحث دوم اصلاح اعمال

(۳) مبحث سوم اصلاح معاشرہ

مبحث اوّل: اصلاح عقائد

نبی کریم ﷺ کی بعثت سے قبل بہت سارے عقائد و نظریات کے لوگ موجود تھے۔ جن میں اکثریت شرک پرستی میں مبتلا تھی۔ کچھ تو ایسے تھے جو سراسر شرکیہ مذاہب والے تھے جیسے مشرکین مکہ جو کہ بتوں کو خدا مانتے اور ان کی پوجا کرتے تھے اور ان میں بعض ایسے تھے جو الہامی ادیان کے پیروکار تھے مگر اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں شرک کرنے لگے تھے۔ ان گمراہ کن لوگوں کی وجہ سے ظلمت و بربریت بڑھنے لگی اور کائنات تعلیمات خداوندی سے دور ہونے لگی ایسے میں اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا، آنحضرت ﷺ کو ان لوگوں کی اصلاح کے لیے مبعوث فرمایا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے خدا تعالیٰ کی توحید کی طرف راہ دکھلائی اور ان کو ظلمت و بربریت سے نکال کر ہدایت کے پرنور راستوں پر گامزن کیا۔ ان میں زیادہ تر بت پرست اور یہود و نصاریٰ تھے۔ اس فصل میں دونوں کے بارے میں بالترتیب بحث کی جائے گی۔ اور پھر آپ ﷺ کے اشاعت دین اور اصلاح عقائد پر قرآنی دلائل پیش کیے جائیں گے۔

ا۔ بت پرست (مشرکین)

بت پرستی نوح علیہ السلام کے بعد ان کی قوم نے شروع کی تھی۔ جس سے یہ سلسلہ آگے اقوام و ملل میں چلتا آیا۔ یہ قوم اپنے اسلاف کے بت تبرکاً بنا کر ان کی یاد تازہ رکھتی تھی۔ مگر بعد میں آنے والوں نے انہیں بتوں کو ہی اپنا معبود بھی بنالیا۔ ان کے بارے میں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ یوں ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ﴾(1)

اور انہوں نے کہا، ہر گز اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا نہ ود، سواع، یغوث و یعوق اور نہ نسر کو چھوڑنا۔

قوم نوح کے بتوں کو عرب کے کفار نے لے لیا۔ دومۃ الجندل میں قبیلہ کلب والے ودّ کو پوجنے لگے۔ قبیلہ ہذیل والے سواع کے پرستار تھے۔ مراد قبیلہ اور قبیلہ بنو غطیف جو کہ جرف کے رہنے والے تھے اور جرف شہر سبا کے پاس ہے، یہ دونوں یغوث کی پوجا کیا کرتے تھے۔ قبیلہ ھمدان والے یعوق کے پجاری تھے۔ آل ذی کلاع قبیلہ حمیر والے نسر بت کی پرستش کیا کرتے تھے۔ یہ سب بت دراصل قوم نوح کے صالح بزرگ اولیاء کے بنے ہوئے تھے۔ ان ہستیوں کے انتقال کے بعد شیطان نے لوگوں کے دلوں میں یہ بات ڈال دی کہ ان بزرگوں کی عبادت گاہوں میں کوئی یادگاریں قائم کریں۔ چنانچہ انہوں نے وہاں ان کے بت بناڈالے اور ان کو مشہور کر دیا۔(2)

---

(1) نوح:۲۳

(2) تفسیر القرآن العظیم، ج۸، ص۲۳۵

یہ مشہور بڑے ۵ بت تھے جن کا ذکر قرآن مجید نے کیا ہے اس کے علاوہ بھی بت تھے جو مختلف قبائل نے اپنے لیے مخصوص کر رکھے تھے۔ اہل عرب جو دین ابراہیمی کے پیروکار تھے بتدریج وہ بھی اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کی خالص توحید سے محروم ہوتے چلے گئے اور آہستہ آہستہ بدعات و شرک میں مبتلا ہوتے چلے گئے یہ لوگ شعائر اللہ کی تعظیم بھی کرتے تھے جیسے بیت اللہ کی تعظیم کرنا اس کا طواف کرنا حج کرنا، وقوف عرفات و مزدلفہ کرنا قربانی کرنا اور اللہ تعالیٰ کی ذات کو بھی مانتے تھے۔ مگر خرافات جو سب سے بڑی تھیں وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں بتوں کو شریک ٹھہراتے، اللہ تعالیٰ کی ذات میں ان بتوں کو سفارشی مانتے، اپنی حاجتوں کے لیے ان کی نذریں مانتے، ان کے آگے سوال کرتے اور انہوں نے اپنے مویشیوں کے نام بتوں کے ناموں پر رکھے ہوئے تھے۔ یہ سارے باطل و فاسد عقائد اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمائے ہیں۔ جیسا کہ مشرکین کا بتوں کو خدا کا شریک ٹھہرانے کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ ﴾[1]

اور ان کا اکثر حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان بھی لاتے ہیں تو اس حال میں کہ اس کے ساتھ شریک بھی ٹھہراتے ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس باطل عقیدے کے بارے میں دیگر اور مقامات پر بھی ذکر کیا ہے۔ کہ یہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کو جملہ کائنات کا خالق اور پروردگار مانتے ہیں، اس کے باوجود بتوں کی بھی پرستش کرتے ہیں، جیسا کہ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے اس کا تذکرہ یوں فرمایا ہے:

﴿ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَنَّى يُؤْفَكُونَ﴾[2]

اور اگر تم ان سے پوچھو کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو کہہ دیں گے کہ خدا نے تو پھر یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں۔

اس سے مراد یہ ہے کہ مشرکین سے جب بھی پوچھا جائے کہ تمہیں کس نے پیدا کیا ہے ؟ تو واضح اقرار کرتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے پھر بہکتے کیوں ہو؟ یعنی اقرار کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی عبادت سے کیوں اور کیسے پھرتے ہو؟ اور شرک میں کیوں مبتلا ہوتے ہو؟ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کے آگے سجدہ کرتے ہو۔ اسی طرح سورۃ العنکبوت میں بھی اللہ تعالیٰ نے ان کی اس گمراہی کا ذکر فرمایا ہے کہ تم قولی طور پر ان سے زمین و آسمان اور سورج و چاند کے خالق کے بارے میں پوچھو تو وہ یہی کہیں گے کہ ان سب کا پروردگار اللہ تعالیٰ

---

(1) یوسف:۱۰۶

(2) الزخرف:۸۷

ہی ہے مگر عملاً یہ بھٹکے ہوئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَنَّى يُؤْفَكُونَ ﴾(1)

اور اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ اور سورج اور چاند کو کس نے (تمہارے) زیر فرمان کیا؟ تو کہہ دیں گے خدا نے، تو پھر یہ کہاں الٹے جا رہے ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں نزول اسلام سے قبل اہل عرب کے عقائد کی منظر کشی کی ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ عربوں کے اصل عقائد و نظریات توحید پر مبنی تھے۔ بعد کے ادوار میں ان کے عقائد و نظریات میں ردّ و بدل پیدا ہو گیا۔ یہ کوئی انہونی بات نہیں ہے کیونکہ یہ اولاد اسماعیل تھے۔ ان کا دعوی یہ تھا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہیں اس لیے وہ اپنے عقائد کو حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کی طرف منسوب کرتے تھے۔ یہ لوگ حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ کے دین کو کوئی واہمیت نہ دیتے تھے۔ یہ دین جزیرۃ العرب کے آس پاس موجود تھے مگر اہل عرب اپنے دین کو برتر سمجھتے اور اس پر فخر کرتے تھے اس لیے کسی اور کو تسلیم کرنا ان کے لیے مشکل تھا۔ اور یہ امر بھی اہل عرب تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے کہ ان کے عقائد کے اندر اصل دین کے مقابلے میں کس قدر انحراف آ گیا ہے کہ جس کے نتیجہ میں یہ لوگ عملاً مشرک ہو گئے ہیں۔ جب ان سے پوچھا جاتا کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے؟ آسمانوں سے پانی کون برساتا ہے؟ تو یہ لوگ صاف صاف اقرار کرتے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ ہی نے کیے ہیں۔ مگر اس کے باوجود وہ اپنے بتوں کی بھی پوجا کرتے تھے۔ جنات اور ملائیکہ کی پرستش بھی کرتے اور ان تمام کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی شریک ٹھہراتے۔ درحقیقت ان مشرکین کو جب کبھی کوئی مصیبت پیش آتی تو بڑے خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے کہ وہ انہیں اس پریشانی سے نجات عطا کر دے اور جب انہیں اس تکلیف سے اللہ تعالیٰ دور کر دیتا تو پھر وہ اپنے رب کو بھول جاتے اور شرک میں مبتلا ہو جاتے۔ ان مشرکین کی اس نافرمانی کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام میں کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ مَنْ يُنَجِّيكُمْ مِنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُونَهُ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً لَئِنْ أَنْجَانَا مِنْ هَذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝ قُلِ اللَّهُ يُنَجِّيكُمْ مِنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ أَنْتُمْ تُشْرِكُونَ ﴾(2)

کہو بھلا تم کو جنگلوں اور دریاؤں کے اندھیروں سے کون مخلصی دیتا ہے (جب) کہ تم اس سے عاجزی اور نیاز پنہانی سے پکارتے ہو (اور کہتے ہو) اگر خدا ہم کو اس تنگی سے نجات بخشے تو ہم اسکے

---

(1) العنکبوت: ٦١

(2) الانعام: ٦٤، ٦٣

بہت شکر گزار ہوں۔ کہو کہ خدا ہی تم کو اس (تنگی) سے اور ہر سختی سے نجات بخشتا ہے پھر (تم) اس کے ساتھ شرک کرتے ہو۔

اللہ تعالیٰ ہی کائنات کا خالق ومالک ہے۔ سارے جہانوں کے اختیارات اسی کے قبضہِ قدرت میں ہیں۔ نظام کائنات کو وہ جس طرح چاہے اپنی منشاء ورضا سے چلاتا ہے۔ ان تمام امور کی شہادت تو مشرکین کو اپنے وجود میں نظر آنی چاہیے۔ کیونکہ جب بھی کوئی مشکل پیش آتی ہے اور تمام سہارے، رشتے ٹوٹتے نظر آتے ہیں تو اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے نظر آتے ہیں۔ اور مشکل دور ہو جاتی ہے تو پھر خدا تعالیٰ کی ذات وصفات میں شرک کرنے لگتے ہیں۔ ان کی حالت یہ ہے کہ ان کی مشکل کشائی اللہ کرتا ہے، سختی کے حالات میں گڑگڑاتے اسی کے سامنے ہیں اور جب مدد مکمل ہو جاتی ہے پھر بتوں کو پوجنے لگتے ہیں اور نذریں نیازیں بھی انہی غیر اللہ کے نام کی چڑھانے لگتے ہیں۔ مشرکین کا یہ گمان تھا کہ ہم ان کی عبادت وتعظیم اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کردیں۔ لہذا بت ہمارے لیے معرفت وقربت الٰہی کا ذریعہ ہیں۔ بس اسی سوچ کے پیش نظر کبھی وہ ان بتوں کو سجدہ کرتے تو کبھی ان کے لیے جانوروں کو ذبح کرتے تاکہ اس سے ان کو حقیقی رب کی قربت نصیب ہو۔ مشرکین کے اس عقیدے کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِي مَا هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ ﴾(1)

دیکھو خالص عبادت اللہ ہی کیلئے مخصوص ہے اور جن لوگوں نے اس کے سوا دوست بنائے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم ان کو اس لیے پوجتے ہیں کہ ہم کو اللہ کے مقرب بنا دیں تو جن باتوں میں یہ اختلاف کرتے ہیں اللہ ان میں ان کا فیصلہ کر دے گا' بیشک اللہ اس کو جو جھوٹا اور ناشکرا ہے ہدایت نہیں دیتا۔

مکہ کے کفار خصوصاً اور بالعموم دنیا بھر کے مشرکین یہی کہتے ہیں کہ ہم دوسری ہستیوں کی عبادت اُن کو خالق سمجھ کر نہیں کرتے۔ خالق تو ہم اللہ تعالیٰ ہی کو مانتے ہیں اور اصل معبود اسی کو سمجھتے ہیں۔ لیکن اس کی بارگاہ بہت بلند ہے جس تک بھلا ہماری رسائی کہاں ہو سکتی ہے۔ اس لیے ہم ان بزرگ ہستیوں کو ذریعہ بناتے ہیں تاکہ یہ ہماری دعائیں اور التجائیں اللہ تعالیٰ تک پہنچا دیں۔ مشرکین کا جہاں یہ خیال تھا کہ بت ہماری قربتِ الٰہی کا ذریعہ ہیں وہاں ایک گمان یہ بھی تھا کہ یہ خالقِ جہاں کی بارگاہ میں ہمارے سفارشی ہیں۔ اس لیے ہم ان کے آگے جھکتے ہیں اور ان کی عبادت کرتے ہیں۔ ان کے اس مفسدانہ عقیدے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ یونس کے اندر تذکرہ فرمایا

---

(1)الزمر:۳

ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴾ (1)

اور وہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو نہ نقصان دے سکیں اور نہ نفع پہنچا سکیں، اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں، آپ فرما دیجئے کیا تم اللہ کو وہ بات بتاتے ہو جسے وہ نہیں جانتا آسمانوں اور زمینوں میں، وہ ان لوگوں کے شرک سے پاک ہے اور برتر ہے۔

آیت کریمہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مشرکین اس لیے غیر اللہ کی پرستش کیا کرتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی سفارش کریں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے ارشاد فرمایا کہ آپ ان پوچھیں، کیا تم اللہ تعالیٰ کو وہ بات بتانا چاہ رہے ہو جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے اور اس کے علم میں نہیں ہے؟ اور یہ بات کہ بتان باطل اللہ تعالیٰ کے نبی کریم تمہاری شفاعت کریں گے، یہ حقیقت کے خلاف اور باطل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نفع نقصان نہیں دے سکتا۔ مشرکین کے فرسودہ عقائد میں سے ایک عقیدہ یہ بھی تھا کہ وہ جن بتوں کی پرستش کیا کرتے ان کی نذر بھی دیا کرتے تھے۔ وہ اپنی بعض کھیتیاں اور مویشی بتوں کی نذر کر کے مخصوص کر دیتے تھے۔ کہتے تھے یہ ہمارے معبودوں کا حصہ ہے جس کے بارے میں سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وَجَعَلُوا لِلَّهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ نَصِيبًا فَقَالُوا هَذَا لِلَّهِ بِزَعْمِهِمْ وَهَذَا لِشُرَكَائِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَائِهِمْ فَلَا يَصِلُ إِلَى اللَّهِ وَمَا كَانَ لِلَّهِ فَهُوَ يَصِلُ إِلَى شُرَكَائِهِمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴾ (2)

اور انہوں نے (توحید کے ان قطعی اور صریح دلائل و براہین کے باوجود) اللہ کے لیے حصہ مقرر کر رکھا ہے اس کھیتی اور ان مویشیوں میں سے، جن کو اللہ ہی نے پیدا فرمایا ہے، پھر یہ کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کے لیے ان کے اپنے گمان کے مطابق، اور یہ ہمارے شریکوں کے لیے، پھر مزید ظلم یہ کہ جو حصہ ان کے شریکوں کا ہوتا ہے وہ تو اللہ کی طرف نہیں جا سکتا، اور جو حصہ اللہ کا ہوتا ہے وہ ان کے شریکوں کی طرف جا سکتا ہے، کیسا برا ہے وہ فیصلہ جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

مشرکین کھیتی کی پیداوار یا مویشیوں کی نسل سے جو کچھ پیدا کرتے تو اس میں سے ایک حصہ تو اللہ تعالیٰ کے نام کا نکالتے اور ایک زعم باطل کی وجہ سے کہتے کہ یہ ایک حصہ ہمارے شرکاء کا ہے۔ اور کہتے کہ جو حصہ شریکوں کا ہے وہ

---

(1) یونس:۱۸

(2) الانعام:۱۳۶

اللہ تعالیٰ کے لیے خرچ نہیں کیا جا سکتا جبکہ جو حصہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے وہ اس کے شرکاء کی اغراض کے لیے خرچ کیا جا سکتا ہے۔ کچھ جانوروں کے نام قرآن مجید نے بھی بیان کیے ہیں جن کو مشرکین عرب اپنے بتوں کے نام کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ یہ فلاں شریک کا ہے یہ فلاں کے لیے۔ جیسا کہ سورہ المائدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَا جَعَلَ اللّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ وَلَكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى اللّهِ الْكَذِبَ وَأَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ﴾(1)

اللہ نے تو نہ کوئی بحیرہ مقرر کیا ہے، نہ سائبہ، نہ کوئی وصیلہ، اور نہ حام، مگر وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا وہ (اپنی ہی طرف سے) جھوٹ (اور بہتان) باندھتے ہیں اللہ پر، اور ان میں سے اکثر ایسے ہیں جو اپنی عقلوں سے کام نہیں لیتے۔

امام ابن کثیر اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"بحیرہ وہ جانور ہے جس کا دودھ نہیں دوہتے تھے اور کہتے تھے یہ بتوں کے نام کا ہے، لہذا کوئی بھی اس کا دودھ نہیں پیتا تھا۔ سائبہ وہ مویشی ہے جو بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا۔ جس کی وجہ سے اس پر نہ سامان لادا جاتا تھا نہ سواری کی جاتی تھی اور وصیلہ وہ ناقہ ہے جس سے پہلی دفعہ کوئی نر پیدا ہو اور پھر متواتر دو مادہ پیدا ہوں، ایسی اونٹنی کو بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔ اور حام وہ نر اونٹ ہے جس کی نسل سے کئی بچے پیدا ہو چکے ہوں اور جب نسل بہت بڑھ چکی ہو تو اس سے نہ بار برداری کا کام لیا جاتا نہ سواری کا، اسے بھی بتوں کے حوالے کر دیتے تھے۔"(2)

ان کے عقائد کی خرابی میں ایک بات یہ بھی شامل تھی کہ وہ جنات کو بھی خدا کا شریک ٹھہراتے تھے اور انہوں نے خدا تعالیٰ کے بیٹے اور بیٹیاں بھی گھڑ لی تھیں ان کے انھیں باطل عقائد کے بارے میں سورہ الانعام میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَجَعَلُوا لِلّهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوا لَهُ بَنِينَ وَبَنَاتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يَصِفُونَ﴾ (3)

مگر (اس کے باوجود) انہوں نے اللہ کا شریک بنا دیا جنوں کو، حالانکہ پیدا اسی (وحدہ لاشریک) نے کیا ہے ان سب کو اور انہوں نے از خود گھڑ لیئے اس کے لیے بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی بغیر کسی

---

(1) المائدہ:۱۰۳

(2) تفسیر القرآن العظیم، ج۳، ص۲۰۸

(3) الانعام:۱۰۰

علم (اور دلیل) کے وہ پاک اور برتر ہے ان تمام باتوں سے جو یہ لوگ بناتے ہیں۔

مشرکین کے فاسد عقائد میں سے یہ بھی تھا کہ وہ قیامت اور بعثت بعد الموت کے بھی منکر تھے۔ ان کا گمان تھا کہ جب ہم مر جائیں گے تو دوبارہ کیسے ممکن ہے کہ ہم زندہ کئے جائیں؟ لہذا جب مر گئے تب سب ختم، کوئی بعثت بعد الموت ممکن نہیں ہے۔ حالانکہ اگر وہ اپنی پیدائش پر غور کرتے تھے ایسا ہر گز نہ کہتے کیونکہ جب ان کا کوئی وجود نہ تھا تب ان کو وجود کس نے عطا کیا؟ بے شک اسی نے پیدا کیا جو مرنے کے بعد دوبارہ پیدا فرمائے گا۔ اور بالکل اسی طرح وہ مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنے کی کامل قدرت رکھتا ہے جس طرح اس نے کامل قدرت سے اب ہمیں پیدا فرمایا ہے۔ اس کے بارے میں سورۃ واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَكَانُوا يَقُولُونَ أَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ٥ أَوَآبَاؤُنَا الْأَوَّلُونَ٥ قُلْ إِنَّ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ لَمَجْمُوعُونَ إِلَىٰ مِيقَاتِ يَوْمٍ مَعْلُومٍ﴾(1)

اور کہا کرتے تھے کہ کیا ہم مر جائیں اور مٹی اور ہڈیاں بن جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کیے جائیں گے؟ اور کیا ہمارے پہلے باپ دادا کو بھی (یہ ممکن نہیں) آپ کہہ دیجئے بے شک اگلوں کو بھی اور پچھلوں کو بھی سب کو جمع کیا جائے گا ایک مقررہ وقت پر اور ایک معلوم دن میں۔

کفار و مشرکین قیامت کے ہونے کو محال سمجھتے تھے۔ اپنے اس باطل عقیدے پر وہ عقلی دلیل قائم کرتے تھے کہ بھلا جو مر کر مٹی میں مل جائے وہ کیسے دوبارہ جی کر اُٹھ سکتا ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عقیدے کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ نہ صرف تم بلکہ ساری اولادِ آدم قیامت کے دن زندہ ہو کر اپنے عظیم رب کے نبی کریم پیش ہو گی۔ اس دن کوئی جان ایسی نہیں ہو گی جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھیجا ہو اور وہ قیامت کو زندہ نہ ہو۔ اس دن سب کو اللہ تعالیٰ کے نبی کریم پیش ہو کر حساب دہ ہونا ہے اور بارگاہِ ایزدی سے نیکوکاروں اور بدکاروں کا نکھیڑا ہو جائے گا۔ جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں چلے جائیں گے۔ اور یہ سب کچھ ایک وقت مقررہ پر ہو گا جسے یومِ آخرت کہتے ہیں۔

مذکور الذکر بحث میں مشرکین کے عقائد کے بارے میں جو کچھ قرآن حکیم نے ارشاد فرمایا ہے، وہ بیان کیا گیا ہے۔ یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ مشرکین کے معاملات میں کہیں بھی کوئی امر درست نہ تھا۔ کہیں وہ بتوں کی پوجا، کہیں وہ ان کو رب کے ہاں سفارشی، تو کہیں وہ ان کو اللہ کا شریک ٹھہراتے تھے۔ اور اس جیسی کئی دوسری خصلتیں بھی ان میں نمایاں تھیں۔ جیسے جنات کی پرستش، فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہنا۔ یہ سب مشرکانہ، مفسدانہ اور باطلانہ عقائد تھے کہ جن کی نفی اور توحید کی تعلیم کے لیے آنحضرت ﷺ تشریف لائے۔ اور آپ ﷺ نے تشریف لا کر معاشرہ کو ان ظلمتوں اور تاریکیوں سے نکال کر اصلاح عقائد کا نبوی فریضہ سرانجام دیا۔

---

(1) الواقعہ: 47،48،49،50

۲۔یہود و نصاریٰ

یہودی اور عیسائی ہیں تو اہل کتاب اور توحید پرست مگر ان کے عقائد میں بہت سی خرابیاں پیدا ہو گئیں تھیں۔اس سے بڑی خرابی اور کیا ہو گی کہ یہ خدا تعالیٰ کی ذات کو ہی یکتا نہ مانتے تھے۔بلکہ انبیاء علیہم السلام کو خدا کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے۔اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخیاں کرتے تھے۔یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے تھے اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿ وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ذَلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّى يُؤْفَكُونَ ﴾(1)

اور (ان لوگوں کی شرکیات کا عالم یہ ہے کہ) یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں، اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں، یہ بے حقیقت باتیں ہیں ان کے مونہوں کی، یہ نقل کرتے ہیں ان کافروں کی جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں، خدا ان کا ناس کرے، یہ کدھر الٹے کئے جا رہے ہیں؟

یہودی حضرت عزیر کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا مانتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور برتر و بلند ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو۔اس لیے یہودیوں نے سیدنا عزیر علیہ السلام کے متعلق جو فرسودہ عقائد گھڑ لیے تھے وہ سب شیطانی اور وہم کی بنیاد پر تھے۔ایسے ہی نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔اس پر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں گروہوں کی نفی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ ان کی زبانی باتیں ہیں جو بے دلیل و بے سروپا ہیں۔اور جس طرح ان سے پہلے کے لوگ کفر و ضلالت میں مبتلا تھے یہ بھی انہی کے مرید و پیروکار ہیں۔نصاریٰ نے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ بعض بندگانِ خدا کو بھی اپنا معبود بنا لیا تھا۔وہ اپنے بزرگوں یعنی علماء و صوفیاء کی بھی عبادت کرنے لگے تھے۔حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات ان کے سامنے تھی مگر وہ ان سے سرفِ نظر کر رہے تھے۔ان کے اسی عقیدے کے بارے میں سورہ توبہ کے اندر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾(2)

انہوں اپنے عالموں اور اپنے پیروں کو اپنا رب بنا دیا اللہ کے سوا اور مسیح ابن مریم کو بھی، حالانکہ ان کو حکم نہیں ہوا تھا مگر اس بات کا کہ یہ لوگ بندگی کریں ایک ہی معبود (برحق) کی کوئی بھی معبود نہیں سوائے اس (وحدہ لاشریک) کے، پاک ہے وہ اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

---

(1) التوبہ:۳۰

(2) ایضاً:۳۱

یہود و نصاریٰ نے اپنے علماء کو رب مان لیا تھا۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی معصیت میں ان کی اطاعت کرتے تھے۔ یعنی علماء ان کو احکام الٰہی کے منافی جو کچھ بھی تعلیم کرتے وہ اس پر عمل کرتے۔ جیسے ان کے احبار ان پر اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کر دیتے اور حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کر دیتے تھے۔ اسی طرح عیسائیوں کے شرکیہ عقائد میں سے ایک عقیدہ تثلیث (باپ، بیٹا، اور روح القدس) بھی ہے۔ جس کا رد قرآن مجید نے کیا ہے۔ سورۃ المائدہ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا إِلَٰهٌ وَاحِدٌ وَإِنْ لَمْ يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾(1)

بلاشبہ پکے کافر ہیں وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا ایک ہے، حالانکہ کوئی بھی معبود نہیں، سوائے ایک معبود (برحق) کے، اور اگر یہ لوگ باز نہ آئے اپنی ان باتوں سے جو یہ کہتے (بناتے) ہیں تو ضرور بالضرور پہنچ کر رہے گا ان میں سے کافروں کو ایک بڑا ہی دردناک عذاب۔

باپ، بیٹا اور روح القدس (عقیدہ تثلیث) کا نظریہ عیسائیوں میں کیسے پروان چڑھا؟ اس کی حقیقت کچھ یوں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ابھی تین صدیاں پوری نہیں ہوئیں تھیں کہ یسوع کو کلام الٰہی (Logos) کا مجسمہ مان لیا گیا مگر اس کی الوہیت کا عام طور پر انکار کیا جاتا تھا۔ اس دوران ایریس (Arius) کے تنازعہ نے چوتھی صدی کے کلیسا کو جس اضطراب و حیرت میں مبتلا کر دیا تھا اس سے لوگوں کی توجہ اس طرف ہو گئی۔ ۳۲۳ء میں نیقیا (Nicaea) کی کونسل نے سرکاری طور پر یسوع کی الوہیت کو تسلیم کر لیا جس کو باقاعدہ مرتب کرنے کے بعد (NICENE CREED) کا نام دیا گیا۔ تھوڑا عرصہ ہنگامہ آرائی کے بعد مشرق و مغرب کے عیسائیوں نے اسی عقیدہ کو صحیح مسیحی عقیدہ مان لیا۔ بیٹے کی الوہیت کے ساتھ روح القدس کی الوہیت کو بھی مان لیا گیا۔ نیقیا کے عقیدہ کی فتح نے تثلیث کو عیسائی مذہب کے صحیح عقائد کا جزو لاینفک بنا دیا۔ بیٹے کی الوہیت کا مظہر یسوع کو مان لینے سے ایک نیا مسئلہ کھڑا ہو گیا وہ یہ کہ یسوع میں الوہیت و انسانیت کا باہمی تعلق کیا ہے؟ ۴۵۱ء میں کالسیڈن (Chalcedon) کی کونسل جو منعقد ہوئی اس میں طے پایا کہ مسیح کی ذات میں الوہیت اور انسانیت دونوں یکساں طور پر جمع ہیں اور باہمی امتزاج کے باوجود دونوں کی خصوصیات جُوں کی تُوں قائم ہیں۔ ۶۸۰ء میں قسطنطنیہ کی تیسری کونسل منعقد ہوئی اس میں اس پر مزید اضافہ کیا گیا کہ ان دو ماہیتوں کی الگ الگ مرضی اور مشیت ہے۔ مسیح دونوں مشیّتوں کا مالک ہے۔ مغربی کلیسا نے نیقیا، کالسیڈن اور قسطنطنیہ کے فیصلوں کو قبول کر لیا اور اس طرح تثلیث اور مسیح کے اندر دو مشیّتوں (خُدائی اور انسانی) کے وجود کے نظریات کو مشرق و مغرب کے کلیساؤں نے صحیح عقیدہ کے طور پر مان

---

(1) المائدہ: ۷۳

لیا۔[1]

کیسی فرسودہ سوچ تھی کہ شرک جیسے بدترین گناہ اور لعنت میں گرفتار ہونے کے باوجود یہود و نصاریٰ کا گمان تھا کہ ہم ہی اللہ تعالیٰ کی محبوب امتیں ہیں اور ان کے غرور کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے جیسا کسی کو بھی نہ سمجھتے تھے۔ ان کا دعوی تھا کہ صرف ہم لوگ ہی جنت کے حقیقی وارث ہیں اور ہمارے علاوہ کوئی جنت میں نہ جائے گا۔ ان کے اس فاسد عقیدہ کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرۃ میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَى تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾[2]

اور کہتے ہیں کہ جنت میں کوئی نہیں جائے گا مگر وہی جو کہ یہودی ہو، یا نصرانی، یہ ان کی اپنی (خود ساختہ) آرزوئیں ہیں (ان سے) کہو، کہ اچھا تو لاؤ تم لوگ اپنی دلیل اگر تم سچے ہو۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاری کے دعوے کو یکجا ذکر کیا ہے۔ ان دونوں میں سے ہر ایک اپنی جگہ مدعی تھا کہ صرف وہی جنتی لوگ ہیں۔ ان کے دعوے محض ذاتی اور انا کی بنیاد پر تھے۔ ان کے پس منظر میں کوئی بھی عقلی یا نقلی دلیل نہ تھی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ارشاد فرمایا، اے نبی ﷺ! آپ انہیں ان کے دعوؤں کی دلیل پیش کرنے کا چیلنج کریں۔ گویا مشرکین اور یہود و نصاریٰ ایک کھلی اور واضح گمراہی میں جی رہے تھے ۔ کہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اولیاء و انبیاء کو شریک ٹھہراتے تو کہیں غرور میں آکر خود کو تمام مخلوقات سے افضل و اعلیٰ سمجھتے۔ اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا اپنے حبیب مکرم ﷺ کی بعثت فرمائی اسلام کا ظہور فرمایا۔ آپ ﷺ نے آکر ان بد عقیدہ لوگوں کے عقائد فاسدہ، باطلہ اور رزیلہ کی نفی فرمائی۔ ان کے کفر کے زندان کو توڑا، ان کو توحید کی راہ دکھلائی اور اپنا عقیدہ ان کے سامنے رکھا اور عقائد اسلام کی وضاحت فرما کر ان لوگوں کو دعوت دی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ﴾[3]

ایمان لائے رسول اس پر جو اتاری گئی ان پر ان کے رب کی طرف سے اور اہل ایمان بھی یہ سب مانتے ہیں اللہ کو اس کے فرشتوں کو اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کو اور (کہتے ہیں) ہم فرق نہیں کرتے کسی میں اس کے رسولوں میں سے اور انہوں نے کہا کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت

---

(1) ضیاء القران، پیر کرم شاہ، ضیاء القران پبلیکیشنز، لاہور۔ ج ۱، ص ۴۹۸

(2) البقرۃ:۱۱۱

(3) البقرۃ:۲۸۵

کی ہم طالب ہیں تیری بخشش کے۔ اے ہمارے رب اور ہمیں تیری طرف ہی لوٹنا ہے۔

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ کے اس باطل عقیدے (کہ وہ اللہ رب العزت کے سوا معبودان باطل کو پوجتے اور اللہ والوں کو خدا کے ساتھ شریک ٹھہراتے) کا بھی رد فرمایا کہ ہم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور اسی سے مدد مانگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ ﴾ (1)

تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔

اسی طرح رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے جب دیکھا کہ مشرکین اللہ کے سوا معبودان باطل کے حق میں گواہی دیتے ہیں تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان کی نفی کی اور فرمایا میں ایسی بے ہودہ اور لچر گواہی کو نہیں مانتا کیوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں تمہاری کفریات سے باز ہوں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ أَيُّ شَيْءٍ أَكْبَرُ شَهَادَةً قُلِ اللَّهُ شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَذَا الْقُرْآنُ لِأُنْذِرَكُمْ بِهِ وَمَنْ بَلَغَ أَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُونَ أَنَّ مَعَ اللَّهِ آلِهَةً أُخْرَى قُلْ لَا أَشْهَدُ قُلْ إِنَّمَا هُوَ إِلَهٌ وَاحِدٌ وَإِنَّنِي بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ ﴾(2)

(ان سے) پوچھو کہ کس کی گواہی سب سے بڑھ کر ہے، کہو اللہ ہی (سب سے بڑا اور سب سے سچا گواہ ہے، میرے اور تمہارے درمیان، اور وحی کے ذریعے بھیجا گیا میری طرف یہ قرآن تا کہ اس کے ذریعے میں خبردار کروں تم لوگوں کو بھی اور ہر اس شخص کو بھی جس کو یہ پہنچے، کیا (اس کے بعد بھی) تم لوگ واقعی یہ شہادت دے سکتے ہو کہ اللہ کے ساتھ کچھ اور معبود بھی ہیں، کہو میں تو بہر حال یہ گواہی نہیں دے سکتا، کہو کہ بیشک معبود تو بس وہی ایک (اللہ) ہے، اور میں قطعی بیزار ہوں ان سے جنہیں تم لوگ شریک ٹھہراتے ہو۔

عقل ہونے کے باوجود ان ظالموں نے بتوں کو خود اپنے ہی ہاتھوں سے تخلیق کر کے ان کو اپنا خالق تسلیم کر لیا۔ حالانکہ یہ خود بے جان ہیں۔ ان بتوں کی نفی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تو وہ ہے جس نے ہر شے پیدا فرمائی، اور ہر شے کے نفع و نقصان کا مالک بھی وہی ہے۔ جبکہ بتانِ باطل تو کسی نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ

---

(1) الفاتحہ:۴

(2) الانعام:۱۹

الْأَمْرَ مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ﴾[1]

بیشک رب تم سب کا (اے لوگو) وہی اللہ ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں کے اندر، پھر وہ جلوہ فرما ہوا عرش پر، (جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے) وہی تدبیر فرماتا ہے ہر کام کی، (اس کے یہاں) کسی کو بھی سفارش کا یارا نہیں، مگر اس کے اذن کے بعد، یہی اللہ رب ہے تم سب کا، پس تم اسی کی بندگی کرو، تو کیا تم لوگ سبق نہیں لیتے؟

نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی دعوت دینی شروع کی گمراہ عقائد کا صراحتاً رد کیا۔ لوگوں کو حق سے آشکار کیا اور باطل سے دور کیا۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ نے بڑا خو بصورت پیغام اصلاح انسانیت کے لیے نازل فرمایا تا کہ لوگ حتمی طور پر جان جائیں کہ اسلام کے عقائد کیا ہیں اور کس طرح ان عقائد کو تسلیم کر کے عملی صورت اختیار کرنی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾[2]

(اے محمد ﷺ) کہہ دو کہ لوگو! میں تم سب کی طرف خدا کا بھیجا ہوا ہوں (یعنی اس کا رسول) (وہ) جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی زندگانی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے تو خدا پر اور اسے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پیغمبر امی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر جو خدا پر اور اسکے (تمام) کلام پر ایمان رکھتے ہیں ایمان لاؤ اور ان کی پیروی کرو تاکہ ہدایت پاؤ۔

نبی کریم ﷺ نے اصلاح عقائد پر بعینہ احکام الٰہی کے مطابق کام کیا۔ شروع میں بے حد مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ مکہ کی ابتدائی اشاعت و تبلیغ سے لے کر شعب ابی طالب کی گھاٹی تک اور سفر طائف سے لے کر ہجرت مدینہ تک مسلسل مشرکین کی طرف سے مصائب کا سامنا رہا۔ پھر بھی کچھ لوگوں نے گمراہ عقائد ترک کر کے اسلام کے صحیح عقائد تسلیم کئے۔ جبکہ اکثر نے ماننے سے انکار کیا تو کچھ نے استہزا کیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی دل جوئی کے لیے ارشاد فرمایا:

---

(1) یونس:۳

(2) الاعراف:۱۵۸

﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ O إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ﴾[1]

پس جو حکم تم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا ہے وہ لوگوں کو سنا دیں اور مشرکین کا ذرا بھی خیال نہ کریں۔ ہم آپکی طرف سے ان مذاق اڑانے والوں (کو سزا دینے) کے لیے کافی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ بہر حال انسان اور بشر تھے۔ وہ جب دیکھتے کہ لوگ کفر و شرک پر اصرار کرتے ہیں، الٹا داعیان حق کے ساتھ مذاق کرتے ہیں، تو آنحضرت ﷺ کو اس پر سخت غصہ آتا تھا۔ اور آپ ﷺ بہت زیادہ غمگین و پریشان ہوتے تھے۔ اس پر آپ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی تعریف و تسبیح کرتے رہیں اور اس کی بندگی کرتے رہیں۔ لوگوں کی جانب سے جو ہنسی مذاق ہوتا ہے اسے برداشت کریں اور عمر بھر یاد الٰہی میں مشغول رہیں۔ یہاں تک کہ آپ کو حق الیقین آجائے اور آپ اللہ تعالیٰ کے جوار رحمت میں چلے جائیں۔ ایک خوبصورت انداز اصلاح عقائد کا اہل کتاب کے لیے سورہ ال عمران میں نظر آیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اہل کتاب کو بڑے پہلوؤں سے دعوت توحید دی۔ ان کے مشرکانہ عقائد کو ختم کرنے اور یگانگت پیدا کرنے کی سعی کی۔ اہل کتاب کو ایک نقطہ وحدت پر اٹھا کر ناچاہا۔ تاکہ وہ شرک کی لعنت سے باہر نکل آئیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ﴾[2]

کہو اے اہل کتاب، آؤ تم ایک ایسی بات کی طرف جو کہ یکساں ہے، ہمارے اور تمہارے درمیان، کہ ہم کسی کی بھی بندگی نہیں کریں گے سوائے ایک اللہ کے، اور ہم کسی بھی چیز کو (کسی بھی طور پر) اس کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے، اور نہ ہی ہم میں سے کوئی کسی کو اپنا رب بنائے گا سوائے اللہ کے، پس اگر (اس واضح اور معقول بات کے بعد) یہ لوگ روگردانی کریں، تو کہو کہ تم لوگ گواہ رہو کہ بیشک ہم تو (بہر طور اسی کے) فرمانبردار ہیں۔

اس جگہ یہودیوں، عیسائیوں اور ان جیسے دیگر لوگوں سے خطاب ہو رہا ہے، کلمہ کا اطلاق مفید جملے پر ہوتا ہے، جیسے یہاں کلمہ کہہ کر پھر سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ کے ساتھ اس کی تعریف یوں کی گئی ہے۔ سَوَاءٍ کے معنی عدل و انصاف جیسے ہم کہیں ہم تم برابر ہیں، پھر اس کی تفسیر کی خاص بات یہ ہے کہ ہم ایک اللہ ہی کی عبادت کریں۔ اس کے ساتھ کسی بت کو نہ پوجیں۔ صلیب، تصویر، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو، نہ آگ کو، نہ کسی اور چیز کو بلکہ تنہا اللہ

---

(1) الحجر: ۹۵،۹۴

(2) آل عمران: ۶۴

وحدہ لاشریک کی عبادت کریں، یہی عبادت تمام انبیاء کرام کی تھی۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلا أَنَا فَاعْبُدُونِ﴾[1] یعنی تجھ سے پہلے جس جس رسول کو ہم نے بھیجا، سب کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ پس تم میری ہی عبادت کیا کرو۔ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾[2] یعنی ہر امت میں رسول بھیج کر ہم نے یہ اعلان کروایا کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے سوا سب سے بچو۔ پھر فرمایا کہ آپس میں بھی ہم اللہ جل جلالہ کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو رب نہ بنائیں، ابن جریجؒ فرماتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں ایک دوسرے کی اطاعت نہ کرو۔ عکرمہؒ فرماتے ہیں، کسی کو سوائے اللہ تعالیٰ کے سجدہ نہ کریں، پھر اگر یہ لوگ اس حق اور عدل کی دعوت کو بھی قبول نہ کریں تو انہیں تم اپنے مسلمان ہونے کا گواہ بنالو۔[3]

ثابت یہ ہوتا ہے کہ مشرکین اور یہود و نصاریٰ باطل عقائد کے حامل تھے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں شرک کرنے والے تھے۔ خاص کر مشرکین تو اس حد تک گر چکے تھے کہ انسانیت تک سے بھی شناسا نہ تھے۔ اسی لیے امام الانبیاء ﷺ نے بنیادی طور پر سب سے پہلے مشرکین اور یہود و نصاریٰ کے عقائد کی تردید کی اور اصلاح عقائد پر زور دیا۔ ۲۳ برس کے عرصہ تبلیغ دین میں اسلام تیزی سے پھیلنے لگا اور شرکیہ عقائد کے لوگ کفر و شرک کے زندانوں سے نکل کر دینِ اسلام کی آغوش میں آنے لگے۔ قرآن مجید میں بڑی تفصیل سے اس سارے معاملے کو بیان کیا گیا ہے۔ اسی لیے آپ مکی سورتوں کے اسلوب کو اگر بغور مطالعہ کریں تو بنیادی طور پر اصلاح عقائد کا زیادہ ذکر انہیں سورتوں میں ہے کیونکہ جب اصلاح عقائد ہو گی تبھی اصلاح اعمال کا مرحلہ شروع ہو گا۔

---

(1) الانبیاء:۲۵

(2) النحل:۳۶

(3) تفسیر القرآن العظیم، ج۸، ص۵۵

مبحث دوم: اصلاحِ اعمال

اصلاحِ عقائد کے بعد دوسرا بڑا مقصد اصلاحِ اعمال یعنی تزکیہ نفس ہے نبی کریم ﷺ اولاً انذار ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾(1) (اے نبی اپنے قریبی رشتہ داروں کوڈرائیں) کے مصداق بنے۔ جب لوگ حلقہ بگوشِ اسلام ہونا شروع ہوئے اور انھوں نے کفر کے طوق نکال دیئے اور عقائدِ اسلام قبول کر لیے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے رسول اللہ ﷺ نے اہلِ اسلام کو اللہ تعالیٰ کی آیات واحکام سنائے ان کے اعمال کی اصلاح کی اور ان کے اندر تزکیہ نفس پیدا کیا، کتاب وحکمت کی تعلیم دی جو کہ بعثت نبوی ﷺ کا مقصد تھا وہ پورا کیا۔ اس مقاصد بعثت کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے سورہ البقرۃ میں کیا ہے کہ ہم نے تمہاری طرف رسول ﷺ کو اسی لیے بھیجا کہ وہ تمہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیں اور تمہارے باطن کی اصلاح کریں تاکہ تم پاک ہو سکو۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِنْكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ﴾(2)

جس طرح ہم نے تم ہی میں سے رسول بھیجا۔ جو تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے تمہیں وہ چیزیں سکھاتا ہے جن سے تم بے علم تھے۔

قاضی ثناء اللہ اپنی تفسیر مظہری میں اس آیہ مقدسہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’تكرار الفعل يدل على ان هذا التعليم من جنس اخر ولعل المراد به العلم اللدني المأخوذ من بطون القران ومن مشكوة صدر النبي صلى الله عليه وسلم الذي لا سبيل الى دركه الا الانعكاس۔‘‘(3)

یعلم کا فعل دوبارہ ذکر کیا گیا جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ تعلیم پہلی تعلیم کتاب وحکمت سے الگ نوعیت کی ہے اور شاید اس سے مراد علمِ لدُنّی ہے جو قرآن کے باطن اور نبی کریم ﷺ کے منوّر وروشن سینہ سے حاصل ہوتا ہے اور اس کے حصول کا ذریعہ یہ مروجہ تعلیم وتعلّم نہیں بلکہ انعکاس ہے۔ یعنی آفتاب قرآن کی کرنیں اور ماہتابِ نبوت کی شعاعیں دل کے آئینہ پر منعکس ہوتی ہیں۔

گویا بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں حلقہ بگوشِ اسلام ہونے والے نفوسِ قدسیہ ایمان لانے کے بعد اپنے تزکیہ نفس کے لیے اصلاحِ احوال کی طرف متوجہ ہوتے۔ علامہ ابن کثیرؒ اس آیہ کریمہ کی تشریح میں لکھتے ہیں:

---

(1) الشعراء: ۲۱۴

(2) البقرۃ: ۱۵۱

(3) التفسیر المظہری، پانی پتی، قاضی محمد ثناء اللہ، الباکستان: مکتبہ الرشدیہ، ۱۴۱۲ھ، ج۱، ص۱۴۹

''يُذكر تَعَالَى عِبَادَهُ الْمُؤْمِنِينَ مَا أَنْعَمَ بِهِ عَلَيْهِمْ مِنْ بِعْثَةِ الرَّسُولِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْهِمْ، يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِ اللَّهِ مُبَيِّنَاتٍ وَيُزَكِّيهِم، أَيْ: يُطَهِّرُهُمْ مِنْ رَذَائِلِ الْأَخْلَاقِ ودَنَس النُّفُوسِ وَأَفْعَالِ الْجَاهِلِيَّةِ، وَيُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ،وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ۔وَهُوَ الْقُرْآنُ۔وَالْحِكْمَةَ۔وَهِيَ السُّنَّةُ۔وَيُعَلِّمُهُمْ مَا لَمْ يَكُونُوا يَعْلَمُونَ. فَكَانُوا فِي الْجَاهِلِيَّةِ الْجَهْلاء يُسفَهُون بِالْقَوْلِ الفرى،فَانْتَقَلُوا بِبَرَكَةِ رِسَالَتِهِ،وَيُمن سِفَارَتِهِ، إِلَى حَالِ الْأَوْلِيَاءِ، وَسَجَايَا الْعُلَمَاءِ فَصَارُوا أَعْمَقَ النَّاسِ عِلْمًا، وَأَبَرَّهُمْ قُلُوبًا، وَأَقَلَّهُمْ تَكَلُّفًا، وَأَصْدَقَهُمْ لَهْجَةً.''(1)

یہاں اللہ تعالیٰ اپنی بہت بڑی نعمت کا ذکر فرمارہاہے کہ اس نے ہم میں ہماری جنس کا ایک نبی مبعوث فرمایاجو اللہ تعالیٰ کی نورانی اور روشن کتاب کی آیتیں ہمارے سامنے تلاوت فرماتا ہے اور رذیل عادتوں اور نفس کی شرارتوں اور جاہلیت کے کاموں سے ہمیں روکتاہے اور ظلمتِ کفر سے نکال کر نورِ ایمان کی طرف رہبری کرتا ہے اور کتاب و حکمت یعنی قرآن و حدیث ہمیں سکھاتا ہے اور وہ راز ہم پر کھولتا ہے جو آج تک ہم پر نہیں کھلے تھے پس آپ کی وجہ سے وہ لوگ جن پر صدیوں سے جہل چھایا ہوا تھا، جنہیں صدیوں سے تاریکی نے گھیر رکھا تھا، جن پر مدتوں سے بھلائی کا پرتو بھی نہیں پڑا تھا۔ دنیا کی زبردست ہستیوں کے استاد بن گئے، وہ علم میں گہرے تکلف میں تھوڑے دلوں کے پاک اور زبان کے سچے بن گئے، دنیا کی حالت کا یہ انقلاب بجائے خود آپ ﷺ کی رسالت کی تصدیق کا ایک شاہد وعدل ہے۔ ایسے ہی سورہ الجمعہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے منصب اور مقصد بعثت بیاں کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ﴾(2)

وہی ذات جس نے ناخواندہ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجاجو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتاہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے یعنی وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

ان مذکورہ بالا آیات مبینات میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے پانچ اہم مقاصد بتائے گئے ہیں۔

۱۔ اللہ کی آیات سنانا یعنی دعوت وارشاد کا کام

۲۔ تزکیہ نفس یعنی باطنی طہارت کا کام کرنا لوگوں کی قلبی کدورتوں کو بھی مٹانا۔

۳۔ قرآن حکیم کی تعلیم دیناجیسا کہ درس گاہِ صفہ میں اہتمام تھا۔

۴۔ حکمت کی باتیں بتانا اور فراست مومن کو اجاگر کرنا۔

---

(1) تفسیر القرآن العظیم، ج۱، ص ۴۶۴

(2) الجمعہ:۲

۵۔وہ علم جو نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے عطا کیا وہ سیکھنا چاہیے، چاہے وہ جدید علم ہو یا قدیم، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو بہت سارا علم عطا فرمایا تھا۔ جس سے آپ نے اپنے غلاموں کو مستفید فرمایا۔ آپ ﷺ کے علم پر درج ذیل آیات شاہد ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ أَنْ يُضِلُّوكَ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّونَكَ مِنْ شَيْءٍ وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا﴾[1]

اور اگر نہ ہوتی اللہ کی مہربانی، اور اس کی رحمت، آپ پر (اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)!) تو یقیناً ٹھان لی تھی ان لوگوں میں سے ایک گروہ نے کہ وہ بھٹکا دیں آپ کو (راہ حق وصواب سے) حالانکہ وہ بھٹکاتے نہیں مگر خود اپنے ہی آپ کو، اور آپ کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے، اور اتاری اللہ نے آپ پر کتاب اور (عطا فرمائی اس نے آپ کو) حکمت، اور سکھایا اس نے آپ کو وہ کچھ جو آپ نہیں جانتے تھے، اور اللہ کا فضل آپ پر بہت بڑا ہے۔

امام قرطبی اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ:

"و علمک مالم تکن تعلم یعنی من الشرائع و الاحکام"[2]

جو کچھ آنحضرت ﷺ نہیں جانتے تھے وہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھایا وہ شرائع واحکام ہیں۔

امام صاحب کے مطابق اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو جو علم عطا فرمایا وہ شریعت اسلامی کا علم ہے اور اسی کا خصوصیت سے ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ علم آپ نہیں جانتے تھے جو ہم نے آپ کو سکھایا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل عظیم ہے۔ امام بغوی اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"(وعلمک مالم تکن تعلم) من الاحکام، وقیل من العلم الغیب، وکان فضل اللہ علیک عظیما"[3]

جو کچھ آپ ﷺ نہیں جانتے تھے وہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھایا وہ احکام الٰہی ہیں اور کہا گیا ہے کہ علم غیب ہے (یعنی وہ اخبار جو مابعد زندگی اور قیامت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عطا فرمائیں اور جتنا چاہا اتنا باخبر کیا) اور یہ اللہ تعالیٰ کا آپ ﷺ پر احسان تھا۔

---

(1) النساء:۱۱۳

(2) الجامع لاحکام القرآن، القرطبی، ج۵، ص ۳۸۲

(3) معالم التنزیل فی تفسیر القرآن، ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی، بیروت: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۲۰ھ، ج۱، ص ۷۰۰

اللہ تعالیٰ کے نبی کریم ﷺ پر فضل واحسان کا ایک انداز یہ بھی ہے۔ارشاد فرمایا:

﴿سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسَىٰ﴾[1]

ہم آپ کو عنقریب سکھائیں گے پھر آپ بھلا نہ پائیں گے۔

آنحضرت ﷺ کے لیے یہ بہت بڑی خوشخبری تھی کہ آپ حفظ قرآن کریم کے لیے پریشان رہتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس حوالے سے بے فکر کر دیا۔اور فرمایا کہ آپ مطمئن رہیں ہم عنقریب آپ کو ایسا یاد کرا دیں گے کہ پھر کبھی آپ اس کو بھلا نہ پائیں گے۔اللہ تعالیٰ سے فضل پا کر آگے انسانیت کی اصلاح کا کام شروع کیا۔نبی کریم ﷺ نے تزکیہِ نفس کے ساتھ ساتھ عبادات پر بھی کافی تلقین کی۔کیونکہ عقائد کی درستگی کے بعد عبادات انسان کے اندر اچھے معاشرتی اوصاف پیدا کرتی ہیں جس سے اصلاحِ احوال اور اصلاحِ معاشرہ میں ایک فعال کردار ادا ہوتا ہے۔جیسا کہ نماز کی ادائیگی برائیوں سے بچاتی ہے انسان جب نماز ادا کرتا ہے تو اس کا اخلاقی چال چلن بھی درست ہوتا ہے۔نیکی میں تعاون کرنے اور برائی سے دور رہنے کی رغبت پیدا ہوتی ہے۔فحش گوئی اور بدکلامی سے انسان دور رہتا ہے۔اسی لیے آنحضرت ﷺ نے حکم الہی کے عین مطابق عبادات کے ذریعے بھی اصلاح اعمال کا فریضہ سرانجام دیا۔جس کے لیے اولین ذریعہ نماز تھا۔جس کی افادیت واہمیت بہت زیادہ بیان کی گئی ہے بلکہ بار بار کی گئی ہے۔ایک مقام پر نماز کی افادیت کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿اتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ﴾[2]

پڑھتے (اور سناتے) جاؤ (اے پیغمبر!) اس (عظیم الشان) کتاب کو جو بذریعہ وحی بھیجی گئی ہے آپ کی طرف اور قائم رکھو نماز کو بیشک نماز روکتی ہے بے حیائی اور برائی سے اور اللہ کی یاد یقینا سب سے بڑھ کر ہے اور اللہ خوب جانتا ہے وہ سب کچھ جو تم کرتے ہو۔

اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ نماز پابندی اور نگہبانی سے پڑھتے رہیں۔نماز انسان کو ناشائستہ کاموں اور نافرمانیوں سے باز رکھتی ہے۔اور جس کی نماز اسے گناہوں اور سیاہ کاریوں سے باز نہ رکھ سکے وہ اللہ سے بہت دور چلا جاتا ہے۔اصلاح اعمال کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ بندہ اپنے نفس کو رزائل سے محفوظ کر کے اتباع شریعت میں ڈھال لے۔اسی لیے آنحضرت ﷺ نے اصلاح اعمال میں سب سے قبل انسان کو اپنے رب کے نبی کریم لا کر پیش کر دیا تا کہ اس کو اعمال کی معراج حاصل ہو جائے اور یہ رجوع الی اللہ کر سکے۔اسی طرح اصلاحِ اعمال میں دوسرا بڑا کردار نماز کے

---

(1) الاعلیٰ:۶

(2) العنکوت:۴۵

بعد روزہ کا ہے۔ روزہ رکھنے سے انسان خواہشات نفسانی کو قابو کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے انسان ہر وقت محسوس کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے۔ اس لیے میں کامل طریقے سے روزہ رکھوں۔ مشق کی جب کثرت ہوتی ہے تب انسان میں تقویٰ پیدا ہوتا ہے جو کہ روزہ رکھنے کا اصل منشاء ایزدی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾(1)

تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جیسا کہ تم سے پہلی امتوں پر بھی فرض کئے گئے تھے تا کہ تم متقی بن جاؤ۔

اللہ تعالیٰ نے اس امت کے ایمانداروں کو حکم دیا ہے کہ روزے رکھو۔ روزہ کے معنی ہیں، اللہ تعالیٰ کے فرمان کی بجا آوری کہ خالص نیت کے ساتھ کھانے پینے اور جماع سے رکنا ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ نفس انسانی پاک وصاف اور طیب وطاہر ہو جاتا ہے۔ برے اور فحش اخلاق سے انسان بچ جاتا ہے۔ ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اس امر کی بھی وضاحت فرمادی کہ اس عبادت کو بجالانے میں تم تنہا نہیں ہو بلکہ تم سے اگلوں کو بھی روزے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس اہم ترین فریضہ کی ادائیگی کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ یہ امت کہیں اس عبادت کی بجا آوری میں اگلی امتوں سے پیچھے نہ رہ جائے۔ جیسے المائدہ کی آیت نمبر ۴۸ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہر ایک کے لیے ایک راستہ اور طریقہ ہے، اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت کر دیتا لیکن وہ تمہیں آزمارہا ہے۔ تمہیں چاہیے کہ نیکیوں میں سبقت کرتے رہو۔ اسی مقام پر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ روزے تم پر اسی طرح فرض ہیں جس طرح اگلی امتوں پر فرض تھے اور روزے سے بدن کی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے اور شیطانی کاموں سے بچا جاتا ہے۔ آج کل المیہ یہ ہے کہ اکثر لوگ روزہ کی افادیت میں یہ بنیادی فائدہ حصولِ تقویٰ کا بہت کم ذکر کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک صحت یابی کا ملنا ہی روزہ کا اصل فائدہ ہے۔ جبکہ صحت روزہ کا ثانوی فائدہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا روزہ کی فرضیت کا اصل مقصد تقویٰ کا حاصل ہونا ہے۔ جیسا کہ مذکورہ بالا آیتِ کریمہ میں بیان ہوا ہے۔

اسی طرح عبادات میں زکوۃ کا اہم کردار ہے جس میں اجتماعی بھلائی ہے کہ اس طرح دولت چند ہاتھوں میں جمع نہیں رہتی بلکہ ایک خاص نظام کے تحت دولت پھرتی رہتی ہے۔ جس سے غریب کو فائدہ ہوتا ہے اور مفلسی ختم ہوتی ہے۔ اور زکوۃ کی ادائیگی سے صاحب مال کے رزق میں طہارت پیدا ہوتی ہے اور خاطر خواہ اضافہ بھی ہوتا ہے۔ اور یہ اسلام کا سب سے بڑا معاشی پلان ہے جس سے غربت کا خاتمہ ہوتا ہے اور دولت سارے ہاتھوں میں گردش کرتی ہے۔

---

(1) البقرۃ:۱۸۳

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾[1]

ان کے مال میں سے زکوٰۃ قبول کرلو کہ اس صدقہ سے آپ ان کے ظاہر و باطن کو پاک کرتے ہیں اور ان (کے نفسوں) کا تزکیہ کرتے ہیں اور ان کے حق میں دعائے خیریں کرتے ہیں کیونکہ آپ کی دعا ان کے لیے تسکین کا باعث ہے۔ اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

امام بغوی لکھتے ہیں کہ:

''خذ من اموالهم صدقة تطهرهم سے مراد گناہوں سے پاکی ہے اور تزكيهم بها سے مراد منافقت ختم کرکے اخلاص پیدا کرنا ہے۔''[2]

یہ عمل منافقت کی گندگی سے پاک کرکے اخلاص کی نعمت سے مالامال کرتا ہے۔ پس اصلاح اعمال میں زکوۃ کی ادائیگی کا فریضہ بھی شامل ہے۔ کہ اہل ایمان جو کچھ کماتے ہیں اس میں سے کچھ مقرر کردہ حصہ راہ خدا میں خرچ کرنے کا جذبہ بھی ان میں ہونا چاہیے۔ کیونکہ جب وہ انفاق فی سبیل اللہ کے مصداق بنتے ہیں تو اس سے تین فوائد حاصل ہوتے ہیں:

۱۔ ان کی کمائی سے غریب و مفلس کو زکوۃ و صدقات سے جو ملتا ہے اس سے ان کی معاشی حالت بہتر ہوتی ہے اور معاشرے کی بقا مزید مستحکم ہوتی ہے۔

۲۔ اس سے اہل ایمان کے رزق پاک ہوتے ہیں اور اس سے رزق میں خاطر خواہ اضافہ بھی ہوتا ہے۔

۳۔ اس سے مومن کو روحانی ترقی حاصل ہوتی ہے اور باطنی طہارت کا ذریعہ بنتی ہے۔

اسی طرح حج ہے جو کہ مسلمانوں کی اجتماعیت و عالمگیریت پر دلالت کرتا ہے۔ مسلمانوں کی جسمانی اور مالی عبادت کا مجموعہ ہے۔ اور وہ شخص جو صاحبِ حیثیت ہو کہ جو مالی و جسمانی لحاظ سے اس قابل ہو کہ وہ مشقت بھرا سفر کرکے وہاں جا کر ارکان حج ادا کرنے کی اہلیت رکھتا ہو اس کو زندگی میں ایک بار فرض کردیا گیا ہے کہ وہ بیت اللہ کا حج کرے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی حیاتِ طیبہ میں ایک مرتبہ حج ادا فرمایا اور اس کی ادائیگی کی تعلیم اپنے اصحاب کو دی۔ فرضیتِ حج کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ ○ فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَقَامُ

(1) التوبہ: ۱۰۳

(2) معالم التنزیل فی تفسیر القرآن، ج۲، ص ۳۸۳

إِبْرَاهِيمَ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ﴾[1]

بیشک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لیے (روئے زمین پر اللہ کی عبادت و بندگی کیلئے) مقرر کیا گیا، وہ وہی ہے جو کہ مکہ میں ہے، جو کہ خیر و برکت کا مرکز، اور ایک عظیم الشان نشان ہدایت (اور مینارہ نور) ہے، سب جہان والوں کے لیے۔ اس میں (حق و صداقت کی) کھلی نشانیاں بھی ہیں، (اور خاص کر) مقام ابراہیم بھی، اور (اس کی عظمت شان کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ) جو اس (کی حدود) میں داخل ہو گیا وہ امن والا ہو گیا، اور لوگوں کے ذمے اللہ (کی رضا) کیلئے اس گھر کا حج کرنا فرض (ولازم) ہے، یعنی (ان میں سے) ہر ایسے شخص کے ذمے جو اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو اور جس نے انکار کیا تو (اس نے یقینا اپنا ہی نقصان کیا کہ) بیشک اللہ بے نیاز ہے تمام جہان والوں سے۔

حج کی فرضیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے مزید احکام سورۃ البقرۃ کے اندر بیان فرمائے ہیں۔ فرمایا کہ تم حج و عمرہ کو پورا کرو اور جو قربانی تمہیں میسر ہو وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرو۔ اسی طرح مزید احکام بھی اسی آیت میں بیان فرمائے ہیں کہ جیسے کوئی وقت سے پہلے سر منڈوالے تو اس کے ذمہ فدیہ روزوں، صدقہ یا قربانی کی صورت میں ہے اور جس شخص کو قربانی میسر نہ ہو وہ تین روزے حج کے دوران اور سات روزے گھر واپس آکر رکھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذَلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾[2]

اور پورا کرو تم حج و عمرہ کو اللہ کیلئے پھر اگر تم روک دیے جاؤ تو جو قربانی میسر ہو اسے اس کی بارگاہ اقدس میں پیش کر دو اور اپنے سر منڈاؤ تم لوگ یہاں تک کہ پہنچ جائے وہ قربانی اپنی جگہ پھر اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو جائے یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو جس کی بناء پر اسکو وقت سے پہلے ہی سر منڈوانا پڑھ جائے تو اس کے ذمے فدیہ و بدلہ ہے روزوں یا صدقہ یا قربانی کی صورت میں

---

(1) آل عمران:۹۷،۹۶

(2) البقرۃ:۱۹۶

تمہیں امن و سکون کی دولت نصیب ہو جائے تو جو کوئی فائدہ اٹھانا چاہے عمرے کو حج کے ساتھ ملا کر تو وہ ان دونوں عبادتوں کے جمع کرنے کے شکرانے کے طور پر جو قربانی اس سے ہو سکے ادا کرے مگر جس کو قربانی میسر نہ آئے تو وہ روزے رکھے تین حج کے دوران اور سات جب کہ تم لوٹ آؤ اپنے گھروں کو یہ پورے دس دن ہو گئے۔ یہ رعایت و اجازت صرف ایسے لوگوں کے لیے ہے جو مسجد حرام کے آس پاس اور اس کے قرب وجوار کے رہنے والے نہ ہوں اور اللہ سے ڈرتے رہو ہر حال میں اور یقین جانو کہ اللہ بڑا ہی سخت عذاب دینے والا ہے۔

حج بھی اصلاح اعمال کا ذریعہ ہے۔ مسلمان دور دراز سے جان و مال خرچ کر کے راہ خدا میں عبادت بجالانے حرمین میں حاضر ہوتے ہیں۔ یہ بہت ہی مشقت والی عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں جانی و مالی عبادات کی ادائیگی کا حکم دیا ہے وہیں یہ مرکب (جانی و مالی) عبادت کی بجاوری کا حکم بھی دیا ہے۔ اب ان جملہ عبادات کے بارے میں دیکھنا یہ ہے کہ کیا ہم ان احکام کی تعمیل و تکمیل میں آزاد ہیں؟ کہ جس طرح چاہیں اور جب چاہیں ادا کر دیں یا ہمارے لیے کوئی ضابطہ کار بھی وضع کیا گیا ہے؟ جملہ اعمال صالحہ کی ادائیگی کے لیے ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی اتباع کریں۔ فرائض کی ادائیگی کے لیے ہم اپنی منشاو مرضی نہیں کریں گے کہ جس طرح حالات ہونگے یا ہماری طبیعت ہو گی ویسا ہم کریں گئے بلکہ جیسا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے یا عمل کیا ہے ویسے ہی ہم بھی کریں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں کامل نمونہ ہے۔ یعنی اتباع شریعت میں تمہیں اپنی مرضی نہیں کرنی بلکہ جیسا آنحضرت ﷺ نے کیا ہے ویسا ہی تم نے کرنا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ﴾(1)

بلاشبہ تمہارے لیے (اے لوگوں!) بڑا ہی عمدہ نمونہ ہے رسول اللہ (کی زندگی) میں یعنی ہر اس شخص کے لیے جو امید رکھتا ہو اللہ (سے ملنے) کی اور وہ ڈرتا ہو قیامت کے دن (کی پیشی) سے اور وہ یاد کرتا ہو اللہ کو کثرت سے۔

آپ ﷺ نے خود بھی اپنی اتباع کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ نماز کے بارے میں فرمایا:

« صلوا كما صلينا »(2)

---

(1) الاحزاب: ۲۱

(2) صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب الدعاء بعد الصلاۃ، حدیث نمبر ۶۳۲۹، ج ۸، ص ۷۲

یعنی تم نماز ایسے پڑھو جیسے مجھے پڑھتا دیکھتے ہو۔

یہی معاملہ جملہ عبادات و معاملات میں ہے کہ جیسے رسول اللہ ﷺ نے عبادات کیں ہیں ویسے ہی ہمیں کرنی چاہئیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نبی کریم علیہ السلام کی اتباع کی۔ جس طرح اعمال آپ ﷺ نے کئے اسی طرح صحابہ کرام نے کامل پیروی کی۔ خود نبی رحمت ﷺ نے ایک اور مقام پر اپنی پیروی کا واضح حکم ارشاد فرمایا۔ نبی کریم ﷺ نے اصلاح عقائد و اعمال میں اپنی اتباع کرنے کے لیے ایک خوبصورت مثال پیش فرمائی جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«قَالَ: خَطَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطًّا ، وَخَطَّ عَنْ يَمِينِ ذَلِكَ الْخَطِّ ، وَعَنْ شِمَالِهِ خَطًّا ، ثُمَّ قَالَ: " هَذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيمًا ، وَهَذِهِ السُّبُلُ عَلَى كُلِّ سَبِيلٍ مِنْهَا شَيْطَانٌ يَدْعُو إِلَيْهِ " ثُمَّ قَرَأَ:{ وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ ، وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ، فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ }» (1)

رسول اللہ ﷺ نے ایک خط کھینچا پھر آپ ﷺ اس سیدھے خط کے دائیں اور بائیں خط کھینچے پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ تیرے رب کا سیدھا راستہ ہے اور یہ راستے ہیں ان میں سے ہر راستے پر ایک شیطان ہے جو اپنی طرف لوگوں کو بلا رہا ہے۔ پھر نبی رحمت ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی یعنی اور بے شک میرا یہ سیدھا راستہ ہے اسکی پیروی کرو دیگر مختلف راستوں پر نہ چلو تب تم اس کی راہ سے بھٹک جاوگے۔

اس بحث سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مشرکین مکہ اور یہود و نصاریٰ کو سب سے قبل عقائد اسلامیہ کی تعلیم دی۔ اور ان کو فاسد و باطل عقائد رزیلہ سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس سے روشناس کرا یا۔ یہ وہ گمراہ اقوام تھیں جو بد اعمالی کی وجہ سے حد درجہ بگڑ چکی تھیں۔ ان کے عقائد و نظریات کے ساتھ ساتھ ان کی بد اعمالی بھی عروج پر تھی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے جب ان کو عقائد کی تعلیم دی تو انہوں نے بد اعمالیوں کو ترک کر دیا۔ اس کے بعد انہوں نے وہ اعمال شروع کر دیئے جس کا حکم شریعت نے ہمیں دیا ہے۔ جب عقائد و نظریات بھی سنور گئے اور اعمال بھی درست ہو گئے تو پھر اسلامی اصلاحی معاشرے کا دور شروع ہو گیا۔

---

(1) المستدرک علی الصحیحین، الحاکم، ابو عبد اللہ محمد انیشاپوری، دار الکتب العربی، بیروت، ج ۲، ص ۲۸۶

مبحث سوم: اصلاح معاشرہ

امام الانبیاء ﷺ نے اصلاح کا آغاز عقیدہ کی تعلیم وتربیت سے فرمایا۔ پھر اعمال کی اصلاح فرمائی اور لوگوں کے تزکیہ نفس کا اہتمام فرمایا۔ بارگاہ رسالت سے تربیت پانے والے افراد دو خصوصیات کے حامل تھے۔ جنہیں امام مسلم نے حدیث احسان میں روایت کیا ہے اور ان خصوصیات کی تفصیل پیش کی ہے۔ پہلی خصوصیت کہ جہاں اہل ایمان کو مشاہدہ حق حاصل ہو اور دوسری خصوصیت کہ جہاں انہیں بارگاہ ایزدی میں نبی کریمی کا مقام حاصل ہو۔ ایسی خصوصیات کے حامل لوگ کس طرح ممکن ہے کہ اخلاقی اقدار کے بلند ترین مقام سے نیچے آسکیں۔ اس لیے ان لوگوں کو معاشرتی اصلاح میں دشواری نہ پیش آئی بلکہ جیسا اللہ تعالیٰ کے رسول فرماتے یا عمل کر کے دکھاتے ویسے ہی سانچے میں یہ نفوس قدسیہ ڈھلتے چلتے گئے۔ نبی کریم ﷺ طبعاً سادگی پسند فرماتے تھے۔ اگر کبھی نعمتیں اور آسائشیں میسر بھی آتیں تو بے اعتنائی برتتے بلکل ایسے ہی رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف زیادہ رجحان، دنیاوی زندگی سے بے رغبتی، آپس میں اخوت وبھائی چارہ، جانثاری ووفاداری، احترامِ انسانیت، اخلاص، قربانی اور اسلامی اقدار کا فروغ جیسی صفات پائی جاتی تھیں۔ جس کی وجہ سے انہوں نے اسلامی معاشرہ کو ایک مثالی معاشرہ بنا کر پیش کیا۔

رسول اللہ ﷺ کی مثالی تربیت کا نتیجہ ہی تھا کہ جس سے عرب کے قبائل جو صدیوں سے باہم دست و گریبان تھے آپس میں شیر وشکر ہو گئے۔ اخوت وبھائی چارے اور محبت کے رشتہ میں منسلک ہو گئے۔ اوس وخزرج کے قبائل جو عرصہ قدیم سے ایک دوسرے کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے مگر جب معلم اعظم ﷺ نے معاشرتی تعلیم دی تو آپس میں ایسے بھائی بھائی بنے کہ تاریخ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں بھی بطور استحصان وتعریف ان کی اس محبت واخوت کا ذکر فرمایا ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾(1)

اور مضبوطی سے تھام لو تم لوگ اللہ کہ رسی کو، سب مل کر، اور آپس میں مت بٹو ٹکڑیوں میں اور یاد کرو اللہ کے اس (عظیم الشان انعام و) احسان کو جو اس نے تم پر فرمایا، جب کہ تم لوگ آپس میں ایک دوسرے کے دشمن بنے ہوئے تھے، تو اس نے باہم جوڑ دیا تمہارے (پھٹے ہوئے) دلوں کو، پھر تم اس کے فضل وکرم سے آپس میں بھائی بھائی بن گئے اور تم لوگ کھڑے تھے

(1) آل عمران: ۱۰۳

دوزخ کے (ہولناک گڑھے کے) عین کنارے پر، تو اس نے بچا لیا تم کو اس سے (اپنی رحمت بیکراں اور عنایت بے نہایت سے) اسی طرح اللہ بیان فرماتا ہے تمہارے لیے اپنی آیتیں، تا کہ تم لوگ سیدھی راہ پر رہو۔

نبی کریم ﷺ نے اسلامی معاشرے کا ایسا خوبصورت ڈھانچہ اور نظام تشکیل دیا جو تاریخ انسانی کا سب سے زیادہ مثالی اور فلاحی معاشرہ قرار پایا۔ اس فلاحی معاشرے کی چند امتیازی خصوصیات درج ذیل ہیں۔

ا۔ آزاد معاشرت

اسلامی معاشرت میں ہر فرد بنیادی طور پر مکمل آزاد ہے اس پر کسی دوسرے کی اطاعت اور غلامی بلکل نہیں ہے وہ صرف خدا تعالیٰ کے کسی کی اطاعت نہیں کرتا۔ صرف اتنا ضرور ہے کے معاشرے کو فعال اور مفید بنانے کے لیے حقوق و فرائض ضرور ہیں جن کو ادا کرنا معاشرتی حسن ہے۔ اس آزادی کا اعلان اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَنِ اهْتَدَى فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولًا﴾[1]

(پس) جو کوئی سیدھی راہ پر چلا تو وہ اپنے ہی لیے چلا، اور جو کوئی بھٹک گیا تو اس کا نقصان بھی خود اسی کو اٹھانا ہو گا، اور کوئی بھی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، اور ہم کبھی سزا نہیں دیتے جب تک ہم نہ بھیج دیں کسی رسول کو۔

اس آیت کریمہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ احکام الٰہی پر جو کوئی عمل کرتا ہے اور اصلاح کی راہ اختیار کرتا ہے تو اس سے وہ خدا تعالیٰ اور اس کے پیغمبر پر احسان نہیں کرتا، بلکہ خود اپنی ہی ذات پر اس کا یہ احسان ہوتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح جو شخص گمراہی کی راہ چل نکلتا ہے اور گناہوں پر مداومت اختیار کرتا ہے تو اس سے وہ اللہ تعالیٰ اور داعیان حق کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا بلکہ وہ اپنا ہی نقصان کر رہا ہوتا ہے۔ اور وہ لوگ جو داعی الی اللہ ہوتے ہیں وہ بھی کسی ذاتی یا دنیاوی اغراض و مقاصد کے لیے ایسا نہیں کرتے بلکہ وہ بھی لوگوں کی اصلاح کے پیش نظر ایسا کرتے ہیں۔ ایک ذی شعور انسان کے لیے کافی ہے کہ جب اس کے سامنے حق پر دلیل قائم کر دی جائے اور حق و باطل واضح ہو جائے تو وہ بلا تعصب حق کو تسلیم کرے۔ اگر ایسا نہ کرے گا تو وہ خود ہی اپنا بدخواہ ہو گا۔ اپنے حصہ کے تمام تر اعمال کا انسان خود ذمہ دار ہے۔ اسلام نے یہ آزادی ضرور دی ہے کہ انسان صرف خدا کے سامنے جھکے اور قانون الٰہی پر عملی مداومت اختیار کرے۔ لیکن بے لگام نہیں کیا کہ وہ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے دوسروں کے حقوق تلف کرے یا اموال

(1) بنی اسرائیل:۱۵

غصب کرے۔ بلکہ آزادی اپنے دائرہ کار کے اندر رہ کر مقاصد حاصل کرنے تک ہے۔ ایسے میں شریعت کی مقرر کردہ حدود تجاوز کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس آزادی میں ایک اور حقیقت یہ بھی ہے کہ ہر انسان اپنی اخلاقی ذمہ داری سمجھتا ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے نبی کریم جوابدہ ہونا ہے اور اس سے اس کے ہر عمل کے بارے میں سوال ضرور کیا جائے گا۔ یہ ہر ایک کی ذاتی ذمہ داری ہے کوئی بھی دوسرا اس کے ساتھ جوابدہی میں شریک نہیں ہے۔ تن تنہا انسان جوابدہ ہے۔ جس کے بعد اس کے اعمال اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سزا و جزا ملے گی۔ اس لیے آزادی کی ایک حد ہے کہ جس سے آگے سفر کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ انسان شریعت کی اتباع میں لگ جائے تو یہ آزادی کی حد (حدود اللہ) کو پامال نہیں کرے گا بلکہ وہ اھدنا الصراط المستقیم کا مصداق بن جائے گا۔

۲۔ اخوت و بھائی چارہ

اسلامی معاشرے کی لازوال خصوصیت بھائی چارہ ہے۔ اس کی مثال جب نبی کریم ﷺ کے اصحاب نے پیش کی تو ایسا خوبصورت معاشرہ تشکیل پایا کہ جس کی مثال تاریخ عالم آج تک پیش کرنے سے قاصر ہے اور یہ بھائی چارہ اسلام کے خوبصورت معاشرتی نظام کا جوہر ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴾[1]

سوائے اس کے نہیں کہ ایمان والے آپس میں بھائی ہیں پس (اختلاف کی صورت میں) تم صلح کرا دیا کرو اپنے دونوں بھائیوں کے درمیان اور (ہر حال میں) ڈرتے رہا کرو تم لوگ اللہ سے (اور بچتے رہا کرو اس کی نافرمانی سے) تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

اصلاح معاشرہ کا ایک خوبصورت مظاہرہ اخوت و بھائی چارہ ہے۔ اس آیت کریمہ سے مراد یہ ہے کہ مومن ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہیں۔ لہٰذا بھائی ایک دوسرے کے درمیان تعلقات کو درست کریں، اور اللہ تعالیٰ سے ڈریں امید ہے اللہ کریم ان پر رحم فرمائے گا۔ اسلامی اخوت کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمانوں کے درمیان محبت، سلامتی، تعاون اور اتحاد اصل الاصول ہو۔ اور مومنین کے درمیان جنگ و جدال نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے اجازت عطا فرمائی ہے کہ مومنین میں سے جو لڑیں بعض ایمان والوں کے ساتھ تو باقی ان کو روکیں اور اگر ان خلاف قتال کرنا پڑے تو اس سے بھی گریز نہ کریں یہاں تک کہ وہ جنگ سے باز آ جائیں۔ اسلامی معاشرہ کے لیے اخوت اساسی اصولوں میں سے ہے کہ جس کے بغیر معاشرہ ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہو سکتا۔ مسلمانان عالم عقیدہ کی بنیاد پر رشتہ اخوت سے ایسے منسلک ہو گئے ہیں کہ گویا وہ سارے ایک ہی خاندان کے افراد ہیں۔ بنیادی

---

(1) الحجرات: ۱۰

حقوق کے اعتبار سے کوئی ان میں امتیاز نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس مثالی اخوت کے بارے میں جو ارشاد فرمایا اس کو حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ نے نقل فرمایا۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد پاک ہے کہ:

«إِنَّ المؤْمِنَ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا۔»(1)

ایک مومن دوسرے مومن کے لیے عمارت کی مانند ہے کہ جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو مضبوط کرتا ہے۔ مسلمانوں کا باہم روحانی تعلق اور اخوت کا رشتہ اس قدر مظبوط ہو گیا تھا کہ مسلمانوں نے اپنے ہی قریبی رشتے دار کافروں کے خلاف جنگ کی۔ اسلام میں اقلیت کا تحفظ ضرور ہے مگر ایک مسلمان کی شہریت دوسرے غیر مسلم رشتہ دار سے الگ سمجھی جاتی ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے اپنے وطن مکہ پر حملہ کیا اور مسلمانوں نے اپنے قریبی رشتہ داروں کے خلاف جہاد کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کا نقطہ نظر اخوت کے بارے میں عالمگیر ہے۔ اسلامی معاشرت میں اخوت کی جو خوبصورت ترین امتیازی مثال ہجرت مدینہ کے فورا بعد آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب نے قائم کی ہے تاریخ عالم اس کی نظیر پیش کرنے سے مکمل طور پر قاصر ہے۔ جن کی نہ قوم ایک تھی نہ ہی تہذیب و تمدن ایک تھا، بلکہ مذہب بھی ایک نہ تھا مگر جب آنحضرت ﷺ نے انصار و مہاجرین کے درمیان اسلام قبول کرنے کے بعد اسلامی معاشرت کے تحت اخوت قائم کی تو وہ سب آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔

۳۔ مساوات

اسلام کے معاشرتی نظام کے تحت بحثیت انسان سب برابر ہیں۔ اسلام میں کوئی گنجائش نہیں تعصب اور رنگ و نسل کے امتیازات کی اور نہ ہی کوئی تفریق ہے امیر و غریب کی۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب برابر ہیں۔ دنیاوی اعتبار سے کوئی جتنا بھی امیر ہو، بااثر ہو، خوبصورت ہو، طاقت ور ہو، اقتدار کا حامل ہو یا اچھے قبیلے سے تعلق رکھتا ہو یہ تمام وجہ امتیاز نہیں ہیں کیونکہ امیر غریب، خوبصورت، بدصورت کمزور اور طاقت ور حکمران اور رعایا اور اونچی نیچی ذات کے افراد سب برابر ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے قانون میں سب مساوی ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں قابلیت تقویٰ ہے جو کہ معیار ہے۔ رنگ و نسل کے امتیازات کوئی معیار نہیں ہیں اسلام کے خوبصورت معاشرتی نظام میں پاپائیت یا رہبانیت کے لیے بھی بلکل کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نظر میں صرف وہ انسان زیادہ محبوب ہے جو متقی و پرہیز گار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر قرآن مجید میں اس کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾(2)

---

(1) صحیح بخاری: کتاب الصلاۃ، باب تشبیک الاصابع فی المسجد، حدیث نمبر: ۴۸۱، ج۱، ص ۱۰۳

(2) الحجرات: ۱۳

اے لوگوں یقینا ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں مختلف قوموں اور خاندانوں میں تقسیم کر دیا کہ تا کہ تم آپس میں پہچان کر سکو بیشک اللہ کے یہاں تم میں سے سب سے بڑا اعزت دار وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ متقی (و پرہیز گار) ہو بیشک اللہ پوری طرح جانتا ہے (تمہارے عمل و کردار کو اور وہ) پوری طرح باخبر ہے (تمہاری احوال سے)۔

امام ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اس نے تمام انسانوں کو ایک ہی نفس سے پیدا کیا ہے۔ یعنی آدم سے ان کی زوجہ اور پھر ان دونوں سے آگے باقی نسل انسانی کو پیدا کیا۔ شعوب، قبائل سے عام ہے۔ مثال کے طور پر عرب تو شعوب میں داخل ہے، پھر قریش غیر قریش پھر آگے ان کی تقسیم، یہ سب قبائل میں داخل ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ شعوب سے مراد عجمی لوگ اور قبائل سے مراد عرب کے گروہ ہیں۔"(1)

مقصد اس آیت کریمہ کا یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جو مٹی سے پیدا ہوئے تھے اور پھر ان سے آگے جو کل جہان کے لوگ پیدا ہوئے ہیں، وہ سب ہم مرتبہ ہیں۔ اب جو کچھ فضیلت جس کسی کو بھی حاصل ہوگی وہ امر دینی، اطاعتِ الٰہی اور اتباع نبی کی وجہ سے ہوگی۔ یہی راز ہے جو اس آیت کریمہ کو غیبت کی ممانعت اور ایک دوسرے کی توہین و تذلیل سے روکنے کے بعد وارد کیا، کہ سب لوگ اپنی پیدائشی نسبت کے لحاظ سے بالکل یکساں ہیں۔ کنبے، قبیلے، برادریاں اور جماعتیں صرف پہچان کے لیے ہیں۔ تاکہ گروپ بندی اور ہمدردی قائم رہے۔ فلاں بن فلاں قبیلے والا کہا جا سکے۔ اور اس طرح ایک دوسرے کی پہچان ہو سکے۔ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میرے ہاں تمہارے اعمال کے مطابق درجات ہیں۔ جس کے جتنے اعمال اچھے ہوں گے اتنے ہی اس کے درجات بھی بلند ہوں گے یعنی صرف تقویٰ اور اعمال صالحہ ہی امتیاز کا معیار ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِمَّا عَمِلُوا وَلِيُوَفِّيَهُمْ أَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ﴾(2)

ہر ایک کے لیے درجے ہیں جو انہوں نے عمل کیے تاکہ خدا ان کو ان کے اعمال کا پورا بدلہ دے اور ان پر کوئی ظلم نہ ہوگا۔

اسلامی معاشرت کی تاریخ میں بہت ساری خوبصورت امثال موجود ہیں جیسے غلام اور آقا کا امتیازی سفر، اپنی اپنی باری سوار ہونا اور غلاموں کو تقویٰ کی بدولت اتنا مقام ملا کہ وہ ریاست کے حکمران تک بن گئے، عورتوں کی خرید و

(1) تفسیر القرآن العظیم، ج۷، ص۳۸۵

(2) الاحقاف:۱۹

فروخت اور جائداد سے محرومی کو ختم کیا گیا۔ والدین کی عزت و تکریم کو بحال کیا گیا۔ اسلام نے مساوات پر بہت زیادہ زور دیا جس کی وجہ سے ابتدا سے ہی چند سالوں میں اس کی حدیں نصف دنیا سے تجاوز کر گئی۔ خود آنحضرت ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر مساوات کا واضح درس دیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب انسان برابر ہیں۔ رنگ و نسل، حسب و نسب اور عرب و عجم کی وجہ سے کسی ایک کو دوسرے پر کوئی برتری حاصل نہیں ہیں۔ سب ایک جیسے ہیں البتہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تقویٰ وجہ فضیلت ضرور ہے۔ یعنی جو متقی ہے وہ غیر متقی پر فوقیت رکھتا ہے۔

۴۔ عدل و انصاف

عدل و انصاف کی تاکید اللہ رب العزت نے اہل ایمان کو ابتدائی مکی زندگی میں ہی کثرت سے کی۔ عدل کے بغیر معاشرے قائم نہیں رہ سکتے۔ معاشرے کی تشکیل اور فلاح کے لیے عدل و انصاف بہت اہم اور فعال کردار ادا کرتے ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بہت سے مقام پر عدل و انصاف کرنے کا حکم دیا ہے۔ سورۃ الانعام میں ارشاد فرمایا۔

﴿وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّى يَبْلُغَ أَشُدَّهُ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَى وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ذَلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾(1)

اور (چھٹے یہ کہ) قریب نہ جانا تم یتیم کے مال کے، مگر اس طریقے کے ساتھ جو کہ سب سے اچھا ہو، یہاں تک کہ وہ پہنچ جائے اپنی بھرپور قوتوں کو، اور یہ کہ پورا کرو تم ناپ اور تول کو (عدل و انصاف کے ساتھ، ہم تکلیف نہیں دیتے کسی بھی جان کو مگر اس کی طاقت کے مطابق، اور جب تم بات کرو تو انصاف کی کرو، اگرچہ وہ شخص رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو، اور اللہ کے عہد کو پورا کرو، یہ ہیں وہ (اہم) باتیں جن کی تاکید فرمائی اس نے تم کو، تاکہ تم لوگ نصیحت حاصل کرو۔

اسی طرح سورۃ الحدید میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغامبروں کی بعثت کے ساتھ عدل و انصاف کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ﴾(2)

---

(1) الانعام:۱۵۲

(2) الحدید:۲۵

بلاشبہ ہم نے بھیجا اپنے رسولوں کو کھلی نشانیوں کے ساتھ اور ان کے ساتھ کتاب بھی اتاری اور میزان بھی تاکہ لوگ انصاف قائم کریں اور ہم نے لوہا اتارا جس میں بہت زور بھی ہے اور لوگوں کے لیے طرح طرح کے دوسرے فائدے بھی (تاکہ لوگ اس سے طرح طرح سے مستفید ہوں) اور تاکہ اللہ دیکھ لے کہ کون مدد کرتا ہے اللہ کی اور رسولوں کی بن دیکھے بیشک اللہ بڑا ہی قوت والا نہایت ہی زبردست ہے۔

سورۃ النحل میں عدل وانصاف کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

﴿ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَى وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾[1]

بیشک اللہ حکم فرماتا ہے عدل (وانصاف) کا، احسان کرنے اور رشتہ داروں کو دینے کو، اور وہ روکتا ہے بے حیائی، برائی اور زیادتی سے، وہ نصیحت فرماتا ہے تمہیں تاکہ تم لوگ سبق لو۔

تو گویا عدل سے مراد توازن کو برقرار رکھنا ہے یعنی ایسا انصاف کے جس میں ایسے توازن سے فیصلہ کیا جائے کہ طرفین کو حق ملے کسی ایک کے ساتھ کمی یا زیادتی نہ ہو۔ کمزور اور طاقت ور اگر آمنے سامنے آجائیں تو طاقت ور ظلم کر رہا ہو تو کمزور کی حفاظت کی جائے اور اس مظلوم کو حق ملنا چاہیے اور ظالم مفسد کو سزا ملنی چاہیے۔ امام الانبیاء ﷺ نے مسلم معاشرہ کی تشکیل کے لیے عدل کی تعلیم دی اور ہمیشہ مساوات کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا۔ اسی لیے آپ کے زمانے میں ایسی ایسی مثالیں انصاف پر مبنی موجود ہیں جن کو جان کو مسلمان کا سر فخر سے بلند ہوتا ہے۔

---

(1) النحل: ۹۰

فصل دوم: اسمائے رسول کریم ﷺ

مبحث اول: اسمائے ذاتیہ

رسول کریم ﷺ کے اسماء مقدسہ میں سے دو اسمائے پاک ذاتی ہیں۔ جن میں ایک محمد ﷺ اور دوسرا احمد ﷺ ہیں۔ جن کا ذکر جتنا بھی قرآن مجید میں بیان ہوا ہے وہ درج ذیل ہے۔

اسم محمد ﷺ

نبی کریم ﷺ کے اسمائے ذاتیہ میں سے "محمد" ﷺ ہے۔ اس کا معنی ہے، تعریف کیا ہوا، یعنی جس کی بار بار تعریف کی جائے۔[1] نبی کریم ﷺ کو اسی نام سے زیادہ پکارا جاتا ہے۔ اور یہ اسم "محمد" قرآن مجید میں چار بار آیا ہے۔

ا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ آل عمران میں نبی کریم ﷺ کے اسم محمد کا ذکر یوں بیان فرمایا ہے:

﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴾[2]

اور محمد (ﷺ) نہیں ہیں مگر ایک رسول ان سے پہلے بھی گزر چکے ہیں بہت سے رسول، تو کیا اگر وہ مر جائیں، یا قتل کر دیئے جائیں، تو تم لوگ (راہ حق و صواب سے) الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور (یاد رکھو کہ) جو کوئی پھر گیا (راہ حق و صواب سے) تو وہ (یقیناً اپنا ہی نقصان کرے گا) اللہ کا کچھ بھی نہیں بگاڑے گا، اور اللہ (ضرور اور) جلد ہی نوازے گا شکر گزاروں کو ان کے بدلہ سے۔

جنگ احد میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ، ابن قمئہ کے ہاتھوں شہید ہو گئے جن کے ہاتھ میں جھنڈا تھا۔ ان کی شہادت سے یہ گمان کر لیا گیا کہ آنحضرت ﷺ شہید ہو گئے ہیں اور شیطان نے پکار کر کہا سنو! محمد (معاذ اللہ) قتل کر دیئے گئے ہیں۔ جب آپ ﷺ کی شہادت کی خبر لوگوں تک پہنچی تو بعض ضعیف العقیدہ مسلمانوں نے کہا کاش عبد اللہ ابن ابی ہمیں ابو سفیان سے امان دلوا دے۔ اور منافقوں نے کہا اگر یہ نبی ہوتے تو قتل نہ کئے جاتے، تم اپنے بھائیوں اور اپنے دین کی طرف لوٹ جاؤ۔ اس پر حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے کہا اے قوم! اگر محمد ﷺ شہید ہو گئے ہیں تو محمد کا رب تو زندہ ہے جس کو موت نہیں آئے گی اور تم لوگ رسول اللہ ﷺ کے بعد زندہ رہ کر کیا کرو گے۔ جس دین کے لیے آپ ﷺ نے قتال کیا تم بھی اسی دین کی خاطر قتال کرو اور جس پر آپ فدا ہوئے اس پر تم

---

(1) لسان العرب، ج3، ص157

(2) آل عمران: ۱۴۴

بھی فدا ہو جاؤ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (1)

تو گویا اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اصحاب رسول کو یہ واضح فرمایا کہ محمد ﷺ خدا تو نہیں ہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ ان سے پہلے اور رسول بھی گزر چکے ہیں۔ اگر یہ رسول فوت ہو جائیں یا شہید ہو جائیں تو کیا تم لوگ اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے یعنی اپنے دین سے انحراف کر جاؤ گے۔ اور جو کوئی ایسا کرے گا کیا وہ اللہ تعالیٰ کا کوئی نقصان کرے گا؟ نہیں بلکہ وہ صرف اپنا ہی خسارہ کرے گا۔

اسم محمد (ﷺ) کی وضاحت۔

یہ آنحضرت ﷺ کا اسم ذاتی ہے اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ قدرے تفصیل سے اس کے بارے میں لکھا جائے۔ لہذا اسم محمد ﷺ کے فضائل و خصوصیات ذیل میں بیان کی گئی ہیں۔

اسم محمد ﷺ کے بارے میں ایک حدیث پاک ہے جس کو متعدد محدثین نے اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے:

« أن رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال:إِنَّ لِي أَسْمَاءً أَنَا مُحَمَّدٌ وَأَنَا أَحْمَدُ وَأَنَا الْمَاحِي الَّذِي يَمْحُو اللَّهُ بِيَ الْكُفْرَ وَأَنَا الْحَاشِرُ الَّذِي يُحْشَرُ النَّاسُ عَلَى قَدَمِي وَأَنَا الْعَاقِبُ »(2)

نبی کریم ﷺ نے اشاد فرمایا: میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں اور میں ماحی ہوں، اللہ تعالیٰ میرے سبب سے کفر مٹا دے گا اور میں حاشر ہوں، اللہ تعالیٰ میرے بعد حشر قائم کرے گا اور میں عاقب ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

اس حدیث پاک کی شرح میں علامہ محمد بن خلیفہ ابی مالکی لکھتے ہیں:

> ”محمد “حمد سے ماخوذ ہے اور مفعّل کے وزن پر اسم مفعول کا صیغہ ہے، اس کا معنی ہے: بہت زیادہ حمد کیا ہوا، آپ ﷺ اس اسم پاک کے زیادہ حق دار ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ایسی حمد کی ہے جو کسی اور کی نہیں کی اور آپ ﷺ کو وہ محامد عطا کئے ہیں جو کسی اور کو عطا نہیں کئے اور قیامت کے دن آپ کو وہ چیزیں الہام کرے گا جو کسی اور کو الہام نہیں کرے گا۔ جس شخص میں خصال محمودہ کامل ہوں اس کو محمد کہا جاتا ہے۔“(3)

یعنی اسم محمد کا معنی یہ ہوا کہ جس کی تعریف بہت زیادہ کی گئی ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں آپ ﷺ ہی سب سے زیادہ اس اسم کے حقدار ہیں۔ اس سے آگے علامہ محمد بن خلیفہ لکھتے ہیں کہ:

---

(1) التفسیر الکبیر، الرازی، ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسن بن الحسین، بیروت: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۲۰ھ ج۹، ص ۳۷۶

(2) صحیح بخاری، کتاب التفسیر القرآن، باب فی قولہ تعالیٰ من بعدی اسمہ احمد، حدیث نمبر ۴۸۹۶، ج۶، ص ۱۵۱

(3) اکمال اکمال المعلم، علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلیفہ ابی مالکی، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۵ھ، ج۸، ص ۹۳

"ایک قول یہ ہے کہ یہ باب تکثیر کے لیے ہے یعنی محمد وہ کہ جس کی بہت زیادہ حمد کی جائے۔ ابن قتیبہ نے کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ ہے کہ آپ ﷺ سے پہلے کسی کا نام محمد نہیں رکھا گیا۔"(1)

تو اسم محمد کا آپ ﷺ کو عطا کیا جانا یہ آپ ﷺ کی علامات نبوت میں سے ہے یعنی یہ آپ ﷺ کا معجزاتی نام ہے جو کسی اور کو عطا نہیں کیا گیا۔ ملا علی قاری اس اسم پاک کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ جو شان کثرت تعریف کی آپ ﷺ کو عطا کی گئی ہے یہ دونوں جہانوں میں آپ ﷺ کا امتیاز ہے لکھتے ہیں کہ:

"محمد" تحمید کا اسم مفعول ہے، اس کو وصفیت سے اسمیت کی طرف مبالغۃً نقل کیا گیا ہے۔ یہ کثرت خصال محمودہ کی بناء پر آپ ﷺ کا نام محمد رکھا گیا ہے یا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی بہت زیادہ حمد کرے گا، ایسے ہی ملائیکہ، انبیاء اور اولیاء آپ ﷺ کی حمد کریں گے، یا نیک فال کے لیے آپ کا نام محمد رکھا گیا، یا اس لیے کہ اوّلین و آخرین آپ ﷺ کی حمد کریں گے اور قیامت کے دن تمام اوّلین و آخرین آپ کی حمد کے جھنڈے تلے ہوں گے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے گھر والوں کے دل میں الہام کیا کہ وہ آپ کا نام محمد رکھیں۔"(2)

پس اسم محمد کے خصائص میں سے ہے کہ دنیا میں بھی جملہ مخلوقات آپ ﷺ کی تعریف میں رطب اللسان رہیں گی اور محشر کے دن بھی تمام انسانیت آپ ﷺ کے لواء الحمد تلے جمع ہو گی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی مذکورہ بالا حدیث پاک کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ:

"پہلے آپ ﷺ احمد تھے اور اس کے بعد محمد ہوئے۔ اسی طرح آپ ﷺ آخرت میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد کریں گے اور اس کے بعد شفاعت کریں گے اور آپ ﷺ سے سن کر لوگ اللہ تعالیٰ کی حمد کریں گے، آپ ﷺ سورہ الحمد، لواء حمد اور مقام محمود کے ساتھ مخصوص ہیں۔ کھانے، پینے، دعا اور سفر سے واپسی کے بعد آپ ﷺ کے لیے حمد مشروع کی گئی ہے۔ آپ ﷺ کی امت کا نام حمادین رکھا گیا ہے اور آپ ﷺ کے لیے حمد کے تمام معانی اور اقسام جمع کیے گئے ہیں۔"(3)

---

(1) اکمال اکمال المعلم، ج۸، ص۹۳

(2) جمع الوسائل، القاری، علامہ علی بن سلطان محمد، کراچی: نور محمد اصح المطابع، س ن، ج۲، ص۲۲۶

(3) فتح الباری شرح بخاری، عسقلانی، شہاب الدین احمد بن علی بن حجر، لاہور: دار النشر الکتب الاسلامیہ، س ن، ج۶، ص۵۵۵

اسم محمد کی علمیت ووصفیت

اسم محمد ﷺ کی خصوصیات ذکر کرتے ہوئے علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں کہ یہ اسم بھی رسول اللہ ﷺ کے معجزات میں سے ہے۔ لکھتے ہیں:

''وأما محمد فمنقول من صفة أيضاً وهو في معنى محمود ولكن فيه معنى المبالغة والتكرار فمحمد هو الذي حمد مرة بعد مرة كما أن المكرم من أكرم مرة بعد مرة ۔ ونحو ذلك فاسم محمد مطابق لمعناه والله تعالى سماه به قبل أن يسمي به نفسه فهذا علم من أعلام نبوته إذ كان اسمه صادقاً عليه فهو محمود في الدنيا بما هدى إليه ونفع به من العلم والحكمة وهو محمود في الآخرة بالشفاعة فقد تكرر معنى الحمد كما يقتضي اللفظ''(1)

اسم محمد ﷺ صفت سے منقول ہے اور وہ بھی محمود کے معنی میں ہے لیکن اس میں مبالغہ و تکرار ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ذات جس کی بار بار حمد ہو جیسے مکرم یعنی وہ شخص جس کی تکریم بار بار ہو۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ آپ ﷺ اسم با مسمّیٰ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نام سے پہلے آپ ﷺ کا نام رکھا تو پس یہ بھی آپ ﷺ کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے۔ جب کہ یہ اسم آپ ﷺ ہی کی ذات پر صادق آتا ہے کیونکہ آپ محمود ہیں، دنیا میں اس لیے کہ آپ ﷺ نے خلق خدا کو خدا کی راہ دکھائی اور آپ ﷺ سے علم وحکمت سے خلق خدا نے نفع پایا۔ اور آپ ﷺ آخرت میں محمود ہوں گے کہ آپ ﷺ کی شفاعت سب کو نصیب ہو گی۔ آپ ﷺ کے لیے لفظی و معنوی دونوں لحاظ سے حمد کا تکرار ہے۔

علامہ اسماعیل حقی کے مطابق آپ ﷺ کا اسم محمد آپ کے معجزات میں سے ہے۔ اور یہ اسم اللہ تعالیٰ نے رکھا ہی اس لیے ہے کہ آپ ﷺ اس پر صادق آتے تھے۔ علامہ ابن قیم اسم محمد کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ويقال حمد فهو محمد كما يقال علم فهو معلم وهذا علم وصفة اجتمع فيه الامران فى حقه و الوصفية فيهما لاتنا فى العلمية وان معنها مقصود۔''(2)

یعنی اور کہا جاتا ہے اس کی حمد کی گئی تو وہ محمد ہے، جس طرح کہا جاتا ہے، اس نے تعلیم دی تو معلم ہے، لہٰذا یہ (لفظ محمد) علم (نام) بھی ہے اور صفت بھی اور آپ ﷺ کے حق میں یہ دونوں چیزیں جمع ہیں۔ محمد اور احمد میں وصفیت علَمیت کے منافی نہیں ہے اور ان دونوں معنوں کا قصد کیا جاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ آپ ﷺ محمد اس لیے ہیں کہ آپ کی حمد کی گئی ہے اور اسم محمد علم بھی ہے اور صفت بھی۔ ملا

---

(1) روح البیان، ج۹، ص۴۹۹

(2) جلاء الافہام فی فضل الصلاۃ والسلام علی محمد خیر الانام، شمس الدین ابن قیم الجوزی، بیروت: دار الکتب الاسلامی، ۱۴۱۷ھ، ص ۹۳

علی قاری مرقات شرح مشکوۃ میں اسم محمد کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اسم محمد سے وصفی معنی کا ارادہ کیا گیا نہ کہ عَلمی معنی کا ارادہ کیا گیا، لکھتے ہیں کہ:

''او قصد به المعنى الوصفي دون المعنى العلمي۔''(1)

(جب جبرائیل نے آپ ﷺ کو یا محمد کہا) تو اس سے لفظ محمد کے وصفی معنی کا ارادہ کیا اور عَلمی معنی کا ارادہ نہیں کیا۔

رسول اللہ ﷺ کا اسم پاک محمد ہے اس اعتبار سے آپ ﷺ کو یا محمد کہنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں فتح الملہم میں شیخ شبیر احمد عثمانی، ملا علی قاری کے حوالے سے جواب دیتے ہوئے یا محمد کہنے کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

''لفظ محمد سے آپ ﷺ کا علم اور نام ہی مقصود ہو، لیکن آپ ﷺ کو بلانا مقصود نہ ہو۔ صرف اظہار محبت اور ذوق و شوق سے محض آپ ﷺ کے نام کا نعرہ لگانا مقصود ہو تو یا محمد کہنا جائز ہے۔''(2)

مذکور الذکر بحث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حمد اس کے لیے ہوتی ہے جو حسن و کمال کی بلندی پر فائز ہو۔ اسم محمد سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ علی الاطلاق حسن اور کمال ہیں۔ اگر آپ ﷺ میں کوئی نقص اور عیب ہوتا تو اللہ تعالیٰ آپ کو محمد نہ کہتا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو محمد کہا کہ آپ کی ذات میں کوئی نقص و عیب نہیں بلکہ آپ ﷺ حسن و کمال کے اوج پر فائز ہیں۔ مشرکین مکہ اسم محمد کے معنی سے واقف تھے وہ آپ ﷺ کو محمد کہتے رہے پھر ان کو خیال آیا کہ جب ہم محمد کہتے ہیں تو اس سے آپ ﷺ کی ذات سے ہر عیب کی نفی ہو جاتی ہے اس لیے وہ آپ ﷺ کو مذمم (مذمت کیا ہوا) کہنے لگے اور اس کے ساتھ ہی آپ ﷺ کی ذات اقدس میں عیب گننے لگے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مشرکین مجھے مذمم کہتے ہیں جبکہ میں محمد ہوں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَلاَ تَعْجَبُونَ كَيْفَ يَصْرِفُ اللَّهُ عَنِّي شَتْمَ قُرَيْشٍ وَلَعْنَهُمْ، يَشْتِمُونَ مُذَمَّمًا، وَيَلْعَنُونَ مُذَمَّمًا وَأَنَا مُحَمَّدٌ۔»(3)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تم اس پر تعجب نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے قریش کے سبّ و شتم کو کس طرح دور کیا؟ وہ مذمم کو برا کہتے ہیں اور مذمم کو لعنت کرتے ہیں اور میں محمد ہوں۔

دوسری جگہ سورۃ الاحزاب میں نبی کریم ﷺ کی ختم نبوت کا تذکرہ کرتے ہوئے اسم محمد ذکر فرمایا ہے۔ اور ارشاد فرمایا کہ محمد ﷺ مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ہیں۔

---

(1) مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، القاری، ابو الحسن علی بن سلطان محمد نور الدین، ملتان: مکتبہ الدادیہ، ۱۳۹۰ھ، ج۱، ص۵

(2) فتح الملہم، عثمانی، علامہ شبیر احمد، کراچی: مکتبہ الحجاز، س ن، ج۱، ص۱۰۴

(3) صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب ماجآء فی اسماء رسول اللہ ﷺ، حدیث نمبر ۳۵۳۳، ج۴، ص۱۸۵

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴾[1]

(لوگو!) محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں مگر وہ اللہ کے رسول اور سب نبیوں کے خاتم ہیں اور اللہ ہر چیز کو پوری طرح جانتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نام لے کر اس امر کی نفی کی ہے کہ محمد ﷺ تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔ واقعہ یوں ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے سیدہ زینب سلام اللہ علیہا سے نکاح کیا تو کفار و مشرکین نے اعتراض کیا کہ محمد ﷺ نے اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے کفار کا رد کرتے ہوئے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ اس مذکور الذکر آیت کریمہ میں دو امور بیان کئے گئے ہیں: اولاً یہ کہ رسول اللہ ﷺ مردوں میں کسی کے باپ نہیں ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کے دور اقدس میں جو مرد تھے آنحضرت ﷺ ان میں سے کسی کے حقیقی والد نہیں ہیں، اس سے یہ ہرگز مراد نہیں ہے کہ آپ ﷺ کسی کے کبھی والد نہیں ہیں کیونکہ آپ ﷺ کی چار صاحبزادیاں تھیں اور آپ ﷺ کے صاحبزادے بھی تھے جو صغر سنی میں ہی وصال فرما گئے تھے اور ان میں سے کوئی بھی مرد ہونے کی عمر تک نہیں پہنچا۔ پس آپ ﷺ مردوں میں سے کسی کے حقیقی باپ نہیں ہیں۔ ثانیاً اس آیت کریمہ میں یہ تصریح بھی ہے کہ دنیا کے تمام لوگوں کے لیے آپ ﷺ رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں، اگر آپ ﷺ کے بعد کسی کو بھی نبی مان لیا جائے یا کسی سچے نبی کی ہی بعثت کو تسلیم کر لیا جائے تو یہ لازم آئے گا کہ آپ ﷺ تمام لوگوں کے لیے رسول نہیں ہیں بلکہ بعض لوگوں کے لیے کوئی اور رسول آئے گا۔ اس سے مذکورہ بالا آیت کی تکذیب لازم آتی ہے۔ پس یہ آیت کریمہ در حقیقت آپ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کی واضح ترین دلیل ہے۔ سورۃ محمد میں بھی رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے والوں کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے اسم ذاتی کا ذکر کیا ہے۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اعجاز قرآن کریم کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے اس کتاب ذیشان کی حقانیت کو بیان فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَى مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَأَصْلَحَ بَالَهُمْ﴾[2]

اور اس کے برعکس جو لوگ (صدقِ دل) سے ایمان لائے اور (اس کے مطابق) انہوں نے کام

---

(1) الاحزاب:۴۰

(2) محمد:۲

بھی نیک کئے اور (خاص طور پر) وہ ایمان لائے اس (دین حق) پر جسے اتارا گیا ہے محمد پر اور وہی حق ہے ان کے رب کی جانب سے تو اللہ نے مٹا دیں ان سے ان کی برائیاں اور اس نے درست کر دیا ان کے حال کو۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ وہ لوگ جو آپ ﷺ پر ایمان لائے چاہے وہ انصار و مہاجرین ہوں یا بعد میں اسلام قبول کرنے والے عام مسلمان ہوں جب وہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لاتے ہوں اور دین متین کے مطابق نیک اعمال بجالاتے ہوں اور ساتھ ہی ساتھ اس کتاب برحق پر بھی ایمان رکھتے ہوں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمائی ہے، یہ سب کچھ جب کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان مومنین کے سابقہ گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے اور ان کے حال کی اصلاح فرما دیتا ہے۔ تو گویا یہ اللہ تعالیٰ کا اہل ایمان پر کرم ہے کہ وہ ان کو ایمان لانے پر گناہوں کی معافی عطا فرماتا ہے اور ان کے درجات بھی بلند فرماتا ہے۔ اسی طرح سورۃ الفتح میں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کا تذکرہ کرتے ہوئے اسم ذاتی محمد ﷺ کا ذکر کیا ہے۔ اور واضح کیا ہے کہ کوئی تسلیم کرے یا نہ کرے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ﴾[1]

محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے مقابلے میں بڑے سخت اور آپس میں انتہائی مہربان ہیں تم انہیں دیکھو گے تو ان کو رکوع و سجود کرنے والے اور (ہر حال میں) اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی کی تلاش کرتے پاؤ گے ان کی نشانی (چمک رہی ہو گی) ان کے چہروں میں سجدوں کے اثرات کی بناء پر یہ ہے۔

سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ کیا جائے تو صلح حدیبیہ میں یہ بات ملتی ہے کہ کفار مکہ نے صلح کی شرائط طے کرتے وقت صلح نامے پر "محمد رسول اللہ" نہیں تحریر کرنے دیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی تسلی اور کفار کے عمل کی نفی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ کوئی آپ کو رسول مانے یا نہ مانے اللہ تعالیٰ تو آپ کی رسالت کا اعلان فرماتا ہے۔ اور ساتھ اصحاب رسول رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بھی خصوصیات بیان فرمائی ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ وہ لوگ جو ان کے ساتھ ہیں وہ آپس میں انتہائی نرم دل ہیں جبکہ کفار کے مقابلے میں بڑے سخت ہیں۔ ان کی کیفیت یہ ہے کہ ان کی راتیں اللہ تعالیٰ کے نبی کریم رکوع و سجود کرتے ہوئے گزر جاتیں ہیں۔ اور پریشانی و مشکلات میں تم ان کو واویلہ کرتے ہوئے نہیں پاؤ گے بلکہ یہ وہ نفوس قدسیہ ہیں جو ہر حالت و کیفیت میں اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رضا کے

---

(1) الفتح:۲۹

طالب رہتے ہیں۔ اور ان کی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ ان کی پیشانیاں اللہ تعالیٰ کے نبی کریم سجدہ ریزی کی وجہ سے چمک رہی ہوں گی۔ گویا اللہ تعالیٰ کے نبی کریم پیشانی خم کرنے کے اثرات ان کی جبینوں پر واضح ہوں گے۔

اسم احمد ﷺ

نبی کریم ﷺ کا دوسرا اسم ذاتی "احمد" ﷺ ہے۔ جس کا معنی ہے، یعنی جو دوسرے کی نسبت زیادہ کرتا ہو۔ لسان العرب میں اس کا معنی قابل تعریف کام کرنا یا قابل تعریف ہونا ہے۔[1] محمد اور احمد کے لفظ کا مادہ ایک ہی ہے حمد، یحمد، حمداً بروزن باب سَمِعَ یَسمَعُ۔ آنحضرت ﷺ کا اسم پاک احمد بھی ہے کیونکہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ حمد کرنے والے ہیں اور بروز محشر نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کی ان کلمات سے حمد کریں گے جن کلمات سے اللہ تعالیٰ کی کسی نے حمد نہیں کی ہو گی۔ سیدنا عیسٰی علیہ السلام نے آپ ﷺ کے متعلق جو بشارت بیان کی ہے اس کا ذکر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الصف میں بیان فرمایا ہے۔ اور اس بشارت میں نبی کریم ﷺ کا تذکرہ اسمِ احمد ذاتی سے کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُبِينٌ﴾[2]

اور (وہ بھی یاد کرو کہ) جب عیسیٰ بیٹے مریم نے کہا اے اسرائیل کی اولاد میں یقیناً تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں اس حال میں کہ تصدیق کرنے والا ہوں اس تورات کی جو کہ آچکی ہے مجھ سے پہلے (حضرت موسیٰ پر) اور اس حال میں کہ میں خوشخبری سنانے والا ہوں ایک ایسے عظیم الشان رسول کی جو تشریف لانے والے ہیں میرے بعد جن کا نام (نامی اور اسم گرامی) احمد ہو گا مگر جب وہ آگئے ان کے پاس کھلے اور روشن دلائل کے ساتھ تو ان لوگوں نے کہا کہ یہ تو ایک جادو ہے کھلم کھلا۔

علامہ اسماعیل حقی فرماتے ہیں کہ ایک تو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت کے سامنے آپ ﷺ کا اسم احمد ذکر کیا، دوسرا جب اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے سامنے نبی کریم ﷺ کی امت تذکرہ فرمایا کہ یہ امت

---

(1) لسان العرب، ج3، ص157

(2) الصف:6

محمد ﷺ ہے تو جناب موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: ''اللهم اجعلنى من أمة أحمد''[1] (اے اللہ مجھے حضرت احمد ﷺ کی امت میں سے بنا۔)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی بعثت سے قبل آپ ﷺ کا ذکر خیر اسم احمد سے ہوتا رہا ہے اور انبیاء سابقہ آپ ﷺ کے اس اسم ذاتی احمد سے واقف تھے۔ علامہ حقی آپ ﷺ کو اسم احمد سے منسوب کیے جانے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''سمي عليه السلام بأحمد لكون حمده أتم واشتمل من حمد سائر الأنبياء والرسل إذ محامدهم إنما هي بمقتضى توحيد الصفات والأفعال وحمده عليه السلام إنما هو بحسب توحيد الذات المستوعب لتوحيد الصفات والأفعال انتهى''[2]

آپ ﷺ کے اسم مبارک احمد نام رکھنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی اکمل و اتم حمد بیان کی ہے۔ بلکہ جتنی حمد جملہ انبیاء علیہم السلام نے کی ہے وہ سب آپ ﷺ کی حمد کو شامل ہے۔ اس لیے کہ ان کی محامد صفات و افعال کی مقتضی پر تھی لیکن آپ ﷺ کی محامد بعد بحسب توحید الذات ہے جو توحید صفات و افعال کی بھی جامع ہے۔

پس آپ ﷺ کی تعریف اس لیے زیادہ ہوئی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ حمد بھی آپ ﷺ ہی کرنے والے ہیں۔ لہٰذا جو اللہ تعالیٰ کی جتنی زیادہ حمد و ثناء کرے گا اللہ تعالیٰ اسے اتنا ہی زیادہ تعریفات سے سرفراز فرمائے گا اور اس کی اتنی ہی زیادہ عظمت زیادہ ہوگی۔ اسم احمد کے بارے میں بحث کرتے ہوئے قاضی ثناء اللہ تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں کہ:

''اسم احمد، آپ ﷺ کے ذاتی ناموں میں سے ایک ہے۔ یہ حمد سے اسم تفضیل کا صیغہ ہے، یعنی آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ حمد کرنے والے ہیں۔ جملہ انبیاء اللہ تعالیٰ کی حمد کرنے والے ہیں اور تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ ان کی حمد کی جاتی ہے۔ تمام انبیاء محمود ہیں اور عمدہ صفات سے متصف ہیں۔ تاہم آنحضرت ﷺ کی ذات مناقب میں سب سے بڑھ کر اور فضائل و محاسن میں سب سے جامع ہے جس کی وجہ سے وہ دوسروں کی بنسبت حمد کی زیادہ مستحق

---

(1) روح البیان، الاستانبولی، اسماعیل حقی بن مصطفی، بیروت: دار الفکر، س ن، ج۳، ص۲۶۱ (اس روایت کو جلال الدین سیوطی نے الدر المنثور، ج۳، ص۱۳۶ اور شوکانی نے فتح القدیر، ۲، ص۲۵۸ میں ذکر کیا ہے۔)

(2) روح البیان، ج۹، ص۵۰۰

ہے۔"[1]

رسول اللہ ﷺ نے خود بھی ارشاد فرمایا کہ میرے لیے اسماء ہیں جن میں سے میں محمد اور احمد ہوں۔ صحیح بخاری میں نبی کریم ﷺ کا فرمان عالیشان ذکر ہے۔

« إِنَّ لِي أَسْمَاءً، أَنَا مُحَمَّدٌ، وَأَنَا أَحْمَدُ، وَأَنَا الماحِي الَّذِي يَمْحُو اللَّهُ بِيَ الكُفْرَ، وَأَنَا الحَاشِرُ الَّذِي يُحْشَرُ النَّاسُ عَلَى قَدَمِي، وَأَنَا العَاقِبُ-» [2]

میرے پانچ نام ہیں محمد اور احمد ہوں میں حامی ہوں اللہ تعالیٰ میرے ذریعے کو مٹائے گا۔ میں حاشر ہوں یعنی میں قیامت کے دن سب سے پہلے اٹھایا جاوں گا باقی سب میرے بعد اکھٹے کئے جائیں گے اور میں عاقب ہوں یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

مذکور الذکر بحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ احمد (تمام حمد کرنے والوں سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد کرنے والا) ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی کثرت سے حمد کرنے کی بدولت ہی آپ ﷺ محمد (جس کی بار بار حمد کی جارہی ہو) بھی بنے۔ جس طرح آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی جو حمد کی ہے اس میں کوئی بھی آپ ﷺ کا مثیل و شریک نہیں ہے۔ اسی طرح مخلوق میں جتنی حمد و ستائش آپ ﷺ کی ہو رہی ہے اور ہوتی رہے گی، کسی اور کو نصیب نہیں ہوئی۔ اور یہ امتیازی شان آپ ﷺ کو صرف دنیا میں ہی نہیں بلکہ آخرت میں بھی عطا ہوگی کہ جب لوائے حمد تھامے ہوئے رسول اللہ ﷺ مقام محمود پر فائز ہوں گے۔

---

(1) التفسیر المظہری، ج۹، ص ۲۷۱

(2) صحیح بخاری، کتاب التفسیر القرآن، باب فی قولہ تعالیٰ من بعد اسمہ احمد، حدیث نمبر ۴۸۹۶، ج۶، ص ۱۵۱

مبحث دوم: اسمائے صفاتیہ دائمیہ

اسمائے صفاتیہ دائمیہ سے مراد وہ اسماء جو نبی کریم ﷺ کے ذاتی نہیں بلکہ صفاتی نام ہیں۔ اسمائے صفاتیہ سے مراد وہ اسماء جو کسی وصف کے پائے جانے کی وجہ سے موصوف سے متصف ہوتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے اسمائے صفاتیہ دائمیہ سے مراد وہ اسماء ہیں جو آپ ﷺ کی ذات میں پائی جانے والی دائمی صفات کی وجہ سے آپ ﷺ کے ساتھ متصف ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ کے اسمائے صفاتیہ دائمیہ کتب احادیث میں زیادہ مقدار میں وارد ہیں۔ مگر جن اوصاف کا ذکر قرآن مجید نے کیا ہے ہم ان کو یہاں بیان کریں گے۔ جو کہ درج ذیل ہیں۔

ا۔ شاہد

قرآن میں نبی کریم ﷺ کو شاہد کہا گیا ہے۔ (شَاہِد، شَہِدَ یشھد شھوداً بروزن سمع یسمع) کا معنی ہے گواہی دینے والا[1] مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ قیامت کے دن جملہ مخلوق پر گواہی دیں گے۔ انبیاء علیہم السلام کی صداقت کی گواہی دیں گے۔ امتوں کا انبیاء کو جھٹلانا، تکذیب کرنا، قتل ناحق کرنا گویا جملہ امور پر گواہی آپ ﷺ ہی دیں گے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو شاہد کہا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا﴾[2]

بیشک ہم ہی نے بھیجا آپ کو (اے پیغمبر ﷺ) گواہی دینے والا خوشخبری سنانے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر۔

نبی کریم ﷺ کی صفت شاہد کے بارے میں علامہ زمخشری لکھتے ہیں کہ:

''تشهد على امتک کقوله تعالٰى ويكون الرسول عليكم شهيدا''[3]

یعنی آنحضرت ﷺ اپنی امت کے بارے میں گواہی دیں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے، ويكون الرسول عليكم شهيدا

پس آپ ﷺ شاہد اس لیے ہیں کہ اپنی امت کے بارے میں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نبی کریم ان کے اعمال و ایمان پر گواہی پیش کریں گے۔ علامہ قرطبی شاہد کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنی امت کے نیک اعمال اور برے اعمال پر گواہ ہیں، لکھتے ہیں:

---

(1) لسان العرب، ج3، ص239

(2) الفتح:۸

(3) الکشاف عن حقائق التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل، زمخشری، ابو القاسم محمود بن عمر، بیروت: دار احیاء التراث، ج۴، ص۳۳۶

''شاهداً عليهم باعمالهم من طاعة و معصية شاهداً عليهم يوم القيامة فهو شاهد افعالهم اليوم والشهيد عليهم يوم القيامة''[1]

یعنی آپ ﷺ اس دینا میں اپنی امت کے نیک اور برے اعمال کا مشاہدہ فرمارہے ہیں اور قیامت کے دن ان سب پر گوہی دیں گے۔

اس مشاہدہ کی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی کیونکہ اس کی اصلی صورت اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے البتہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کو امت کے احوال پر خبر فرماتا ہے جس کی وجہ سے قیامت کے دن آپ ﷺ اپنی امت کے بارے میں گواہی دیں گے۔ علامہ ابن کثیر رسول اللہ ﷺ کی صفت شاہد کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''شاهداً على الله بالواحدانية و انه لا اله غيره و على الناس باعمالهم يوم القيامة''[2]

یعنی آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی توحید پر گواہ ہیں کہ اللہ کے بغیر کوئی معبود نہیں ہے اور آپ ﷺ قیامت کے دن لوگوں کے اعمال پر گواہی دیں گے۔

پس ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے شاہد بنا کر بھیجا ہے۔ اور آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی توحید پر گواہ ہیں اور اپنی امت کے افعال واحوال پر بھی گواہی دیں گے۔ سورۃ الاحزاب میں بھی اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو اس صفتِ اقدس سے کلام فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا﴾[3]

اے نبی ﷺ ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، خوشخبریاں دینے اور آگاہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔

علامہ آلوسی بغدادی آپ ﷺ کی صفت شاہد پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''شاهداً على امتک وشاهداً على الانبياء عليهم السلام انهم قد بلغو''[4]

یعنی نبی کریم ﷺ اپنی امت پر گواہ ہیں اور اپنے سے قبل انبیاء علیہم السلام کے بارے میں بھی گواہی دیں گے کہ انہوں نے تبلیغ دین کا حق ادا کر دیا۔

اسی طرح سورۃ المزمل میں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے شاھد ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

(1) الجامع لاحکام القرآن، ج۱٦، ص۲٦٦

(2) تفسیر القرآن العظیم، ج۷، ص۳۲۹

(3) الاحزاب:۴۵

(4) روح المعانی، ج۲۲، ص۴۵

﴿ إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَى فِرْعَوْنَ رَسُولًا﴾[1]

بلا شبہ ہم نے بھیج دیا تمہاری طرف (اے لوگو!) ایک عظیم الشان رسول گواہ بنا کر تم پر جس طرح کہ (اس سے پہلے) ہم فرعون کی طرف بھی بھیج چکے ہیں ایک عظیم الشان رسول۔

مذکور الذکر آیات مقدسہ کی روشنی میں یہ امر واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی صفت ہے "شاہد" اور آپ ﷺ دنیا میں خدا تعالیٰ کی توحید پر شاہد ہیں اور کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نبی کریم اپنی امت کے ساتھ ساتھ سابقہ امتوں اور انبیاء کے بارے میں بھی گواہی دیں گے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو شاہد کہا ہے۔

۲۔ شہید شاہد و شہید یہ دونوں اسماء نبی کریم ﷺ کے صفاتی نام ہیں۔ شہید کا معنی بھی گواہ ہے۔ صاحب لسان العرب نے الشہید والشہید کے معنی "حاضر" گواہی میں "امانت دار" وہ ذات جس کے علم سے کوئی چیز غائب نہ ہو لکھے ہیں۔[2] مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جملہ امتوں اور ان کے انبیاء پر گواہ ہیں۔ اور قیامت کے دن جب امتیں انبیاء علیہم السلام کے بارے میں جھگڑا کریں گی تو نبی کریم ﷺ اس وقت انبیاء کی تصدیق کریں گے۔ اور امتوں کی بد اعمالی پر اللہ کی بارگاہ میں گواہی دیں گے۔ اس گواہی کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَى هَؤُلَاءِ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَى لِلْمُسْلِمِينَ﴾[3]

اور (وہ ہولناک دن بہر حال یاد رکھنے کا ہے کہ) جس دن ہم اٹھا کھڑا کریں گے ہر امت میں ایک گواہ ان (کے کئے کرائے) پر گواہی دینے کے لیے خود انہی میں سے، اور ہم لے آئینگے آپ کو ان پر بطور گواہ، اور ہم نے نازل کیا ہے آپ (اے پیغمبر ﷺ) پر کتاب کو، کامل بیان بنا کر (ضروریات دین سے متعلق) ہر چیز کے لیے، اور سراسر ہدایت، عین رحمت، اور عظیم الشان خوشخبری کے طور پر، (اس کے نبی کریم) سر تسلیم خم کر دینے والوں کے لیے۔

تو گویا پہلے سابقہ امتوں میں سے ہی گواہ ان پر پیش کیے جائیں گے، خود ان کے انبیاء بھی ان پر گواہ ہوں گے اور پھر امتوں کی تکذیب اور انبیاء کی تصدیق کے لیے آپ ﷺ ان سب پر گواہ ہوں گے۔ سورہ النساء میں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی شہادت کا تذکرہ کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

(1) المزمل:۱۵

(2) لسان العرب، ج3، ص239

(3) النحل:۸۹

﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾(1)

پس کیا حال ہو گا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ ﷺ کو ان تمام پر گواہ بنائیں گے۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے امت کی گواہی سابقہ امتوں پر اور رسولِ رحمت ﷺ کی گواہی اپنی امت پر، کا ذکر فرمایا ہے۔ سورۃ البقرۃ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَى عَقِبَيْهِ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴾(2)

اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک توسط (واعتدال) والی امت بنایا، تاکہ تم باقی لوگوں پر گواہ ہو، اور (تمہارے) رسول تم پر گواہ ہوں، اور ہم نے نہیں بنایا اس قبلہ کو (آپ کا قبلہ اے پیغمبر ﷺ) جس پر آپ (اس سے کچھ عرصہ کے لیے) تھے، مگر (اس لیے کہ) تاکہ ہم دیکھیں کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے، اور کون (اس راہ سے) الٹے پاؤں پھر جاتا ہے، اور بیشک (تحویل قبلہ کا) یہ معاملہ بڑا ہی بھاری ہے، مگر ان لوگوں پر، جن کو اللہ نے ہدایت (کے اطمینان بخش نور) سے نوازا ہوتا ہے، اور اللہ ایسا نہیں کہ ضائع کر دے تمہارے ایمان کو بیشک اللہ (تعالیٰ) لوگوں پر بڑا ہی شفقت فرمانے والا، نہایت ہی مہربان ہے۔

قاضی ثناء اللہ تفسیر مظہری میں اس آیت کریمہ کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ:

"اللہ تعالیٰ تمام اولین و آخرین کو ایک میدان میں اکٹھا فرمائے گا اور پھر کفار سے پوچھے گا، کیا تمہارے پاس ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ وہ جواب دیں گے، ہمارے پاس تو نہ کوئی بشارت دینے والا آیا اور نہ ہی کوئی ڈرانے والا آیا۔ اللہ تعالیٰ تمام انبیاء کرام سے ان کے دعوے کے متعلق پوچھے گا۔ انبیاء جواب دیں گے یہ جھوٹے ہیں، ہم نے تو ان کو پیغام پہنچایا تھا۔ اللہ تعالیٰ انبیاء سے ان کے قول کی صداقت پر دلیل مانگیں گے تاکہ حجت قائم ہو جائے۔"(3)

(1) النساء:۴۱

(2) البقرۃ:۱۴۳

(3) التفسیر المظہری، ج۱، ص۱۳۹

گویا پہلے سابقہ امتوں کت متعلق ان کے انبیاء گواہی دیں گے پھر اس کے بعد انبیاء کے متعلق شہادت لی جائے گی جیسا کہ مزید آگے تفصیل بیان کرتے ہوئے علامہ صاحب لکھتے ہیں کہ:

''پس امت محمدیہ کو لایا جائے گا اور وہ انبیاء کے حق میں گواہی دے گی کہ انہوں نے تبلیغ کا حق ادا کیا ہے۔ اس پر سابقہ امتیں کہیں گی ان کو کیسے پتا یہ تو آئے ہی ہمارے بعد تھے۔ اللہ تعالیٰ امت محمدی سے پوچھے گا، تمہیں کیسے معلوم ہوا؟ وہ کہیں گے تو نے ہماری طرف جو رسول بھیجا اور کتاب نازل فرمائی اس کے ذریعے تو نے خود ہمیں بتایا ہے اور تو اپنی خبر میں سچا ہے۔ پھر آپ ﷺ کو لایا جائے گا آپ ﷺ اپنی امت کا تزکیہ فرمائیں گے اور ان کی صداقت پر گواہی دیں گے۔''[1]

رسول اللہ ﷺ کے اسمائے صفاتیہ دائمیہ میں سے شہید بھی ہے کیونکہ آپ ﷺ بروز حشر اپنی امت اور سابقہ امتوں کے احوال پر اللہ تعالیٰ کے نبی کریم گواہی دینے والے ہوں گے۔

۳۔ مبشر

مبشر بھی نبی کریم ﷺ کا صفاتی نام ہے۔ اس کا معنی بشارت دینے والا، خوشخبری سنانے والا ہے۔ مبشر کا مادہ (بَشَرَ، یبشر بر وزن ضَرَبَ یضرب یا بشر یبشر بروزن سمع یسمع ہے۔)[2] نبی کریم ﷺ نے اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے کامیابی کی بشارت دی، جنت کی نوید سنائی، فلاح یافتہ قرار دیا، اس لیے للہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے آپ کو خوشخبری دینے والا بنا کر بھیجا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا﴾[3]

اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو (اے پیغمبر ﷺ) مگر خوشخبری دینے والا اور خبر دار کرنے والا بنا کر۔

امام قرطبی اس آیت کی تفسیر میں صفت مبشر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''قَوْلُهُ تَعَالَى: (وَما أَرْسَلْناكَ إِلَّا مُبَشِّراً وَنَذِيراً) يُرِيدُ بِالْجَنَّةِ مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا مِنَ النَّارِ، وَمَا أَرْسَلْنَاكَ وَكِيلًا وَلَا مسيطرا.''[4]

یعنی اللہ تعالیٰ کا فرمان: اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر خوشخبری دینے والا اور خبر دار کرنے والا بنا کر، اس سے مراد یہ

---

(1) ایضاً

(2) لسان العرب، ج12۔ ص11

(3) الفرقان:۵۶

(4) الجامع لاحکام القرآن، ج۱۳، ص ۶۲

ہے کہ جنت کی بشارت دینے والا اور جہنم سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، اور ہم نے آپ ﷺ کو وکیل اور زبردستی کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا ہے۔

سورہ الاحزاب میں بھی اللہ تعالیٰ نے صفت مبشر سے آپ ﷺ کو خطاب فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا﴾[1]

اے نبی ﷺ ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، خوشخبریاں دینے والا اور آگاہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔

امام قرطبی اس آیت کریمہ میں جو صفت مبشر استعمال ہوئی ہے اس کے تحت لکھتے ہیں کہ:

''مبشر کا معنی ہے، نبی کریم ﷺ مومنوں کو اللہ کی رحمت اور جنت کی بشارت دینے والے ہیں۔''[2]

گویا نبی کریم ﷺ اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والے انعام اور فضل کی بشارت دینے والے ہیں۔ نبی کے فرائض منصبی میں سے ہوتا ہے کہ وہ اپنی امت کی اصلاح کی خاطر انذار و تبشیر کا کام کرے پس آپ ﷺ نے یہ فریضہ بدرجہ اتم ادا فرمایا ہے۔ علامہ اسماعیل حقی اس مقام پر صفت مبشر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''مبشراً لاهل الايمان و الطاعة بالجنة ولاهل المحبة بالرؤية''[3]

یعنی آپ ﷺ اہل ایمان اور اہل اطاعت کو جنت کی خوشخبری دیتے ہیں اور اہل محبت کو دیدار الٰہی کی۔

تو گویا آپ ﷺ کے صفاتی اسماء میں سے اسم مبشر بھی ہے کہ آپ ﷺ اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی نعمتوں، ابدی راحتوں اور جنت الفردوس کی بشارت دینے والے ہیں۔ انذار و تبشیر کا فریضہ انبیاء علیہم السلام کے امور نبوت میں شامل ہوتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے فرمایا کہ آپ بشارتیں دینے والے ہیں۔

۴۔ بشیر

مبشر و بشیر کا مادہ ایک ہی ہے۔ بشیر کا معنی خوشخبری دینے والا[4] ہے۔ لفظ بشیر بھی نبی کریم ﷺ کے صفاتی ناموں میں سے ایک ہے۔ اور یہ لفظ قرآن مجید میں متعدد بار استعمال ہوا ہے۔ سورہ البقرۃ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

(1) الاحزاب: ۴۵

(2) الجامع لاحکام القرآن، ج ۱۴، ص ۱۹۹

(3) روح البیان، ج ۷، ص ۱۹۲

(4) لسان العرب، ج 4، ص 62

﴿إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَا تُسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ﴾[1]

بیشک ہم نے بھیجا آپ کو (پیغمبر ﷺ) حق کے ساتھ، خوشخبری سنانے والا، اور خبر دار کرنے والا بنا کر، اور آپ سے پوچھ نہیں ہو گی دوزخیوں کے بارے میں۔

بشیر سے مراد یہی ہے کہ آپ ﷺ اہل ایمان کو اخروی کامیابی کی خوشخبری دینے والے ہیں۔ سورۃ الاعراف میں بھی اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی اس صفتِ پاک کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾[2]

آپ کہہ دیجیے کہ میں اپنی ذات میں کسی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتا مگر جتنا اللہ تعالیٰ چاہے اور اگر میں غیب پر (از خود) آگاہ ہوتا تو بہت سا منافع حاصل کر لیتا اور کوئی نقصان مجھ کو نہ ہوتا۔ میں تو محض ڈرانے والا بشارت دینے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں۔

یعنی آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں ایمان لانے والوں کو بشارت دینے والا ہوں۔ اسی طرح سورۃ ہود میں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بشیر کہا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنَّنِي لَكُمْ مِنْهُ نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ ﴾[3]

کہ تم لوگ بندگی نہ کرو مگر ایک اللہ کی، بیشک میں تمہارے لیے (اے لوگو!) اس کی طرف سے خبر دار کرنے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں۔

سورہ فاطر میں بھی حبیب مکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بشیر کہا ہے کہ اے نبی ﷺ ہم نے آپ کو خوشخبری دینے والا اور تنبیہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ﴾[4]

ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور آگاہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور کوئی امت ایسی نہیں گزری جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گزرا ہو۔

---

(1) البقرۃ:۱۱۹

(2) الاعراف:۱۸۸

(3) ہود:۲

(4) فاطر:۲۴

سورہ سبا میں بھی نبی کریم ﷺ کو صفت بشیر سے مخاطب کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾[1]

اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو (اے پیغمبر ﷺ!) مگر سب لوگوں کے لیے خوشخبری دینے والا اور خبر دار کرنے والا بنا کر لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں (حق اور حقیقت کو)۔

اس آیت کریمہ کے ضمن میں صفت بشیر کی وضاحت میں امام قرطبی یوں لکھتے ہیں:

''(بَشِيراً) أَيْ بِالْجَنَّةِ لِمَنْ أَطَاعَ''[2]

''بشیر اً'' یعنی جو اطاعت کرے اسے جنت کی بشارت دینے والے ہیں۔

مذکورہ بالا آیات سے یہ ثابت ہوا کہ بشیر اور مبشر یہ نبی کریم ﷺ کے صفاتی نام ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنے امتیوں کو اعمال صالحہ بجالانے پر جنت اور جزائے خیر کی بشارت دینے والے ہیں۔

۵۔ نذیر

نبی کریم ﷺ کے اسمائے صفاتیہ میں سے نذیر بھی ہے۔ جس کا معنی ہے ڈرانے والا، انجام کار سے آگاہ کرنے والا (نذر، ینذر، نذراً بروزن سمع یسمع ہے۔[3] جہاں نبی کریم ﷺ اہل ایمان کو بشارتیں عطا کرتے ہیں وہیں بد اعمالوں، منافقوں اور اہل کفر کو ان کے انجام بد سے تنبیہ بھی کرتے ہیں۔ تبلیغ کی اشاعت کبھی بھی انذار و تبشیر کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ اہل حق کی حوصلہ افزائی ان کی نیکیوں میں اضافہ کا باعث بنتی ہے اور بد کاروں کی حوصلہ شکنی اور تنبیہ کرنا ان کو بد اعمالی سے بچاتی ہے اور خوفِ آخرت پیدا کرتی ہے۔ آپ ﷺ بہت زیادہ حریص تھے کہ میری امت زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کرے اور اس کی معرفت و جنت کی طرف بڑھے۔ اس لیے آپ ﷺ بُرے اعمال پر امت کی اصلاح کی خاطر انذار فرماتے رہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جہاں آپ کو بشیر و شاہد کہا وہاں ہی متصلاً نذیر بھی کہا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا﴾[4]

بیشک ہم ہی نے بھیجا آپ کو (اے پیغمبر ﷺ) گواہی دینے والا خوشخبری سنانے والا اور خبر دار کرنے والا بنا کر۔

---

(1) سبا:۲۸

(2) الجامع لاحکام القرآن، ج ۱۴، ص ۳۰۰

(3) لسان العرب، ج5، ص 201

(4) الفتح:۸

نذیر سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کے وعظ و نصیحت سے جو روگردانی کرتے ہیں آپ ﷺ انہیں نافرمانی کے نتائج سے بروقت آگاہ کر دینے والے ہیں۔ تاکہ جو کوئی عذاب الٰہی سے بچنا چاہے وہ اس دنیا میں ہی معصیت خداوندی سے توبہ کرکے اطاعت پر مداومت اختیار کر لے۔ اسی طرح سورۃ الاحقاف میں بھی نبی کریم ﷺ کے نذیر ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِنَ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَى إِلَيَّ وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُبِينٌ﴾[1]

(ان سے) کہو کہ میں کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں اور میں نہیں جانتا کہ کیا کیا جائے گا میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ میں تو بس پیروی کرتا ہوں اس وحی کی جو بھیجی جاتی ہے میری طرف اور میرا کام تو خبر دار کر دینا ہے کھول کر (حق اور حقیقت کو)۔

امام قرطبی نذیر کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''(نَذِيراً) مَعْنَاهُ لِلْعُصَاةِ وَالْمُكَذِّبِينَ مِنَ النَّارِ وَعَذَابِ الْخُلْدِ.''[2]

نذیرا کا معنی ہے کہ نافرمانوں اور جھٹلانے والوں کو آگ اور دائمی عذاب سے خبر دار کرنے والے ہیں۔

یعنی جو لوگ کفر کرتے ہیں اور آپ ﷺ کی تعلیمات کو جھٹلاتے ہیں ان کو جہنم سے خبر دار کیا جاتا ہے۔ اسی طرح سورہ الذاریات میں بھی رسول اللہ ﷺ کا اسم نذیر کا ذکر آیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ فَفِرُّوا إِلَى اللَّهِ إِنِّي لَكُمْ مِنْهُ نَذِيرٌ مُبِينٌ ٥ وَلَا تَجْعَلُوا مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ إِنِّي لَكُمْ مِنْهُ نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴾[3]

پس تم سب دوڑو اللہ کی طرف (اے لوگو!) بیشک میں تم سب کے لیے اس کی طرف سے صاف صاف خبر دار کرنے والا ہوں۔ اور مت بناؤ تم اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود بلاشبہ میں تمہارے لیے اس کی طرف سے صاف صاف خبر دار کرنے والا ہوں۔

اسی طرح سورہ سبا میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی بعثت کے مقاصد کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہم نے ہی آپ ﷺ کو خوشخبریاں سنانے والا، آگاہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

(1) الاحقاف:۹

(2) الجامع لاحکام القرآن، ج۱۶، ص۱۸۷

(3) الذاریات:۵۰۔۵۱

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾(1)

اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو (اے پیغمبر ﷺ!) مگر سب لوگوں کے لیے خوشخبری دینے والا اور خبر دار کرنے والا بنا کر لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں (حق اور حقیقت کو)۔

اسی طرح کا تذکرہ سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَا تُسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ﴾(2)

بیشک ہم نے بھیجا آپ کو (پیغمبر ﷺ) حق کے ساتھ، خوشخبری سنانے والا، اور خبر دار کرنے والا بنا کر، اور آپ سے پوچھ نہیں ہو گی دوزخیوں کے بارے میں۔

ان آیات سے یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ نافرمانوں اور کفر کرنے والوں کو تنبیہ کرنے والے ہیں، یعنی ان کو بروقت جہنم اور دائمی عذاب سے آگاہ کرنے والے ہیں۔ اس طرح نذیر بھی آپ ﷺ کا اسم صفاتی ہے۔

٦۔ منذر

نبی کریم ﷺ کا ایک صفاتی نام منذر بھی قرآن مجید میں بیان ہوا ہے۔ اس کا معنی، المنذر، ڈرانے والا ہے۔(3) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَأَنْ أَتْلُوَ الْقُرْآنَ فَمَنِ اهْتَدَى فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ إِنَّمَا أَنَا مِنَ الْمُنْذِرِينَ﴾(4)

اور مجھے حکم ہے کہ میں قرآن مجید کی تلاوت کرتا رہوں جو راہ راست پر آجائے وہ اپنی ذات کے نفع کے لیے راہ راست پر آئے گا اور جو بھٹک جائے گا تو کہہ دیجیے کہ میں تو صرف تنبیہ کرنے والوں میں سے ہوں۔

پس آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے لوگوں کو بتایا کہ مجھے تو اس بارے میں حکم ہے کہ میں کلام الٰہی پڑھ پڑھ کر تمہیں سناتا رہوں تاکہ تم میں سے جو ہدایت کے طلب گار ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرنے لگ جائیں۔ اور جو نافرمانی پر ڈٹے ہوئے ہیں ان کو تو میں تنبیہ کتنے والا ہوں۔ مراد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ لوگوں کو اعمال بد کے برے نتائج سے قبل از وقت خبر دار کرتے ہیں، نافرمانوں کو اللہ کی بارگاہ کے عذاب سے ڈراتے ہیں، ان کی

---

(1) سبا:٢٨

(2) البقرۃ:١١٩

(3) لسان العرب، ج5، ص201

(4) النمل:٩٢

ہدایت کے طالب بھی ہیں مگر آگے اصلاح اس کے مقدر میں ہے۔ کیونکہ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دینا چاہتا ہے اور وہ خود بھی طالب ہدایت ہو اس کو ہدایت ملتی ہے۔

۷۔ عبد اللہ

قرآن مجید میں نبی کریم ﷺ کے اسمائے صفاتیہ میں سے اسم عبد اللہ بھی ذکر ہے۔ عبد اللہ کا مطلب اللہ کا بندہ ہے۔ سورہ جن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن وانس میرے رسول کی مخالفت پر تلے ہوئے تھے وہ آپ ﷺ کو ختم کر دینا چاہتے تھے مگر اللہ کے رسول عبد اللہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتے تھے اور ان کا بھروسہ بھی اللہ تعالیٰ کی ذات پر تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ يَدْعُوهُ كَادُوا يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا﴾[1]

اور یہ کہ جب کھڑا ہوتا ہے اللہ کا بندہ خاص اسی (وحدہ لاشریک) کو پکارنے کے لیے تو یہ لوگ تیار ہو جاتے ہیں اس پر ٹوٹ پڑنے کو۔

یہاں عبد اللہ سے مراد آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو عزت افزائی کے لیے اس مقام پر صفت عبدیت سے سرفراز فرمایا۔

امام قرطبی اس بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''وعَبْدُ اللَّهِ هُنَا مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ كَانَ يُصَلِّي بِبَطْنِ نَخْلَةَ وَيَقْرَأُ الْقُرْآنَ، حَسْبَ مَا تَقَدَّمَ أَوَّلَ السُّورَةِ.''[2]

یعنی یہاں عبد اللہ سے مراد سیدنا محمد ﷺ ہیں کہ جب آپ ﷺ بطن نخلہ میں نماز ادا فرمارہے تھے اور قرآن مجید تلاوت فرمارہے تھے جیسا کہ اس سورت کے آغاز میں گزر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عزت افزا صفت عبد اللہ سے سرفراز فرمایا۔ اور آنحضرت ﷺ کو عبد اللہ کہہ کر مخاطب فرمانا اور اس مقام پر رسول یا نبی نہ کہنا محض اظہار محبت کے تحت تھا۔

۸۔ عبدہ

نبی کریم ﷺ کے لیے عبدہ کا لفظ بھی قرآن مجید میں آیا ہے۔ عبد کا معنی بندہ اور ہ ضمیر کا راجع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس لیے عبدہ کا معنی بھی عبد اللہ ہے۔ نبی کریم ﷺ فخر موجودات سید ولد آدم اور امام الاولین والاخرین ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بڑے پیار و محبت سے اپنا بندہ قرار دیا ہے۔ یہ کوئی عام عبد اللہ نہیں بلکہ خاص اللہ کا

---

(1) الجن: ۱۹

(2) الجامع لاحکام القرآن، ج ۱۹، ص ۲۳

مقرب بندہ مراد ہے۔ عبد کا معنی بندہ اور غلام کے ہیں مگر امام راغب اصفہانی عبد کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"عبد کا ایک معنی عبادت گزار اور اطاعت گزار کے ہیں۔ بعض وہ ہیں کہ جو بغیر اپنے اختیار کے بغیر اضطراری طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کرتے ہیں۔ اس معنی کے لحاظ سے ہر چیز عبد ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتی ہے۔ سورہ مریم میں اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا ہے: ﴿ إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمَنِ عَبْدًا﴾[1] یعنی آسمانوں اور زمینوں میں جو بھی ہے وہ رحمان کی عبادت کرنے والا ہے۔"[2]

تو گویا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے اور کامل طریقے سے اس کی عبادت کرنے والے ہیں۔ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے عام بندے نہیں بلکہ کامل ترین اور محبوب ترین بندے ہیں۔ اسی کے بارے میں علامہ اقبال نے کہا تھا۔

عبد دیگر عبدہ چیزے دیگر ماسراپا انتظار او منتظر[3]

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مختلف مقامات پر آپ ﷺ کو عبدہ کہا ہے۔ جیسا کہ سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾[4]

پاک ہے وہ ذات، جو راتوں رات لے گئی اپنے بندہ خاص کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک، جس کے آس پاس کو ہم نے نواز رکھا ہے طرح طرح (کی خیرات) و برکات سے، تاکہ ہم دکھائیں اس کو اپنی نشانیوں میں سے (کچھ نشانیاں)، بیشک وہ (اللہ) ہی ہے سننے والا، دیکھنے والا۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمائی ہے کہ اللہ وہ پاک ذات ہے جس نے اپنے عبد خاص کو سیر کرائی۔ یہاں رسول یا نبی کا نام نہیں لیا بلکہ عبد کا ذکر کیا۔ اس میں کمال یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو بلایا اپنی طرف۔ سورہ الکہف میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ پر نزول قرآن کے حوالے سے تذکرہ کرتے ہوئے عبدہ کا

---

(1) مریم:۹۳

(2) المفردات، ج۲، ص۴۱۵

(3) جاوید نامہ، ڈاکٹر، محمد اقبال علامہ، غلام علی پرنٹرز، لاہور، ۱۹۹۲، ص۲۴۰

(4) بنی اسرائیل:۱

اسم ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔:

﴿ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ عِوَجًا ﴾(1)

سب تعریفیں اس اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے اتارا اپنے بندہ خاص پر اس (عظیم الشان) کتاب کو، اور اس میں اس نے کسی طرح کی کوئی کجی (اور ٹیڑھ) نہیں رکھی۔

اب یہاں اس آیت سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ عبد خاص ہیں کہ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے عبد خاص پر قرآن نازل کیا ہے۔ ایسے ہی سورہ الحدید میں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عبدہ کہا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَى عَبْدِهِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَإِنَّ اللَّهَ بِكُمْ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ﴾(2)

وہ (اللہ) وہی ہے جو نازل فرماتا ہے اپنے بندہ خاص پر کھلی کھلی آیتیں تا کہ وہ تمہیں نکالے (اپنے کرم سے) طرح طرح کے اندھیروں سے (حق وہدایت کے) نور کی طرف اور بیشک اللہ تم سب پر (اے لوگوں!) یقینی طور پر بڑا ہی شفیق اور انتہائی مہربان ہے۔

مذکورہ بالا آیات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جہاں دیگر صفات سے مخاطب فرمایا ہے وہیں اس خاص صفت عبدیت سے بھی متصف فرمایا ہے۔ اس سے شان رسالت مآب ﷺ میں اور اضافہ ہوا ہے۔

۹۔ داعی الی اللہ

قرآن مجید نے آپ ﷺ کو داعی الی اللہ کہا ہے۔ داعی کا معنی دعوت دینے والا یا بلانے والا اور الی اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والا۔ ہادی کامل ﷺ کی شان ہی یہی ہے کہ وہ اللہ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے ہیں۔ آپ کی بعثت سے قبل انسانیت بے راہ روی کا شکار تھی۔ رشتوں کی تقدیس کا کوئی لحاظ نہ تھا۔ ظالم و جابر کمزور و ناتواں پر قابض تھا۔ قبائل آپس میں صدیوں سے حریف تھے۔ انسانیت اللہ کے نور سے ناآشنا تھی۔ گویا سارا عالم تاریکی و ظلمت میں ڈوبا ہوا تھا کہ آفتاب ہدایت فاران کی گھاٹیوں سے طلوع ہوا تو ''اشرقتِ الارضُ بنورِ ربھا''(3) اللہ کے رسول نے لوگوں کو ظلمت و بربریت سے نکال کر ہدایت کے واضح اور روشن راستے پر گامزن کیا۔ حریف قبائل کو آپس میں شیر و شکر کیا۔ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی معرفت وللّٰہیت سے شناسا

---

(1) الکھف:۱

(2) الحدید:۹

(3) الزمر:۶۹

کیا۔ مظلوموں کی دادرسی کی اور ظالموں کے خلاف علم جہاد بلند کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا ﴾(1)

اور بلانے والا اللہ کی طرف اسی کے حکم سے اور ایک عظیم الشان روشن کرنے والا چراغ بنا کر۔

امام قرطبی داعی الی اللہ کے تحت لکھتے ہیں:

''(وَداعِياً إِلَى اللَّهِ) الدُّعَاءُ إِلَى اللَّهِ هُوَ تبليغ التوحيد والأخذ به، ومكافحة الكفرة.''(2)

داعی الی اللہ سے مراد، اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینا ہے، توحید کی تبلیغ کرنا، اس کو اپنانا اور کفار کے ساتھ جہاد کرنا ہے۔

سابقہ انبیاء کی طرح آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد بھی یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کی تعلیم عام کی جائے اور شرک کی ظلمتوں کو چاک کر کے توحید کے نور ازلی سے اجالا کیا جائے۔ اسی لیے آپ ﷺ بھی لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے اور خدا کی توحید کا پرچار کرنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو انہی اوصاف کی وجہ سے داعی الی اللہ کہا ہے۔ اور یہ عمدہ وصف آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں بڑا نمایاں نظر آتا ہے کہ ساری زندگی آپ ﷺ نے دعوت توحید دینے میں گزار دی اور توحید کی دعوت کے لیے ہر ممکن کاوش کی یعنی اگر تلوار بھی اٹھانی پڑی تو اٹھائی لیکن اس عظیم فریضہ سے پیچھے نہیں ہٹے۔

۱۰۔ سراج منیر

نبی کریم ﷺ کے اسماء گرامی میں سے سراج منیر بھی ہے۔ سراج کا معنی روشن اور منور ہے۔ یعنی نبی کریم ﷺ روشن چراغ ہیں۔ جہالت و تاریکی کی راہوں میں آپ روشن و منور چراغ ہدایت ہیں۔ در حقیقت علم و ہدایت ایک نور ہے اور نور جدھر جائے تاریکیاں مٹ جاتی ہیں۔ ایسے ہی جب آپ ﷺ تشریف لائے ظلمتیں مٹ گئیں اور علم و ہدایت کا نور ہر سمت چھا گیا۔ تب ہی اس نور مبین و نور علم و حکمت کو اس کے خالق و پروردگار نے سراج منیر کہا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا ﴾(3)

اور بلانے والا اللہ کی طرف اسی کے حکم سے اور ایک عظیم الشان روشن کرنے والا چراغ بنا کر۔

امام قرطبی سراجا منیرا کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

---

(1) الاحزاب:۴۶

(2) الجامع لاحکام القرآن، ج ۱۴، ص ۲۰۰

(3) الاحزاب:۴۶

''و(سِراجاً مُنِيراً) هُنَا اسْتِعَارَةٌ لِلنُّورِ الَّذِي يَتَضَمَّنُهُ شَرْعُهُ. وَقِيلَ: "وَسِراجاً" أَيْ هَادِيًا مِنْ ظُلْمِ الضَّلَالَةِ، وأنت كالمصباح المضي. و"سِراجاًمُنِيراً"، قَالَ: بِالْقُرْآنِ". وَقَالَ الزَّجَّاجُ: "وَسِراجاً" أَيْ وَذَا سِرَاجٍ مُنِيرٍ، أَيْ كِتَابٍ نَيِّرٍ. وَأَجَازَ أَيْضًا أَنْ يَكُونَ بِمَعْنَى: وَتَالِيًا كِتَابَ اللَّهِ''(1)

اور سراجا منیرا سے مراد یہاں یہ اس نور سے مجاز ہے جسے آپ ﷺ کی شرع اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے۔ اور ایک قول کہا گیا ہے کہ سراجا سے مراد گمراہی کی تاریکی سے ہدایت دینے والے ہیں جب کہ آپ ﷺ روشن چراغ ہیں۔۔۔اور سراجا منیرا، کہا گیا ہے کہ اس سے مراد قرآن ہے۔ زجاج نے کہا ہے کہ ایسا سراج جو نور والا ہے، یعنی روشن کتاب۔ اور یہ بھی جائز قرار دیا گیا ہے یہ اس معنی میں ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب تلاوت کرنے والے ہیں۔

اس آیت کریمہ سے یہ ثابت ہوا کہ آپ ﷺ کی یہ صفت ہے کہ آپ سراجِ منیر ہیں۔ روشن چراغ ایسا روشن کہ جو دوسروں کو بھی روشنی عطا کرنے والا ہے۔ اس مقام پر سراج منیر سے مراد رسول اللہ ﷺ ہی کی ذات اقدس ہے۔ قرآن پاک بھی اگر ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن تسلسل سے ذکر کی گئی ساری صفات آپ ﷺ کے لیے ہیں، جیسے شاھد، مبشر، نذیر اور داعی الی اللہ۔ اسی طرح یہ صفت بھی آپ ﷺ کے لیے ہے اور یہی سب سے بہتر مفہوم ہے۔

١١۔ خاتم النبیین

نبی کریم علیہ السلام کو قرآن میں خاتم النبیین بھی کہا گیا ہے۔ خاتم کا معنی مہر ہے۔(2) خاتم یعنی مہر کسی عمل کا تکمیلی مرحلہ ہوتا ہے جب کام مکمل ہو جائے تو مہر لگائی جاتی ہے۔ خاتم النبیین سے مراد نبوت کے باب کا بند ہونا اور آپ ﷺ کا آخری نبی ہونا ہے۔ یعنی آپ ﷺ کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اور اگر کوئی لعنتی نبوت کا دعویٰ کرے تو وہ کذاب ہے۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام بھی جب تشریف لائیں گے تو وہ رسول خدا ﷺ کے امتی بن کر آئیں گے۔ کیونکہ قرآن مجید نے جو صراحتاً نفی کر دی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا﴾(3)

(لوگو!) محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں مگر وہ اللہ کے رسول اور سب

---

(1) الجامع لاحکام القرآن، ج۱۴، ص ۲۰۰

(2) لسان العرب، ج12، ص163

(3) الاحزاب: ۴۰

نبیوں کے خاتم ہیں اور اللہ ہر چیز کو پوری طرح جانتا ہے۔

امام قرطبی اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''ماکان محمدا أبا لاحد من الرجالکم، ولکنه رسول الله وخاتم النبین،فلا نبوة بعده الی یوم القیامة وکان الله بکل شیءٍ علیماً، لایخفی علیه شیء'' یعنی محمد تم سب میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں مگر وہ اللہ تعالیٰ کے رسول اور نبیوں میں سب سے آخری نبی ہیں۔ پس آپ ﷺ کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں آنے والا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے، اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔[1]

آپ ﷺ کی صفت خاتم النبین ہونے کے حوالے سے امام مسلم کی ایک روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے چند وجوہ سے انبیاء پر فضیلت دی گئی ہے:

« أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ، وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُورًا وَمَسْجِدًا، وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً، وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ»[2]

مجھے جوامع الکلم عطاء کئے گئے ہیں، اور رعب سے میری مدد کی گئی ہے، اور میرے لیے غنیمتوں کو حلال کر دیا گیا، اور تمام روئے زمین کو میرے لیے آلہ طہارت اور نماز کی جگہ بنادیا گیا ہے، اور مجھے تمام مخلوق کی طرف (نبی بنا کر) بھیجا گیا ہے، اور مجھ پر تمام نبیوں کو ختم کیا گیا۔

آپ ﷺ کی صفت خاتم النبین پر بہت سی آیات واحادیث سے استدلال کیا جاسکتا ہے جو کہ باب دوم کی فصل اول میں امتیازات مصطفیٰ ﷺ کے تحت بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہ وصف عطا فرمایا ہے کہ آپ ﷺ انبیاء علیہم السلام کے خاتم ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں آئے گا۔ اسی لیے آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خاتم النبین کہا ہے۔

۱۲۔ رحمۃ للعالمین

قرآن مجید نے رسول اللہ ﷺ رحمۃ للعالمین کہا ہے۔ رحمت کا معنی نرم دل ہونا، مہربان ہونا، شفقت کرنا، بخش دینا ہے۔[3] یعنی رحمۃ للعالمین کا معنی رسول اللہ کا سارے عالموں کے لیے نرم دل و شفیق اور مہربان ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے لیے ''رب العالمین'' قرآن مجید کے لیے ذکر للعالمین اور نبی محتشم کے لیے ''رحمۃ للعالمین'' کا لفظ

---

(1) الجامع لاحکام القرآن، ج ۱۴، ص ۱۹۶

(2) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب ادنی اھل الجنۃ منزلۃ فیھا، حدیث نمبر ۱۹۴، ج ۱، ص ۱۸۴

(3) لسان العرب، ج 12، ص 230

استعمال کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ جملہ کائنات کے لیے رحمت ہیں۔ جو ایمان لایا اور آپ ﷺ کی تصدیق کی وسعادت مند ہوا اور اللہ تعالیٰ کی دائمی وابدی رحمتیں اس کا استقبال کرتی ہیں اس لیے وہ رحمت کا حقیقی مستحق ہوتا ہے۔ جبکہ کافر، منکر، کاذب جو ایمان نہیں لاتا وہ امم ماضیہ کی طرح عذاب کا شکار نہیں ہوتا اس لیے وہ بھی رسول رحمت کی رحمت سے حصہ پاتا ہے اور اس پر یہ رحمت عارضی ہے۔ آپ ﷺ کی رحمت کا ذکر قرآن مجید میں ان الفاظ کے ساتھ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ﴾(1)

اور (اے محمد ﷺ) ہم نے تم کو تمام جہاں کے لیے رحمت (بناکر) بھیجا ہے۔

لہذا ماسوا اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے رسول اللہ ﷺ ہر ایک کے لیے رحمت ہیں۔ ہر ایک شخص میں سبھی شامل ہیں کہ جنھوں نے آپ ﷺ کی رحمت سے حصہ پایا۔ البتہ فرق ہے کہ مومن نے ہر طرح کی رحمت کا حصہ پایا جبکہ کافر کا حصہ یہ ہے کہ اس سے عذاب کو مؤخر کیا گیا ہے۔ امام قرطبی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

”كَانَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحْمَةً لِجَمِيعِ النَّاسِ فَمَنْ آمَنَ بِهِ وَصَدَّقَ بِهِ سَعِدَ، وَمَنْ لَمْ يُؤْمِنْ بِهِ سَلِمَ مِمَّا لَحِقَ الْأُمَمَ مِنَ الْخَسْفِ وَالْغَرَقِ.“(2)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ تمام انسانوں کے لیے رحمت ہیں۔ پس جو آپ ﷺ پر ایمان لایا اور آپ ﷺ کی تصدیق کی سعادت مند ہوا۔ اور جو آپ ﷺ پر ایمان نہیں لایا اسے وہ عذاب لاحق نہیں ہوا جو پہلی امتوں کو (نافرمانی کی وجہ سے) خسف اور غرق لاحق ہوا۔

نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے کبھی کسی بیگانے کو بھی برا نہ کہا کبھی بددعا نہ کی بلکہ ہمیشہ رحمت کی دعا ہی فرمائی ہے۔ حتی کہ مشرکین کی ایذارسانیوں پر بدعا کے لیے کہا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے لعنت کرنے والا بناکر نہیں بلکہ رحمت کرنے والا بناکر بھیجا ہے۔ اس لیے رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ میں دوسروں کے لیے صرف دعا ہی کروں اور اللہ تعالیٰ سے ان کی ہدایت طلب کروں۔ لہذا کل عالم ماسوائے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے آپ ﷺ سبھی کے لیے باعث رحمت ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو صفت رحمت سے متصف فرمایا ہے۔

۱۳۔ نبی

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ مکرم ﷺ کے لیے قرآن مجید میں جو اسم زیادہ استعمال کیا ہے وہ نبی ہے۔ یہ بھی

---

(1) الانبیاء:۱۰۷

(2) الجامع لاحکام القرآن، ج۱۱، ص۳۵۰

نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا صفاتی نام ہے۔ نبی کا معنی اللہ تعالیٰ کے الہام سے غیب کی خبر دینا، آئندہ کی پیش گوئی کرنا اور خدا کی طرف سے پیغامبر ہیں۔[1] قرآن مجید میں پچیس مرتبہ لفظ نبی آیا ہے۔ جس میں سے چند مقامات کی نشاندہی اس مقام پر کی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴾[2]

اے نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، خوشخبریاں دینے والا اور آگاہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔

سورہ الاعراف میں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو صفت نبی سے مخاطب فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا:

﴿ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾[3]

وہ جو پیروی کریں گے اس رسول کی جو نبی امی (ہونے کی شان رکھتے) ہیں، جن کو یہ لوگ لکھا ہوا پاتے ہیں اپنے یہاں تورات اور انجیل میں (ان کی خصوصیات و امتیازات کے ساتھ) جو ان کو حکم دے گا نیکی کا، اور روکے گا ان کو برائی سے، اور حلال بتلائے گا وہ ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو، اور حرام بتلائے گا ان پر ناپاک چیزوں کو، اور وہ اتار دے گا ان (کی گردنوں) سے ان کے وہ بوجھ جو (لدے ہوئے) تھے ان پر، اور (وہ دور کر دے گا ان سے) وہ طوق (جن میں جکڑے ہوئے تھے) یہ لوگ اس سے پہلے، پس لوگ جو (صدق دل سے) ایمان لائیں گے اس (نبیء امی) پر اور وہ تعظیم و مدد کریں گے اس کی، اور پیروی کریں گے ان نور (مبین) کی جو اتارا گیا ہو گا ان کے ساتھ، تو ایسے ہی لوگ ہوں گے فلاح پانے والے۔

آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ منصب نبوت پر فائز ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے الہامی خبریں لوگوں تک پہنچانے والے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو صفت نبی سے بھی مخاطب فرمایا ہے۔

۱۴۔ رسول

نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے لیے قرآن مجید میں رسول کا اسم بھی استعمال ہوا ہے۔ صفاتی اسماء میں سے سب سے زیادہ

---

(1) لسان العرب، ج15، ص302

(2) الاحزاب:۴۵

(3) الاعراف:۱۵۷

اسم رسول ہی قرآن میں آیا۔ رسول کا معنی بھیجا ہوا، پیغام بر، پیغامبری ہے۔[1] یعنی نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغامبر ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

﴿قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ﴾[2]

کہو، تم لوگ سچے دل سے فرمانبرداری کرو اللہ کی، اور اس کے رسول کی، پھر اگر یہ لوگ منہ موڑیں (حق وہدایت کی اس راہ سے) تو یقیناً یہ اپنا ہی نقصان کریں گے کہ) بیشک اللہ پسند نہیں فرماتا ایسے کافروں کو۔

سورہ الحج میں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لیے صفت رسول ذکر فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تمہارے رسول ﷺ ہی تمہارے اعمال وافعال پر گواہ ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلَى وَنِعْمَ النَّصِيرُ﴾[3]

اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے اسی وحدہ لاشریک نے تم کو چنا ہے اپنی بندگی اور اپنے دین کی خدمت کے لیے اور دین کے بارے میں اس نے تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی قائم ہو جاؤ تم لوگ اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر اسی اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا پہلے والی آسمانی کتابوں میں بھی اور اس قرآن میں بھی تاکہ تمہارے پیغمبر تم پر گواہ ہوں اور تم دوسرے لوگوں پر گواہ بنو پس تم لوگ نماز کی پابندی کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور وابستہ ہو جاؤ اللہ کے دین سے وہی کارساز ہے تم سب کا سو کیا ہی اچھا کارساز ہے اور کیا ہی اچھا مددگار ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورہ احزاب میں آپ ﷺ کے منصب رسالت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ رسول ﷺ خاتم النبیین ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں آئے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا﴾ [4]

---

(1) لسان العرب، ج 11، ص 283

(2) آل عمران: ۳۲

(3) الحج: ۷۸

(4) الاحزاب: ۴۰

(لوگو!) محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں مگر وہ اللہ کے رسول اور سب نبیوں کے
خاتم ہیں اور اللہ ہر چیز کو پوری طرح جانتا ہے۔

اس کے علاوہ تقریباً ۱۱۳ مرتبہ اور قرآن مجید میں لفظ رسول اور آیا ہے۔ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول بن کر تشریف لائے ہیں۔ رسالت آپ ﷺ کا فرض منصبی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اس اس صفتِ عظیمی کا ذکر فرمایا ہے۔

مبحث سوم: اسمائے صفاتیہ دائمیہ متصف باللہ

قرآن مجید میں دو اسماء ایسے ذکر ہوئے ہیں جو حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے وہ دو نام اپنے حبیب مکرم ﷺ کے لیے بھی استعمال کئے ہیں۔ وہ درج ذیل ہیں۔

ا۔ رؤفٌ

نبی کریم ﷺ کا اسم صفاتی رؤفٌ متصف باللہ ہے۔ رؤفٌ کا معنی ہے بہت زیادہ مہربان، شفیق۔[1] نبی کریم ﷺ در اصل اپنی امت پر حد درجہ مہربان و شفیق ہیں۔ امت کی بخشش و مغفرت پر بہت زیادہ حریص ہیں۔ آپ ﷺ کی اس بے حد مہربانی کو پا کر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنا یہ صفاتی اسم عطا فرمایا ہے۔ اور یہ اسم قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے لیے ذکر ہوا ہے۔ فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہ ذاتی صفات ہیں جبکہ آنحضرت ﷺ کو یہ صفات اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائیں ہیں۔

سورہ البقرۃ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

﴿ وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَى عَقِبَيْهِ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴾[2]

اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک توسط (واعتدال) والی امت بنایا، تاکہ تم باقی لوگوں پر گواہ ہوؤ، اور (تمہارے) رسول تم پر گواہ ہوں، اور ہم نے نہیں بنایا اس قبلہ کو (آپ کا قبلہ اے پیغمبر ﷺ) جس پر آپ (اس سے کچھ عرصہ کے لیے) تھے، مگر (اس لیے کہ) تاکہ ہم دیکھیں کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے، اور کون (اس راہ سے) الٹے پاؤں پھر جاتا ہے، اور بیشک (تحویل قبلہ کا) یہ معاملہ بڑا ہی بھاری ہے، مگر ان لوگوں پر، جن کو اللہ نے ہدایت (کے اطمینان بخش نور) سے نوازا ہوتا ہے، اور اللہ ایسا نہیں کہ ضائع کر دے تمہارے ایمان کو بیشک اللہ (تعالیٰ) لوگوں پر بڑا ہی شفقت فرمانے والا، نہایت ہی مہربان ہے۔

اس مذکورہ بالا آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے رؤف ورحیم کی صفات ذکر کیں ہیں۔ اور سورہ التوبہ میں اپنے حبیب مکرم ﷺ کے لیے یہی دو اسماءِ صفاتیہ ذکر کئے ہیں۔

---

(1) لسان العرب، ج9، ص112

(2) البقرۃ: ۱۴۳

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴾[1]

بیشک آچکے تمہارے پاس (اے لوگو!) ایک عظیم الشان رسول خود تم ہی میں سے، جن پر بڑا گراں ہے تمہارا مشقت (و تکلیف) میں پڑنا، جو بڑے حریص ہیں تمہاری فلاح (و بہبود) کے، انتہائی شفیق، اور بڑے مہربان ہیں ایمان والوں پر۔

اس مذکور الذکر آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی پہلے صفت رسول کا ذکر فرمایا اور پھر فرمایا کہ یہ رسول خود تم ہی میں سے، جن پر بڑا گراں ہے تمہارا مشقت (و تکلیف) میں پڑنا، جو بڑے حریص ہیں تمہاری فلاح (و بہبود) کے، انتہائی شفیق، اور بڑے مہربان ہیں ایمان والوں پر۔

۲۔ رحیم

اسمائے صفاتیہ دائمیہ متصف باللہ میں سے دوسرا اسم جو قرآن میں ذکر ہے وہ رحیم ہے۔ رحیم کا معنی ہے مہربانی کرنے والا[2] یعنی رسول اللہ ﷺ اپنی امت پر بڑے مہربان ہیں۔ سورہ التوبہ میں ارشاد پاک ہے:

﴿ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴾[3]

بیشک آچکے تمہارے پاس (اے لوگو!) ایک عظیم الشان رسول خود تم ہی میں سے، جن پر بڑا گراں ہے تمہارا مشقت (و تکلیف) میں پڑنا، جو بڑے حریص ہیں تمہاری فلاح (و بہبود) کے، انتہائی شفیق، اور بڑے مہربان ہیں ایمان والوں پر۔

امام قرطبی اس آیہ کریمہ کے تحت لکھتے ہیں کہ:

’’(بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُفٌ رَحِيمٌ) الرَّءُوفُ: الْمُبَالِغُ فِي الرَّأْفَةِ وَالشَّفَقَةِ.وَقَالَ الْحُسَيْنُ بْنُ الْفَضْلِ: لَمْ يَجْمَعِ اللَّهُ لِأَحَدٍ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ اسْمَيْنِ مِنْ أَسْمَائِهِ إِلَّا لِلنَّبِيِّ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِنَّهُ قَالَ: "بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُفٌ رَحِيمٌ" وقال: " إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَؤُفٌ رَحِيمٌ‘‘[4]

---

(1) التوبہ:۱۲۸

(2) لسان العرب، ج12، ص230

(3) التوبہ:۱۲۸

(4) الجامع لاحکام القرآن، ج۸، ص۳۰۱

رؤف کا معنی ہے، بہت زیادہ نرمی اور شفقت کرنے والا۔ اور حسین بن فضل نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء میں سے دو اسم انبیاء علیہم السلام میں سے کسی کے لیے بھی سوائے نبی کریم ﷺ کے جمع نہیں فرمائے ہیں۔

تو گویا آپ ﷺ کا یہ امتیازی وصف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے علاوہ کسی بھی نبی و رسول کو یہ اپنے صفاتی نام نہیں عطا فرمائیں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ رؤف بھی ہیں اور رحیم بھی۔ سورہ الفتح میں بھی مہربانی کا ذکر ہے کہ نہ صرف رسول مہربان ہیں بلکہ ان کے رفقاء بھی آپس میں رحم کرنے والے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ﴾[1]

محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے مقابلے میں بڑے سخت اور آپس میں انتہائی مہربان ہیں تم انہیں دیکھو گے تو ان کو رکوع و سجود کرنے والے اور (ہر حال میں اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی کی تلاش کرتے پاؤ گے ان کی نشانی (چمک رہی ہو گی) ان کے چہروں میں سجدوں کے اثرات کی بناء پر یہ ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے اپنے یہ صفاتی نام صرف آپ ﷺ کو ہی عطا فرمائیں ہیں۔ اور آپ ﷺ شدید حد تک اپنی امت پر مہربان و شفیق ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو رؤف و رحیم کے اسماء سے مخاطب فرمایا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ میں ان اسماء سے مزین کئی واقعات ہوئے ہیں۔ جن کا ذکر مکی و مدنی دونوں زندگیوں میں ملتا ہے۔ جیسا کہ سفر طائف اور فتح مکہ کی مثالیں ہیں۔

---

(1) الفتح:۲۹

مبحث چہارم: اسمائے صفاتیہ عارضیہ

اسمائے صفاتیہ عارضیہ میں دو اسماءِ صفاتی ایسے ہیں جو قرآن مجید میں ذکر ہوئے ہیں۔ اسمائے صفاتیہ عارضیہ سے مراد ہے کہ جس حالت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی ﷺ کو پایا اسی حالت میں خطاب کیا۔ اور وہ حالت ہمیشہ باقی نہیں رہتی بلکہ عارضی ہوتی ہے۔ اس لیے اس تقسیم کو صفاتِ عارضیہ کا نام دیا گیا ہے۔ وہ اسماءِ صفاتیہ عارضیہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ مزمل

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کو کپڑے میں لپٹے ہوئے دیکھا تو اسی حالت میں خطاب فرمایا! یا ای ھا المزمل۔ مزمل کا معنی ہے کپڑوں میں لپیٹنے والا۔[1] رسول اللہ ﷺ چادر میں لپٹے ہوئے لیٹے تھے ایسے میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مخاطب کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ﴾[2]

اے کپڑوں میں لپٹنے والے۔

المزملُ اصل میں المتزملُ ہے اور تزملَ سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے تَلَفَّفَ یعنی اپنے اوپر چادر یا کوئی کپڑا لپیٹ لینا۔ یاایھا المزملُ میں اصل خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے۔ آپ ﷺ کو اس اسم سے خطاب فرمانے کی حکمت کیا ہے؟ اس کے متعلق علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور جمہور کا مذہب ہے کہ جب غار حرا میں جبریل علیہ السلام نے حاضر ہو کر إقرا بِاسمِ ربّک کا فرمان ربانی سنایا تو اس حیرت انگیز واقعہ سے خوف اور دہشت سی طاری ہو گئی اور جسم لرزنے لگا۔ اسی حالت میں نبی کریم ﷺ اپنے گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہ سے فرمایا: زَملونی، زَملونی، مجھے چادر اوڑھادو، مجھے چادر اوڑھادو۔ نبی کریم ﷺ جب چادر لپیٹ چکے تو جبریل علیہ السلام فوراً حاضر ہوئے اور یا ایھا المزمل کے خطاب سے وحی کا آغاز کیا۔[3]

پس یہ صفت نبی کریم ﷺ کی صفت عارضیہ ہے۔ جو اس گھڑی طاری ہونے والی کیفیت کی وجہ سے آپ ﷺ کو عطا ہوئی ہے۔ کہ اے چادر لپیٹنے والے۔

۲۔ مدثر

---

(1) لسان العرب، ج11، ص311

(2) المزمل:۱

(3) ضیاء القرآن، ج۵، ص۳۹۹

اسمائے صفاتیہ عارضیہ میں سے دوسری صفت اسم مدثر ہے۔ یہ اصل میں متدثر تھا۔ تا کو دال میں ادغام کر دیا گیا پھر مدثر بن گیا۔ اس کا معنی ہے اوڑھنے والا[1] اللہ تعالیٰ نے سورۃ المدثر میں آپ ﷺ کو اس اسم صفاتی سے مخاطب فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾[2]

اے کپڑے میں لپٹنے والے۔

اس اسم صفاتی عارضی کے بارے میں امام بخاری نقل کرتے ہیں۔

«عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ يُحَدِّثُ عَنْ فَتْرَةِ الوَحْيِ، فَقَالَ فِي حَدِيثِهِ: " فَبَيْنَا أَنَا أَمْشِي إِذْ سَمِعْتُ صَوْتًا مِنَ السَّمَاءِ فَرَفَعْتُ رَأْسِي، فَإِذَا المَلَكُ الَّذِي جَاءَنِي بِحِرَاءٍ جَالِسٌ عَلَى كُرْسِيٍّ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالأَرْضِ، فَجَئِثْتُ مِنْهُ رُعْبًا، فَرَجَعْتُ فَقُلْتُ: زَمِّلُونِي زَمِّلُونِي، فَدَثَّرُونِي، فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى: يَا أَيُّهَا المُدَّثِّرُ»[3]

آپ ﷺ پر وحی نازل ہوئی۔ اقراء باسم ربک الذی خلق۔۔ اس کے بعد کافی عرصہ گزر گیا وحی نازل نہ ہوئی جسکی وجہ سے رسول اللہ ﷺ سخت پریشان اور مضطرب رہنے لگے۔ ایک روز اچانک وہی فرشتہ جو غار حرا میں وحی لے کر آیا تھا آپ ﷺ کو نظر آیا آپ ﷺ نے دیکھا کہ وہ آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہے۔ جس سے آپ ﷺ پر خوف طاری ہوا اور گھر جا کر گھر والوں سے کہا مجھے کپڑا اوڑھا دو! مجھے کوئی کپڑا اوڑھا دو! چنانچہ آپ ﷺ کو کپڑا اوڑھا دیا گیا اور پھر اسی حالت میں وحی نازل ہوئی۔

اس صفت عارضیہ مدثر کی بھی کیفیت پچھلی صفت جیسی ہی ہے۔ اس فصل میں آپ ﷺ کے اسماء کو ذکر کیا گیا ہے۔ جن میں سے دو اسم آپ ﷺ کے ذاتی ہیں جبکہ باقی اسماء پاک صفاتی ہیں۔ پھر کچھ اسماء صفاتیہ دائمی ہیں اور کچھ عارضی ہیں۔ اور مذکور الذکر اسماء صفاتیہ میں سے دو ایسے ہیں جو کہ متصف باللہ ہیں۔ جو در حقیقت اللہ تعالیٰ کے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے وہ آنحضرت ﷺ کے لیے بھی بیان فرمائے ہیں۔

---

(1) لسان العر، ج4، ص276

(2) المدثر:۱

(3) صحیح بخاری، کتاب التفسیر القرآن، باب سورہ مدثر، حدیث ۴۹۲۵، ج۶، ص۱۶۶

فصل سوم: خصائصِ مصطفٰی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

مبحث اول: نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے خصائص ذاتیہ

یہ فصل آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے خصائص پر مشتمل ہے۔ وہ امتیازی اوصاف جو اللہ تعالیٰ نے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو عطا فرمائے اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سوا کسی اور نبی یا رسول کو نہیں عطا فرمائے۔ یہ جملہ خصائص جو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ذات اقدس میں پائے جاتے ہیں قرآن مجید کی روشنی میں بیان کیے جائیں گے۔

ا۔ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی درّ یتیمی کا ذکر

﴿أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَى o وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَى o وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَى﴾(1)

کیا اس نے نہیں پایا آپ کو یتیم اور پھر (اپنی آغوش رحمت میں) جگہ دی۔ اور آپ کو اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو منزل مقصود تک پہنچا دیا۔ اور اس نے آپ کو حاجت مند پایا تو غنی کر دیا۔

یہ آیات مبینات سورہ الضحیٰ کی ہیں۔ اس سورت پاک کا شان نزول یہ ہے کہ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی صحت مبارکہ درست نہ تھی جس کی وجہ سے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تین یا چار روز شب بیداری نہ کر سکے۔ ان ایام میں ایک کافرہ عورت آئی اور کہنے لگی اے محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم! لگتا ہے (معاذ اللہ) تیرے شیطان نے تجھے چھوڑ دیا ہے کیونکہ ہم نے ان راتوں میں اسے تمہارے پاس آتے نہیں دیکھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی دلجوئی کے لیے یہ سورت مقدسہ نازل فرمائی کہ آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا ہے۔(2) اسی سورت میں آگے مزید اللہ تعالیٰ نے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بچپن اور در یتیمی کا ذکر کرتے ہوئے کمال شفقت و محبت کا اظہار فرمایا کہ اے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم آپ کے والد گرامی تو اس وقت انتقال کر گئے تھے جس وقت آپ شکم مادر میں تھے گویا آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم یتیم پیدا ہوئے اور پھر کم سنی ہی میں ماں اور دادا کا انتقال ہو گیا تو ایسے میں ہم نے آپ کو اپنی آغوش رحمت میں جگہ دی۔ اور آپ جب بچپن ہی سے اللہ تعالیٰ کی طرف کامل رجوع رکھتے تھے تو پھر جوانی میں بھی اللہ تعالیٰ نے مزید آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو منزل کی طرف قریب فرمایا۔ اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو تمام ضرورتوں اور حاجتوں میں لوگوں سے مستغنی کر کے صرف اپنی ہی ذات کا محتاج رکھا اور اپنی عطا سے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو غنی کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کا آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر اس قدر احسان تھا کہ کم سنی سے ہی آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم رجوع الی اللہ اور حب الٰہی سے سرشار تھے۔ جیسا کہ امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ:

"ایک دن ابو طالب نے اپنے بھائی عباس سے کہا کہ: کیا میں تم کو یہ خبر نہ دوں کہ میں نے محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) سے کیا عجیب و غریب چیزیں دیکھیں ہیں؟ ابو طالب نے کہا کہ میں دن رات کے

---

(1) الضحیٰ: ۶ تا ۸

(2) صحیح بخاری، کتاب التفسیر القرآن، باب ماودعک ربک وما قلی، حدیث نمبر ۴۹۵۰، ج 6، ص ۱۷۲

کسی بھی وقت میں ان کو اپنے پاس سے جدا نہیں کرتا تھا حتی کہ رات کو بھی اپنے پاس سلاتا تھا، ان کا جسم بہت نرم، ملائم اور مشک سے زیادہ خوشبودار تھا، بہت دفعہ میں ان کو اپنے بستر سے گم پاتا، میں ان کو ڈھونڈنے باہر جاتا تو وہ مجھے آواز دیتے، اے چچا میں یہاں ہوں اور بہت دفعہ آدھی رات کو میں ان سے ایسا کلام سنتا جس سے مجھے بہت تعجب ہوتا اور یہ کھانے سے پہلے بسم اللہ الاحد اور کھانے کے بعد الحمد للہ پڑھتے ہیں اور کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔"[1]

گویا رسول کریم ﷺ کم سنی سے ہی اللہ تعالیٰ کا انتخاب تھے اور علامات نبوت کا ظہور بھی بچپن سے ہی تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ساری مخلوقات میں یگانہ اور بے مثال پایا۔ صدفِ مکان کو آپ ﷺ جیسا موتی آج تک نصیب نہیں ہوا پس اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو آغوش رحمت میں پناہ عطا فرمائی۔[2] رسول کریم ﷺ کا یہ ذکر آپ ﷺ کے خصائص ذاتیہ میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان قلبِ رسالت مآب ﷺ کو تسلی و تشفی دینے کے لیے نازل فرمایا اور اس خصوصیت کی نظیر نہیں ملتی کہ اللہ تعالیٰ نے کسی اور کی اس قدر دلجوئی فرمائی ہو۔ رسول کریم ﷺ کو ساری کائنات کی محتاجی سے اللہ تعالیٰ نے مستغنی کر کے اپنی بارگاہ میں محبوبیت کا درجہ عطا فرما دیا۔

۲۔ شرح صدر

شرح کا معنی کھولنا، کشادہ کرنا ہے۔

"شرح الله صدره بقبول الخير فانشرح"[3]

یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کے سینہ کو قبول خیر کے لیے کشادہ فرما دیا اور وہ کشادہ ہو گیا۔

نبی کریم ﷺ کا ایک امتیازی وصف و خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے شرح صدر عطا فرمایا۔ آپ علیہ السلام کے سینہ اطہر کو چاک کر کے دل کو نکالا گیا اور زم زم سے دھو کر معرفت و حکمت سے لبریز کر دیا گیا۔[4] یا اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا قلب محمدی کو علوم و معرفت کے لیے کشادہ فرمانا ہے۔ دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں اس سے مفاہیم و معانی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

---

(1) التفسیر الکبیر، ج ۱۱، ص ۱۹۶

(2) روح المعانی، ج ۳۰، ص ۲۵۵

(3) المعجم الوسیط، ابراہیم مصطفیٰ، ص ۴۷۸

(4) سنن الترمذی، ابواب تفسیر القرآن، باب سورہ الم نشرح، حدیث نمبر ۳۳۴۶، ج ۵، ص ۴۴۲

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ﴾[1]

کیا ہم نے آپ ﷺ کا سینہ نہیں کھول دیا۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے آپ کا سینہ اقدس کشادہ فرمادیا۔ اس کے متعلق امام قرطبی تفسیر قرطبی میں لکھتے ہیں کہ:

'' قيل يَا رَسُولَ اللهِ، أَيَنْشَرِحُ الصَّدْرُ؟ قَالَ: نَعَمْ وَيَنْفَسِحُ. قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، وَهَلْ لِذَلِكَ عَلَامَةٌ؟ قَالَ: نَعَمُ التَّجَافِي عَنْ دَارِ الْغُرُورِ، وَالْإِنَابَةُ إِلَى دَارِ الْخُلُودِ، وَالِاعْتِدَادُ لِلْمَوْتِ، قَبْلَ نُزُولِ الْمَوْتِ.''[2]

عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ کیا سینہ کو کھولا جاتا ہے؟ فرمایا ہاں اسے کھولا جاتا ہے صحابہ نے عرض کیا کیا اس کی نشانی ہے؟ فرمایا ہاں دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی طرف رجوع اور موت کے سامنے سے قبل موت کی تیاری کرنا یہ اسکی نشانیاں ہیں۔ امام قرطبی مزید لکھتے ہیں:

'' وَرُوِيَ عَنِ الْحَسَنِ قَالَ: أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ قَالَ: مُلِئَ حُكْمًا وَعِلْمًا.''[3]

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں الم نشرح لک صدرک کا معنی یہ ہے کہ آپ ﷺ کا سینہ مبارک حکمتوں اور علم سے بھر دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جب میں کسی کو ہدایت دینا چاہتا ہوں تو اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہوں لہٰذا نبی کریم ﷺ کا بدرجہ اتم شرح صدر کیا گیا۔ اس امر کا اظہار اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کیا ہے کہ جب میں کسی کو ہدایت دیتا ہوں تو اس کے سینہ کو کشادہ کر دیتا ہوں۔ اس سے فائدہ یہ ہوتا ہے کہ کشادگی قلب سے وہ ایمان اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو آسانی سے قبول کر لیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاءِ كَذَلِكَ يَجْعَلُ اللَّهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ﴾[4]

غرض جس شخص کو اللہ ہدایت تک پہنچانے کا ارادہ کر لے، اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا

---

(1) الم نشرح:۱

(2) الجامع لأحکام القرآن، ج ۲۰، ص ۱۰۴

(3) ایضاً

(4) الانعام:۱۲۵

ہے، اور جس کو (اس کی ضد کی وجہ سے) گمراہ کرنے کا ارادہ کرلے، اس کے سینے کو تنگ اور اتنا زیادہ تنگ کردیتا ہے کہ (اسے ایمان لانا ایسا مشکل معلوم ہوتا ہے) جیسے اسے زبردستی آسمان پر چڑھنا پڑ رہا ہو۔ اسی طرح اللہ (کفر کی) گندگی ان لوگوں پر مسلط کردیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔

اب اس آیت کریمہ میں تو مطلقاً اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہم جس کو ہدایت پہنچانے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کا سینہ قبول اسلام و حکام کے لیے کشادہ فرمادیتے ہیں۔ یہ کشادگی وسعت قلبی ہے۔ جیسے کافر کا سینہ تنگ ہوتا ہے وہ ہدایت کی طرف نہیں آتا جبکہ مومن احکام الٰہی پر عمل پیرا ہونے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔ سنن دارمی میں ابن غنم سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« نَزَلَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عليْهِ وَسَلَّمَ ، فَشَقَّ بَطْنَهُ. ثُمَّ قَالَ جِبْرِيلُ: قَلْبٌ وَكِيعٌ فِيهِ أُذُنَانِ سَمِيعَتَانِ وَعَيْنَانِ بَصِيرَتَانِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ الْمُقَفِّي، الْحَاشِرُ، خُلُقُكَ قَيِّمٌ، وَلِسَانُكَ صَادِقٌ، وَنَفْسُكَ مُطْمَئِنَّةٌ »[1]

رسول اللہ ﷺ کے پاس جبریل علیہ السلام آئے۔ انہوں نے آپ ﷺ کے دل کو چیرا اس سے دل کو نکالا اور کہا تیرا دل مضبوط ہے تیری آنکھیں روشن ہیں، تیرے کان سننے والے ہیں تو محمد اللہ کا رسول ہے تیری زبان سچ بولنے والی ہے تیرا نفس مطمن ہے تیرے اخلاق جامع ہیں اور تو امور کا نگران ہے۔

شق صدر کی حکمتیں درج ذیل ہیں:

(۱) بچپن میں آپ ﷺ کا شق صدر اس لیے ہوا تاکہ آپ ﷺ کی نشو و نما کامل ترین احوال میں ہو اور آپ ﷺ شیطان سے محفوظ رہیں یہی وجہ ہے کہ صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کے سینہ سے جما ہوا خون نکال کر پھینک دیا اور کہا یہ آپ میں شیطان کا حصہ تھا:

« عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَاهُ جِبْرِيلُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَلْعَبُ مَعَ الْغِلْمَانِ، فَأَخَذَهُ فَصَرَعَهُ، فَشَقَّ عَنْ قَلْبِهِ، فَاسْتَخْرَجَ الْقَلْبَ، فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ عَلَقَةً، فَقَالَ: هَذَا حَظُّ الشَّيْطَانِ مِنْكَ، ثُمَّ غَسَلَهُ فِي طَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ بِمَاءِ زَمْزَمَ، ثُمَّ لَأَمَهُ، ثُمَّ أَعَادَهُ فِي مَكَانِهِ، وَجَاءَ الْغِلْمَانُ يَسْعَوْنَ إِلَى أُمِّهِ- يَعْنِي ظِئْرَهُ- فَقَالُوا: إِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ، فَاسْتَقْبَلُوهُ وَهُوَ مُنْتَقِعُ اللَّوْنِ"،قَالَ أَنَسٌ: «وَقَدْ كُنْتُ أَرَى أَثَرَ ذَلِكَ الْمِخْيَطِ فِي صَدْرِهِ.»[2]

---

(1) سنن الدارمی، ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمن الدارمی، باب ما اعطی النبی ﷺ حدیث نمبر ۵۴، سعودیہ: دار المغنی للنشر، ۱۴۱۲ھ، ، ج ۱، ص ۱۹۹

(2) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء برسول اللہ ﷺ، حدیث نمبر ۱۶۲، ج ۱، ص ۱۴۷

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ حضرت جبرائیل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑا اور دل کو چیر کر اس میں سے جمے ہوئے خون کا ایک لوتھڑا نکالا اور کہا کہ یہ آپ میں شیطان کا حصہ تھا پھر اس دل کو سونے کے طشت میں زم زم کے پانی سے دھویا پھر اسے جوڑ کر اس جگہ میں رکھ دیا اور لڑکے دوڑتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی والدہ کی طرف آئے اور کہنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل کر دئے گئے ہیں یہ سن کر سب دوڑے دیکھا صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ اُڑا ہوا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ اقدس میں اس سلائی کا نشان دیکھا تھا۔

(۲) بعثت کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر ہوا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب میں وہ چیز ڈالی جائے جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب قوی ہو جائے اور وحی کو قبول کر سکے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

'' ثُمَّ وَقَعَ شَقُّ الصَّدْرِ عِنْدَ الْبَعْثِ زِيَادَةً فِي إِكْرَامِهِ لِيَتَلَقَّى مَا يُوحَى إِلَيْهِ بِقَلْبٍ قَوِيٍّ فِي أَكْمَلِ الْأَحْوَالِ مِنَ التَّطْهِيرِ۔''(1)

یعنی پھر بعثت کے وقت شق صدر ہوا اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب اطہر میں ایسی چیز دالی جائے جس سے یہ قوی ہو جائے تاکہ اس میں جب وحی کی جائے تو وہ اس کو قبول کرے۔

(۳) معراج کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر کیا گیا تاکہ آپ کے قلب میں اللہ تعالیٰ سے مناجات کی صلاحیت حاصل ہو۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

« عَنْ لَيْلَةِ أُسْرِيَ بِهِ: " بَيْنَمَا أَنَا فِي الحَطِيمِ، - وَرُبَّمَا قَالَ: فِي الحِجْرِ۔ مُضْطَجِعًا إِذْ أَتَانِي آتٍ، فَقَدَّ: قَالَ: وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ:فَشَقَّ مَا بَيْنَ هَذِهِ إِلَى هَذِهِ - فَقُلْتُ لِلْجَارُودِ وَهُوَ إِلَى جَنْبِي: مَا يَعْنِي بِهِ؟ قَالَ: مِنْ ثُغْرَةِ نَحْرِهِ إِلَى شِعْرَتِهِ، وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: مِنْ قَصِّهِ إِلَى شِعْرَتِهِ - فَاسْتَخْرَجَ قَلْبِي، ثُمَّ أُتِيتُ بِطَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ مَمْلُوءَةٍ إِيمَانًا، فَغُسِلَ قَلْبِي، ثُمَّ حُشِيَ ثُمَّ أُعِيدَ۔»(2)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ معراج کی رات میں حطیم میں لیٹا ہوا تھا۔ بعض دفعہ قتادہ نے حطیم کے بجائے حجر بیان کیا کہ میرے پاس ایک صاحب آئے اور میرا سینہ چاک کیا، قتادہ نے بیان کیا کہ میں نے حضرت انس سے سنا، وہ بیان کرتے تھے کہ یہاں سے یہاں تک چاک کیا میں نے جارود سے سنا جو میرے قریب بیٹھے تھے۔ پوچھا کہ انس رضی اللہ عنہ کی

---

(1) فتح الباری شرح صحیح بخاری، العسقلانی، احمد بن علی بن حجر ابو الفضل، بیروت: دار المعرفہ، ۱۳۷۹ھ، باب المعراج، ج۷، ص۲۰۵

(2) صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب المعراج، حدیث نمبر ۳۸۸۷، ج۵، ص۵۵

اس لفظ سے کیا مراد تھی؟ تو انہوں نے کہا کہ حلق سے ناف تک چاک کیا(قتادہ نے بیان کیا کہ) میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے بیان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے سینہ کے اوپر سے ناف تک چاک کیا پھر میرا دل نکالا اور ایک سونے کا طشت لایا گیا جو ایمان سے بھرا ہوا تھا، اس سے میرا دل دھویا گیا اور پہلے کی طرح رکھ دیا گیا۔

یہ وصف نبی کریم علیہ السلام کا اس اعتبار سے بھی امتیازی ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے شرح صدر کی دعائیں مانگیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو شرح صدر عطا فرمایا مگر آنحضرت ﷺ نے شرح صدر کی دعا نہ فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے از خود آپ ﷺ کو یہ امتیازی شان عطا فرمائی۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے شرح صدر کی دعا فرمائی کہ اے اللہ میرا سینہ کھول دے اور اپنے احکام مجھ پر آسان کر دے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ٥ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ٥ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِنْ لِسَانِي﴾[1]

موسیٰ (علیہ السلام نے) کہا اے میرے رب! میرا سینہ کھول دے اور میرا کام (امور نبوت) مجھ پر آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ بھی کھول دے۔

پس احکام الٰہیہ سے پتا چلتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ جب میں کسی کو ہدایت دینا چاہتا ہوں تو اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہوں لہٰذا رسول اللہ ﷺ کا بدرجہ اتم شرح صدر کیا گیا۔ اس امر کا اظہار اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کیا ہے کہ جب میں کسی کو ہدایت دیتا ہوں تو اس کے سینہ کو کشادہ کر دیتا ہوں۔ اس سے فائدہ یہ ہوتا ہے کہ کشادگی قلب سے وہ ایمان اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو آسانی سے قبول کر لیتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے سینہ اقدس کو چاک کیا گیا ہو یا آپ ﷺ کے سینہ اقدس کو کشادگی عطا کی گئی ہو دونوں صورتوں میں یہ آپ ﷺ کی خصوصی شان ہے۔

۳۔ نبی کریم ﷺ کی زندگی کی قسم

نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ایک خصوصی امتیاز یہ بھی عطا فرمایا کہ آپ ﷺ کی جان کی قسم اٹھائی۔ اللہ تعالیٰ نے پورے قرآن مجید میں کسی اور نبی کی قسم نہیں اٹھائی جبکہ آپ ﷺ کی جان کی قسم اٹھائی، آپ کے شہر مکہ کی قسم اٹھائی اور آپ ﷺ کو تسلی و تشفی کی خاطر قسم اٹھائی اور آپ ﷺ کے زمانے کی قسم اٹھائی اس سے پتا یہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب سے کس قدر پیار ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ﴾[2]

(اے حبیب ﷺ) (مگر) تمہاری عمر کی قسم وہ لوگ اپنی مستی میں بالکل مدہوش ہوئے جا رہے تھے۔

---

(1) طٰہٰ: ۲۷،۲۶،۲۵

(2) الحجر: ۷۲

الدالمنثور میں سیدنا ابن عباس وابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کا قول ذکر ہے:

''مَا حلف الله بحياة أحد إِلَّا بحياة مُحَمَّد قَالَ: {لعمرك إِنَّهُم لفي سكرتهم يعمهون} وحياتك يَا مُحَمَّد۔''(1)

اللہ تعالیٰ نے کسی کی زندگی کے متعلق قسم نہیں کھائی مگر آپ کی زندگی کی قسم کھاتے ہوئے ارشاد فرمایا اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی تمام عمر کی قسم۔

اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اظہار محبت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کہ اپنے مقدس کلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی قسم کھائی ہے۔لہذا مذکورہ بالا آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بہت زیادہ تعظیم و تکریم ہے اور اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی بھی بزرگ و برتر نہیں ہے۔امام ابن کثیر اس آیت کریمہ کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت زیادہ تکریم و تعظیم ہے۔ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی جتنی مخلوق پیدا فرمائی ہے، ان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ بزرگ کوئی نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے سوا کسی کی حیات کی قسم نہیں اٹھائی۔''(2)

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام میں سے صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہی کی قسم کھائی ہے اور اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر کی قسم بھی اٹھائی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا أُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ ○ وَأَنْتَ حِلٌّ بِهَذَا الْبَلَدِ﴾(3)

مجھے اس شہر کی قسم کہ اس شہر میں آپ رہتے ہو۔

اس مذکورہ بالا قسم میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کو واضح فرمادیا کہ میں اس شہر مکہ کی قسم اس لیے اٹھارہاہوں کہ اس میں آپ رہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یوں عزت افزائی فرماتا ہے کہ اس شہر کی قسم اس حال میں اٹھاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں مقیم ہیں۔مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہاں موجودگی کی وجہ سے گویا اس شہر کی عزت واحترام میں اور شرف و مقام میں اور عظمت واحتشام میں اضافہ ہو گیاہے۔یہ اشارہ اس مقام پر گہرے اثرات کا حامل ہے۔ان حالات میں کہ مشرکین اس گھر کی حرمت کو ان دنوں میں پامال کر رہے تھے،اس شہر میں جہاں نباتات و حیوانات بھی پر امن تھے ، مسلمانوں کو اذیت دی جاتی تھی۔حالانکہ یہ گھر محترم تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

---

(1)الدرالمنثور،ج۵،ص۹۰

(2)تفسیر القرآن العظیم،ج۴،ص۴۶۶

(3)البلد:۲،۱

موجودگی کی وجہ سے اور محترم ہو گیا تھا اور جب اللہ تعالیٰ نے اس شہر اور اس میں مقیم شخصیت کی وجہ سے قسم اٹھائی تو اس کی حرمت، عظمت اور مرتبہ میں مزید اضافہ ہو گیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی خاطر بھی قسم اٹھائی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالضُّحَى O وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَى O مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَى O وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَكَ مِنَ الْأُولَى O وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى ﴾[1]

قسم ہے دن چڑھے کی اور قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے نہ آپ کے رب نے آپ کو چھوڑا ہے اور نہ آپ سے ناراض ہوا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ آپ کی پچھلی حالت سے بہتر ہے اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا عطا کرے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

امام ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

''نبی کریم ﷺ پر وحی کا سلسلہ کچھ ایام کے لیے منقطع ہوا۔ تو ایک عورت نے کہا، اے محمد (معاذاللہ) آپ کو آپ کے شیطان نے چھوڑ دیا ہے۔ کہا گیا ہے کہ وہ عورت ام جمیل زوجہ ابو لہب تھی۔ اس پر اللہ تعالیٰ قسم کے ساتھ اپنے حبیب ﷺ کی تسلی و تشفی فرمائی۔ اور یہ سورت نازل فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے چاشت اور رات کی تاریکی کے چھا جانے کی قسم اٹھا کر ارشاد فرمایا﴿ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَى ﴾ یہ جواب قسم ہے کہ یعنی ہم نے نہ آپ ﷺ کو تنہا چھوڑا ہے یہ آپ سے ناراض ہیں۔''[2]

اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَى O مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَى O وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى O إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى ﴾[3]

قسم ہے ستارے کی جب وہ اترا قسم اس بات پر کہ اے لوگو تمہارا رفیق (نبی ﷺ) نہ بہکا اور نہ راہ سے بے راہ ہوا اور وہ اپنی خواہش سے بات نہیں کرتے وہ تو وہی کہتے ہیں جو (اللہ کی طرف سے) ان پر وحی ہوتی ہے۔

اب اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے ستاروں کی قسم اٹھا کر نبی کریم ﷺ کا دفاع فرمایا ہے اور آپ ﷺ کی ذات

---

(1) الضحیٰ: ۱۔۵

(2) تفسیر القرآن العظیم، ج۸، ص۴۲۴

(3) النجم: ۱۔۴

اقدس کے بارے میں غلط افواہیں پھیلانے والوں کو جواب دیا کہ نبی ﷺ اپنی مرضی سے کچھ نہیں کہتے بلکہ جو اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوتا ہے اسی کو بیان فرماتے ہیں۔ امام قرطبی فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے نجوم کی قسم اٹھا کر فرمایا ہے کہ محمد نہ تو بھکے ہیں اور نہ ہی حق و ہدایت کے راستے سے ہٹے ہیں۔ اور وہ رشد و ہدایت سے نہیں نکلے ہیں بلکہ اعتدال و استقامت سے ڈٹے ہوئے ہیں۔ اور ان سے کوئی بھی عمل اپنے نفس و حوس سے صادر نہیں ہوا ہے۔ وہ قرآن و سنت کی تعلیمات اللہ تعالیٰ کی وحی سے ارشاد فرماتے ہیں۔"(1)

سورۃ قلم میں بھی اللہ تعالیٰ نبی اکرم ﷺ کی ذات کی خاطر قسم اٹھاتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

﴿ ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ ۝ مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ ۝ وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ ۝ وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾(2)

ن قسم ہے قلم کی اور ان کے لکھنے کی آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں اور بے شک آپ کے لیے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے یقیناً آپ کا خلق عظیم الشان ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کا دفاع کرتے ہوئے آپ ﷺ کے مجنون ہونے کی نفی کی ہے۔ نبی اللہ تعالیٰ کا نمائندہ ہوتا ہے وہ کسی شیطان یا شیطانی قوت سے ہرگز متحرک نہیں ہو سکتا۔ وہ وہی کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے۔ امام طبری اس آیت کریمہ کے تحت لکھتے ہیں کہ:

"اللہ تعالیٰ نے قلم جس سے مختلف انواع کے علوم عرش پر تحریر کئے ہیں اس کے ذریعے قسم اٹھا کر آنحضرت ﷺ کے جنون کی نفی فرمائی ہے۔ وہ جنون جس کی نسبت دشمنان دین نے آپ ﷺ کی طرف کی تھی، پھر قسم اٹھا کر اس جنون کی نفی کرنا یہ اللہ تعالیٰ کا آپ ﷺ پر انعام واحسان ہے۔"(3)

سورۃ یسین میں رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر قسم اٹھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ يس ۝ وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ ۝ إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴾(4)

یسین اور قسم ہے اس قرآن کی جو حکمت والا ہے بے شک آپ اللہ کے رسولوں میں سے ہیں اور

---

(1) الجامع لاحکام القرآن، ج ۱۷، ص ۸۲

(2) القلم: ۱-۴

(3) جامع البیان فی تاویل القرآن، الطبری، محمد بن جریر بن یزید بن کثیر، ابو جعفر، بیروت: مؤسسہ الرسالہ، ۱۴۲۰ھ ج ۱۰، ص ۴۶۷

(4) یسین: ۱-۴

بلاشبہ آپ سیدھے راستے پر ہیں۔

امام ابن کثیر لکھتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی قسم اٹھا کر فرمایا کہ محمد رسولوں میں سے ہیں۔ اور یہ کفار کے اس جملے کا رد تھا جو وہ کہتے تھے '' لستَ مرسلاً ''۔ جب کفار نے آپ ﷺ کی رسالت کی نفی تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی قسم اٹھا کر ان کے بطلان کی نفی کی، نہ صرف آپ ﷺ کے رسول ہونے کی خبر دی بلکہ ساتھ ہی آپ ﷺ کے صراط مستقیم پر ہونے کی بھی تصدیق فرمادی۔“(1)

مذکورہ بحث سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ کی قسمیں اللہ تعالیٰ نے اٹھائی ہیں۔ خالق کائنات نے یہ قسمیہ اسلوب بیان اپنے نبی سے خصوصی محبت اور فضل و کرم کے تحت اختیار کیا ہے وگرنہ کوئی ذات ایسی نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کو نیاز مند کر سکے کیونکہ وہ بے نیاز ہے۔ یہ صرف اس کا کرم ہے کہ وہ نبی آخر الزمان ﷺ کی نبوت و رسالت کی تصدیق قسم اٹھا کر فرماتا ہے۔

۴۔ لوگوں سے محفوظ رکھنے کا فرمان عالیشان

یوں تو کائنات کی ہر شے کی حفاظت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یہ عمومی بات ہے مگر رسول اللہ ﷺ کی حفاظت فرمانے کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔ سورہ المائدہ میں اللہ تعالیٰ نے اعلان کر کے دشمنان رسول کو آگاہ کر دیا کہ میں قادر و قدیر خود اپنے محبوب کریم کی حفاظت کروں گا۔ نبی کریم ﷺ کی یہ خصوصیت نبوی خصائص میں بھی اور ذاتی خصائص میں بھی شامل ہے۔ چونکہ یہ سلسلہ حفاظت اعلان نبوت سے قبل بھی عرصہ کو شامل تھا اس لیے اس کو ذاتی خصائص کے تحت ذکر کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ﴾(2)

اے پیغمبر! (پورے کا پورا) پہنچا دو اس پیغام کو جو کہ اتارا گیا آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے، اور اگر (بالفرض) آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اس کی رسالت (و پیغمبری) کا حق ادا نہیں کیا، اور (لوگوں سے نہ ڈرنا کہ) کہ اللہ آپ کی حفاظت فرمائے گا لوگوں (کے شر) سے بیشک اللہ ہدایت (کی دولت) سے سرفراز نہیں فرماتا کافر لوگوں کو۔

---

(1) تفسیر القرآن العظیم، ج٦، ص ٥٦٣

(2) المائدہ: ٦٧

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرمایا ہے کہ اے نبی! آپ اپنا اشاعت دین کا فریضہ ادا کریں اور جو احکام آپ تک پہنچے ہیں انہیں لوگوں تک کماحقہ پہنچادیں اور لوگوں کے ڈر سے پیچھے نہ رہیں، آپ کا رب ان سے آپ کی حفاظت فرمائے گا۔ تفسیر طبری میں اس آیت کریمہ کے ضمن میں لکھا ہے کہ:

"ایک سفر میں آپ ﷺ ایک درخت تلے قیلولہ فرما رہے تھے کہ ایک اعرابی اچانک آنکلا۔ آپ ﷺ کی تلوار جو اسی درخت کے ساتھ لٹک رہی تھی، اُتار لی اور میان سے باہر نکال کر بڑے غصہ میں آپ ﷺ سے کہنے لگا، اب بتا کون سے جو تمہیں مجھ سے بچائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ مجھے بچائے گا۔ اسی وقت اس اعرابی کا ہاتھ کانپنے لگا اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی اور وہ درخت سے ٹکرا کر گر گیا اور اس کا دماغ پاش پاش ہو گیا۔ تب یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی۔"(1)

بظاہر واضح حکم تبلیغ فرمانے کا ہے مگر ساتھ ہی یہ امتیازی خصوصیت بھی عطا کر دی کہ لوگوں سے بے خوف رہیں ہم خود کو گوں سے آپ کی حفاظت کریں گے۔ قرآن شاہد ہے کہ سابقہ امتوں نے اپنے انبیاء کو ناحق شہید کیا ہے ان کے تبلیغ کے عمل کو روکا ہے مگر امام الانبیاء سے اللہ تعالیٰ نے حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے اور ساری زندگی امام الانبیاء کی سیرت کی کتب میں بیان ہے کہیں بھی کوئی واقعہ ایسا نہیں ہے کہ قاتل اپنے منصوبہ قتل میں کامیاب ہوا۔ سارے مشرکین مکہ اور سارے یہودی و منافق مل کر بھی آپ ﷺ کو قتل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

(1) جامع البیان فی تاویل القرآن، ج ۱۰، ص ۴۶۷

مبحث دوم: نبی کریم ﷺ کے خصائص نبویہ

نبی کریم ﷺ کے نبوی خصائص درج ذیل ہیں جو کہ قرآن مجید کی روشنی میں بیان کئے گئے ہیں۔

ا۔ نبوت عامہ

شرق و غرب، شمال و جنوب کل روئے زمین پر جتنے بھی انسان ہیں وہ خدا کے بندے ہیں اور رسول اللہ ﷺ ان سب کی طرف اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔ آنحضرت ﷺ سے قبل جملہ انبیاء اپنے اپنے ادوار میں محدود لوگوں کی طرف مبعوث کئے گئے۔ ایک خاص قوم، قبیلہ کی طرف انبیاء تشریف لائے۔ ایک ہی زمانے میں دو یا دو سے زائد نبی بھی ایک ہی قوم کی طرف اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر آئے۔ مگر امام المرسلین جب تشریف لائے آپ ﷺ سے قبل جملہ ادیان منسوخ ہو گئے۔ آپ ﷺ کے زمانے میں یا آپ ﷺ کے بعد نہ کوئی اور نبی آیا نہ ہی تا صبح قیامت آئے گا۔ اس لیے کہ آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے کسی خاص علاقے یا دور کے لیے نہیں بھیجا بلکہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام عالم کی طرف نبی بنا کر بھیجا۔ کوئی بھی شخص آپ ﷺ کی نبوت سے باہر نہیں ہے۔ اور سبھی پر لازم ہے کہ وہ آپ ﷺ نبوت پر ایمان لائیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی اَبُوّت (باپ ہونا) اور نبی کریمعلیہ الصلاۃ واسلام کی نبوت سب کو عام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾[1]

(اے محمد ﷺ) کہہ دو کہ لوگو! میں تم سب کی طرف خدا کا بھیجا ہوا ہوں (یعنی اس کا رسول) (وہ) جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی زندگانی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے تو خدا پر اور اسے رسول (ﷺ) پیغمبر امی (ﷺ) پر جو خدا پر اور اسکے (تمام) کلام پر ایمان رکھتے ہیں ایمان لاؤ اور ان کی پیروی کرو تاکہ ہدایت پاؤ۔

اس آیت مقدسہ میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر اعلان فرمادیا کہ رسول اللہ ﷺ ساری انسانیت کی طرف پیغمبر بن کر تشریف لائے ہیں پس تمام لوگوں کا آپ ﷺ پر ایمان لانا ضروری ہے اور اس کے بغیر نجات ممکن نہیں ہے۔ ہدایت کو بھی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اطاعت کے ساتھ مشروط رکھا ہے۔

---

(1) الاعراف:۱۵۸

تفسیر احسن البیان میں ہے کہ:

”یہ آیت رسالت محمدیہ کی عالمگیر رسالت کے اثبات میں بالکل واضح ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ کہہ دیجئے کہ اے کائنات کے انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔ یوں آپ ﷺ پوری بنی نوع انسانی کے نجات دہندہ اور رسول ہیں۔ اب نجات اور ہدایت نہ عیسائیت میں ہے نہ یہودیت میں، نہ کسی اور مذہب میں، نجات اور ہدایت اگر ہے تو صرف اسلام کے اپنانے اور اسے ہی اختیار کرنے میں ہے۔“(1)

در حقیقت تمام انبیاعلیہ السلام، ان کی امتیں، جملہ رسل و جنات اور ملائکہ سبھی نبی کریمعلیہ السلام کے امتی ہیں۔ نبی کریم علیہ السلام کی بعثت کے عموم پر درج ذیل آیات بھی دلیل ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا﴾(2)

وہ (خدائے عزوجل) بہت ہی بابرکت ہے جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل فرمایا تاکہ اہل عالم کو ہدایت کرے۔

قرآن کی دعوت اور محمد ﷺ کی رسالت کسی ایک ملک کے لیے نہیں، پوری دنیا کے لیے ہے۔ اور اپنے ہی زمانے کے لیے نہیں بلکہ آنے والے تمام زمانوں کے لیے ہے۔ نذیر کا معنی۔ خبر دار کرنے والا، متنبہ کرنے والا، غفلت اور گمراہی کے بُرے نتائج سے ڈرانے والا۔ اس سے مراد فرقان بھی ہو سکتا ہے اور وہ ”بندہ“ بھی جس پر فرقان نازل کیا گیا۔ الفاظ ایسے جامع ہیں کہ دونوں ہی مراد ہو سکتے ہیں، اور حقیقت کے اعتبار سے چونکہ دونوں ایک ہی ہیں، اور ایک ہی کام کے لیے بھیجے گئے ہیں، اس لیے کہنا چاہئے کہ دونوں ہی مراد ہیں۔ پھر یہ جو فرمایا کہ سارے جہاں والوں کے لیے نذیر ہو تو اس سے معلوم ہوا ہے کہ قرآن کی دعوت اور محمد ﷺ کی رسالت کسی ایک ملک کے لیے نہیں، پوری دنیا کے لیے ہے۔ اور اپنے ہی زمانے کے لیے نہیں بلکہ آنے والے تمام زمانوں کے لیے ہے۔ رسول اللہ ﷺ تا صبح قیامت تک کے لوگوں کے لیے پیغام ہدایت لے کر آنے والے ہیں لہذا محشر کے دن تک کوئی آپ ﷺ کی شریعت سے انحراف کرنے والا نہیں ہو گا سوائے کافر کے۔ سورۃ سبا میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾(3)

(اے رسول) ہم نے آپ کو (قیامت تک) تمام لوگوں کے لیے خوشخبری سنانے والا اور

---

(1) تفسیر احسن البیان، حافظ صلاح الدین یوسف (مترجم، مولانا محمد جوناگڑھی) ریاض: دار السلام، س ن، ص ۴۶۰

(2) الفرقان:۱

(3) سباء:۲۸

(عذاب سے)ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے مگر لوگوں میں اکثر نہیں جانتے۔

یہ منصب رسالت کے اہم فرائض ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو بشیر و نذیر بنا کر مبعوث کیا گیا ہے۔رسول کی بعثت کا مقصد ہی مکمل ہو جاتا ہے جب وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام سر انجام دیتا ہے۔اور لوگوں کو اعمال صالحہ پر جنت کی بشارت اور اعمال رزیلہ پر دوزخ کے عذاب سے ڈراتا ہے۔کفار جو کہ عذاب کے طالب ہیں ان کے سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی کے فرائض منصبی سے ناواقف ہیں۔رسول کا یہ فرض نہیں ہے کہ وہ نہ ماننے والوں پر عذاب لے آئے بلکہ ان کا فرض یہ ہے کہ وہ لوگوں کو متنبہ کرے۔اس لیے وہ اپنے اختیارات میں رہ کر کام کرتے ہیں۔عذاب دینا صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔وہ جب چاہئے جس کو عذاب دے اور چاہے تو کسی سے عذاب کو مؤخر کر دے۔

الوسیط میں ہے کہ:

'' وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ کا معنی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں تمام مکلفین کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ تا کہ آپ ﷺ لوگوں کو اپنی اطاعت پر جنت کی بشارت دی اور معصیت پر جہنم کے عذاب سے ڈرائیں۔ محمد بن کعب کہتے ہیں کہ یہ آیت نبوت محمدی کے عموم پر دلالت کرتی ہے۔ اور قتادہ کہتے ہیں کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو عرب و عجم کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔''[1]

ان مقدم الذکر آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ تمام جہانوں کے لیے رسول ہیں۔آپ ﷺ آخری نبی ہیں کہ جن کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں آئے گا۔ آپ ﷺ ہی کی نبوت پر قیامت قائم ہو گی۔آنحضرت ﷺ کے بعد خلفاء آئے جنہوں نے نظام سیاست کو آگے چلایا جب کہ بنی اسرائیل کے انبیاء ان کے نظام سیاست کو آگے چلاتے تھے۔چونکہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور آپ ﷺ کی نبوت سب لوگوں کو عام ہے۔اس لیے چاہے وہ آپ ﷺ کے بعد جس زمانے میں بھی آئیں اور جہاں بھی پیدا ہوں ان پر ضروری ہے کہ وہ حضرت محمد ﷺ پر ایمان لائیں۔اور رسالت کے عموم کی تائید اس احادیث پاک سے بھی ہوتی ہے۔سیدنا جابر بن عبد اللہ انصاری فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے سابقہ انبیاء سے پانچ چیزیں عطا کی گئی ہیں۔

« قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِي كَانَ كُلُّ نَبِيٍّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ إِلَى كُلِّ أَحْمَرَ وَأَسْوَدَ وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَلَمْ تُحَلَّ لِأَحَدٍ

(1) التفسیر الوسیط القرآن الکریم، طنطاوی، محمد سید، مصر: دار نہضہ للطباعہ والنشر، ۱۹۹۷ء، ج ۱۱، ص ۲۹۱

قَبْلِي وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَيِّبَةً طَهُورًا وَمَسْجِدًا فَأَيُّمَا رَجُلٍ أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ صَلَّى حَيْثُ كَانَ وَنُصِرْتُ بِا لرُّعْبِ بَيْنَ يَدَيْ مَسِيرَةِشَهْرٍوَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ»[1]

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں پہلے ہر نبی صرف خاص اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور میں ہر سرخ اور سیاہ کی طرف بھیجا گیا ہوں پہلے کسی نبی کے لیے مال غنیمت حلال نہیں ہوتا تھا وہ صرف میرے لیے حلال کر دیا گیا ہے اور صرف میرے لیے تمام روئے زمین پاک اور مسجد بنادی گئی ہے لہٰذا جو آدمی جس جگہ بھی نماز کا وقت پائے وہاں نماز پڑھ لے اور میری ایسے رعب سے مدد کی گئی جو ایک ماہ کی مسافت سے طاری ہو جاتا ہے اور مجھ کو شفاعت عطا کی گئی ہے۔

آپ ﷺ العلمین کے لیے نذیر ہیں اور مفسرین کی ایک جماعت کے نزدیک العلمین سے مراد نبی ﷺ کے زمانہ سے لیے کر قیامت تک کے انسانوں اور جنات شامل ہیں۔اور نبی کریم ﷺ کا ان سب کی طرف مبعوث ہونا ضروریات دین میں سے ہے۔اور اس کا منکر کافر ہے۔علامہ سبکی اور اس کے موافق دیگر محققین کے نزدیک العلمین میں فرشتے بھی داخل ہیں۔اور انہوں نے اس موقف کے مخالفین کا رد بھی کیا ہے۔اور! بعض محققین نے اس پر یہ دلیل قائم کی ہے کہ عالم اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے ماسوا کو کہتے ہیں۔لہٰذا العلمین کا لفظ فرشتوں کو بھی شامل ہے۔اور علامہ البلازری نے کہا ہے کہ صحیح مسلم کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ جمادات کی طرف بھی مبعوث کئے گئے ہیں۔اور وہ بھی مدرک ہیں، کیونکہ حدیث میں تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کو بھیجا گیا ہوں۔اور آپ ﷺ نے اس میں کوئی تخصیص نہیں فرمائی ہے۔باقی رہا یہ کہ فرشتے معصوم ہیں اور جمادات اور نبادات وغیرہ غیر مکلف ہیں تو آپ ﷺ کو ان کی طرف مبعوث کرنے کا کیا فائدہ ہوا؟اس کا جواب یہ ہے کہ وہ کسی حکم شرعی یا عمل شرعی کے مکلف نہیں۔بلکہ ان سے صرف یہ مطلوب ہے کہ وہ صرف آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کی تصدیق کریں اور آپ ﷺ کی دعوت اور آپ کے متبعین میں داخل ہوں تاکہ تمام رسولوں پر آپ کا شرف اور امتیاز اور آپ ﷺ کی خصوصیت اور فضلیت ظاہر ہو۔[2]

امام قرطبی فرماتے ہیں کہ:

’’ أَنَّ مُوسَى بَشَّرَ بِهِ، وَأَنَّ عِيسَى بَشَّرَ بِهِ. ثُمَّ أَمَرَهُ أَنْ يَقُولَ بِنَفْسِهِ" إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعاً". وَ (كَلِماتِهِ) كَلِمَاتُ اللَّهِ تَعَالَى كُتُبُهُ مِنَ التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ والقرآن.‘‘[3]

---

(1) صحیح مسلم، کتاب المساجد، حدیث نمبر ۵۲۱، ج۱، ص ۳۷۰

(2) روح المعانی، شہاب الدین محمود بن عبد اللہ آلوسی بغدادی، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۵ھ، ج۹، ص ۴۲

(3)۔ الجامع لاحکام القرآن، ج۷، ص ۳۰۲

بے شک حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بات کی بشارت دی اور حضرت عیسٰی علیہ السلام نے بھی اس بات کی بشارت دی پھر آپ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ اپنے بارے میں کہیں إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعاً۔ اور اللہ تعالیٰ کے یہ پاکیزہ کلمات بیان کئے گے ہیں توراۃ، انجیل اور قرآن مجید میں۔

مذکور الذکر بحث سے یہ معاملہ اظہر من الشمس ہے کہ حضرت محمد ﷺ ساری بنی نوع انسان کی طرف مبعوث کئے گئے۔ آپ ﷺ کی نبوت ورسالت صبح قیامت تک کے لیے عام ہے۔ اس امر کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے بھی احکام جاری فرمائے ہیں اور خود آنخضرت ﷺ نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ میں اپنے زمانے سے لے کر قیامت تک کے لوگوں کے لیے نبی ہوں اور میرے علاوہ کوئی نبی نہیں آئے گا، میں ہر سیاہ، سرخ کی طرف بھیجا گیا رسول ہوں۔ لوگوں پر لازم ہے کہ وہ میری شریعت کی اتباع کریں۔ جو کوئی دین محمدی سے پھرے گا وہ گمراہی میں مبتلا ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف قرآن مجید میں بلکہ دیگر الہامی کتب میں بھی نبی کریم ﷺ کی نبوت عامہ کا ذکر فرمایا ہے۔ پس یہ وصف نبی کریم ﷺ کے امتیازات میں سے ہے۔ اور یہ ایسا وصف ہے جو اللہ تعالیٰ نے کسی دوسرے نبی کو نہیں عطا فرمایا، بلکہ باقی جملہ انبیاء سے تو اللہ تعالیٰ نے یہ عہد لیا تھا کہ آپ کو میں نبوت کے ساتھ ساتھ کتاب وحکمت بھی عطا کروں گا مگر جب میرا رسول آجائے گا تو پھر آپ سب صرف انہی کی مدد کرنا اور ضرور بہ ضرور ان پر ایمان لے کر آنا۔ گویا آنخضرت ﷺ کی نبوت عامہ کے بارے میں یہ عہد لیا گیا تھا۔

۲۔ رحمت للعالمین

رحمت کا معنی: نرم دل ہونا، مہربان ہونا، شفقت کرنا اور بخش دینا ہے۔[1] جب نبی کریم ﷺ کے لیے رحمت کا لفظ استعمال ہو گا تو اس کا مطلب ہو گا کہ آپ ﷺ اپنی امت کے لیے نرم دل رکھتے ہیں اور اپنے غلاموں پر انتہائی شفیق ومہربان ہیں۔ نبی رحمت ﷺ کے اوصاف میں سے ایک بہت بڑا امتیازی وصف آپ ﷺ کا رحمت للعالمین ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنی رحمت قرار دیا ہے۔ اور یہ وصف کسی اور کو نہیں عطا کیا گیا۔ جس طرح آپ ﷺ کی نبوت عام ہے اسی طرح آپ ﷺ کی رحمت بھی عام ہے۔ سارے جہانوں، سارے لوگوں کے لیے آنخضرت ﷺ رحمت ہیں۔ اس رحمت میں سارے انسان شامل ہیں چاہے وہ کافر ہیں یا مومن۔ آپ ﷺ کی رحمت کا ذکر قرآن مجید میں ان الفاظ کے ساتھ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ ﴾[2]

اور (اے محمد ﷺ) ہم نے تم کو تمام جہاں کے لیے رحمت (بنا کر) بھیجا ہے۔

---

(1) المعجم الوسیط، ص ۳۳۵

(2) الانبیاء: ۱۰۷

لہذا ما سوا اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے رسول اللہ ﷺ ہر ایک کے لیے رحمت ہیں۔ ہر ایک شخص میں سبھی شامل ہیں کہ جنہوں نے آپ ﷺ کی رحمت سے حصہ پایا۔ البتہ فرق ہے کہ مومن نے ہر طرح کی رحمت کا حصہ پایا جبکہ کافر کا حصہ یہ ہے کہ اس سے عذاب کو مؤخر کیا گیا ہے۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ابن عباسؓ نے ارشاد فرمایا:

''كَانَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحْمَةً لِجَمِيعِ النَّاسِ فَمَنْ آمَنَ بِهِ وَصَدَّقَ بِهِ سَعِدَ، وَمَنْ لَمْ يُؤْمِنْ بِهِ سَلِمَ مِمَّا لَحِقَ الْأُمَمَ مِنَ الْخَسْفِ وَالْغَرَقِ.''(1)

رسول اللہ ﷺ تمام انسانوں کے لیے رحمت ہیں۔ پس جو آپ ﷺ پر ایمان لایا اور آپ ﷺ کی تصدیق کی سعادت مند ہوا۔ اور جو آپ ﷺ پر ایمان نہیں لایا اسے وہ عذاب لاحق نہیں ہوا جو پہلی امتوں کو (نافرمانی کی وجہ سے) خسف اور غرق لاحق ہوا۔

نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے کبھی کسی بیگانے کو بھی برا نہ کہا کبھی بددعا نہ کی بلکہ ہمیشہ رحمت کی دعا ہی فرمائی ہے۔ حتی کہ مشرکین کی ایذا رسانیوں پر بددعا کے لیے کہا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بلکہ رحمت کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اس لیے رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ میں دوسروں کے لیے صرف دعا ہی کروں اور اللہ تعالیٰ سے ان کی ہدایت طلب کروں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ:

قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ ادْعُ عَلَى الْمُشْرِكِينَ قَالَ: « إِنِّي لَمْ أُبْعَثْ لَعَّانًا، وَإِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً »(2)

رسول اللہ ﷺ سے کہا گیا کہ مشرکین کے لیے بددعا کریں تو آپ ﷺ نے فرمایا میں لعنت کرنے والا بن کر نہیں بلکہ رحمت کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

نبی کریم ﷺ کو ابتدائی تبلیغی مساعی میں، سفر طائف میں، غزوات اور صلح حدیبیہ میں بڑی بڑی آزمائشوں سے گزرنا پڑا اور مشرکین مکہ نے آپ ﷺ پر عرصہ حیات تنگ کرنے کی ناپاک جسارتیں بھی کیں مگر آنحضرت ﷺ نے کسی کو بددعا نہ دی اور نہ ہی کسی کو کوئی گزند پہنچایا بلکہ ہر ایک کی اصلاح وہدایت کے لیے دعا فرمائی۔ امام فخر الدین رازی اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

'' أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ رَحْمَةً فِي الدِّينِ وَفِي الدُّنْيَا، أَمَّا فِي الدِّينِ فَلِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بُعِثَ وَالنَّاسُ فِي جَاهِلِيَّةٍ وَضَلَالَةٍ وَأَهْلُ الْكِتَابَيْنِ كَانُوا فِي حَيْرَةٍ مِنْ أَمْرِ دِينِهِمْ لِطُولِ مُكْثِهِمْ وَانْقِطَاعِ تَوَاتُرِهِمْ وَوُقُوعِ الِاخْتِلَافِ فِي كُتُبِهِمْ فَبَعَثَ اللهُ تَعَالَى مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ لَمْ يَكُنْ لِطَالِبِ الْحَقِّ سَبِيلٌ إِلَى الْفَوْزِ وَالثَّوَابِ، فَدَعَاهُمْ إِلَى الْحَقِّ وَبَيَّنَ لَهُمْ سَبِيلَ

(1) الجامع لاحکام القرآن، ج۱۱، ص۳۵۰

(2) صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب النہی عن لعن الدواب وغیرھا، حدیث نمبر ۲۵۹۹، ج۴، ص۲۰۰۶

الثَّوَابِ، وَشَرَعَ لَهُمُ الْأَحْكَامَ وَمَيَّزَ الْحَلَالَ مِنَ الْحَرَامِ۔ وَأَمَّا فِي الدُّنْيَا فَلِأَنَّهُمْ تَخَلَّصُوا بِسَبَبِهِ مِنْ كَثِيرٍ مِنَ الذُّلِّ وَالْقِتَالِ وَالْحُرُوبِ وَنُصِرُوا بِبَرَكَةِ دِينِهِ.'' (1)

نبی کریم ﷺ دین میں بھی رحمت ہیں اور دنیا میں بھی رحمت ہیں دین میں رحمت اس لیے ہیں کہ بنی کریم ﷺ کو جس وقت بھیجا گیا لوگ جہالت اور گمراہی میں تھے اور اصل کتاب میں سے یہود و نصاری اپنے دین کے معاملے میں زحمت میں تھے ان کا اپنی کتابوں میں بہت زیادہ اختلاف تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت سیدنا محمد ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا جب طالب حق کے سامنے نجات کا راستہ نہیں تھا۔ اس وقت آپ ﷺ نے لوگوں کو حق کی دعوت دی اور نجات کا راستہ دکھایا اور ان کے لیے احکام شرعیہ بیان کئے اور حلال اور حرام میں تمیز دی۔۔۔۔۔ اور دنیا میں آپ ﷺ اس لیے رحمت ہیں کہ آپ ﷺ کی وجہ سے ان کو ذلت، قتال اور مختلف جنگوں سے نجات ملی اور آپ ﷺ کے دین کی برکت سے انہیں فتح حاصل ہوئی۔

۳۔ نبی کریم ﷺ کو اسمائے صفاتیہ سے خطاب فرمایا

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب مکرم سے اس درجہ محبت فرماتا ہے کہ پورے قرآن حکیم میں کہیں بھی آپ ﷺ کے اسم ذاتی محمد ﷺ سے ندا نہیں دی۔ جہاں بھی مخاطب فرمایا، ندا دی بڑے ہی لطف و کرم کے ساتھ آپ ﷺ کو آپ کے اوصاف حمیدہ سے مخاطب فرمایا۔ جبکہ دیگر انبیاعلیہ السلام کو ان کے ناموں کے ساتھ خطاب فرمایا۔ جیسا کہ حضرت نوح کے بارے میں ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ يَا نُوحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِنَّا وَبَرَكَاتٍ عَلَيْكَ﴾(2)

اے نوح ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ جو تم پر اور تمہارے ساتھ کی جماعتوں پر کی گئی ہیں اتر آؤ

سیدنا آدم علیہ السلام کو جب اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا تو انہیں جنت میں مع اپنی زوجہ حضرت حوا کے ساتھ رہنے کا حکم ان الفاظ میں ارشاد فرمایا۔

﴿ يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا﴾(3)

اے آدم تم اور تمہاری بیوی بہشت میں رہو اور جہاں سے چاہو بے روک ٹوک کھاؤ (پیو)

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ان کے نام کے ساتھ یوں مخاطب فرمایا ہے۔

---

(1) التفسیر الکبیر، ج ۲۲، ص ۱۹۳

(2) ھود: ۴۸

(3) البقرۃ: ۳۵

﴿ يَا مُوسَى إِنِّي أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴾[1]

اے موسیٰ یقینی طور پر میں اللہ ہوں سارے جہانوں کا پروردگار

جد الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ لسلام نے جو اپنے بیٹے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی قربانی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کی اور اپنا کیا ہوا وعدہ پورا فرمایا تو اس بے مثال قربانی کا ذکر اللہ کریم نے ان الفاظ کے ساتھ ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ ﴾[2]

اے ابرہیم تم نے اپنا خواب سچ کر دکھایا۔

مذکورہ بالا آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو ان کے اسماء ذاتیہ سے خطاب فرمایا ہے۔ ان نفوس قدسیہ سے اللہ کریم نے جب کلام فرمایا تو ان کے نام لے کر کیا مگر آنحضرت ﷺ کو ان کے اسم ذاتی سے کہیں بھی مخاطب نہ فرمایا۔ آپ ﷺ کے اسماء ذاتیہ قرآن مجید میں مذکور ہیں لیکن ان سے خطاب نہیں فرمایا۔ قرآن مجید میں نبی کریم ﷺ کا اسم ذاتی "محمد" کل چار مرتبہ اور اسم "احمد" ایک مرتبہ آیا ہے۔ مگر ان مقامات پر مخاطب نہیں فرمایا بلکہ مخاطب کرنے لیے پورے قرآن پاک میں آپ ﷺ کے اسماء صفاتیہ سے ہی کلام فرمایا ہے۔ کہیں یا ایھا الرسول، یا ایھا النبی، یا ایھا المزمل اور یا ایھا المدثر آیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ﴾[3]

اے پیغمبر ﷺ (مکمل) پہنچا دو اس پیغام کو جو کہ اتارا گیا آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو رسول کہہ کر مخاطب فرمایا۔ رسول نبی کریم ﷺ کے صفاتی اسماء پاک میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو آپ کے دیگر اسماء صفاتیہ سے بھی خطاب فرمایا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴾[4]

اے نبی ﷺ ہم نے آپ کو بھیجا ہے گواہ بنا کر خوشخبری دینے والا اور خبر دار کرنے والا

جس طرح رسول اور بنی کے الفاظ نبی کریم ﷺ کے لیے ندا کے طور پر استعمال ہوئے ہیں اسی طرح مزمل و مدثر کے الفاظ بھی ندا کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

---

(1) القصص:۳۰

(2) الصافات:۱۰۴

(3) المائدہ:67

(4) الاحزاب:۴۵

﴿يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ﴾[1]

اے چادر لپیٹنے والے۔

مزید ارشاد فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾[2]

اے لحاف اوڑھنے والے۔

امام قرطبی ان مذکورہ دو اوصاف حمیدہ سے خطاب فرمانے کے بارے میں لکھتے ہیں

'' وَفِي خِطَابِهِ بِهَذَا الِاسْمِ فَائِدَتَانِ: إِحْدَاهُمَا الْمُلَاطَفَةُ، فَإِنَّ الْعَرَبَ إِذَا قَصَدَتْ مُلَاطَفَةَ الْمُخَاطَبِ وَتَرْكَ الْمُعَاتَبَةِ سَمَّوْهُ بِاسْمٍ مُشْتَقٍّ مِنْ حَالَتِهِ الَّتِي هُوَ عَلَيْهَا، كَقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ غَاضَبَ فَاطِمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، فَأَتَاهُ وَهُوَ نَائِمٌ وَقَدْ لَصِقَ بِجَنْبِهِ التُّرَابُ فَقَالَ لَهُ: (قُمْ يَا أَبَا تُرَابٍ) إِشْعَارًا لَهُ أَنَّهُ غَيْرُ عَاتِبٍ عَلَيْهِ، وَمُلَاطَفَةً لَهُ. ''[3]

ان اسما کے ساتھ خطاب کرنے میں دو فائدے ہیں۔ ایک تو شفقت و محبت کا اظہار ہے کیونکہ عرب جب مخاطب کے ساتھ شفقت کرنے اور عتاب ترک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اسے ایسے نام کے ساتھ پکارتے جو اس حالت سے مشتق ہوتا جس حالت پر وہ ہوتا۔ جس طرح نبی کریم ﷺ نے حضرت علیؓ کو فرمایا جب وہ حضرت سیدہ فاطمہ الزہرہ رضی اللہ عنہا سے ناراض ہوئے تو رسول اللہ ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے جب وہ سوئے ہوئے تھے اور ان کے پہلو پر مٹی لگی ہوئی تھی نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے ابو تراب اٹھو مقصود یہ شعور دلانا تھا کہ رسول خدا ﷺ ان سے ناراض نہیں اور ان پر شفقت کا اظہار تھا۔

مذکورہ بالا بحث سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کو یہ امتیازی وصف عطا فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کو جب بھی مخاطب فرمایا آپ ﷺ کے صفاتی اسماء سے خطاب فرمایا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے آنحضرت ﷺ سے خصوصی فضل و کرم اور خاص رحمت کی نشانی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ الہ العالمین ہے وہ اسم ذاتی سے خطاب فرماتا تب بھی یہ اس کا کرم تھا مگر یہ انداز کرم، اظہار محبت اور امت پر ان کی شان و عظمت کو باور کروانے کے لیے تھا۔

۴۔ تحویل قبلہ کا حکم

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے نماز کا قبلہ بدلنے کا حکم دیا۔ یہ آنحضرت ﷺ کے امتیازی اوصاف میں سے

---

(1) المزمل: ۱

(2) المدثر: ۱

(3) الجامع لاحکام القرآن، ج ۱۹، ص ۳۳

ہے۔ دراصل یہ وصف امتیازی حثیت اس وقت اختیار کر گیا جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے قبلہ آپ کی مرضی پر تبدیل کیا ہے۔ آپ ﷺ نماز کی حالت میں بار بار سر اُٹھا کر آسمان کی طرف دیکھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی جدھر خواہش تھی اُدھر ہی قبلہ تبدیل کر دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ﴾(1)

بیشک ہم دیکھ رہے ہیں آپ کے چہرے کا بار بار اٹھنا آسمان کی طرف، (وحی کے انتظار میں اے پیغمبر) سو ہم ضرور پھیر دیں گے آپ کو اس قبلے کی طرف جو آپ کو پسند ہے، پس آپ پھیر دو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف، اور تم بھی (اے مسلمانو!) جہاں کہیں بھی ہو، پھیر دو اپنے چہروں کو اسی طرف، اور بیشک وہ لوگ جن کو دی گئی (آسمانی) کتاب، وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ (تحویل قبلہ کا) یہ حکم قطعی طور پر حق ہے ان کے رب کی طرف سے (مگر ضد اور عناد کی وجہ سے وہ مانتے نہیں) اور اللہ بے خبر نہیں ان کے ان کاموں سے جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔

ان آیات کے شروع میں نبی کریم ﷺ کی حالت کی تصویر کشی ان الفاظ میں کی گئی تھی کہ "اے رسول! یہ تمہارے منہ کا بار بار آسمان کی طرف اُٹھنا ہم دیکھ رہے تھے"، اس سے اس شدید خواہش کا اظہار ہوتا ہے جو آپ ﷺ تحویل قبلہ کے سلسلے میں رکھتے تھے۔ یہودیوں اور کٹ حجتیوں اور دلیل بازیوں سے مجبور ہو کر آپ ﷺ یہ چاہنے لگے تھے کہ مسلمانوں کا موجودہ قبلہ بدل جائے۔ چونکہ مسلمان یہودیوں کے قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے تھے اور یہودیوں نے اس غلط پروپیگنڈے کے ذریعے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی ناپاک کوشش کی تھی۔ اس لیے آنحضرت ﷺ اپنی دلی خواہش کے تحت بار بار منہ آسمان کی طرف اُٹھاتے، ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے کسی بات کا اظہار نہ کرتے، اس خوف سے کہ جناب باری تعالیٰ میں وہ کوئی تجویز پیش کرنے کی جرأت کیسے کریں؟ یا از خود کوئی بات اللہ تعالیٰ کے سامنے کیسے لائیں؟ مبادا کہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہ ہو لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی خواہش پوری کر دی اور جن الفاظ میں یہ خواہش پوری کی، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے حبیب کی رضا منظور تھی۔(2)

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں بظاہر حکم نماز کے قبلہ کی تبدیلی کا ہے لیکن درحقیقت نبی کریم ﷺ کی شان کا

---

(1) البقرۃ:۱۴۴

(2) فی ظلال القرآن، ج۱، ص۱۲۴

اظہار ہے۔ آپ ﷺ کی خواہش تھی کہ مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس سے بدل کر بیت اللہ ہو جائے۔ ہجرت کے سترہ ماہ تک نبی کریم ﷺ بیت القدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے چونکہ بیت المقدس یہود و نصارہ کا قبلہ تھا اس لیے آپ ﷺ کی دلی آرزو یہ تھی کہ کعبہ معظمہ ہمارا قبلہ بن جائے۔

اس آیت کی تفسیر میں امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

قَالَ: «كَانَ {قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ} عَنْ قَتَادَةَ، فِي قَوْلِهِ: صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَلِّبُ وَجْهَهُ فِي السَّمَاءِ يُحِبُّ أَنْ يَصْرِفَهُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَى الْكَعْبَةِ حَتَّى صَرَفَهُ اللهُ إِلَيْهَا»(1)

یعنی قتادہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ آسمان کی طرف چہرہ انور کئے ہوئے تھے اور آپ ﷺ یہ چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو کعبہ کی طرف پھیر دے تب یہ آیت مقدسہ نازل ہوئی۔

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے حبیب مکرم ﷺ کی ادا اور رضا مطلوب ہے اسی لیئے آپ ﷺ کو یہ امتیازی شان عطا فرمائی کہ آپ ﷺ کی منشاء پر قبلہ کی تبدیلی کا حکم نازل فرمادیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے جملہ انبیاء و رسل میں صرف آنحضرت ﷺ کو یہ شان عطا فرمائی۔

۵۔ اسوۂ حسنہ

اَلْاُسْوَۃُ والِاسْوَۃُ کا معنی اقتداء، نمونہ اور وہ چیز جس سے تسلی حاصل ہو۔(2)

یعنی نبی کریم ﷺ کی زندگی ہمارے لیے اقتداء کے قابل ہے۔ اور امتیوں کے لیے یہ بہترین نمونہ ہے۔

قرآن مجید میں نبی کریم ﷺ کا ایک امتیازی وصف آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ کو بہترین نمونہ قرار دینا ہے۔ جن جملہ نفوس قدسیہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کی تبلیغ و تعلیم کے لیے بھیجا ہے وہ سب عمدہ اوصاف اور پاکیزہ سیرت کے حامل تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے کسی کے اسوہ کو حسنہ کہہ کر بہترین نمونہ قرار نہیں دیا، یہ امتیاز صرف آپ ﷺ کو حاصل ہوا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾(3)

بے شک تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ موجود ہے۔

یہ آیت کریمہ بہت بڑی دلیل ہے اس امر پر کہ آنحضرت ﷺ کے تمام افعال، اقوال، احوال، اقتداء،

---

(1) جامع البیان فی تاویل القرآن، ج۲ ص ۶۵۶

(2) المعجم الوسیط، ص۱۹

(3) الاحزاب:۲۱

پیروی اور تابعداری کے لائق ہیں۔ جنگ احزاب میں جو صبر تحمل اور عدیم المثال شجاعت کی مثال نبی کریم ﷺ نے قائم فرمائی، مثلاً راہ خدا کی تیاری، شوق جہاد اور سختی کے وقت بھی رب تعالیٰ سے آسانی کی امید اس وقت آپ ﷺ نے دکھائی یقیناً یہ تمام چیزیں اس قابل ہیں کہ مسلمان انہیں اپنی زندگی کا جزو اعظم بنالیں اور اپنے پیغمبر ﷺ کو اپنے لیے بہترین نمونہ بنالیں اور ان اوصاف سے اپنے تئیں بھی موصوف کرلیں۔ اسی لیے قرآن کریم ان لوگوں کو جو اس وقت سٹ پٹا رہے تھے اور گھبراہٹ اور پریشانی کا اظہار کرتے تھے، فرماتا ہے کہ تم نے میرے نبی ﷺ کی تابعداری کیوں نہ کی؟ میرے رسول ﷺ تو تم میں موجود تھے ان کا نمونہ تمہارے سامنے تھا۔ تمہیں صبر و استقلال کی نہ صرف تلقین تھی بلکہ ثابت قدمی، استقلال اور اطمینان کا پہاڑ تمہاری نگاہوں کے سامنے تھا۔ تم جبکہ اللہ تعالیٰ پر ، قیامت پر ایمان رکھتے ہو پھر کوئی وجہ نہ تھی کہ تم اپنے رسول ﷺ کو اپنے لیے نمونہ اور نظیر نہ قائم کرتے۔ اس لیے آپ ﷺ کا ہر قول و عمل امت کے لیے واجب الاتباع ہے۔

یہ امر مسلمہ ہے کہ امت کے ہر فرد کے لیے بنی کریم ﷺ کی زندگی ایک مثالی زندگی ہے۔ روئے زمین پر کوئی دوسرا شخص آج تک ایسا نہیں گزرا جسکی سارے لوگ بطور مثال اتباع کر سکیں۔ اگر ہم انبیاء علیہم السلام کی حیات مبارکہ کا مطالعہ کریں تو ہم دیکھیں گے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی زندگی بادشاہت میں گزری۔ آپ علیہ السلام نے شاہانہ طرز زندگی گزارا۔ ایک بادشاہ یا حاکم وقت تو آپ علیہ السلام کی زندگی کو مثال بنا سکتا ہے مگر ایک فقیر بے نوا ایک درویش تارک دنیا کے لیے آپؑ کی زندگی نمونہ نہیں، اسی طرح سیدنا عیسٰی علیہ السلام نے زندگی ترک دنیا میں گزاری فقر کی زندگی کو اختیار کیا رہنے کو مکان تک نہ تعمیر کیا۔ اس لیے ایک فقیر تارک دنیا کے لیے تو آپؑ مثال ہیں مگر ایک شاہانہ طرز زندگی گزارنے والے یا حاکم وقت کے لیے آپ ﷺ کی زندگی مثال نہ بنے گی۔ مگر رسول عالم ﷺ کی سیرت مبارکہ پورے عالم کے لیے بہترین نمونہ ہے آپ ﷺ کا یہ امتیازی وصف ہے کہ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ جملہ شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے لیے مثال ہے۔ اگر کوئی مفلس الحال ہے تو وہ تین سال تک شعب ابی طالب کی گھاٹی میں محصور رہنے والے رسول اکرم ﷺ کو دیکھے[1] اگر کوئی حاکم یا صاحب ثروت ہے تو مدینے کے تاجدار ﷺ کو دیکھے اگر کوئی مجاہد یا کمانڈر ہے تو بدر کے سپہ سالار کو دیکھے۔ اگر کوئی فاتح ہے تو فاتح بدر و حنین اور فاتح مکہ رسول معظم کو دیکھے اگر کوئی معلم ہے تو صفہ کے مدرس نبی محتشم کو دیکھے۔ اگر کوئی جج ہے تو وہ منصف اعظم کو دیکھے۔ جنہوں نے ایک بڑے خاندان کی عورت کو سزا دیتے وقت یہ فرمایا'' اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا''[2] عائلی زندگی میں بھی اگر کوئی باپ ہے تو

---

(1) زرقانی علی المواہب، قسطلانی، احمد بن محمد، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۷ھ، ج۱، ص۲۷۸

(2) صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب دیۃ الجنین، حدیث نمبر ۱۶۸۹، ج۳، ص۱۳۱۶

سیدہ کائنات کے بابا کو دیکھے بیٹا ہے تو آمنہ کے لعل عبد اللہ کے درِّ یتیم کو دیکھے۔اگر خاوند ہے تو خدیجہ و عائشہ کے خاوند کو دیکھے۔اگر معالج ہے تو رحمت للعالمین کو دیکھے المختصر آپ ﷺ کی حیات مبارکہ تمام تر شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والوں کے لیے بہترین نمونہ ہے۔

۶۔اطاعتِ رسول ﷺ اطاعت خدا ہے۔

اطاعت کا معنی فرمان برداری ہے۔[1] اطاعت رسول ﷺ سے مراد ہے کہ امتی اپنے رسول کی کامل فرمان برداری کرے۔اور جو رسول اللہ ﷺ کی فرمان برداری کرے گا در حقیقت وہ اللہ تعالیٰ کی فرمان برداری میں ہو گا۔ کیونکہ اس حقیقت میں کوئی امر مخفی نہیں ہے کہ جملہ انبیاء اللہ تعالیٰ کے احکام کی طرف ہی بلاتے ہیں لہذا ان کا کہا ماننا بھی اللہ تعالیٰ کا کہا ماننا ہے۔کیونکہ انبیاء و مرسلین اللہ تعالیٰ کے نمائندے ہیں،اس کے پیامبر ہیں۔وہ اللہ تعالیٰ ہی کے احکام لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔ان کی تکذیب اللہ تعالیٰ کی تکذیب ہے اور ان کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔اللہ تعالیٰ نے یہ فضیلت امتیازی طور پر اپنے محبوب مکرم علیہ السلام کو عطا فرمائی اور خود بتلا دیا کہ میرے رسول ﷺ کی اطاعت میری اطاعت ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾[2]

جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا۔

امام طبری اس آیت کریمہ کے ضمن میں لکھتے ہیں:

"ہر وہ شخص جو اوامر و نواہی میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرتا ہے در حقیقت وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے۔کیونکہ آنحضرت ﷺ امر و نہی کی کوئی تعلیم نہیں دیتے جب تک اللہ تعالیٰ حکم نہ فرمائے۔اس میں نبی کریم ﷺ کی عصمت واضح ہو رہی ہے کہ آنحضرت ﷺ معصوم ہیں اور از خود حکم نہیں دیتے لہذا آپ ﷺ کی اطاعت مطلقاً اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔امت محمدی پر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے تین طرح کے حقوق ہیں۔"جو کہ درج ذیل ہیں:

۱۔ **حقوق مختص باللہ۔** یعنی اللہ تعالیٰ کا حق کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے اور اس کی طرف رجوع کیا جائے۔مخلوق میں کوئی بھی اس کے ساتھ اس حق میں شریک نہیں ہے۔

۲۔ **حقوق مختص بالرسول۔** یعنی آپ ﷺ کی توقیر و تعظیم اور نصرت کی جائے۔

---

(1)لسان العرب،ج8،ص 241

(2)النساء:۸۰

۳۔ **حقوق مشترک مابین اللہ و رسولہ**۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانا، ان دونوں سے محبت کرنا اور ان کی اطاعت کرنا۔ پس جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔[1]

امام مسلم اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ، وَمَنْ يَعْصِنِي فَقَدْ عَصَى اللهَ، وَمَنْ يُطِعِ الْأَمِيرَ فَقَدْ أَطَاعَنِي، وَمَنْ يَعْصِ الْأَمِيرَ فَقَدْ عَصَانِي»[2]

یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے میری معصیت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی معصیت کی اور جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی معصیت کی اس نے میری معصیت کی۔

اللہ تعالیٰ نے نہ صرف رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کو اپنی اطاعت و فرمانبرداری قرار دیا ہے بلکہ اطاعت رسول اللہ ﷺ کو اپنی اطاعت و فرمانبرداری کو اپنی محبت کا واحد ذریعہ بھی قرار دیا ہے اور واضح کر دیا ہے کہ اگر مجھ سے محبت کرتے ہو تو بس میرے رسول ﷺ اتباع کرو اللہ تعالیٰ خود تم کو اپنا محبوب بنالے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾[3]

(اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)!) کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا' رحم فرمانے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی محبت زبانی دعوی نہیں ہے اور نہ کوئی وہ وجدانی امر ہے۔ اس کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی اتباع ضروری ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت اور نقش قدم پر چلنا ضروری ہے۔ اپنی زندگی میں اسلامی نظام رائج کرنا ضروری ہے۔ ایمان صرف چند کلمات ادا کرنے کا نام نہیں ہے۔ نہ یہ شعور اور جذبات سے عبارت ہے۔ نہ وہ صرف چند شعائر کے قیام کا نام ہے۔ بلکہ ایمان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا نام ہے۔ اور اس منہاج پر عمل کا نام ہے جس کے حامل رسول اللہ ﷺ ہیں۔ پس رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے اور اطاعت رسول کریم ﷺ ذریعہ محبت الہی ہے۔ اور اہل ایمان کے لیے اطاعت رسول شرط ہے۔ مومن کی اُخروی نجات کا انحصار اتباع رسول میں ہے۔ امت اگر نبی کریم ﷺ کے طریقوں کو چھوڑ کر اپنے وضع کردہ طریقوں پر چلے گی تو

---

(1) جامع البیان فی تاویل القرآن، ج ۲ ص ۶۵۶

(2) صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب طاعۃ اُمرآء فی غیر معصیہ وتحریمہا فی معصیہ، حدیث نمبر ۱۸۳۵، ج ۳، ص ۱۴۶۶

(3) اٰل عمران: ۳۱

گمراہ ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ اطاعت رسول اطاعت الہی ہے۔ اس لیے جو محبت و اطاعت خداوندی کا مصداق بننا چاہتا ہے وہ اطاعت رسول پر مداومت اختیار کرے، فلاح اس کا مقدر بنے گی۔

۷۔ رفعت ذکر

رِفعَۃً و رَفَعَۃً کا معنی ہے عالی المرتبت ہونا ہے۔[1] رفعت ذکر سے مراد نبی کریم ﷺ کے ذکر اور آپ ﷺ کی صفات کا بلند ہونا ہے۔ سارے انبیاء علیہم السلام بحثیت نبوت سب برابر ہیں۔ مگر سب کی شان و عظمت الگ الگ ہے۔ مقام و مرتبہ میں تفاوت ہے۔ نبی، رسول، اولوالعزم رسول اور امام المرسلین سبھی اپنے اپنے درجہ پر فائز ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تیسرے پارے کی پہلی آیت کریمہ میں فرمایا ہے کہ ہم نے رسولوں میں بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ ہمارے نبی کے امتیازی اوصاف میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی خاطر آپ ﷺ کے ذکر کو بلند کر دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾[2]

اور ہم نے بلند کر دیا آپ کی خاطر آپ کا ذکر۔

یہ بات اس زمانے میں فرمائی گئی تھی جب کوئی شخص یہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ جس فرد فرید کے ساتھ گنتی کے چند آدمی ہیں اور وہ بھی صرف شہر مکہ تک محدود ہیں اس کی آواز دنیا بھر میں کیسے بلند ہو گئی؟ اور اس کو ناموری کیسے حاصل ہو گئی؟ مگر اللہ تعالیٰ نے ان حالات میں اپنے رسول ﷺ کو یہ خوشخبری سنائی اور پھر عجیب طریقہ سے اس کو پورا فرمایا۔ سب سے قبل اللہ تعالیٰ نے رفعت ذکر کا کام آنحضرت ﷺ کے دشمنوں سے لیا۔ کفار مکہ نے آپ ﷺ کو تکلیف دینے کے لیے جو طریقے اختیار کئے ان میں سے ایک یہ تھا کہ حج کے موقع پر جب تمام عرب سے لوگ کھچ کھچ کر ان کے شہر میں آتے تھے، اس زمانے میں کفار کے وفود حاجیوں کے ایک ایک ڈیرے پر جاتے اور لوگوں کو خبر دار کرتے کہ یہاں ایک خطرناک شخص محمد نامی ہے جو لوگوں پر ایسا جادو کرتا ہے کہ باپ بیٹے، بھائی بھائی اور شوہر بیوی میں جدائی پڑ جاتی ہے۔ اس لیے ذرا اس سے بچ کر رہنا۔ اس کے بارے میں مولانا مودودی اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

> "کفار مکہ یہ باتیں ان سب لوگوں سے بھی کہتے جو حج کے سوا دوسرے دنوں میں زیارت یا کسی کاروبار کے سلسلے میں مکہ آتے تھے۔ اس طرح وہ اگرچہ نبی کریم ﷺ کو بدنام کر رہے تھے ،لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب کے گوشہ گوشہ میں آپ ﷺ کا نام پہنچ گیا۔ اور مکہ کے گوشہ

---

(1) المعجم الوسیط، ص ۳۶۰

(2) الم نشرح: ۴

گمنامی سے نکال کر خود دشمنوں نے آپ ﷺ کو تمام ممالک کے قبائل سے متعارف کروا دیا۔"(1)

ان حالات میں جو نتیجہ نکل رہا تھا اس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ:

اس کے بعد یہ فطری اثر تھا کہ لوگ یہ معلوم کریں کہ وہ شخص کون ہے؟ کیا کہتا ہے؟ کیسا آدمی ہے؟ اس کے جادو کا آخر کیا اثر پڑا ہے؟ کفار مکہ کا پراپیگنڈا جتنا جتنا بڑھتا گیا لوگوں میں یہ جستجو بھی بڑھتی چلی گئی۔ پھر جب اس جستجو کے نتیجہ میں لوگوں کو آپ ﷺ کے اخلاق اور آپ ﷺ کے سیرت و کردار کا حال معلوم ہوا، جب لوگوں نے قرآن سنا اور انہیں پتا چلا کہ وہ تعلیمات کیا ہیں جو آپ ﷺ پیش فرما رہے ہیں اور جب دیکھنے والوں نے یہ دیکھا کہ جس چیز کو جادو کہا جا رہا ہے اس سے متاثر ہونے والوں کی زندگیاں عرب کے تمام لوگوں کی زندگیوں سے کس قدر مختلف ہو گئی ہیں۔ تو وہی بدنامی نیک نامی سے بدلنی شروع ہو گئی۔ حتیٰ کہ ہجرت کا زمانہ آنے تک نوبت یہ پہنچ گئی کہ دور و نزدیک کے عرب قبائل میں شائد ہی کوئی قبیلہ ہو جس میں کسی نہ کسی شخص یا کنبے نے اسلام قبول نہ کر لیا ہو۔ اور جس میں کچھ نہ کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ سے اور آپ ﷺ کی دعوت سے ہمدردی و دلچسپی رکھنے والے پیدا ہو گئے ہوں۔ یہ نبی کریم ﷺ کے رفع ذکر کا پہلا مرحلہ تھا۔ اس کے بعد ہجرت سے دوسرے مرحلے کا آغاز ہوا جس میں ایک طرف منافقین، یہود اور تمام عرب کے اکابر مشرکین رسول اللہ ﷺ کو بدنام کرنے میں سرگرم تھے اور دوسری طرف مدینہ طیبہ کی اسلامی ریاست خدا پرستی و خدا ترسی، زہد و تقویٰ، طہارتِ اخلاق، حسن معاشرت، عدل و انصاف، انسانی مساوات، مالداروں کی ضیافت، غریبوں کی خبر گیری، عہد و پیمان کی پاسداری اور معاملات میں راستبازی کا وہ عملی نمونہ پیش کر رہی تھی جو لوگوں کے دلوں کو مسخر کرتا چلا جا رہا تھا۔ دشمنوں نے جنگ کے ذریعے سے نبی کریم ﷺ کے اس بڑھتے ہوئے اثر کو مٹانے کی کوشش کی مگر آپ ﷺ کی قیادت میں اہل ایمان کی جو جماعت تیار ہوئی تھی اس نے اپنے نظم و ضبط، اپنی شجاعت، اپنی بے خوفی اور حالت جنگ تک میں اخلاقی حدود کی پابندی سے اپنی برتری اس طرح ثابت کر دی کہ سارے عرب نے ان کا لوہا مان لیا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ۱۰ سال کے اندر نبی کریم ﷺ کا رفع ذکر اس طرح ہوا کہ وہی ملک جس میں آپ ﷺ کو بدنام کرنے کے لیے مخالفین نے اپنا سارا زور لگا دیا تھا اس کا گوشہ گوشہ اشہد ان محمد اًرسول اللہ کی صدا سے گونج اٹھا۔ آپ ﷺ کا ذکر عالم بالا میں بلند ہونے لگا، پوری زمین میں آپ ﷺ کی دعوت کا غلغلہ بلند ہو گیا۔ اس کائنات میں آپ ﷺ کا نام بلند ہو گیا اور پھر کلمہ طیبہ میں آپ ﷺ کا نام اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ جوڑ دیا گیا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہ جب بھی کوئی کلمہ پڑھے گا آپ ﷺ کا نام بلند ہو گا۔ اس کے بعد آخر اور کیا مقام و

(1) تفہیم القرآن، ج۶، ص ۳۸۱

مرتبہ ہو سکتا ہے؟ یہ تو آپ ﷺ کا ایک منفرد مقام ہے اور تمام مخلوقات کے مقابلے میں آپ ﷺ کے لیے مخصوص ہے۔ ہم نے آپ ﷺ کا ذکر لوح محفوظ میں کر دیا کہ زمانے گزر جائیں گے، نسلیں جائیں گی اور آئیں گی اور کروڑوں ہونٹ آپ ﷺ کے اسم گرامی کو ادا کرتے رہے گے، صلوٰۃ و سلام بھیجتے رہیں گے۔ آپ ﷺ کا ذکر یوں بھی بلند ہوا کہ آپ ﷺ کا نام اسلامی نظام زندگی اور شریعت محمدی کے ساتھ نتھی ہو گیا۔ صرف آپ ﷺ کا انتخاب ہی رفع ذکر کا باعث بنا۔ یہ وہ مقام تھا جو کسی اور کو نصیب ہوا اور نہ ہو گا۔

رفعت ذکر کی چند صورتیں درج ذیل ہیں:

ا۔ رفعت ذکر مصطفےٰ ﷺ اس اعتبار سے بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے عالم ارواح میں آپ کا ذکر کیا اور آپ کے متعلق انبیاء کی ارواح سے عہد لیا جس کا ذکر قرآن مجید میں یوں ہے۔

﴿ وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَى ذَلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴾(1)

اور (اے رسول ﷺ) یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے ان کا عہد لیا کہ میں تم کو جو کتاب اور حکمت دوں۔ پھر تمہارے پاس آئے وہ عظیم رسول جو اس کی تصدیق کرنے والے ہوں جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور ان پر ایمان لانا اور ضرور بہ ضرور ان کی مدد کرنا۔ فرمایا (اللہ نے) کیا تم نے اقرار کر لیا اور میرا بھاری عہد قبول کر لیا؟ سب نے کہا ہم نے اقرار کیا فرمایا پس تم گواہ ہو جاو اور میں خود تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے عہد میثاق کا ذکر فرمایا جو انبیاء علیہم السلام سے کیا گیا تھا کہ تمہیں اس دنیا میں نبوت و رسالت دے کر بھیجا جائے گا اور جب میرا رسول آپ کے پاس آ جائیں تو آپ سب نے ان پر ضرور ایمان لانا ہے اور ان کی نصرت کرنی ہے۔ اس عہد کو جملہ انبیاء علیہم السلام نے قبول کر لیا۔ جامع البیان میں ہے کہ:

” لم يبعث الله عز وجل نبيًّا، آدمَ فمن بعدَه ،إلا أخذ عليه العهدَ في محمد: لئن بعث وهو حيّ ليؤمنن به ولينصرَنّه ويأمرُه فيأخذ العهدَ على قومه۔ “(2)

اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھیجا خواہ حضرت آدم ہوں یا ان کے بعد کا نبی ہو۔ اس سے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں عہد لیا کہ اگر اس نبی کی زندگی میں آپ مبعوث ہو جائیں تو ضرور بہ ضرور اس نبی پر ایمان لائیں اور ضرور بہ ضرور آپکی

(1) اٰل عمران: ۸۱

(2) جامع البیان فی تاویل القرآن، ج۶، ص ۵۵۵

مدد کریں اور اپنی امت کو بھی حکم دیں کہ وہ آپ ﷺ پر ایمان لائیں۔

۲۔ رفعت ذکر کی ایک صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور فرشتے رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾[1]

بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے سب فرشتے اس نبی پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم (بھی) ان پر صلوٰۃ بھیجو اور خوب صلوٰۃ بھیجو۔

اس آیت مبارکہ میں نبی کریم ﷺ کا بڑا خصوصی امتیاز ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے آپ ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے بلند درجہ، رفعت ذکر اور اپنے ہاں شان و منزلت کا ذکر کیا ہے۔ امام ابن کثیر اس آیت کریمہ کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ ملاء اعلیٰ اور مقربین فرشتوں کے سامنے اپنے حبیب مکرم ﷺ سے اظہار محبت کرتے ہوئے ان کی تعریف کرتا ہے اور ان پر اپنی رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ تم میرے نبی ﷺ پر درود بھیجو۔ فرشتوں اور باری تعالیٰ کی اقتداء میں اہل ایمان پر بھی رسول اللہ ﷺ کا یہ حق ہے کہ وہ بھی تکمیل ایمان، تعظیم و تکریم رسول اور محبت رسول میں آپ ﷺ پر درود بھیجیں۔ اس سے مومنوں کی نیکیاں زیادہ ہوں گی، گناہ کم ہوں گے اور درجات بلند ہوں گے۔"[2]

۳۔ رفعت ذکر کی ایک جہت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا۔

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ﴾[3]

یہ رسول ہیں ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور ان میں سے بعض سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا اور ان میں سے بعض کو درجات میں بلندی عطا فرمائی۔

اس حقیقت میں تو کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام میں بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی البتہ نبی کریم ﷺ نے انبیاء کا درجہ کم ذکر کرنے سے منع فرمایا ہے۔ تفسیر احسن البیان میں ہے کہ:

"آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "لا تخيروني من بين الانبياء" یعنی تم مجھے انبیاء کے درمیان فضیلت

---

(1) الاحزاب:۵۶

(2) تفسیر القرآن العظیم، ج۶، ص۴۰۵

(3) البقرۃ:۲۵۳

مت دو، اس سے ایک دوسرے پر فضیلت کا انکار لازم نہیں آتا۔ بلکہ یہ امت کو انبیاء علیہم السلام کی بابت ادب واحترام سکھایا گیا ہے کہ تمہیں چونکہ تمام باتوں اور ان امتیازات کا، جن کی بنا پر انہیں ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہے، پورا علم نہیں ہے۔ اس لیے تم میری فضیلت بھی اس طرح بیان نہ کرنا کہ کسی دوسرے کی کسر شان ہو۔ ورنہ بعض نبیوں کی بعض پر فضیلت اور تمام پیغمبروں پر نبی ﷺ کی فضیلت واشرفیت مسلمہ اور اہل سنت کا متفقہ عقیدہ ہے۔(1)

نبی کریم ﷺ کی فضیلت مسلمہ ومصدقہ ہے مگر تحقیرانہ انداز میں کسی دوسرے کے ساتھ مقابلہ کرنا ہرگز درست نہیں ہے۔ اس آیت کریمہ میں درجات کی نوید نبی کریم ﷺ کو سنائی گئی ہے۔ اس کے بارے میں امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فَاِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللهِ لَيْسَ لَه   حَدٌّ فَيُعْرِبُ عَنْهُ نَاطِقٌ بِفَمِ(2)

یعنی رسول اللہ ﷺ کے فضل و کمال کی کوئی حد ہے ہی نہیں جس کو کوئی بتانے والا بتا سکے۔

۴۔ رفعت ذکر کی ایک جہت یہ بھی ہے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کا ذکر پچھلی امتوں میں بھی کیا۔ جس طرح انبیاء علیہم السلام پر نازل ہونے والی کتابوں انجیل و تورات اور زبور میں بھی نبی کریم ﷺ کی بشارتیں دیں گئیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾(3)

جو اس رسول یعنی نبی امی کے پیچھے چلیں جس کا ذکر وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پائیں گے، جو انہیں اچھی باتوں کا حکم دے گا، برائیوں سے روکے گا، اور ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال اور گندی چیزوں کو حرام قرار دے گا، اور ان پر سے وہ بوجھ اور گلے کے وہ طوق اتار دے گا جو ان پر لدے ہوئے تھے۔

اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے بارے میں بنی اسرائیل کو پہلے ہی اطلاع دے دی گئی تھی۔ اور یہ اطلاع ان کے بڑے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی دی گئی تھی اور آپ ﷺ کے عملاً آنے سے

(1) تفسیر احسن البیان، حافظ صلاح الدین یوسف (مترجم، مولانا محمد جوناگڑھی) ریاض: دار السلام، س ن، ص ۱۰۹

(2) قصیدہ بردہ، البوصیری شرف الدین ابو عبد اللہ محمد ابن سعد: شعر نمبر ۴۵

(3) الاعراف: ۱۵۷

بہت ہی پہلے یہ اطلاع کر دی گئی تھی۔ یہ یقینی خبر تھی کہ آپ ﷺ مبعوث ہوں گے، آپ ﷺ کی یہ صفات ہوں گی، وہ نبی امی ہوں گے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سر انجام دیں گے، وہ تمام پاک چیزوں کو حلال اور ناپاک چیزوں کو حرام کریں گے اور بنی اسرائیل پر ان کی معصیتوں کی وجہ سے جو بوجھ ڈال دیئے گئے تھے ان کو اتار دیں گے اور جن پابندیوں میں انہوں نے اپنے آپ کو جکڑ لیا تھا وہ بھی کھول دیں گے بشرطیکہ وہ اس نبی ﷺ پر ایمان لے آئیں۔

سید قطب شہید اس آیت کریمہ کے ضمن میں لکھتے ہیں:

> "یہ خبر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے بھیجی تھی۔ اور ایسے اہم وقت میں اس کا اعلان کیا گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے ستر منتخب لوگوں کے ساتھ اللہ کی ملاقات کے لیے مقررہ وقت میں گئے ہوئے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل نے اس نبی معظم کے ساتھ جو سلوک کیا وہ کس قدر گھناؤنا جرم تھا اور یہ کہ اگر وہ ایمان لے آئیں تو اس میں خود ان کے لیے بہت سی بھلائیاں تھیں اور مومنوں کے ساتھ ہو کر فلاح پا جاتے۔"[1]

اسی طرح قرآن مجید میں حضرت عیسیٰؑ نے جو بشارت آپ ﷺ کے بارے میں دی ہے اس کا بھی ذکر موجود ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ﴾[2]

اور میں اپنے بعد آنے والے رسول کی تم بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد ہو گا۔

۵۔ رفعت ذکر کی ایک جہت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اذان میں اپنے نام کے بعد آپ ﷺ کے نام کو رکھا۔ ورفعنا لک ذکرک کی تفسیر میں امام قرطبی لکھتے ہیں:

قَالَ مُجَاهِدٌ: يَعْنِي بِالتَّأْذِينِ. وَفِيهِ يَقُولُ حَسَّانُ بْنُ ثَابِتٍ:

وَضَمَّ الْإِلَهُ اسْمَ النَّبِيِّ إِلَى اسْمِهِ   إِذَا قَالَ فِي الْخَمْسِ الْمُؤَذِّنُ أَشْهَدُ۔[3]

مجاہد نے کہا: یعنی اذان میں نبی کا نام بلند کیا جس کے بارے میں سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے نبی کا نام اپنے نام کے ساتھ ملا دیا جب پانچوں اذانوں میں موذن اشھد کہتا ہے۔

---

(1) فی ظلال القرآن، ج۳، ص۱۳۷۸

(2) الصف:۶

(3) الجامع لاحکام القرآن، ج۲۰، ص۱۰۶

یہ رفعت ذکر کی ایک کیفیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اذان میں بھی نبی کریم ﷺ کے اسم پاک کو اپنے اسم پاک کے ساتھ شامل فرمالیا۔ اب قیامت تک جہاں بھی اذان دی جائے گی اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ آپ ﷺ کا ذکر ضرور ہو گا۔ امام قرطبی اس کے متعلق مزید لکھتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: يَقُولُ لَهُ لَا ذُكِرْتُ إِلَّا ذُكِرْتَ مَعِي فِي الْأَذَانِ، وَالْإِقَامَةِ وَالتَّشَهُّدِ، وَيَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى الْمَنَابِرِ، وَيَوْمَ الفطر، ويوم الأضحى: وأيام التشريق، وَيَوْمَ عَرَفَةَ، وَعِنْدَ الْجِمَارِ، وَعَلَى الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، وَفِي خُطْبَةِ النِّكَاحِ، وَفِي مَشَارِقِ الْأَرْضِ وَمَغَارِبِهَا. وَلَوْ أَنَّ رَجُلًا عَبَدَ اللَّهَ جَلَّ ثَنَاؤُهُ، وصدق بالجنة والنار وكل شي، وَلَمْ يَشْهَدْ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولَ اللَّهِ، لَمْ يَنْتَفِعْ بِشَيْءٍ وَكَانَ كَافِرًا.(1)

یعنی ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو ارشاد فرماتا ہے: میرا ذکر تیرے ذکر کیساتھ کیا گیا اذان میں اقامت میں، تشہد میں، جمعہ کے روز منبر پر، عید الفطر کے دن عید الاضحیٰ کے دن، ایام تشریق میں عرفہ کے دن جمروں کے قریب، صفا و مروہ پر، نکاح کے خطبہ میں اور مشرق و مغرب میں۔ اگر ایک بندہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے، جنت، دوزخ اور ہر شے کی تصدیق کرے اور اس بات کی گوائی نہ دے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو وہ کسی چیز سے نفع نہیں اٹھائے گا اور وہ کافر ہو گا۔

نبی کریم ﷺ کی رفعت کے اور بہت سے پہلوؤں ذکر کئے جاسکتے ہیں جیسے اطاعت خدا، نطق رسول ﷺ، نطق الٰہی حکم رسول، حکم الٰہی، محبت الٰہی رسول کا ناراض ہونا اللہ کا ناراض ہونا ہے۔ اس مذکور الذکر بحث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بہت ساری جہتوں سے رفعت ذکر کی شان عطا فرمائی ہے۔ اس میں حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی نبوت چونکہ قیامت تک کے لیے عام ہے، اس لیے آپ ﷺ کے ذکر کو بھی اللہ تعالیٰ نے بہت بلندی عطا فرمائی ہے تاکہ ہر زمانے کے لوگ آنحضرت ﷺ کی تعریف و توصیف کریں اور آپ ﷺ پر ایمان لاکر اطاعت رسول پر مداومت اختیار کریں۔

۸۔ خیر کثیر

نبی کریم ﷺ کا ایک امتیازی وصف آپ ﷺ کو کوثر کا عطا فرمانا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے علاوہ کسی اور نبی کو یہ شان نہیں عطا کی گئی۔ جس طرح اذن شفاعت اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عطا کیا ہے، لواء الحمد کا جھنڈا عطا کیا

---

(1) ایضاً، ص ۱۰۷

جائے گا اسی طرح ساقی کوثر بھی آپ ﷺ ہی ہیں۔ جیسا کہ آپ ﷺ کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ﴾(1)

بے شک ہم نے آپ ﷺ کو کوثر عطا کی ہے۔

کوثر سے مراد ہر نعمت کا نبی کریم ﷺ کو کثرت سے عطا کیا جانا ہے۔ ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا کر دیا یعنی ہر نعمت کثرت سے وافر مقدار میں عطا کر دی گئی ہے۔ سید قطب شہید اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا کر دیا ہے'' کوثر کثرت سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں بے حد و حساب اور یہ مفہوم اس کے بالکل برعکس ہے۔ جس کو ہر احمق آپ ﷺ کی طرف منسوب کرتا تھا۔ یعنی ہم نے آپ کو جو کچھ دیا ہے وہ ایک عظیم لامحدود فیض ہے۔ یہ سلسلہ جاری رہے گا اور اس کا سلسلہ کٹنے والا نہیں ہے۔ جو شخص بھی غور کرے کہ وہ فیض کثیر کیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو عطا کیا تو وہ اسے حاصل کر سکتا ہے اور جس طرف بھی وہ نگاہ کرے تو وہ اس فیض کو پائے گا۔ سب سے پہلے آپ ﷺ کو جو منصب رسالت دیا گیا وہ خیر کثیر ہے۔''(2)

مزید اگر خیر کثیر کے بارے میں دیکھا جائے تو یہ خیر کثیر اس قرآن عظیم کی صورت میں بھی نظر آتا ہے۔ سارا مکمل قرآن حکیم تو کجا اس کی ایک ایک سورت خیر کثیر ہے اور ہر سورت ایک ایسا سرچشمہ ہے جس کے فیوض ختم نہیں ہوتے۔ پھر سارا عالم بالا آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجتا ہے اور ان لوگوں پر بھی درود و سلام بھیجتا ہے جو آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجتے ہیں، یہ بھی خیر کثیر ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کی سنت میں بھی خیر کثیر موجود ہے۔ اور یہ سنت اس جہاں کے اطراف و اکناف میں زندہ جاوید ہے۔ لاکھوں کروڑوں لوگ آپ ﷺ کی سنت پر چل رہے ہیں۔ پھر یہ کوثر اس خیر کثیر کی شکل میں بھی موجود ہے کہ جس سے یہ پوری دنیا فیض یاب ہوئی اور سارے عالم انسانیت میں اس کا فیض جاری ہے۔ چاہے ان کو اس کا شعور ہو یا نہ ہو، چاہے وہ ایمان لائیں یا نہ لائیں۔ لیکن اس سرچشمہ کے اثرات ان پر پڑے اور کسی نہ کسی طرح وہ فیض یاب ہوئے۔ الغرض یہ کوثر وہ خیر کثیر اور عظیم ہے جس کا شمار ممکن نہیں اور ہم اپنی کم مائیگی کے ساتھ اگر اس کا شمار کریں تو ہم اس کی قدر و قیمت کو ہی کم کر دیں گے۔ یہ در حقیقت ایک کوثر ہے اور اس کے فیوض کی انتہا نہیں ہے۔ اس کے علوم معارف کے لیے حدود و قیود نہیں ہیں۔ یہی

---

(1) الکوثر:۱

(2) فی ظلال القرآن، ج۶، ص ۳۹۸۷

وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے اسے کوثر کہہ کر مجمل چھوڑ دیا اور ہر "خیر" اس کے دائرے میں آجاتا ہے۔
کوثر کے متعلق محدثین کی روایات صحیح بخاری میں ہے:

«عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، أَنَّهُ قَالَ: فِي الكَوْثَرِ: هُوَ الخَيْرُ الَّذِي أَعْطَاهُ اللَّهُ إِيَّاهُ.»(1)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کوثر سے مراد خیر کثیر ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر خیر کثیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کر دی۔ پس اسلام، قرآن، نبوت اور دنیا اور آخرت میں تعریف و تحسین اور ثناءِ جمیل یہ سب خیر کثیرہ ہیں اور جنت کی سب نعمتیں خیر کثیر ہیں۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

« عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمًا، فَصَلَّى عَلَى أَهْلِ أُحُدٍ صَلاَتَهُ عَلَى المَيِّتِ، ثُمَّ انْصَرَفَ إِلَى المِنْبَرِ، فَقَالَ: إِنِّي فَرَطٌ لَكُمْ، وَأَنَا شَهِيدٌ عَلَيْكُمْ، وَإِنِّي وَاللَّهِ لَأَنْظُرُ إِلَى حَوْضِي الآنَ، وَإِنِّي أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ خَزَائِنِ الأَرْضِ،أَوْ مَفَاتِيحَ الأَرْضِ ، وَإِنِّي وَاللَّهِ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوا بَعْدِي، وَلَكِنْ أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنَافَسُوا فِيهَا»(2)

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ بن عامر فرماتے ہیں کہ ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد پر نماز جنازہ پڑھی پھر آپ منبر پر گئے پس فرمایا: میں حوض (کوثر) پر تمہارا پیش رو جوں گا اور میں تمہارے حق میں گواہی دوں گا۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ کی قسم میں اپنے حوض کو اب بھی ضرور دیکھ رہا ہوں اور بے شک مجھے روئے زمین کے خزانوں کی چابیاں دے دی گئی ہیں اور بے شک اللہ کی قسم! مجھے تم پر یہ خوف نہیں ہے کہ میرے بعد تم مشرک ہو جاوگے لیکن مجھے یہ خوف ہے کہ تم دنیا میں رغبت کروگے۔ کوثر کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«الكَوْثَرُ نَهْرٌ فِي الجَنَّةِ، حَافَّتَاهُ مِنْ ذَهَبٍ، وَمَجْرَاهُ عَلَى الدُّرِّ وَاليَاقُوتِ، تُرْبَتُهُ أَطْيَبُ مِنَ المِسْكِ، وَمَاؤُهُ أَحْلَى مِنَ العَسَلِ، وَأَبْيَضُ مِنَ الثَّلْجِ»(3)

"الکوثر" جنت میں نہر ہے۔ اس کے دونوں کنارے سونے کے ہیں اس میں موتی اور یاقوت جاری ہیں ان میں مٹی مشک سے زیادہ خوشبودار ہے اس کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا اور برف سے زیادہ سفید ہے۔

کوثر سے مراد حوض کوثر ہے یا ہر خیر کا کثیر عطا ہونا ہے ہر جہت سے محبوب خدا کو ایسی شان بخشی گئی ہے جو کسی اور دوسرے نبی کو نہیں عطا کی گئی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہر جہت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیر ہی خیر عطا فرمائی ہے چاہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری میں ہو یا قیامت کے دن اس شان کا اظہار ہو ہے وہ خیر بھی اور کثیر بھی اور یہ

---

(1) صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب سورہ الکوثر، حدیث نمبر ۴۹۶۶، ج ۶، ص ۱۷۸

(2) ایضاً، کتاب الجنائز، باب الصلاۃ علی الشہید، حدیث نمبر ۱۳۴۴، ج ۲، ص ۹۱

(3) سنن الترمذی، ابواب التفسیر القرآن، باب سورہ الکوثر، حدیث نمبر ۳۳۶۱، ج ۵، ص ۴۴۹

آنحضرت ﷺ کی امتیازی شان ہے جو کسی دوسرے کو نہیں عطا ہوئی۔

۹۔ بارگاہ رسالت کے آداب

انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا اور ان کی دل سے تعظیم کرنا یہ ہمارے ایمان کا جوہری عنصر ہے۔ اس تکریم و تعظیم کے بغیر کوئی مومن نہیں ہو سکتا۔ جملہ انبیاء میں آنحضرت ﷺ کو یہ شان و رفعت حاصل ہے کہ نبی رحمت ﷺ کی تعظیم و توقیر خود رب تعالیٰ نے سکھائی ہے۔ بارگاہ رسالت کے آداب سے متعلق بہت سی قرآنی آیات موجود ہیں جن میں مختلف احکام و آداب ذکر ہیں۔ جیسا کہ سورۃ النور میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو نام لے کر مخاطب کرنے سے منع کیا ہے بلکہ فرمایا آپ ﷺ کو آپ کے اوصاف حمیدہ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کرو: یا رسول اللہ ﷺ، یا نبی اللہ ﷺ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنْكُمْ لِوَاذًا فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾(1)

(اے لوگو) اپنے درمیان رسول ﷺ کو بلانے کو ایسا (معمولی) نہ سمجھو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو بلایا کرتے ہو۔ اللہ تم میں سے ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو ایک دوسرے کی آڑ لے کر چپکے سے کھسک جاتے ہیں۔ لہذا جو لوگ اس کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں، ان کو اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی آفت نہ آپڑے، یا انہیں کوئی دردناک عذاب نہ آپکڑے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے مسلمانو! اپنے درمیان رسول اللہ کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کا بلانا نہ سمجھ بیٹھو، چاہے کہ تمہارے دل رسول اللہ ﷺ کی محبت سے بھرے ہوئے ہوں۔ لہذا اللہ کے رسول ﷺ کے احترام میں مناسب ترین الفاظ کا انتخاب کرو تاکہ احترام نبوت و رسالت کسی بھی طرح سے مجروح نہ ہو۔ یہ قیادت کے لیے نہایت ہی ضروری اصول ہے۔ اس لیے کہ کسی مربی، کسی استاذ، کسی قائد کا مناسب احترام لازم ہے، اور کارکنوں کے شعور اور سلوک میں قائد کا احترام اور محبت ہو۔ ایک کارکن اپنے قائد سے زیادہ بے تکلف نہ ہو۔ اس کے بعد منافقوں کو متنبہ کیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے بغیر کھسک جاتے ہیں اور ایک دوسرے کی اوٹ لے کر بھاگ جاتے ہیں وہ مسلمانوں اور رسول اللہ ﷺ کی نظروں سے تو اپنے آپ کو چھپاتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی نظروں سے چھپ نہیں سکتے۔ ادب کا لحاظ اس حد تک ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذو معنی الفاظ سے بھی مخاطب کرنے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ یہود و منافق کیا کرتے تھے۔ وہ آپ ﷺ کو ایسے الفاظ سے مخاطب کرتے تھے جو ذو معنی ہوتے، جن کا ظاہری معنی کچھ اور ان کی مراد کچھ اور ہوتا۔ جیسے ''راعنا'' کا لفظ ہے جو کہ خطاب کے لیے بولا جاتا

(1) النور: ۶۳

ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مومنو تم یہودیوں کے الفاظ ترک کر دو اور تم کہو ہماری طرف نظر فرمائیں۔ سورہ البقرۃ میں اللہ تعالیٰ نے اس کی وضاحت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انظُرْنَا وَاسْمَعُوا وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾(1)

اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو تم (اپنے پیغمبر کو خطاب کرتے وقت) "راعنا" مت کہو بلکہ (اس کی بجائے) "انظرنا" کہا کرو، اور (یوں تم غور سے) سنا کرو، اور کافروں کیلئے ایک بڑا ہی دردناک (اور ہولناک) عذاب ہے۔

آپ ﷺ کو لفظ "راعنا" سے مخاطب کرنے کی تفصیل کچھ یوں ہے:

یہودی جب آپ ﷺ کی مجلس میں آتے، تو اپنے سلام اور کلام میں ہر ممکن طریقے سے اپنے دل کا بخار نکالنے کی کوشش کرتے تھے۔ ذُو معنی الفاظ بولتے، زور سے کچھ کہتے اور زیر لب کچھ اور کہہ دیتے، اور ظاہری ادب آداب بر قرار رکھتے ہوئے درپردہ آپ ﷺ کی توہین کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھتے تھے۔ قرآن مجید میں آگے چل کر اس کی متعدد مثالیں بیان کی گئی ہیں۔ یہاں جس خاص لفظ کے استعمال سے مسلمانوں کو روکا گیا ہے، یہ ایک ذو معنی لفظ تھا۔ جب آنحضرت ﷺ کی گفتگو کے دوران میں یہودیوں کو کبھی یہ کہنے کی ضرورت پیش آتی کہ ٹھہریے، ذرا ہمیں یہ بات سمجھ لینے دیجیے، تو وہ "راعنا" کہتے تھے۔ اس لفظ کا ظاہری مفہوم تو یہ تھا کہ ذرا ہماری رعایت کیجئے یا ہماری بات سن لیجئے۔ مگر اس میں کئی احتمالات اور بھی تھے، مثلاً عبرانی میں اس سے ملتا جلتا ایک لفظ تھا جس کے معنی تھے "سن، تو بہرا ہو جائے"۔ اور خود عربی میں اس کے ایک معنی صاحبِ رعونت اور جاہل واحمق کے بھی تھے۔ اور گفتگو میں یہ ایسے موقع پر بھی بولا جاتا تھا جب یہ کہنا ہو کہ تم ہماری سُنو، تو ہم تمہاری سنیں۔ اور ذرا زبان کو لچکا دے کر "راعِینا" بھی بنالیا جاتا تھا، جس کے معنی "اے ہمارے چرواہے" کے تھے۔ اس لیے مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ تم اس الفاظ کے استعمال سے پرہیز کرو اور اس کی بجائے "اُنظرنا" کہو یعنی ہماری طرف توجہ فرمایئے یا ہمیں ذرا سمجھ لینے دیجیے۔ پھر فرمایا "توجہ سے بات کو سنو" یعنی یہودیوں کو تو بار بار یہ کہنے کی ضرورت اس لیے پیش آتی کہ وہ نبی کریم ﷺ کی بات پر توجہ نہیں کرتے اور ان کی تقریر کے دوران میں وہ اپنے ہی خیالات میں الجھے رہتے ہیں۔ مگر تمہیں غور سے نبی ﷺ کی باتیں سننی چاہئیں تاکہ یہ کہنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔(2)

نبی کریم علیہ السلام کو ان کے نام سے پکارنے پر تو اللہ تعالیٰ نے منع کر دیا مگر نبی کریم علیہ السلام سے قبل امم ماضیہ اپنے نبیوں کو نام لے کر پکارتی تھیں جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں قرآن مجید میں آیا ہے۔

---

(1) البقرۃ:۱۰۴

(2) تفہیم القرآن، ج۶، ص۳۸۱

﴿قَالُوا يَا نُوحُ قَدْ جَادَلْتَنَا﴾ (1)

انہوں نے کہااے نوح بلاشبہ تونے جھگڑا کیاہے ہم سے۔

حضرت لوط علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ آپ کو بھی امتیوں نے آپ کے نام سے مخاطب کیا ہے۔ قوم نے کہا، لوط اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں بستی سے باہر نکال دیں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَا لُوطُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِينَ﴾ (2)

ان لوگوں نے دھمکی دیتے ہوئے کہالوط اگر تم باز نہ آئے تو یقیناتم ان لوگوں میں شامل ہو کر رہو گے جن کو نکال باہر کیا گیاہماری بستیوں سے۔

بارگاہ رسالت کے اداب میں سے ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے کاشانہ نبوت کا ادب و احترام بھی امت کو سکھایا۔ کہ تم بلا اجازت آپ ﷺ کے دولت خانہ میں نہ جاؤ کہ تمہیں وہاں بیٹھ کر انتظار نہ کرنا پڑے جو کہ آپ ﷺ پر بوجھ نہ بنے۔ اور جب دعوت کھا چکو تو بلا وجہ نہ بیٹھو بلکہ اٹھ کر اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ﴾ (3)

اے ایمان والو! نہ داخل ہوا کرو نبی کریم ﷺ کے گھروں میں بجز اس (صورت) کے تم کھانے کے لیے اجازت دی جائے اور نہ کھانا پکنے کا انتظار کیا کرو لیکن جب تمہیں بلایا جائے تو اندر چلے جا وپس جب کھانا کھا چکو تو فوراً منتشر ہو جاو اور نہ وہاں جا کر دل بہلانے کے لیے باتیں شروع کر دیا کرو تمہاری یہ حرکتیں (میرے) نبی کے لیے تکلیف کا باعث بنتی ہیں۔ پس وہ تم سے حیا کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ حق بات کرنے سے حیا نہیں کرتا۔

اس آیت میں وہ آداب مذکور ہیں جو دور جاہلیت میں ناپید تھے۔ یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ کے گھر میں بھی یہ ناپید تھے۔ لوگ گھروں میں بغیر اجازت کے داخل ہو جاتے تھے۔ جیسا کہ سورہ النور کی آیت استیذان کی تشریح میں تفصیلات گزر گئیں، اور آنحضرت ﷺ کے گھر میں تو ان آداب کا بالکل خیال نہ رکھا جاتا تھا اس لیے کہ

---

(1) ھود:۳۲

(2) الشعراء:۱۶۷

(3) الاحزاب:۵۳

آپ ﷺ کا گھر ایک مقام اجتماع تھا اور وہاں لوگ ہر وقت علم و حکمت کے حصول کے لیے بیٹھے رہتے تھے۔ بعض لوگ آتے اور دیکھتے کہ کچھ پک رہا ہے تو وہ بیٹھ جاتے تا کہ بغیر دعوت کھالیں۔ بعض لوگ کھاپی لینے کے بعد بھی بیٹھے رہتے، چاہے دعوت دی گئی یا خود گھس آئے ہوں۔ پھر باتوں میں لگ جاتے اور نہ سمجھتے کہ اس سے آپ ﷺ کو کس قدر تکلیف ہو رہی ہے۔ اس آیت کریمہ کے بارے میں صحیح بخاری شریف میں ہے:

"تین افراد جب باتیں کر رہے تھے تو اس وقت نبی کریم ﷺ کی دلہن اسی کمرے میں دیوار کی طرف منہ کر کے بیٹھی تھی اور نبی کریم ﷺ اس بات سے حیا کرتے تھے کہ وہ ان لوگوں کو بتا دیں کہ وہ آپ ﷺ کے لیے کس قدر بوجھ ہیں، محض اس لیے کہ وہ شرمندہ نہ ہوں چنانچہ یہ اعلان اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی طرف سے فرمادیا۔"(1)

اللہ تعالیٰ نے کاشانہ نبوت میں داخلے کے آداب کے ساتھ ساتھ بارگاہ خیر الانام میں حاضری و گفتگو کے آداب بھی سکھائے ہیں۔ اہل ایمان کو منع فرمایا کہ وہ اللہ اور رسول کے سامنے پیش قدمی نہ کریں اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ کی آواز پر اپنی آواز اونچی کریں اور چلا کر بارگاہ نبوت میں ہر گز کلام نہ کریں تا کہ نبی رحمت ﷺ کا کلام تمہارے کلام پر غالب رہے اور ان کی فضیلت تم پر عیاں رہے اور تم نے آواز کو بلند کیا تو تمہارے سارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ سورۃ الحجرات میں اس کی تفصیلات موجود ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ○ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ○ إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَى لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ﴾(2)

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول پر سبقت نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ بہت سننے والا اور بے حد جاننے والا ہے۔ اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو اور نہ ان کے سامنے بلند آواز سے بات کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بلند آواز میں بات کرتے ہو ورنہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور تمہیں پتا بھی نہ چلے گا۔ بے شک جو لوگ رسول اللہ کے سامنے اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقوی کے لیے خاص کر لیا ہے۔

---

(1) صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب ہدیۃ العروس، حدیث نمبر ۵۱۶۳، ج۷، ص ۶۳

(2) الحجرات: ۱۔۳

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سامنے دو صورتوں میں بلند آواز سے بات کرنے سے منع کیا ہے۔

ا۔ اپنی آوازوں کو نبی کی آواز سے بلند نہ کرو۔

۲۔ اور ان کے سامنے بلند آواز سے بات نہ کرو۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم نبی سے ہم کلام ہو تو اپنی آواز کو پست رکھو اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی آواز سے اونچی آواز نہ کرو اور دوسری صورت یہ ہے کہ جب نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سامنے بیٹھ کر کوئی خبر سناؤ یا کسی دوسرے سے بات کرو تب بھی آواز بلند نہ ہونے پائے۔ دونوں صورتوں میں اعمال صالح برباد ہونے کی وعید سنائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو اس درجہ بارگاہ رسالت کا ادب سکھایا کہ جہاں بے ادبی کی صورت میں اعمال ضائع ہونگے وہاں مؤدب رہنے والوں کو تقویٰ اور بخشش و مغفرت کی نوید بھی سنائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے ایمان والو! اللہ اور رسول اللہ کے سامنے اپنی مرضی کی تجاویز نہ پیش کرو، نہ اپنے نفوس کے بارے میں نہ اپنے ماحول کی زندگی کے بارے میں اور اللہ اور نبی کا فیصلہ کرنے سے قبل کسی معاملہ پر اپنا فیصلہ صادر نہ کرو اور کسی معاملے میں اللہ اور رسول کا فیصلہ ہو تو اپنی رائے مت دو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ کی تفسیر میں سید قطب شہید لکھتے ہیں:

"قتادہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگ اپنی ان خواہشات اور تجاویز کا اظہار کرتے تھے کہ کیا ہی اچھا ہو کہ فلاں فلاں معاملے میں احکام آجائیں اگر اس طرح ہو جائے تو بہت بہتر ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تجاویز کو ناپسند فرمایا۔ اور اس آیت میں اللہ اور رسول کے سامنے باتیں کرنے سے روک دیا گیا، کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم، اصول دین اور قوانین شریعت کو چھوڑ کر اپنے فیصلے نہ کرو۔ اور یہ مذکور الذکر آداب اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے معاملے میں فکری و نظریاتی آداب ہیں۔"(1)

اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو اور نہ ان کے سامنے بلند آواز سے بات کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بلند آواز میں بات کرتے ہو ورنہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور تمہیں پتا بھی نہ چلے گا۔ یہ بھی رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بارگاہ کا ادب سکھایا جا رہا ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ کی تفسیر میں سید قطب شہید لکھتے ہیں:

"یہ آیت ثابت بن قیس بن الشماس رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو نہایت ہی اونچی آواز میں بات کرتے تھے۔ مگر اس میں "اے ایمان والو" کے محبت آمیز اندازِ گفتگو کے ساتھ اہل ایمان کو جو حکم دیا گیا ہے اس سے وہ کانپ اُٹھے اور آئندہ کے لیے آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بارگاہ میں

(1) فی ظلال القرآن، ج ۶، ص ۳۳

نہایت خاموشی سے سہم کر بیٹھتے کہ کہیں ان کے اعمال ضائع نہ ہو جائیں، اور ان کو خبر ہی نہ ہو۔ حالانکہ شعوری طور پر مومنین بڑے محتاط تھے لیکن خوفزدہ اس بات سے تھے کہ غیر شعوری حالت میں نقصان نہ ہو جائے۔ اس لیے سارے اصحاب بہت محتاط ہو گئے تھے۔"[1]

إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ، بے شک جو لوگ اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں ان کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقوی کے لیے منتخب کیا ہے۔ امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں دو آدمیوں کی آواز سنی، ان کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ امیر المؤمنین آئے اور انہوں نے فرمایا، کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم کہاں ہو؟ اس کے بعد ان سے پوچھا کہ تم کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے جواب دیا ہم طائف سے آئے ہیں۔ یہ سن کر جناب عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تم اہل مدینہ سے ہوتے تو میں تمہاری خبر لیتا۔ گویا علمائے امت نے اس بات کو سمجھا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس بلند آواز سے بات کرنا منع ہے۔ جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں مسجد نبوی میں اونچی آواز سے بات کرنا ممنوع تھی، ہر حال میں ممنوع تھی بوجہ احترام رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔"[2]

یہ امر بھی کسی طرح سے مخفی نہیں ہے کہ ادب و تعظیم کرنا یہ متقی لوگوں کا کام ہے وہ لوگ جو شعائر اللہ کا یا بارگار سالت کا ادب نہیں کرتے ان کے دل تقوی کی دولت سے خالی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ذَلِكَ وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوب﴾[3]

یہ بات بھی بطور ایک قاعدہ کلیہ کے ہو چکی اور مزید سنو کہ جس نے تعظیم و تکریم کی اللہ کے مقررہ کردہ شعائر اور اس کی قائم فرمودہ یادگاروں کی تو یقینا یہ بات دلوں کے تقوی میں سے ہے۔

پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم کی بارگاہ کا ادب خود اہل ایمان کو سکھایا ہے۔ یہاں سکھانے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ مومن لاعلمی میں بے ادبی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معصیت کا اگر مرتکب ہو گئے تو ایمان و عمل سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے احکام کے طور پر امتیوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کے آداب خود ارشاد فرمائے۔ اور یہ آداب اللہ تعالیٰ نے اس لیے سکھائے کہ نبوت و رسالت کے احترام کے بغیر علوم نبوت سے استفادہ ممکن نہیں ہے لہذا جو اللہ تعالیٰ کے بھیجے گئے نبی و رسول کا احترام کرتے ہیں یہ ان کے تقوی کی علامت ہے کیونکہ ان کے دل اللہ تعالیٰ کے احکام کی طرف مائل ہیں۔

---

(1) فی ظلال القرآن: ۳۳۔۳۷

(2) ایضاً، ج۶، ص۳۹

(3) الحج: ۳۲

۱۰۔ ختم نبوت

خَتَمَ کا معنی مہر لگانا، ختم کرنا اور خاتَم سے مراد مہر ہے۔(1) گویا نبی کریم ﷺ انبیاء علیہم السلام پر مہر ہیں اور آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ نبی کریم ﷺ کے امتیازات میں سے ایک اخص الخواص امتیاز آپ ﷺ کا خاتم النبیین ہونا ہے آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ورسول ہیں آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴾(2)

(لوگو!) محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں مگر وہ اللہ کے رسول اور سب نبیوں کے خاتم ہیں اور اللہ ہر چیز کو پوری طرح جانتا ہے۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر ارشاد فرمادیا کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول اور نبیوں میں آخری نبی ہیں۔لہذا یہ نص قطعی سے آپ ﷺ کا خاتم النبیین ہونا ثابت ہو رہا ہے اور جو کوئی آپ ﷺ کے بعد دعوی نبوت کرے وہ کذاب ہے۔امام قرطبی اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''ماكان محمدا أبا لاحد من الرجالكم، ولكنه رسول الله وخاتم النبين،فلا نبوة بعده الى يوم القيامة وكان الله بكل شيءٍ عليماً، لايخفى عليه شيء''(3)

یعنی محمد تم سب میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں مگر وہ اللہ تعالیٰ کے رسول اور نبیوں میں سب سے آخری نبی ہیں۔ پس آپ ﷺ کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں آنے والا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے،اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔

قرآن میں صراحتاً ختم نبوت کی دلیل تو یہی مذکورہ بالا آیت کریمہ ہے جس کے اندر اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر بشارت ذکر ہے مگر اس کے علاوہ دیگر اور آیات بھی ہیں جن سے ختم نبوت پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ سبا میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾(4)

---

(1) المعجم الوسیط، ابراہیم مصطفیٰ، ص ۲۱

(2) الاحزاب: ۴۰

(3) الجامع لاحکام القرآن، ج ۱۴، ص ۱۹۶

(4) سباء: ۲۸

اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو (اے پیغمبر!) مگر سب لوگوں کے لیے خوشخبری دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں (حق اور حقیقت کو)۔

تفسیر مظہری میں اس آیت کریمہ کی تشریح یوں ہے:

"زجاج کے نزدیک "کآفة" کا معنی انذار اور ابلاغ کے لیے جامع ہے۔ اور بعض کے نزدیک یہ "کفّ" کا فاعل ہے جس کا معنی ہے روکنا اور "ھآ" اس میں مبالغہ کے لیے ہے۔ یعنی ہم نے آپ کو اس لیے بھیجا ہے کہ آپ ﷺ سب لوگوں کو کفر و عصیان سے روکیں۔ اور آخرت میں آپ انہیں دوزخ میں گرنے سے روکیں گے۔"[1]

اس مذکورہ بالا آیت کریمہ میں اس امر کی تصریح کی گئی ہے کہ آپ ﷺ ساری دنیا کے آپ رسول ہیں اور جنت کی بشارت دینے اور دوزخ کے عذاب سے تنبیہ کرنے والے ہیں اگر کوئی اور نبی بعد میں آنے والا ہوتا تو آپ ساری دنیا کے لیے رسول اور بشیر و نذیر نہ ہوتے۔ قرآن حکیم کا کاذب ہونا محال ہے لہذا یہ امر بھی لازم آتا ہے کہ کسی اور نبی کا آپ کے بعد آنا محال ہے اسی مفہوم کی ایک اور آیت بھی قرآن مجید میں ذکر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾[2]

(اے رسول ﷺ) آپ کہیے اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

تفسیر احسن البیان میں ہے کہ:

"یہ آیت رسالت محمدیہ کی عالمگیر رسالت کے اثبات میں بالکل واضح ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ کہہ دیجئے کہ اے کائنات کے انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔ یوں آپ ﷺ پوری بنی نوع انسانی کے نجات دہندہ اور رسول ہیں۔ اب نجات اور ہدایت نہ عیسائیت میں ہے نہ یہودیت میں، نہ کسی اور مذہب میں، نجات اور ہدایت اگر ہے تو صرف اسلام کے اپنانے اور اسے ہی اختیار کرنے میں ہے۔"[3]

مزید سورۃ الفرقان میں ارشاد فرمایا:

﴿تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا﴾[4]

---

(1) التفسیر المظہری، ج۸، ص۲۹

(2) الاعراف:۱۵۸

(3) تفسیر احسن البیان، ص۴۶۰

(4) الفرقان:۱

وہ (اللہ) بہت ہی بابرکت ہے جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل فرمایا تاکہ اہل عالم کو ہدایت کرے۔

نذیر کا معنی۔ خبر دار کرنے والا، متنبہ کرنے والا، غفلت اور گمراہی کے بُرے نتائج سے ڈرانے والا۔ اس سے مراد فرقان بھی ہو سکتا ہے اور وہ "بندہ" بھی جس پر فرقان نازل کیا گیا۔ الفاظ ایسے جامع ہیں کہ دونوں ہی مراد ہو سکتے ہیں، اور حقیقت کے اعتبار سے چونکہ دونوں ایک ہی ہیں، اور ایک ہی کام کے لیے بھیجے گئے ہیں، اس لیے کہنا چاہئے کہ دونوں ہی مراد ہیں۔ پھر یہ جو فرمایا کہ سارے جہاں والوں کے لیے نذیر ہو تو اس سے معلوم ہوا ہے کہ قرآن کی دعوت اور آپ ﷺ کی رسالت کسی ایک ملک کے لیے نہیں، پوری دنیا کے لیے ہے۔ اور اپنے ہی زمانے کے لیے نہیں بلکہ آنے والے تمام زمانوں کے لیے ہے۔ ان مذکورہ بالا دونوں آیات سے استدلال کیا جاتا ہے کہ اگر کسی اور نبی نے آنا ہوتا تو یہ رسول مکرم سارے جہانوں کے لیے رسول بنا کر نہ بھیجے جاتے پس ثابت ہوا آپ ﷺ کے بعد کسی اور نبی یا رسول کا آنا ممکن نہیں۔ اسی طرح میثاق انبیاء والی آیت کریمہ بھی آپ ﷺ کے خاتم النبین ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَى ذَلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ﴾(1)

اور یاد کیجئے جب اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے پختہ عہد لیا کہ میں تمہیں جو کتاب و حکمت عطا کروں پھر تمہارے پاس وہ عظیم رسول آجائیں جو ان (کتابوں) کی تصدیق کرے جو تمہارے پاس ہیں تو تم سب ان پر ضرور بہ ضرور ایمان لانا اور تم سب ضرور بہ ضرور ان ی مدد کرنا، فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا اور میرے اس بھاری عہد کو قبول کر لیا انہوں نے کہا ہم نے اقرار کر لیا، فرمایا پس تم سب (ایک دوسرے پر) گواہ ہو جاو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔

اس آیت کریمہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ لوگ جو خود کو اہل کتاب کہتے ہیں، یہ لوگ نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان نہیں لاتے اور پیچھے رہ جاتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ وہ اپنے دین کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے حالانکہ خود ان کے دین کا تقاضا یہ ہے کہ وہ نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان لائیں اور اس کی نصرت اور تائید کے لیے اُٹھیں۔ لیکن یہ لوگ محض تعصب کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے۔ سید قطب شہید لکھتے ہیں:

"یہ دین ان اہل کتاب تک جن رسولوں نے پہنچایا ہے ان سے تو اللہ تعالیٰ نے نہایت ہی پُختہ عہد لیا ہے اور انہوں نے اپنے رب کے ساتھ یہ عہد باندھا ہے اور یہ عہد بر سر عام اور اجلاس میں طے

---

(1) آل عمران:۸۱

پایا کہ وہ نبی آخر الزمان ﷺ کی نصرت کریں گے۔اس لیے جو لوگ آپ ﷺ پر ایمان نہیں لاتے وہ در حقیقت فاسق اور بدکار ہیں۔ وہ عہد شکن ہیں اور وہ اسی کائنات کے نظام کو توڑنے والے ہیں۔"(1)

اس آیت کریمہ سے یہی مفہوم واضح ہوتا ہے کہ جس نبی مکرم کے بارے میں عہد لیا گیا وہ سب کے آخر میں تشریف لائیں تاکہ سابقہ کی تصدیق کریں اور اگر آپ ﷺ کے بعد کسی نبی کے آنے کو ممکن جانا جائے تو اس سے یہ امر لازم آتا ہے کہ وہی آخری رسول بھی ہو اور یہ عہد بھی اسی کے متعلق ہے جو کہ محال ہے اس لیے نبی رحمت ہی اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ورسول ہیں اور عہد بھی انہی کی شان کریمی کا اظہار ہے۔ایسے ہی سورۃ المائدہ کی ایک آیت کریمہ سے بھی نبی کریم ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کا استدلال کیا جاسکتا ہے۔جس میں تکمیل دین کا ذکر ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾(2)

آج میں نے مکمل کر دیا تمہارے لیے تمہارے دین کو، اور پورا کر دیا تم پر اپنے انعام کو، اور پسند کر لیا تمہارے لیے اسلام کو (ہمشہ کے لیے) دین کے طور پر۔

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کی تکمیل کرنا اور اسے بطور دین پسند کر کے اپنے نبی پر نعمتوں کا تمام کرنا اسی صورت میں ممکن ہے جب کسی اور نبی نے نہ آنا ہو جبکہ کسی اور کے آنے کی ایک ہی صورت باقی رہتی ہے کہ جب شریعت کامل نہ ہو اور کمی پوری کرنے کے لیے نبی کا بھیجا جائے۔اسلام کے کامل و اکمل ہونے کی گواہی تو اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمائی ہے کہ میں نے اس دین کو مکمل کر دیا۔اب اس کے بعد کوئی اور دین نہیں آئے گا کیونکہ میں اسی دین سے راضی ہوں۔لہذا جب اسلام کے بعد کوئی اور دین نہیں آئے گا تو نبی بھی اور کوئی نہیں آئے گا۔پس آپ ﷺ نبی آخر الزمان ہیں کوئی نبی اور رسول آپ کے بعد نہیں آئے گا۔

احادیث نبویہ سے بھی کثرت سے ختم نبوت پر وارد روایات ملتی ہیں ۔ امام بخاری نقل کرتے ہیں کہ سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا:

« إِنَّ مَثَلِي وَمَثَلَ الأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي، كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى بَيْتًا فَأَحْسَنَهُ وَأَجْمَلَهُ، إِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِنْ زَاوِيَةٍ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوفُونَ بِهِ، وَيَعْجَبُونَ لَهُ، وَيَقُولُونَ هَلَّا وُضِعَتْ هَذِهِ اللَّبِنَةُ؟

(1) فی ظلال القرآن، ج۱، ص ۴۲۰

(2) المائدہ:۳

قَالَ: فَأَنَا اللَّبِنَةُ وَأَنَا خَاتِمُ النَّبِيِّينَ۔»(1)

میری اور سابقہ انبیاء علھیم السلام کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جس نے ایک حسین و جمیل مکان بنایا مگر کونے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی لوگوں نے جب اس مکان کا جائزہ لیا تو پسند کرتے ہوئے کہا کہ تم نے اس جگہ کو خالی کیوں چھوڑا آپ ﷺ نے فرمایا وہ اینٹ میں ہوں اور میں آخری نبی ہوں۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

« مَثَلِي وَمَثَلُ الْأَنْبِيَاءِ، كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى دَارًا فَأَتَمَّهَا وَأَكْمَلَهَا إِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَدْخُلُونَهَا وَيَتَعَجَّبُونَ مِنْهَا، وَيَقُولُونَ:لَوْلَا مَوْضِعُ اللَّبِنَةِ،قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:«فَأَنَا مَوْضِعُ اللَّبِنَةِ، جِئْتُ فَخَتَمْتُ الْأَنْبِيَاءَ۔»(2)

میری اور سابقہ انبیاء علھیم السلام کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جس نے ایک حسین و جمیل مکان بنایا مگر کونے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی لوگوں نے جب اس مکان کا جائزہ لیا تو پسند کرتے ہوئے کہا کہ تم نے اس جگہ کو خالی کیوں چھوڑا۔ وہ اینٹ کی جگہ میں ہی ہوں جگہ میں ہی ہوں جب میری آمد ہوگئی تو نبوت کا دروازہ بند کر دیا گیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول للہ ﷺ نے قیامت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ سخت ہولناکی کے منظر میں نفسی نفسی پکارتے ہوئے لوگ انبیاء کے پاس جائیں گے مگر کوئی نبی ان کی سفارش کے لیے حامی نہیں بھرے گا پھر اس کے بعد تمام لوگ میرے پاس آکر یوں گویا ہوں گے:

« يَا مُحَمَّدُ أَنْتَ رَسُولُ اللهِ وَخَاتِمُ الأَنْبِيَاءِ، وَقَدْ غَفَرَ اللهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ، اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ أَلاَ تَرَى إِلَى مَا نَحْنُ فِيهِ۔»(3)

اے محمد ﷺ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول اور ختم الانبیاء ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اگلے اور پچھلے تمام گناہوں (اگرچہ نہیں ہیں) کی معافی کی خوشخبری دی ہے اس لیے آپ ﷺ آج اللہ تعالیٰ کے نبی ہماری سفارش فرمائیں۔

اس حدیث پاک میں آپ ﷺ کی رسالت و خاتم النبین ہونے کی گواہی ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم النبین ہیں۔ آپ ﷺ کے خاتم النبین ہونے کے بارے میں امام مسلم ایک اور خوبصورت روایت نقل کرتے ہیں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے چند وجوہ سے انبیاء پر فضیلت دی گئی ہے:

---

(1) صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب خاتم النبین، حدیث نمبر ۳۵۳۵، ج ۴، ص ۱۸۶

(2) صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب ذکر کونہ النبی ﷺ خاتم النبیین، حدیث نمبر ۲۲۸۷، ج ۴، ص ۱۷۹۱

(3) ایضاً، کتاب الایمان، باب ادنی اھل الجنۃ منزلۃ فیھا، حدیث نمبر ۱۹۴، ج ۱، ص ۱۸۴

« أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ، وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُورًا وَمَسْجِدًا، وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً، وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ۔» (1)

یعنی مجھے جوامع الکلم عطاء کئے گئے ہیں، اور رعب سے میری مدد کی گئی ہے، اور میرے لیے غنیمتوں کو حلال کر دیا گیا، اور تمام روئے زمین کو میرے لیے آلہ طہارت اور نماز کی جگہ بنا دیا گیا ہے، اور مجھے تمام مخلوق کی طرف (نبی بنا کر) بھیجا گیا ہے، اور مجھ پر تمام نبیوں کو ختم کیا گیا۔

ختم نبوت کے موضوع پر سیکڑوں احادیث موجود ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں اور آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے جو رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی کو بھی نبی مانے وہ مرتد و بے دین اور واجب القتل ہے۔

۱۱۔ عہد میثاق

نبی کریم ﷺ کے اوصاف میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جملہ انبیاء و مرسلین کی ارواح سے عالم ارواح میں یہ عہد لیا کہ اگر ان کی حیات ظاہری میں آپ ﷺ تشریف لے آئیں تو وہ آپ ﷺ پر ایمان لائیں اور آپ ﷺ کی اتباع و نصرت کریں اور ساتھ ساتھ اپنی امتوں سے بھی یہ عہد لیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَى ذَلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ﴾ (2)

اور (اے رسول ﷺ) یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے ان کا عہد لیا کہ میں تم کو جو کتاب اور حکمت دوں۔ پھر تمہارے پاس آئے وہ عظیم رسول جو اس کی تصدیق کرنے والے ہوں جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور ان پر ایمان لانا اور ضرور بہ ضرور ان کی مدد کرنا۔ فرمایا (اللہ نے) کیا تم نے اقرار کر لیا اور میرا بھاری عہد قبول کر لیا؟ سب نے کہا ہم نے اقرار کیا فرمایا پس تم گواہ ہو جاؤ اور میں خود تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔

جامع البیان میں ہے کہ:

'' لم يبعث الله عز وجل نبيًّا، آدمَ فمن بعدَه ،إلا أخذ عليه العهدَ في محمد: لئن بعث

---

(1) صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلوۃ، باب جعلت لی الارض مسجداً، حدیث نمبر ۵۲۳، ج۱، ص ۳۷۰

(2) آل عمران: ۸۱

وهو حيّ ليؤمنن به ولينصرَنّه ويأمرُه فيأخذ العهدَ على قومه۔ ''[1]

اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھیجا خواہ حضرت آدم ہوں یا ان کے بعد کا نبی ہو۔اس سے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں عہد لیا کہ اگر اس نبی کی زندگی میں آپ مبعوث ہو جائیں تو ضرور بہ ضرور اس نبی پر ایمان لائیں اور ضرور بہ ضرور آپکی مدد کریں اور اپنی امت کو بھی حکم دیں کہ وہ آپ ﷺ پر ایمان لائیں۔

پس جملہ انبیاء نبی کریم ﷺ کی عظمتوں کے نقیب رہے ہیں۔اور وہ آپ ﷺ کی آمد کے تذکرے کرتے رہے ہیں۔اس بارے میں عیسیٰ علیہ السلام کی بشارتیں ذکر کی گئی ہیں۔انبیاء سارے اس لیے آپ ﷺ کی شان و آمد کا ذکر کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے اس بارے میں عہد لیا ہوا تھا۔

۱۲۔احسان الٰہی

اللہ رب العزت کے ساری بنی نوع انسان پر بہت زیادہ احسانات ہیں اگر حساب کرنے کی کوئی جسارت کرے تو گنتی ختم ہو جائے گی مگر حساب مکمل نہ ہو گا جملہ احسانات اللہ تعالیٰ نے کہیں بھی خصوصیات نے ساتھ نہ گنوائے مگر نبی کریم ﷺ کی بعثت مبارکہ کو اللہ تعالیٰ نے بطور احسان عظیم قرآن مجید میں ذکر کیا ہے کہ میں نے اہل ایمان پر بڑا احسان یہ کیا ہے کہ ان میں اپنے رسول کو مبعوث کیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے دیگر نعمتوں کو کہیں بھی احسان کے لفظ سے تعبیر نہیں کیا نہ ہی کسی اور نبی کی بعثت کو بطور احسان ذکر کیا ہے۔مگر آپ ﷺ کی بعثت اقدس کے لیے احسان کا لفظ استعمال کیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ﴾[2]

بیشک اللہ نے بڑا ہی احسان فرمایا ایمان والوں پر، کہ ان میں ایک ایسا عظیم الشان پیغمبر مبعوث فرمایا، جو خود ان ہی میں سے ہے۔جو کہ ان کو پڑھ پڑھ کر سناتا ہے اس کی آیتیں، اور وہ پاک (و صاف) کرتا ہے ان کے باطن کو، اور سکھاتا (پڑھاتا) ہے ان کو کتاب و حکمت (کے علوم و معارف) حالانکہ اس سے قبل یہ لوگ قطعی طور پر (پڑے) تھے کھلی گمراہی میں۔

اللہ تعالیٰ کا بڑا واضح اعلان ہے کہ میں نے یہ اہل ایمان پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان ہی میں سے ایک عظیم الشان رسول جو خود ان ہی میں سے ہے، ان کی طرف مبعوث فرمایا ہے۔امام قرطبی بڑی خوبصورت تشریح کرتے ہوئے اس احسان عظیم کے بارے میں لکھتے ہیں:

---

(1) جامع البیان، ج۵، ص ۵۴۰

(2) اٰل عمران: ۱۶۴

"بے شک اللہ تعالیٰ نے عرب کے مومنین پر بہت بڑا احسان کیا کہ اُنہی میں سے رسول کو بھیجا۔ وہ ان پر قرآن مجید کی آیات پیش کرتے ہیں اور انہیں شرک اور اخلاق فاسدہ سے پاک کرتے ہیں، تاکہ وہ قرآن و سنت کی تعلیم سے مستفیض ہو سکیں۔ آنحضرت ﷺ سے قبل یہ لوگ کھلی اور واضح گمراہی میں مبتلا تھے۔"(1)

مذکورہ بالا عبارت سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کا احسان اس لیے ہیں کہ آپ نے لوگوں کو کفر و شرک کی لعنت سے پاک کر کے انہیں اللہ تعالیٰ کی توحید سے روشناس فرمایا اور اگر اللہ تعالیٰ کا آپ ﷺ کو ان کی طرف مبعوث فرمانے سے قبل یہ لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔ پس رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری ایمان لونے والوں پر اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے۔ امام احمد بن حنبل نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ جس کے اندر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بتایا ہے ہم آپ ﷺ کی بعثت سے قبل گناہوں کی دلدل میں تھے اور آپ ﷺ نے ہمیں اسلام کی تعلیمات سے سرفراز فرمایا، لکھتے ہیں کہ:

« قَالَ لَهُ: أَيُّهَا الْمَلِكُ، كُنَّا قَوْمًا أَهْلَ جَاهِلِيَّةٍ نَعْبُدُ الْأَصْنَامَ، وَنَأْكُلُ الْمَيْتَةَ وَنَأْتِي الْفَوَاحِشَ،وَنَقْطَعُ الْأَرْحَامَ،وَنُسِيءُ الْجِوَارَ يَأْكُلُ الْقَوِيُّ مِنَّا الضَّعِيفَ، فَكُنَّا عَلَى ذَلِكَ حَتَّى بَعَثَ اللَّهُ إِلَيْنَا رَسُولًا مِنَّا نَعْرِفُ نَسَبَهُ، وَصِدْقَهُ، وَأَمَانَتَهُ، وَعَفَافَهُ، فَدَعَانَا إِلَى اللَّهِ لِنُوَحِّدَهُ، وَنَعْبُدَهُ، وَنَخْلَعَ مَا كُنَّا نَعْبُدُ نَحْنُ وَآبَاؤُنَا مِنْ دُونِهِ مِنَ الْحِجَارَةِ وَالْأَوْثَانِ، وَأَمَرَنَا بِصِدْقِ الْحَدِيثِ، وَأَدَاءِ الْأَمَانَةِ، وَصِلَةِ الرَّحِمِ، وَحُسْنِ الْجِوَارِ، وَالْكَفِّ عَنِ الْمَحَارِمِ، وَالدِّمَاءِ،وَنَهَانَا عَنِ الْفَوَاحِشِ،وَقَوْلِ الزُّورِ، وَأَكْلِ مَالَ الْيَتِيمِ، وَقَذْفِ الْمُحْصَنَةِ، وَأَمَرَنَا أَنْ نَعْبُدَ اللَّهَ وَحْدَهُ لَا نُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَأَمَرَنَا بِالصَّلَاةِ، وَالزَّكَاةِ، وَالصِّيَامِ»(2)

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے نجاشی سے کہا: اے امیر ہم لوگ جاہل تھے، بتوں کی پوجا کرتے تھے، مردار کھاتے تھے، بے حیائی کے کام کرتے تھے، رشتہ توڑتے تھے، ہمسایوں سے بدسلوکی کرتے تھے، ہم میں سے قویٰ شخص ضعیف کا حق کھا جاتا تھا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ایک عظیم رسول بھیجا جن کے نسب کو، ان کے صدق کو، ان کی امانت داری کو اور ان کی پاک دامنی کو ہم سب اچھی طرح جانتے تھے انہوں نے ہم سب کو دعوت دی کہ ہم اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کریں اور ہم اور ہمارے آباو اجداد جن پتھروں اور بتوں کی عبادت کرتے تھے اس کو ترک کر دیں، انہوں نے ہم کو تعلیم دی کہ ہم سچ بولیں، امانت ادا کریں، رشتے جوڑیں، ہمسایوں سے اچھا سلوک

(1) الجامع لاحکام القرآن، ج۱۴، ص۱۹۶

(2) مسند الامام احمد بن حنبل، امام حنبل، ابو عبد اللہ احمد بن محمد، مسند اہل بیت، حدیث جعفر بن ابی طالب، حدیث نمبر ۱۷۴۰، بیروت: مؤسسہ الرسالہ، ۱۴۲۱ھ، ج۳، ص۲۶۳

کریں، حرام کاموں اور خون ریزی کو چھوڑ دیں۔ انہوں نے ہمیں بے حیائی کے کاموں، جھوٹ بولنے، یتیم کا مال کھانے اور پاکدامنی عورت پر تہمت لگانے سے منع کیا ہے انہوں نے ہمیں کلمہ دیا کہ ہم صرف اللہ تعالیٰ عبادت کریں، نماز پڑھیں، زکوۃ ادا کریں اور روزے رکھیں۔

نبی کریم ﷺ کی یہی انقلاب افروز تعلیم اور انسانیت کو گمراہی سے نکال کر صراط مستقیم کی طرف لانا اور وہ لوگ جو جہنم کے دہانے پر تھے ان کو جنت کا راہی بنانا اسی عظیم منصب کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے تم پر بڑا احسان کیا ہے۔ سورۃ الحجرات میں اللہ تعالیٰ میں بھی اللہ تعالیٰ نے نبی رحمت ﷺ کے لائے ہوئے دین کو احسان قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا قُلْ لَا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُمْ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾(1)

یہ لوگ آپ ﷺ پر احسان رکھتے ہیں کہ وہ مسلمان ہو گئے آپ ﷺ فرما دیجئے کہ اپنے اسلام لانے کا احسان مجھ پر نہ رکھو بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تم کو ایمان کا راستہ بتادیا اگر تم سچے ہو۔

پس بعثت پیغمبر ﷺ اور دین اسلام کا اہل ایمان کو عطا کیا جانا، یہی سب سے بڑا اللہ تعالیٰ کا مومنوں پر احسان ہے۔ ہم عبادت و اطاعت کر کے اللہ تعالیٰ پر احسان نہیں کرتے بلکہ وہ ہمیں اطاعت و بندگی کی توفیق عطا کر کے ہم پر احسان فرماتا ہے۔ امام مسلم نے ایک روایت نقل کی ہے لکھتے ہیں۔ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ اپنے حجرہ اقدس سے باہر تشریف لائے تو صحابہ اکرام کو بیٹھے ہوئے دیکھ کر فرمایا۔

« مَا أَجْلَسَكُمْ؟ قَالُوا: جَلَسْنَا نَذْكُرُ اللهَ، قَالَ آللَّهِ مَا أَجْلَسَكُمْ إِلَّا ذَاكَ؟ قَالُوا: وَاللهِ مَا أَجْلَسَنَا إِلَّا ذَاكَ، قَالَ: أَمَا إِنِّي لَمْ أَسْتَحْلِفْكُمْ تُهْمَةً لَكُمْ، وَمَا كَانَ أَحَدٌ بِمَنْزِلَتِي مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقَلَّ عَنْهُ حَدِيثًا مِنِّي، وَإِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ عَلَى حَلْقَةٍ مِنْ أَصْحَابِهِ، فَقَالَ: «مَا أَجْلَسَكُمْ؟» قَالُوا: جَلَسْنَا نَذْكُرُ اللهَ وَنَحْمَدُهُ عَلَى مَا هَدَانَا لِلْإِسْلَامِ، وَمَنَّ بِهِ عَلَيْنَا، قَالَ: «آللَّهِ مَا أَجْلَسَكُمْ إِلَّا ذَاكَ؟» قَالُوا: وَاللهِ مَا أَجْلَسَنَا إِلَّا ذَاكَ، قَالَ:«أَمَا إِنِّي لَمْ أَسْتَحْلِفْكُمْ تُهْمَةً لَكُمْ، وَلَكِنَّهُ أَتَانِي جِبْرِيلُ فَأَخْبَرَنِي، أَنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ يُبَاهِي بِكُمُ الْمَلَائِكَةَ»(2)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مسجد میں ایک حلقہ کے پاس سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا،

---

(1) الحجرات:۱۷

(2) صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعا، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن، حدیث نمبر ۲۷۰۱، ج۴، ص ۲۰۷۵

انہوں نے اہل حلقہ سے پوچھا تم یہاں کس چیز کے لیے بیٹھے ہو؟ انہوں نے جواب دیا ہم اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے لیے بیٹھے ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا بخدا تم اللہ کا ذکر کرنے کے لیے بیٹھے ہو؟ انہوں نے کہا بخدا ہم صرف اسی لیے بیٹھے ہیں۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے میں نے تم سے کسی بدگمانی کی وجہ سے قسم نہیں لی اور میں تم سب میں سے سب سے کم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث بیان کرتا ہوں۔ بے شک (ایک مرتبہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر اپنے صحابہ کرام کے ایک حلقہ پر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا تمہیں یہاں کس چیز نے بیٹھایا ہے؟ صحابہ اکرام نے عرض کیا: آج ہم بیٹھ کر اس رب کی حمد و ذکر کر رہے جس نے ہمیں اپنے دین کی طرف ہدایت دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں ہم پر احسان فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخدا تم صرف اسی لیے بیٹھے ہو؟ انہوں نے عرض کیا بخدا ہم صرف اسی لیے بیٹھے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے کسی بدگمانی کی وجہ سے تم سے قسم نہیں لی۔ بے شک میرے پاس جبریل آئے اور مجھے بتایا کہ تمہارے اس عمل پر اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں میں فخر فرمارہا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقت میں احسان آپ کے صحابہ نے جانا ہے اور صحیح معنوں میں اس کا حق بھی ادا کیا ہے صحابہ قبول اسلام کے بعد ہر شے کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا احسان سمجھتے تھے یہی وجہ تھی کہ جب بھی کوئی شے ان کو نبی کریم علیہ السلام کی طرف سے بطور تالیف قلب عطا کی جاتی تو وہ پکار اٹھتے: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمَنُّ یعنی اللہ اور اس کا رسول احسان فرمانے والے ہیں۔ جیسا کہ غزوہ حنین کے بارے میں امام بخاری نے ایک روایت نقل کی ہے:

« عن زَيْدِ بْنِ عَاصِمٍ، قَالَ: لَمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ حُنَيْنٍ، قَسَمَ فِي النَّاسِ فِي المؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ، وَلَمْ يُعْطِ الأَنْصَارَ شَيْئًا، فَكَأَنَّهُمْ وَجَدُوا إِذْ لَمْ يُصِبْهُمْ مَا أَصَابَ النَّاسَ، فَخَطَبَهُمْ فَقَالَ: يَا مَعْشَرَ الأَنْصَارِ، أَلَمْ أَجِدْكُمْ ضُلَّالًا فَهَدَاكُمُ اللَّهُ بِي، وَكُنْتُمْ مُتَفَرِّقِينَ فَأَلَّفَكُمُ اللَّهُ بِي، وَعَالَةً فَأَغْنَاكُمُ اللَّهُ بِي، كُلَّمَا قَالَ شَيْئًا قَالُوا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمَنُّ، قَالَ: «مَا يَمْنَعُكُمْ أَنْ تُجِيبُوا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ». قَالَ: كُلَّمَا قَالَ شَيْئًا، قَالُوا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمَنُّ- »(1)

زید بن عاصم کہتے ہیں کہ غزوہ حنین کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مال غنیمت عطا فرمایا تھا اس کی تقسیم کمزور ایمان کے لوگوں میں (جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے تھے) تقسیم فرمادی اور انصار کو اس میں سے کچھ نہیں دیا۔ اس کا انصار کو ملال ہوا کہ وہ مال اللہ کے رسول نے دوسروں کو دیا انہیں کیوں نہ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد انہیں خطاب کیا اور فرمایا، اے گروہ انصار کیا میں نے تمہیں گمراہ نہیں پایا تھا اور پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں میرے

---

(1) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الطائف، حدیث نمبر ۴۳۳۰، ج۵، ص۱۷۵

ذریعے ہدایت عطا فرمائی اور تم میں آپس میں دشمنی اور نا اتفاقی تھی تو اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے تم میں باہم الفت پیدا فرمادی اور تم محتاج تھے تو اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے تمہیں غنی کر دیا۔ آپ ﷺ کے ایک ایک جملے پر انصار کہتے جاتے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول کے ہم سب سے زیادہ احسان مند ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری باتوں کا جواب دینے سے تمہیں کیا چیز مانع رہی ؟ آپ ﷺ کے ہر اشارے پر انصار عرض کرتے جاتے کہ اللہ اور اس کے رسول کے ہم سب سے زیادہ احسان مند ہیں۔

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ نے جو آنحضرت ﷺ کی صورت میں جو سامانِ ہدایت عطا فرمایا وہ اللہ کا سب سے بڑا احسان ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوقات اپنے لیے پیدا فرمائیں ہیں اور ان سب کو ہدایت آپ ﷺ کے ذریعے عطا فرمائی ہے اور جو ذریعہ ہدایت بنا وہی اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا احسان بھی ہے۔

۱۳۔ خلق عظیم

احادیث مبارکہ میں کثرت سے اقوال نبی کریم علیہ السلام کے حسن اخلاق کے متعلق وارد ہیں اسی طرح کتب سیر بھی بھری پڑی ہیں آپ ﷺ کے خلق عظیم سے۔ جنہوں نے آپ ﷺ کو دیکھا پھر وہ معترف ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ خلق عظیم کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ مکہ کے مشرک بھی صادق الامین کہہ کر پکارتے تھے ساری تعریفات و توصیفات ایک طرف مگر جو رب محمد نے اپنے محبوب مکرم کی تعریف کرتے ہوئے آپ کے اخلاق حسنہ کو عظیم کہا ہے وہ حقیقی عظمت کی علامت ہے۔ جملہ انبیاء علیہم السلام اعلیٰ اوصاف اور عمدہ اخلاق کے حامل تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے کسی اور بنی کی اس طرح تعریف نہ کی جس طرح اپنے محبوب کے بارے میں فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾[1]

اور بلاشبہ آپ اخلاق کے بہت بڑے مرتبے پر ہیں۔

امام ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ:

> ”اس آیت کریمہ میں غور کرنے کی ضرورت ہے کہ دیکھو کہیں دیوانوں اور مجنونوں کے اخلاق و اعمال ایسے ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ کے خلق عظیم کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خلق عظیم سے مراد دین عظیم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس دین سے زیادہ کوئی محبوب دین نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ ﷺ کا خلق خود قرآن کریم ہے۔ یعنی قرآن مجید جن اعلیٰ اعمال و اخلاق کی تعلیم دیتا ہے آپ ﷺ ان سب کا عملی نمونہ ہیں۔ حضرت حسن

---

(1) القلم:۴

فرماتے ہیں کہ خلق عظیم سے مراد آداب القرآن ہیں یعنی وہ آداب جو قرآن حکیم نے سکھائے ہیں۔"[1]

حاصل ان سب کا ایک ہی ہے کہ رسول کریم ﷺ کے وجود باجود میں حق تعالیٰ نے تمام ہی اخلاق فاضلہ بدرجہ کمال جمع فرمادیئے ہیں۔ نبی کریم علیہ السلام کی ذات اقدس میں جمیع عمدہ اخلاق پائے جاتے تھے۔ نیز آپ ﷺ کے اخلاق جامع تھے جیسا کہ امام مالک فرماتے ہیں۔ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا:

« بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ حُسْنَ الْأَخْلَاقِ۔»[2]

بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے بہترین اخلاق مکمل کرنے کے لیے مبعوث فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایک اور مقام پر آپ ﷺ کے اخلاق رفیعہ کا ذکر یوں فرمایا ہے:

﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴾[3]

سو اللہ کی رحمت کی بناپر، آپ نرم خو ہوگئے ان کے لیے (اے پیغمبر!) ورنہ اگر کہیں آپ تند خو اور سنگ دل ہوتے، تو یہ کبھی کے آپ کے آس پاس سے چھٹ گئے ہوتے سو آپ درگزر کرو ان (کی کوتاہیوں) سے، اور بخشش مانگو ان کے لیے (اپنے رب سے) اور شریک مشورہ رکھو ان کو ایسے (اہم اور اجتماعی) کاموں میں، پھر جب آپ (کسی معاملے میں) پختہ ارادہ کرلو تو اللہ پر بھروسہ کر (کے اس میں لگ) جاؤ، بیشک اللہ محبت رکھتا (اور پسند فرماتا) ہے ایسے بھروسہ کرنے والوں کو۔

صاحب روح البیان خلق عظیم کے بارے میں لکھتے ہیں:

''الذي هو عليه السلام عليه جامع المكارم الأخلاق أجتمع فيه شكر نوح وخلة ابراهيم واخلاص موسى وصدق وعد اسمعيل وصبر يعقوب وأيوب واعتذار داود وتواضع سليمان وعيسى وغيرها من اخلاق سائر الأنبياء عليهم السلام كما قال تعالى فبهداهم اقتده۔قول

---

(1) تفسیر القرآن العظیم، ج۸، ص۲۰۷

(2) موطاامام مالک، مالک بن انس بن مالک، بیروت: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۰۶ھ، کتاب حسن الخلق، حدیث نمبر ۸، ج۲، ص۹۰۵

(3) آل عمران: ۱۵۹

عائشة لما سئلت عن خلقه علیه السلام فقالت کان خلقه القرآن۔‘‘[1]

وہ ذات اقدس ﷺ جامع اخلاق ہے۔ آپ ﷺ کی ذات کو شکر نوح، خلتِ ابراہیمی، اخلاص موسیٰ، حضرت اسمائیل کا سچ، حضرت یعقوب و ایوب کا صبر، حضرت داود کا عذر اور حضرت سلمان و عیسیٰ علیہم السلام کی تواضع اور سارے انبیاء کے اخلاق عطا فرمائے گئے ہیں۔ اسی لیے ارشاد فرمایا: ’’فبهداهم اقتده‘‘ یعنی آپ ان سب کی رہ چلیں یعنی تمام انبیاء علیہم السلام کی صفات کے جامع ہو جائیں۔ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے سوال کیا کہ نبی کریم ﷺ کے اخلاق کیسے تھے؟ آپ نے جواب دیا: ’’کان خلقه القران‘‘ یعنی تمام قرآن آپ کا اخلاق ہے۔

غرض کہ بہت سارے اقوال خلق عظیم کے بارے میں موجود ہیں سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا وصف رسول کا ذکر کرنا ہے۔ مذکور الذکر بحث سے یہ پتا چلا کہ آنحضرت ﷺ اعلیٰ اخلاق کے عظیم منصب پر فائز تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو پیدا فرمایا اور ایسے عمدہ اوصاف عطا فرمائے کہ پھر خود ہی ان کی تعریف بھی فرمائی۔ آپ ﷺ کی ذات اقدس میں وہ جملہ صفات پائی جاتی ہیں جو کہ انفرادی طور پر انبیاء علیہم السلام کا خاصہ تھیں۔ اس اعتبار سے آپ ﷺ کو جامع الصفات بھی کہا جاتا ہے، اور یہ آپ ﷺ کا امتیازی وصف بنتا ہے۔

۱۴۔ امم ماضیہ میں ذکر رسول ﷺ

اللہ تعالیٰ نے سابقہ امتوں میں اپنے محبوب کے ذکر کو جاری رکھا اسکی ایک جہت تو میثاق انبیاء سے عیاں ہے کہ انبیاءؑ کے فرائض منصبی میں یہ بات شامل تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کا ذکر خیر ضرور اپنی امتوں سے کریں جیسا کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

﴿ وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُبِينٌ ﴾[2]

اور (وہ بھی یاد کرو کہ) جب عیسیٰ بیٹے مریم نے کہا اے بنی اسرائیل میں یقینا تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں اس حال میں کہ تصدیق کرنے والا ہوں اس تورات کی جو کہ آچکی ہے مجھ سے پہلے (موسیٰ پر) اور اس حال میں کہ میں خوشخبری سنانے والا ہوں ایک ایسے عظیم الشان رسول کی جو تشریف لانے والے ہیں میرے بعد جن کا اسم گرامی احمد ہو گا مگر جب وہ آگئے ان کے پاس کھلے اور روشن دلائل کے ساتھ تو ان لوگوں نے کہا کہ یہ تو ایک جادو ہے کھلم کھلا۔

---

(1) روح البیان، ج ۱۰، ص ۱۰۷

(2) الصف: ٦

امام ابن کثیر لکھتے ہیں:

"اس مقام پر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا خطبہ بیان کیا جارہا ہے جو انہوں نے بنی اسرائیل کو دیا تھا۔ ارشاد فرمایا کہ پہلے تورات میں یہ خوشخبری سنائی گئی تھی اور اب میں تمہیں اپنے بعد آنے والے ایک ایسے نبی کی پیشن گوئی دیتا ہوں جو نبی امی ہوں گے جن کا نام نامی اسم گرامی احمد ہو گا۔ حضرت عیسیٰ ' بنی اسرائیل کے انبیاء پر کاتم ہیں جبکہ حضرت محمد ﷺ کل انبیاء و مرسلین کے خاتم ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا نہ ہی رسول۔ نبوت و رسالت آپ ﷺ پر من کل الوجوہ ختم ہو گئی۔"(1)

اسی طرح انبیاء علیہم السلام کو ملنے والی کتب سماویہ و صحائف میں بھی رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ موجود ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اشاد فرمایا کہ اہل کتاب توراۃ و انجیل میں نبی امی ﷺ کی خصوصیات و امتیازات کو لکھا ہوا پاتے ہیں اور اس رسول کی شان یہ ہے کہ وہ ان کو نیکی کا حکم دے گا اور برائی سے روکے گا۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾(2)

وہ جو پیروی کریں گے اس رسول کی جو نبی امی (ہونے کی شان رکھتے) ہیں، جن کو یہ لوگ لکھا ہوا پاتے ہیں اپنے یہاں تورات اور انجیل میں (ان کی خصوصیات و امتیازات کے ساتھ)، جو ان کو حکم دے گا نیکی کا، اور روکے گا ان کو برائی سے، اور حلال بتلائے گا وہ ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو، اور حرام بتلائے گا ان پر ناپاک چیزوں کو، اور وہ اتار دے گا ان (کی گردنوں) سے ان کے وہ بوجھ جو (لدے ہوئے) تھے ان پر، اور (وہ دور کر دے گا ان سے) وہ طوق (جن میں جکڑے ہوئے تھے) یہ لوگ اس سے پہلے، پس لوگ جو (صدق دل سے) ایمان لائیں گے اس (نبیء امی) پر اور وہ تعظیم و مدد کریں گے اس کی، اور پیروی کریں گے ان نور (مبین) کی جو اتارا گیا ہو گا ان کے ساتھ، تو ایسے ہی لوگ ہوں گے فلاح پانے والے۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا ہے کہ نبی آخر الزمان ﷺ کے بارے میں بنی اسرائیل کو پہلے ہی اطلاع دے

---

(1) تفسیر القرآن العظیم، ج۸، ص۱۰۹

(2) الاعراف:۱۵۷

دی گئی تھی۔ اور یہ اطلاع ان کے بڑے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی دی گئی تھی اور بنی آخر الزمان ﷺ کے عملاً آنے سے بہت ہی پہلے یہ اطلاع کر دی گئی تھی۔ یہ یقینی خبر تھی کہ آپ ﷺ مبعوث ہوں گے، آپ ﷺ کی یہ صفات ہوں گی، وہ نبی امی ہوں گے، وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سر انجام دیں گے، وہ تمام پاک چیزوں کو حلال اور ناپاک چیزوں کو حرام کریں گے اور بنی اسرائیل پر ان کی معصیتوں کی وجہ سے جو بوجھ ڈال دیئے گئے تھے ان کو اتار دیں گے اور جن پابندیوں میں انہوں نے اپنے آپ کو جکڑ لیا تھا وہ بھی کھول دیں گے بشرطیکہ وہ اس نبی ﷺ پر ایمان لے آئیں۔ اسی طرح سابقہ امتیں نبی کریم ﷺ کے بارے میں مکمل علم رکھتی تھیں ان کو سب معلوم تھا کہ آپ ﷺ کب مبعوث ہونگے اور کہاں آپکی بعثت ہو گی اور کس مقام کی طرف ہجرت کریں گے قرآن تو یہاں تک کہتا ہے کہ وہ اپنی اولادوں سے زیادہ نبی کریم ﷺ کا جانتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴾(1)

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی، وہ اس (پیغمبر) کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، اور ان میں ایک گروہ ایسے لوگوں کا بھی ہے جو کہ (طرح طرح سے) چھپاتا ہے حق کو، حالانکہ وہ (اچھی اور) پوری طرح جان رہے ہوتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کو اہل کتاب اتنا جانتے ہیں کہ جتنا وہ اپنے بیٹوں کے بارے میں جانتے ہیں اس کی وضاحت کرتے ہوئے امام قرطبی اس آیت کریمہ کے تحت لکھتے ہیں کہ:

"وہ لوگ جنہیں ہم نے تورات وانجیل عطا کیں ہیں، یہودیوں کے رہبر اور عیسائیوں کے علماء، وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں جن کا ذکر ہماری کتب سماویہ میں موجود ہے۔ اور یہ بات وہ اس سچائی کے ساتھ جانتے ہیں کہ جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہنچانتے ہیں۔ ان میں کچھ ایسے ظالم بھی ہیں جو آپ ﷺ کے سارے اوصاف کو جانتے ہوئے بھی حق کو چھپانے کو کوشش کر رہے ہیں۔"(2)

مذکورہ بالا بحث سے پتا چلا کہ آنحضرت ﷺ کے قصائد گاتے ہوئے سابقہ امتیں بھی رطب اللسان رہیں۔ انبیاء علیہم السلام نے آپ ﷺ کی آمد اور شان رفیعہ کا ذکر کیا۔ اسی تناظر میں آپ ﷺ کو دعائے خلیل و نوید مسیحا بھی کہا جاتا ہے۔ گویا انبیاء علیہم السلام آپ ﷺ کی شان و عظمت کے نقیب رہے۔ انبیاء سابقہ اپنی امتوں

---

(1) البقرۃ:۱۴۶

(2) الجامع لاحکام القرآن، ج۲، ص۱۶۲

میں آپ ﷺ کا ذکر خیر کرتے رہے اور ان کو آگاہ کرتے رہے کہ اگر یہ نبی تمہارے ہوتے ہوئے تشریف لے آئے تو تم ضرور ان پر ایمان لے آنا اور ان کی تائید کرنا۔ گویا یہ وصف بھی آنحضرت ﷺ کی ذات میں امتیازی ہے جو کسی اور کو عطا نہیں کیا گیا۔

۱۵۔ نبی کریم ﷺ کے دفاع میں اللہ تعالیٰ کا جواب دینا

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم کو یہ شان بھی عطا فرمائی کہ جب کفار آپ کو جھوٹا کہتے، ساحر و مجنون کہتے تو اللہ تعالیٰ خود کفار کی سرزنش و نفی فرماتا۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ سے قبل انبیاء پر بھی لوگوں نے افتراء باندھا تو انہوں نے خود جواب دیا۔ جیسا ہود علیہ السلام کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ○ قَالَ يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَلَكِنِّي رَسُولٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾(1)

آپ کی قوم کے کافر سردار کہنے لگے (اے ہود) ہم تو خیال کرتے ہیں کہ تم نرے نادان ہو اور ہم گمان کرتے ہیں کہ تم جھوٹوں میں سے۔ ہود نے کہا اے میری قوم میں نادان نہیں ہوں بلکہ میں تو رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں۔

اسی طرح نوح علیہ السلام کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ○ قَالَ يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي ضَلَالَةٌ وَلَكِنِّي رَسُولٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾(2)

ان کی قوم کے سرداروں نے کہا (اے نوح) ہم تمہیں کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں آپ نے کہا اے میری قوم مجھ میں ذرا بھی گمراہی نہیں بلکہ میں تو رسول ہوں سارے جہانوں کے رب کی طرف سے۔

مگر رسول اللہ ﷺ کو جب کفار نے ساحر و مجنون کہا تو آپ نے خود جواب نہ دیا۔ اگر جواب دیتے تو غلط بھی نہ ہوتا مگر جب اللہ تعالیٰ نے جواب دیا تو آپ ﷺ کی زیادہ عزت افزائی ہوئی۔ جیسا کہ سورۃ التکویر میں مجنون کہنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کا دفاع کرتے ہوئے جواب دیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ ○ وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ ○ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ○

---

(1) الاعراف: ۶۶، ۶۷

(2) ایضاً، ۶۰، ۶۱

﴿وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَجِيمٍ ۝ فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ﴾(1)

اور تمہارا یہ ساتھی کوئی مجنون تو نہیں ہے بے شک اس نے قاصد کو روشن کنارے پر سے دیکھا ہے اور یہ نبی اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی خبروں کو بتانے میں بخیل نہیں ہے۔ اور نہ ہی یہ (قرآن) کلام ہو سکتا ہے کسی شیطان مردود کا۔ پھر تم کدھر جا رہے ہو یہ قرآن تو سارے جہانوں والوں کے لیے نصیحت ہے۔

رفیق یا صاحب سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں، آپ ﷺ کو مکہ والوں کا رفیق اس لیے کہا گیا ہے کہ انہیں ایک بات کا احساس ہو جائے کہ آپ ﷺ ان کے لیے کوئی اجنبی یا غیر نہیں ہیں بلکہ انہی کے ہم قوم اور ہم قبیلہ ہیں۔ اپنے درمیان ایسے شخص کو کہ جس کو سارے جانتے ہیں مجنون کہتے ہوئے انہیں شرم آنی چاہیے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے دفاع میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ یہ رسول تم سے کوئی بات چھپا کر نہیں رکھتے بلکہ غیب کے جو حقائق بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر کھولے گئے ہیں، خواہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے بارے میں ہوں، یا فرشتوں کے بارے میں، یا زندگی بعدِ موت اور قیامت اور آخرت اور جنت اور دوزخ کے بارے میں، سب کچھ تمہارے سامنے من وعن بیان کر دیتے ہیں۔ اور تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ کوئی شیطان آکر آپ ﷺ کے کان میں یہ باتیں پھونک دیتا ہے۔ شیطان آخر یہ کام کب کر سکتا ہے کہ انسان کو شرک اور بت پرستی اور دہریت والحاد سے ہٹا کر خدا پرستی اور توحید کی تعلیم دے۔ جیسا کہ سورۃ الحاقۃ میں دفاع رسول اللہ ﷺ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَلَا أُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُونَ ۝ وَمَا لَا تُبْصِرُونَ ۝ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَا تُؤْمِنُونَ ۝ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ ۝ تَنْزِيلٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾(2)

پس میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جنہیں تم دیکھتے ہو اور جنہیں نہیں دیکھتے۔ بے شک یہ قول عزت والے رسول کا ہے۔ اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں کم ہی ایمان لاتے ہو تم لوگ اور نہ ہی یہ کسی کاہن کا قول ہے تم لوگ بہت کم توجہ کرتے ہو بلکہ یہ رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے۔

ان مذکور الذکر آیات میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس الزام کی تردید قسمیہ انداز میں فرمائی ہے کہ آنحضرت ﷺ پر جو کلام اترا ہے وہ کسی شاعر کا نہیں نہ ہی کسی جادوگر کا سحر آلود کلام ہے بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ کلام ہے جو اس نے اپنے رسول کریم ﷺ پر نازل فرمایا ہے۔ یہ مشرکین کی اسلام دشمنی کا منہ بولتا

---

(1) التکویر: ۲۲-۲۷

(2) الحاقۃ: ۳۸-۴۳

ثبوت ہے کہ وہ آپ ﷺ کو صادق الامین کہنے کے باوجود تعلیمات اسلامیہ کو قبول کرنے سے اعراض کرتے تھے۔ کبھی کلام الٰہی کو معاذاللہ شیطان کا قول، کبھی ساحرانہ کلام اور کبھی شاعری کہتے، اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی اس جہالت کا رد کرتے ہوئے دفاع پیغمبر ﷺ میں خود جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تمہاری عدم توجہی کا نتیجہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کلام ذیشان کو سمجھنے سے قاصر ہو۔ اسی طرح سورۃ الطور میں بھی اللہ تعالیٰ نے نبی کریم علیہ السلام کے معاذاللہ جادوگر اور مجنون ہونے کی نفی کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَذَكِّرْ فَمَا أَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَلَا مَجْنُونٍ﴾(1)

پس آپ سمجھاتے رہیے آپ اپنے رب کی مہربانی سے نہ کاہن ہیں اور نہ مجنون۔

سورۃ یٰسین میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُبِينٌ ﴾(2)

اور ہم نے پیغمبر کو نہ تو شاعری سکھائی اور نہ ہی یہ آپ کی شان کے لائق تھی یہ (کلام جو آپ سنا رہے ہیں) اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ ایک عظیم الشان نصیحت (و یاد دہانی) اور کھول کر بیان کرنے والا قرآن ہے (حق اور حقیقت کو)۔

سورۃ القلم میں بھی مجنون ہونے کی نفی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ o مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ o وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ﴾(3)

نٓ قسم ہے قلم کی اور اس کی جو اس سے وہ لکھتے ہیں آپ (اے پیغمبر!) اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں اور بلاشبہ آپ کے لیے ایسا عظیم الشان اجر ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں۔

امام طبری ان آیات کے ضمن میں لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے قلم جس سے مختلف انواع کے علوم عرش پر تحریر کئے ہیں اس کے ذریعے قسم اٹھا کر آنحضرت ﷺ کے جنون کی نفی فرمائی ہے۔ وہ جنون جس کی نسبت دشمنان دین نے آپ ﷺ کی طرف کی تھی، پھر قسم اٹھا کر اس جنون کی نفی کرنا یہ اللہ تعالیٰ کا آپ ﷺ پر انعام و احسان ہے۔"(4)

---

(1) الطور:۲۹

(2) یٰسین:۶۹

(3) القلم:۳،۲،۱

(4) جامع البیان فی تاویل القرآن، ج۱۰، ص۴۶۷

اس بحث سے یہ بات وضح ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ایک امتیازی وصف یہ بھی ہے کہ جب مشرکین نے آپ ﷺ پر افتراء باندھا اور بُرا بھلا کہا تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے دفاع میں مشرکین کو خود جواب دیا۔ اور ان مشرکین کے رد میں ان کو عذاب و عتاب کی وعیدیں بھی سنائیں۔

۱۶۔ اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ پر درود بھیجتا ہے

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ پر جو انعامات و اکرامات کئے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے آپ ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ اہل ایمان کو بھی درود پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾(1)

بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے سب فرشتے اس نبی پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم (بھی) ان پر صلوٰۃ بھیجو اور خوب صلوٰۃ بھیجو۔

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے بلند درجہ، رفعت ذکر اور اپنے ہاں شان و منزلت کا ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی کریم ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ملاء اعلیٰ اور مقربین فرشتوں کے سامنے اپنے حبیب مکرم ﷺ سے اظہار محبت کرتے ہوئے ان کی تعریف کرتا ہے اور ان پر اپنی رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ تم میرے نبی ﷺ پر درود بھیجو۔ فرشتوں اور باری تعالیٰ کی اقتداء میں اہل ایمان پر بھی رسول اللہ ﷺ کا یہ حق ہے کہ وہ بھی تکمیل ایمان، تعظیم و تکریم رسول اور محبت رسول میں آپ ﷺ پر درود بھیجیں۔ اس سے مومنوں کی نیکیاں زیادہ ہوں گی، گناہ کم ہوں گے اور درجات بلند ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا نبی ﷺ پر درود بھیجنے سے مراد اپنی رحمتوں کا تسلسل سے نازل کرنا ہے اور تاریکیوں سے نور کی طرف لے کر آنا ہے اور فرشتوں کا دعائے رحمت کرنا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا﴾(2)

اللہ تعالیٰ وہ ہے جو رحمت نازل کرتا ہے آپ پر اور اس کے فرشتے بھی (نزول رحمت کی دعا کرتے ہیں) تاکہ وہ نکال کرلے جائے تمہیں اندھیروں سے نور کی طرف۔

امام ابن کثیر صلوٰۃ کو معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

(1) الاحزاب:۵۶

(2) ایضاً:۴۳

"صلوٰۃ جب اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف ہو تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کی بھلائی فرشتوں کے سامنے بیان فرماتا ہے۔ بھلائی سے مراد رحمت ہے، کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی پر رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ اور اگر صلوٰۃ کا لفظ فرشتوں کی مضاف ہو تو اس مراد ان کا دعا و استغفار کرنا ہے۔"(1)

پس جو بندہ اپنے رب کے حکم پر عمل کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بھی تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا ہے اور درود پاک پڑھنے والے پر اللہ تعالیٰ دس بار رحمت نازل کرتا ہے۔ حدیث مبارکہ میں ارشاد ہے:

«مَنْ صَلَّى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ عَشْرًا»(2)

جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمتیں نازل فرماتا ہے۔

مذکور الذکر بحث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ پر سلامتی و رحمت نازل فرماتا ہے اور اس کے فرشتے بھی آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو بھی حکم دیتا ہے کہ آنحضرت ﷺ پر درود و سلام بھیجا کرو۔ نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنے سے اللہ تعالیٰ بھی ثواب عطا فرماتا ہے نیکیاں ملتی ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی محبت بھی بڑھتی ہے۔ اس سے درود پڑھنے والا روحانی طور پر مستحکم بھی ہوتا ہے۔

۱۷۔ نبی کریم علیہ السلام سابقہ امتوں پر شاہد ہیں

جس طرح دنیا میں انبیاء علیہم السلام کو امتوں نے جھٹلایا اسی طرح قیامت کے دن بھی ان نفوس قدسیہ کی تکذیب کریں گے ایسے میں اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کو ان پیش فرمائیں گے۔ نزاع کی صورت حال سے آگاہی پر آپ ﷺ ان کے جھوٹے اور انبیاء علیہم السلام کے سچے ہونے کی گواہی دیں گے۔ یہ گواہی دینے پر اللہ تعالیٰ نے ہی آپ ﷺ کو مامور فرمایا ہے۔ آنحضرت ﷺ اپنی اور دیگر امتوں پر شاہد ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو سابقہ انبیاء علیھم السلام اور ان کی امتوں پر گواہ بنایا ہے آپ ﷺ اپنی امت پر بھی گواہ ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾(3)

جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لے آئیں گے اور (اے نبی) آپ ان سب پر گواہ ہو ہیں۔

امام ابن کثیر لکھتے ہیں کہ:

---

(1) تفسیر القرآن العظیم، ج۶، ص ۴۳۰

(2) صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب الصلاۃ علی النبی ﷺ بعد التشہد، حدیث نمبر ۴۰۸، ج۱، ص ۳۰۶

(3) النساء: ۴۱

"اللہ تعالیٰ سابقہ امتوں پر بطور گواہ ان کے انبیاء علیہم السلام کو پیش فرمائے گا جن کے سامنے انہوں نے اعمال کئے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس سارے معاملے پر آپ ﷺ کو شاہد یعنی گواہ بنا دیا ہے۔ آپ ﷺ ان کے اعمال پر گواہی دیں گے۔ بے شک آپ ﷺ نے ان کے اعمال کا مشاہدہ کیا ہے یا نہ کیا ہے، گواہی ضرور دیں گے۔"(1)

ایسے ہی سورۃ النحل میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَى هَؤُلَاءِ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَى لِلْمُسْلِمِينَ﴾(2)

اور وہ دن جب ہم ہر امت سے انہیں میں سے ان پر ایک گواہ اٹھائیں گے اور آپ (ﷺ) کو ان سب پر بطور گواہ لائیں گے اور ہم نے آپ (ﷺ) پر یہ ایسی کتاب اتاری ہے جس میں ہر چیز کا تفصیلی بیان ہے اور مسلمانوں کے لیے ہدایت اور رحمت اور بشارت ہے۔

امام طبری لکھتے ہیں کہ:

"جس طرح پہلے سورہ النساء کی آیت نمبر ۴۱ میں گزرا ہے "فی کل امة شهيد" اسی طرح یہاں پر بھی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی یہ خصوصیت بیان فرمائی ہے "وجئنا بک علی هؤلاء شهيدا" یعنی آپ ﷺ ان امتوں پر گواہ ہوں گے۔ تو گویا اس آیت کریمہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ بطور گواہ سابقہ امتوں پر پیش فرمائے گا۔"(3)

اسی طرح نبی کریم ﷺ اپنی امت پر بھی گواہ ہیں اور امت محمدیہ امم ماضیہ پر شاہد ہو گی اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ سورۃ البقرۃ میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾(4)

اور اسی طرح (اے امت محمد) ہم نے تمہیں بہترین امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول (ﷺ) تم پر گواہ ہیں۔

---

(1) تفسیر القرآن العظیم، ج۲، ص۳۰۵

(2) النحل:۸۹

(3) جامع البیان فی تاویل القرآن، ج۱۷، ص۲۷۸

(4) البقرۃ:۱۴۳

ایسے ہی سورۃ الحج میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

﴿وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلَى وَنِعْمَ النَّصِيرُ﴾(1)

اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے اسی وحدہ لاشریک نے تم کو چنا ہے اپنی بندگی اور اپنے دین کی خدمت کے لیے اور دین کے بارے میں اس نے تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی قائم ہو جاؤ تم لوگ اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر اسی اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا پہلے والی آسمانی کتابوں میں بھی اور اس قرآن میں بھی تاکہ تمہارے پیغمبر تم پر گواہ ہوں اور تم دوسرے لوگوں پر گواہ بنو پس تم لوگ نماز کی پابندی کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور وابستہ ہو جاؤ اللہ کے دین سے وہی کارساز ہے تم سب کا سو کیا ہی اچھا کارساز ہے اور کیا ہی اچھا مددگار ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے تمہیں عادل، عمدہ و بہترین امت بنایا ہے اور اسی لیے تمام امتوں میں تمہاری عدالت کی شہرت کر دی ہے کہ تم قیامت کے دن اور لوگوں پر شہادت دو۔ تمام اگلی امتیں محمد ﷺ کی بزرگی اور فضیلت کا اقرار کریں گی۔ اس امت کو باقی تمام امتوں پر سرداری حاصل ہے اس لیے ان کی گواہی ان پر معتبر مانی جائے گی۔ گواہی اس بارے میں دی جائے گی کہ رسولوں نے پیغام ربانی انہیں پہنچایا ہے اور وہ تبلیغ کا فرض ادا کر چکے ہیں۔ اور خود رسول اللہ ﷺ نے انہیں دین الہی پہنچا دیا اور حق رسالت ادا کر دیا۔ سورۃ احزاب میں بھی رسول اللہ ﷺ کو شاہد کہا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا﴾(2)

اے نبی ہم نے آپ کو رسول بنا کر اور گواہ اور خوشخبری سنانے والا، اور بروقت ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

یہ وصف اللہ تعالیٰ نے خصوصی طور پر آنحضرت ﷺ کو عطا فرمایا ہے۔ حالانکہ لوگوں کی بد اعمالی پر ان کے لیے اپنے بدن کے اعضاء ان کے خلاف گواہی دیں گے مگر انہوں نے جو من حیث الامت انبیاء کی تکذیب کی ہے اس ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ مذکورۃ بالا آیات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی امت باقی سابقہ امتوں

---

(1) الحج:۷۸

(2) الاحزاب:۴۵

پر گواہ ہے اور نبی کریم ﷺ تمام امتوں اور انبیاء علیہم السلام پر گواہ ہیں۔

۱۸۔ نبی کریم ﷺ کو مقام محمود کا عطا کیا جانا

آپ ﷺ کا یہ امتیازی وصف ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود عطا فرمائے گا جس پر ساری مخلوق آپ ﷺ کی تعریف کرے گی جملہ انبیاء علیہم السلام میں سے کسی اور کو یہ فضیلت نہیں ملے گی صرف آپ ﷺ ہی مقام محمود پر فائز ہوں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَكَ عَسَى أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَحْمُودًا﴾[1]

اور رات کے کچھ حصے میں تہجد بھی پڑھا کرو، جو کہ آپ کے لیے ایک زائد عبادت ہے، بعید نہیں کہ آپ کا رب آپ کو سر فراز فرمادے مقام محمود سے۔

امام قرطبی لکھتے ہیں کہ:

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا! اے نبی ﷺ اُٹھیے رات کا بعض حصہ اور حالت نماز میں قرآن مجید تلاوت کیجئے، کیونکہ رات کی نماز درجات کی بلندی اور علو شان کا باعث ہے۔ عنقریب آپ ﷺ کا پروردگار آپ کو لوگوں کا شافع بنائے گا اور آپ ﷺ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔"[2]

بخاری شریف کے اندر ایک طویل حدیث پاک میں مقام محمود کا تذکرہ اس طرح سے ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن مومنوں کو (گرم میدان میں) روک دیا جائے گا یہاں تک کہ اس کی وجہ سے وہ غمگین ہو جائیں گے اور کہیں گے کہ کاش کوئی ہمارے رب سے ہماری شفاعت کرتا کہ ہمیں اس حالت سے نجات ملتی۔ چنانچہ وہ مل کر آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ آپ انسانوں کے باپ ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا اور آپ کو جنت میں مقام عطا کیا، آپ کو سجدہ کرنے کا فرشتوں کو حکم دیا اور آپ کو ہر چیز کے نام سکھائے۔ آپ ہماری شفاعت اپنے رب کے نبی کریم میں کریں تاکہ ہمیں اس حالت سے نجات دے۔ فرمایا کہ آدم علیہ السلام کہیں گے کہ میں اس لائق نہیں وہ اپنی اس غلطی کو یاد کریں گے جو باوجود روکنے کے درخت کھالینے کی وجہ سے ان سے ہوئی تھی اور کہیں گے کہ نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ کیونکہ وہ پہلے نبی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا تھا۔ چنانچہ لوگ نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو وہ بھی کہیں گے کہ میں اس لائق نہیں اور اپنی اس غلطی کو یاد کریں گے جو بغیر علم کے اللہ تعالیٰ سے سوال کر کے (اپنے بیٹے کی بخشش کے لیے) انہوں نے کی تھی اور کہیں گے کہ ابرہیم علیہ السلام کے پاس

---

(1) بنی اسرائیل: ۷۹

(2) الجامع لاحکام القرآن، ج ۱۰، ص ۳۰۸

جاؤ جو اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں۔ فرمایا کہ سب لوگ ابرہیم علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو وہ بھی عذر کریں گے کہ میں اس لائق نہیں اور وہ ان تین باتوں کو یاد کریں گے جن میں آپ نے بظاہر غلط بیانی کی تھی اور کہیں گے کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ وہ ایسے نبی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے توریت عطا کی ہے اور ان سے بات کی اور ان کو نزدیک کر کے ان سے سرگوشی کی۔

لوگ پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو وہ بھی کہیں گے کہ میں اس لائق نہیں ہوں اور وہ غلطی یاد کریں گے جو ایک شخص کو قتل کر کے کی تھی۔ البتہ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اس کے رسول، اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں۔ چنانچہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے وہ فرمائیں گے کہ میں اس قابل نہیں ہوں تم لوگ حضرت محمد ﷺ کے پاس جاؤ۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اگلے پچھلے تمام گناہ (یہ شان عطا فرمائی ہے حالانکہ آپ ﷺ سے گناہ سرزد نہیں ہوئے) معاف کر دئے ہیں۔ چنانچہ لوگ میرے پاس آئیں گے اور میں اپنے رب سے اس کے در دولت یعنی عرش معلٰی پر آنے کے لیے اجازت چاہوں گا۔ مجھے اس کی اجازت عطا کی جائے گی پھر میں اللہ تعالیٰ کو دیکھتے ہی سجدہ میں گر پڑوں گا اور اللہ تعالیٰ مجھے جب تک چاہے گا میں اسی حالت میں رہوں گا۔ پھر فرمائے گا اے محمد ﷺ! سر اُٹھاؤ، جو کہو گے سُنا جائے گا، شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی، جو مانگو گے دیا جائے گا، فرمایا! پھر میں سر اُٹھاؤ گا اور اپنے رب کی حمد و ثنا کروں گا جو مجھے سکھائے گا۔ فرمایا کہ پھر میں شفاعت کروں گا۔ چنانچہ میرے لیے حد مقرر کی جائے گی اور میں اس کے مطابق لوگوں کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کروں گا۔ پھر تیسری مرتبہ اپنے رب سے اس کے در دولت کے لیے اجازت چاہوں گا اور مجھے اجازت عطا کی جائے گی۔ پھر میں اللہ رب العزت کو دیکھتے ہی اس کے لیے سجدے میں گر جاؤں گا اور اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا مجھے اسی حالت میں رکھے گا۔ پھر فرمائے گا! اے محمد ﷺ سر اُٹھاؤ، کہو سُنا جائے گا شفاعت کرو قبول کی جائے گی، مانگو دیا جائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اپنا سر اُٹھاؤں گا اور اپنے رب کی ایسی حمد وثنا بیان کروں گا جو وہ مجھے سکھائے گا فرمایا کہ میں پھر شفاعت کروں گا اور میرے لیے حد مقرر کی جائے گی اور میں اس کے مطابق جہنم سے لوگوں کو نکال کر جنت میں داخل کروں گا، یہاں تک کہ جہنم میں صرف وہی لوگ باقی رہ جاہیں گے جنہیں قرآن نے روک رکھا ہو گا یعنی انہیں ہمیشہ ہی اس میں رہنا ہو گا۔ پھر آپ ﷺ کا رب آپ ﷺ کو مقام محمود پر بھیجے گا جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ سے وعدہ فرما رکھا ہے۔(1)

۱۹۔ امت محمدیہ کو بہترین امت قرار دیا

نبی کریم ﷺ کی امت کو امت وسط کہا گیا۔ سابقہ امتوں پر بھی اللہ تعالیٰ نے بڑے انعام و اکرام فرمائے

(1) صحیح بخاری، کتاب التفسیر القرآن، باب ووجوہ یومئذ ناضرۃ، حدیث نمبر ۷۴۴۰، ج۹، ص ۱۳۱

ہیں۔ وہ امتیں اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ رہیں ہیں، مگر انبیاء علیہم السلام کی تکذیب و تکفیر اور ان کے قتل پر اللہ تعالیٰ نے ان کو نیست و نابود کر دیا۔ بعد میں آنے والی امت، امت محمدیہ کو اللہ تعالیٰ نے بہترین امت قرار دیا ہے۔ یہ بھی آپ کے اوصاف کریمہ میں سے ہے کہ آپ کی امت بہترین امت قرار پائی اور اس امت کو باقی امتوں پر شاہد بنا دیا گیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ﴾(1)

تم لوگ (اے مسلمانو!) سب سے بہتر امت ہو، جسے میدان میں لایا گیا ہے، لوگوں کے بھلے کے لیے، تمہارا کام ہے نیکی کی تعلیم دینا، اور برائی سے روکنا، اور تم (بمقابلہ دوسروں کے ٹھیک طور پر صحیح معنوں میں) ایمان رکھتے ہو اللہ (وحدہ لاشریک) پر، اور اگر اہل کتاب بھی (اسی طرح ٹھیک طریقے سے ایمان لے آتے تو یہ خود انہی کے لیے بہتر ہو تاف ۲ ان میں سے کچھ تو ایماندار ہیں مگر ان کی اکثریت بدکاروں (اور بے ایمانوں) ہی کی ہے۔

اس آیت کریمہ کے مصداق کون لوگ ہیں؟ اس کے بارے میں دو اقوال ہیں۔ اول تو ان لوگوں کے بارے میں اقوال کثرت سے پائے جاتے ہیں کہ جنہوں نے مکہ سے نکل کر مدینہ کی طرف آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہجرت کی، یہی وہ لوگ ہیں جو اس کا بہترین مصداق ہیں۔ دوم وہ لوگ جن کے اندر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو وصف پایا جاتا ہے، جو لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور بُرائی سے روکتے ہیں۔ تامرون بالمعروف سے مراد یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ پر، اس کے رسولوں پر اور شریعت مطہرہ پر عمل کا حکم دیتے ہیں اور تنھون عن المنکر سے مراد یہ ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک ٹھہرانے، رسولوں کی تکذیب کرنے اور جس عمل سے اللہ اور اس کے رسول نے منع کیا ہے اس سے بچنے کا حکم دیتے ہیں۔(2)

سورۃ البقرۃ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾(3)

اور اسی طرح ہم نے تمہیں معتدل امت بنایا۔ تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو۔

---

(1) آل عمران: ۱۱۰

(2) جامع البیان فی تاویل القرآن، ج ۷، ص ۱۰۰

(3) البقرۃ: ۱۴۳

اس بحث سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی امت میں وہ لوگ جنہوں نے آپ ﷺ کی تائید و نصرت کی، آپ ﷺ پر ایمان لائے اور نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہجرت کی اور حالت جنگ و امن میں ہمیشہ آپ ﷺ کا ساتھ دیا وہ بہترین امت ہونے کے اعلیٰ مصداق ہیں۔ اور شریعت محمدی پر عمل کرنے والے اوامر و نہی سے متصف لوگ دوسروں کی اصلاح کرنے والے لوگ بھی بہترین امت ہیں۔

فصل چہارم: معجزات رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

مبحث اوّل: آسمانی معجزات

انبیاء علیہم السلام سے ظہور ہونے والے معجزات کو سمجھنے کے لئے سب سے پہلے معجزہ کی تعریف جاننا ضروری ہے کہ شریعتِ اسلامیہ میں معجزہ کسے کہتے ہیں۔لہٰذا ذیل میں معجزہ کی تعریف بیان کی گئی ہے۔

معجزہ کی تعریف:

لفظِ معجزہ کامادہ، عَجِزَ، یَعْجَزُ عَجْزًا ہے، جس کے معنی: ''کسی شئے پر قادِر نہ ہونا'' یا''کسی کام کی طاقت، یا استطاعت نہ رکھنا'' وغیرہ ہیں۔ امام راغب اِصفہانی معجزے کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''و العجز أصله التّأخرعن الشئ وحصوله عند عجز الأمر أى :مؤخره. . .و صار فى التّعارف، إسماً للقصور عن فعل الشئ وهو ضد القدرة.''[1]

یعنی ''عجز'' کے حقیقی معنی کسی چیز سے پیچھے رہ جانے یا اُس کے ایسے وقت میں حاصل ہونے کے ہیں جبکہ اُس کا وقت ختم ہو چکا ہو۔۔۔ عمومی طور پر یہ لفظ کسی کام کے کرنے سے عاجز ہو جانے پر بولا جاتا ہے اور یہ ''القدرۃ'' کی ضد ہے۔

علامہ علی بن محمد بن علی الجرجانی معجزہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''مُرْخَارِقٌ لِّلْعَادِةِ مِنْ قِبَلِ شَخْصٍ مُقَارِنٍ لِّدَعْوَى النُّبُوَّةِ -''[2]

یعنی وہ خلاف عادت کام جو ایسے شخص سے ظاہر ہو جو دعویٰ نبوت کرتا ہو اسے معجزہ کہتے ہیں۔

قاضی عیاض مالکی معجزہ کے متعلق لکھتے ہیں:

''إعلم أنّ معنٰى تسميتنا ماجاء ت به الأنبياء معجزة هو أن الخلق عجزوا عن الإتيان بمثلها''[3]

یعنی یہ بات جان لینی چاہیے کہ جو کچھ انبیاء علیہم السلام اپنے ساتھ لے کر آتے ہیں اُسے ہم نے معجزے کا نام اِس لئے دیا ہے کہ مخلوق اُس کی مِثل لانے سے عاجز ہوتی ہے۔

معجزہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے مگر اس کا صدور نبی اور رسول کے ذریعہ ہوتا ہے اور معجزہ مروّجہ قوانین فطرت کے برعکس ہوتا ہے۔ معجزہ نبی اور رسول کا ذاتی نہیں بلکہ عطائی فعل ہے اور یہ عطا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اِسی لئے عقلِ انسانی اس کے سامنے بے بس ہوتی ہے اور اس کی حقیقت کا اِدراک نہیں کر سکتی۔

---

(1) المفردات، ص ۵۴۷

(2) کتاب التعریفات، ص ۱۲۹

(3) الشفاء، ج ۱، ص ۳۴۹

نبی کریم علیہ السلام کے معجزات کی تعداد بہت زیادہ ہے۔جو قرآن مجید، احادیث اور کتب سیر میں موجود ہیں۔اس تحقیقی مقالے کا موضوع قرآنی سیرت سے متعلق ہے۔اس لیے ہم صرف ان معجزات کا ذکر کریں گے جن کا تذکرہ قرآن مجید میں موجود ہے۔آپ ﷺ کے معجزات جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے ان کی تقسیم میں نے یہاں دو طرح سے کی ہے۔آسمانی معجزات اور زمینی معجزات۔جو کہ درج ذیل ہیں۔آسمانی معجزات میں دو کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔ایک واقعہ معراج ہے اسکی تقسیم بھی کی جاسکتی ہے، اسراء (مسجد الحرام سے مسجد الاقصی تک کا سفر) کو زمینی معجزات میں شامل کیا جائے جبکہ معراج (مسجد الاقصی سے سدرہ المنتہی تک) کو آسمانی معجزات میں شامل کیا جائے۔چونکہ یہ سفر اکھٹا ہے اور اس میں اعتراضات اور اختلافات کا ذکر ہے اس لیے اس کو یکجا کر کے معراج کے تحت آسمانی معجزات میں شامل کیا گیا ہے۔دوسرا آسمانی معجزہ شق القمر کا ہے جس کو قرآن مجید نے بیان کیا ہے۔ مذکورہ بالا معجزات کی تفصیل یوں ہے۔

ا: معراج

سفر معراج نبی کریم ﷺ کے امتیازی معجزات میں سے ہے۔اور تاریخ اسلامی کا معروف ترین واقعہ ہے۔ واقعہ معراج قرآن مجید میں دو مقامات پر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔اسراء (مسجد حرام سے مسجد اقصی تک) کا ذکر سورہ بنی اسرائیل میں ہے۔اور معراج (اقصی سے سدرہ تک) کا ذکر سورہ النجم میں ہے۔نبی کریم ﷺ کو معراج پر لے جانے کا مقصد قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ میں نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کو سیر کیوں کرائی؟ اس سفر رفیعہ کا مقصد اپنے رسول مکرم ﷺ کو اپنی تجلیات اور نشانیاں دکھانی تھیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾[1]

پاک ہے وہ ذات، جو راتوں رات لے گئی اپنے بندہ خاص کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک، جس کے آس پاس کو ہم نے نواز رکھا ہے طرح طرح (کی خیرات) وبرکات سے، تاکہ ہم دکھائیں اس کو اپنی نشانیوں میں سے (کچھ نشانیاں)، بیشک وہ (اللہ) ہی ہے سننے والا، دیکھنے والا۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے سفر معراج کا ذکر فرمایا ہے۔اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنی ذات کی پاکیزگی کا ذکر کیا اور پھر فرمایا کہ پاک ذات نے راتوں رات اپنے بندے کو سیر کرائی مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔تاکہ قاری کے ذہن میں یہ بات آجائے کہ اصل قدرت کاملہ کا مالک تو وہ رب ہے جس نے اپنے بندے کو اس عظیم سفر پر بلایا اور اپنی نشانیاں دکھائیں۔نہ اس کی قدرت میں کوئی نقص ہے اور نہ ہی اس کے تصرف میں کوئی

---

(1) بنی اسرائیل: ۱

کمزوری ہے کہ یہ سفر اس کی طاقت سے بالا ہو۔ لہذا جس کا ایمان اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کی کامل قدرت و تصرف پر ہے وہ اس پر بات پر بات کو بھی تسلیم کرتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو اللہ نے معراج کرائی ہے اور آپ ﷺ نے معراج کی شب اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا مشاہدہ بھی فرمایا ہے۔ ان نشانیوں کا ذکر سورہ النجم میں بھی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ رَأَى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَى﴾(1)

بلاشبہ آپ (ﷺ) نے دیکھا اپنے رب کی بڑی نشانیوں کو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو اس عظیم بابرکت سفر میں مسجد حرام سے مسجد اقصی تک اور مسجد اقصی سے سدرہ المنتہی اور اس سے آگے تک کی سیر کرائی۔ اور اس دوران اپنی بہت سی نشانیاں جن میں جنت، دوزخ، جملہ انبیاء علیہم السلام، بیت المعمور، جبرائیل علیہ السلام اور دیگر ملائیکہ، حوران خلد، اور غلمان جنت سب شامل ہیں، یہ سب دکھائیں۔ سفر معراج کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورہ والنجم میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَى ٥ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَى ٥ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى ٥ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى ٥ عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَى ٥ ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَى ٥ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَى ٥ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّى ٥ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى ٥ فَأَوْحَى إِلَى عَبْدِهِ مَا أَوْحَى ٥ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى ٥ أَفَتُمَارُونَهُ عَلَى مَا يَرَى ٥ وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَى ٥ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَى ٥ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَى ٥ إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَى ٥ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى ٥ لَقَدْ رَأَى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَى﴾(2)

قسم ہے تارے کی جب کہ وہ ڈوبنے لگے۔ تمہارا ساتھی نہ تو بھٹکا ہے نہ بہکا ہے۔ وہ اپنی خواہش نفس سے بولتا بھی نہیں۔ وہ تو نری وحی ہوتی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے۔ آپ کو سکھایا اس سخت قوتوں والے نے۔ جو بڑا زور آور ہے چنانچہ وہ (اپنی اصل شکل میں) سامنے آکھڑا ہوا۔ جب کہ وہ آسمان کے بلند کنارے پر تھا۔ پھر وہ نزدیک ہوا پھر اور نزدیک ہوا۔ یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے بھی کچھ کم فاصلہ رہ گیا۔ تب اللہ نے وحی بھیجی اپنے بندے کی طرف جو کچھ وحی آپ کو فرمانا تھی۔ دل نے جھوٹ نہیں کہا جو کچھ کہ اس نے دیکھا۔ تو کیا تم لوگ اس سے اس چیز پر جھگڑتے ہو جس کو اس نے خود دیکھا (اپنی کھلی آنکھوں سے؟)۔ اور بلاشبہ آپ (ﷺ) نے اس (فرشتہ) کو ایک اور مرتبہ بھی (اپنی اصل شکل میں) اترتے دیکھا۔ یعنی سدرۃ

(1) النجم: ۱۸

(2) ایضاً: ۱۔۱۸

المنتہیٰ کے پاس۔ جس کے پاس جنت الماویٰ ہے۔ جب کہ اس سدرہ پر چھا رہا تھا جو کچھ کہ چھا رہا تھا۔ نگاہ نہ تو چوندھیائی نہ حد سے بڑھی۔ بلاشبہ آپ نے دیکھا اپنے رب کی بڑی نشانیوں کو۔

سفر معراج کے متعلق محدثین نے بہت ساری احادیث روایت کیں ہیں۔ ان میں سے ایک روایت جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب التوحید میں ذکر فرمایا ہے، اس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ معراج کی شب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبۃ اللہ سے بلوایا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تین فرشتے آئے۔ اس سے قبل کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کی جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ شریف میں سوئے ہوئے تھے۔ تینوں میں جو سب سے آگے تھا، اس نے پوچھا! یہ ان سب میں سے کون ہیں؟ درمیان والے نے جواب دیا کہ یہ ان سب میں بہتر ہیں۔ تو سب سے اخیر والے نے کہا، پھر ان کو لے چلو۔ بس اس رات تو اتنا ہی ہوا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نہ دیکھا۔ دوسری رات پھر یہ تینوں آئے۔ اس وقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو رہے تھے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سونا اس طرح تھا کہ آنکھیں سوتی تھیں اور دل جاگ رہا تھا۔ تمام انبیاء علیہم السلام کی نیند اسی طرح کی ہوتی ہے۔ اس رات فرشتوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بنا کوئی بات کئے اُٹھا کر چاہ زمزم کے پاس لٹا دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ اقدس گردن تک خود جبریل علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے چاک کیا۔ سینے اور پیٹ کی تمام چیزیں نکال کر انہیں اپنے ہاتھ سے زمزم کے پانی سے دھویا۔ جب خوب پاک صاف کر چکے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک طشت لایا گیا جس میں سونے کا ایک بڑا پیالہ تھا جو حکمت و ایمان سے پُر تھا۔ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے کو اور گلے کی رگوں کو بھر دیا گیا اور پھر سینے کو سی دیا گیا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان دنیا کی طرف لے کر چلے گئے۔ آسمان کے ایک دروازہ کو کھٹکھٹایا۔ فرشتوں نے پوچھا کہ کون؟ جواب دیا کہ جبریل۔ پوچھا آپ کے ساتھ کون ہیں؟ فرمایا میرے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پوچھا کہ کیا آپ کو بُلوایا گیا ہے؟ جواب دیا کہ ہاں۔ سب بہت خوش ہوئے اور مرحبا کہتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے گئے۔ آسمان والے فرشتے کچھ بھی نہیں جانتے کہ زمین پر اللہ تعالیٰ کیا کرنا چاہتا ہے جب تک کہ انہیں آگاہ نہ کیا جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان دنیا پر حضرت آدم علیہ السلام کو پایا۔ جبریل علیہ السلام نے تعارف کرایا کہ یہ آپ کے والد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ انہیں سلام کیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے جواب دیا، مرحبا کہا اور فرمایا "آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے بہت ہی اچھے بیٹے ہیں"۔ وہاں دو نہریں جاری دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ یہ نہریں کیا ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے جواب دی کہ یہ "نیل اور فرات کا عُنصر"۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان میں لے کر چلے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور نہر دیکھی جس پر لولو اور موتیوں کے بالا خانے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ یہ کون سی نہر ہے؟ جبریل علیہ السلام نے جواب دی کہ یہ نہر

کوثر ہے جسے آپ ﷺ کے پروردگار نے خاص طور پر آپ کے لیے تیار کیا ہے۔اس کے بعد آپ ﷺ کو دوسرے آسمان کی طرف فرشتے لے کر چلے۔ دروازہ پر سوال ہوا۔ فرشتوں نے پوچھا کہ کون؟جواب دیا کہ جبریل۔ پوچھا آپ کے ساتھ کون ہیں؟ فرمایا میرے ساتھ محمد ﷺ ہیں۔پوچھا کہ کیا آپ کو بُلوایا گیا ہے؟جواب دیا کہ ہاں۔سب بہت خوش ہوئے اور مرحبا کہتے ہوئے آپ ﷺ کو لے گئے۔ پھر تیسرے آسمان کی طرف لے کر چلے گئے۔اُدھر کے فرشتوں سے بھی وہی سوال وجواب وغیرہ ہوئے جو کہ آسمان اول اور دوم پر ہوئے تھے۔ اس کے بعد آپ ﷺ کو چوتھے آسمان پر چڑھایا گیا۔ان فرشتوں نے بھی وہی سوال کئے اور اُسی طرح جواب پایا۔ پھر پانچویں آسمان پر چڑھائے گئے۔وہاں بھی وہی سوال وجواب پھر چھٹے اور ساتویں آسمان پر گئے۔ وہاں بھی اسی طرح بات چیت ہوئی۔ ہر آسمان پر وہاں کے نبیوں سے ملاقاتیں ہوئیں جن کے اسماء نبی کریم ﷺ نے بتائے، جن میں سے مجھے یہ یاد ہیں کہ دوسرے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام، چوتھے آسمان میں حضرت ہارون علیہ السلام، پانچویں کا نام مجھے یاد نہیں۔چھٹے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام، ساتویں میں حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام۔

جب آپ ﷺ یہاں سے بھی اونچے چلے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ ایزدی میں عرض کیا، یاالٰہی میرا خیال تھا کہ مجھ سے بلند تو کسی کو نہ کرے گا۔اب آپ ﷺ اس بلندی پر پہنچے جس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے یہاں تک کہ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے اور اللہ تعالیٰ آپ ﷺ سے بہت ہی نزدیک ہوا۔ بقدر دو کمان کے بلکہ اس سے کم فاصلے پر۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کی جانب وحی کی گئی۔ جس میں آپ ﷺ کی امت پر ہر دن رات میں پچاس نمازیں فرض ہوئیں۔جب آپ ﷺ وہاں سے اترے تو حضرت موسی علیہ السلام نے آپ ﷺ کو روکا اور پوچھا کہ کیا حکم ملا؟ فرمایا ”دن رات میں پچاس نمازوں کا“۔ موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے فرمایا۔”یہ آپ ﷺ کی امت کی طاقت سے باہر ہے۔ آپ واپس جایئے اور کمی کے لیے عرض کیجئے“۔ آپ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف دیکھا کہ گویا آپ ﷺ ان سے مشورہ لے رہے ہیں۔ان کا بھی اشارہ پایا کہ اگر آپ کی مرضی ہو تو کیا حرج ہے؟ آپ ﷺ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف گئے اور اپنی جگہ ٹھہر کر دُعا کی کہ یاالٰہی ہمیں تخفیف عطا ہو۔میری امت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔ پس اللہ تعالیٰ نے دس نمازیں کم کر دیں۔ آپ ﷺ واپس لوٹے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے روکا اور کہا کہ جایئے اور کمی کروایئے۔ آپ ﷺ پھر گئے، پھر کم ہو ہیں یہاں تک کہ پانچ رہ گئیں۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر بھی فرمایا کہ دیکھیں میں بنی اسرائیل میں اپنی عمر گزار کر آیا ہوں۔انہیں اس سے بھی کم حکم تھا لیکن پھر بھی وہ کم ہمت ثابت ہوئے اور اسے چھوڑ دیا۔ آپ ﷺ کی امت تو ان سے بھی زیادہ ضعیف ہے، جسم کے اعتبار سے بھی اور دل، بدن، آنکھ، اور کان کے اعتبار سے بھی۔ آپ ﷺ پھر جایئے اور مزید تخفیف اللہ تعالیٰ سے طلب کیجئے۔ نبی کریم ﷺ نے پھر حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف دیکھا۔ حضرت جبریل

علیہ السلام آپ ﷺ کو پھر اوپر لے گئے۔ رسول اللہ ﷺ بارگاہِ الٰہی میں عرض کی کہ "اے میرے اللہ میری امت کے جسم، دل، کان، آنکھیں اور بدن کمزور ہیں۔ ان سے اور بھی کمی فرما۔" اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا اے محمد ﷺ۔ آپ ﷺ نے عرض کیالبیک و سعدیک۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے حبیب میری باتیں بدلتیں نہیں ہیں، میں نے اب جو مقرر کیا ہے وہ ام الکتاب میں تحریر ہو چکا ہے۔ یہ نمازیں پڑھنے کے اعتبار سے پانچ ہیں اور ثواب کے اعتبار سے پچاس ہیں۔ اب جب نبی کریم ﷺ واپس تشریف لائے تو موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا، کیا آپ کی عرضی منظور ہوئی؟ فرمایا ہاں کمی ہوگئی یعنی پچاس کا ثواب مل گیا، ہر نیکی کا ثواب دس گناہ عطا فرمایا جانے کا وعدہ ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر کہا کہ میں بنی اسرائیل کا تجربہ کر چکا ہوں۔ انہوں نے اس سے بھی ہلکے احکام کو ترک کر دیا تھا۔ آپ ﷺ ایک مرتبہ پھر جائیے اور پروردگارِ عالم سے مزید کمی طلب کیجئے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے کلیم اللہ، میں بارگاہِ ایزدی میں گیا آیا اب تو مجھے شرم محسوس ہوتی ہے۔ کلیم اللہ نے فرمایا اچھا پھر آپ تشریف لے جائیے۔ بسم اللہ کیجئے۔ اب جب نبی کریم ﷺ جاگے تو آپ مسجد الحرام میں ہی تھے۔[1]

مذکورہ بالا اسی حدیث پاک کو نقل کرنے کے بعد امام ابن کثیرؒ نے اس پر جو بحث کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

یہ روایت شریک بن عبداللہ بن نمر سے مروی ہے لیکن انہوں نے اپنے حافظہ کی کمزوری کی وجہ سے اضطراب کر دیا ہے۔ ان کا ضبط درست نہیں تھا۔ ان کے متعلق اس حدیث کے آخر میں بیان کیا جائے گا ان شاءاللہ تعالیٰ۔ بعض اس واقعہ (معراج) کو خواب بیان کرتے ہیں شاید اس جملے کی وجہ سے جو اس حدیث کے آخر میں وارد ہے۔ واللہ اعلم۔ حافظ ابو بکر بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے اس جملے کو جس میں ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ تبارک و تعالیٰ قریب ہوا اور اتر آیا بس بقدر دو کمان کے ہو گیا بلکہ اور نزدیک۔ شریک نامی راوی کی وہ زیادتی بتاتے ہیں جس میں وہ منفرد ہیں۔ اسی لیے بعض حضرات نے کہا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس رات اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ان آیتوں کو اس پر محمول کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا۔ یہی زیادہ صحیح ہے اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان بالکل حق ہے۔ اور روایت میں ہے کہ جب نبی کریم ﷺ سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ نور ہے۔ میں اسے کس طرح دیکھ سکتا ہوں؟ ایک اور روایت میں ارشاد فرمایا کہ میں نے نور دیکھا ہے۔ یہ سورۃ النجم میں ہے ثمّ دنا فتدلّٰی یعنی پھر وہ نزدیک ہوا اور اتر آیا۔ اس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں جیسے کہ مذکور الذکر تین جلیل القدر اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین نے فرمایا ہے۔ دیگر صحابہ کرام میں

---

(1) صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب فی قولہ تعالیٰ وکلم اللہ موسیٰ تکلیما، حدیث نمبر ۷۵۱۷، ج۹، ص۱۴۹

سے تو کوئی بھی اس آیت کریمہ کی اس تفسیر میں ان کا مخالف نظر نہیں آتا۔ مزید لکھتے ہیں کہ ان جملہ احادیث کو جاننے کے بعد جن میں صحیح بھی ہیں، حسن بھی ہیں، ضعیف بھی ہیں، کم از کم اتنا تو یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ نبی کریم ﷺ کا مکہ شریف سے بیت المقدس تک لے جانا ہوا۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ صرف ایک ہی مرتبہ ہوا ہے۔[1]

نبی کریم ﷺ کی معراج روحانی تھی یا جسمانی اس پر امام ابن کثیر کا جو موقف ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

اس بات میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ معراج نبی کریم ﷺ کو جسم مع الروح کرائی گئی یا صرف روحانی طور پر؟ کثیر علمائے کرام تو یہی فرماتے ہیں کہ جسم و روح کے ساتھ نبی کریم ﷺ کو معراج کرائی گئی اور ہوئی بھی جاگتے میں نہ کہ خواب کے اندر۔ البتہ اس امر میں اختلاف نہیں کہ پہلے رسول اللہ ﷺ کو یہی اشیاء خواب میں بھی دکھائی گئی ہوں۔ رسول اللہ ﷺ جو کچھ خواب میں دیکھتے بعد میں وہی کچھ جاگتے میں بھی مشاہدہ فرمالیتے۔ اس کی ایک بڑی دلیل تو یہ ہے کہ اس واقعہ کے بیان فرمانے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی پاکیزگی بیان فرمائی ہے۔ اس اسلوبِ بیان کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے بعد کی بات بڑی اہم ہے۔ اگر یہ واقعہ خواب مانا جائے تو خواب کے اندر ایسی باتیں دیکھ لینا اتنا اہم نہیں ہے کہ اس کو بیان فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ پہلے بطور احسان و اظہارِ قدرت اپنی تسبیح بیان کرے۔ پھر اگر یہ خواب کا ہی معاملہ تھا تو کفار اس طرح جلدی جلدی آپ ﷺ کی تکذیب نہ کرتے، ایک آدمی اپنا خواب اور خواب میں دیکھی ہوئی عجائب چیزیں بیان کر رہا ہے یا کرے تو اس میں کوئی ایسی وجہ نہیں بنتی کہ وہ بھڑ بھڑا جائیں اور سنتے ہی سختی سے انکار کر دیں۔ اور وہ لوگ جو اس سے پہلے ایمان لا چکے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو تسلیم بھی کر چکے تھے، کیا وجہ تھی کہ وہ معراج کا واقعہ سن کر اسلام سے پھر جاتے ہیں؟ امام ابن کثیر انہی دلائل پر مزید بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک تو اس (مذکور الذکر مثال) سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خواب کا قصہ بیان نہیں فرمایا بلکہ جسم مع الروح سفر معراج کا ذکر فرمایا تھا کہ جس کو تسلیم کرنا سامعین کے لیے دشوار ہو رہا تھا۔ پھر اس کے بعد لکھتے ہیں کہ قرآنِ مجید کے لفظ بعبدہ پر غور کیجئے: عبد کا اطلاق روح مع الجسد دونوں کے مجموعے پر آتا ہے۔ پھر اسری بعبدہ لیلاً کا فرمانا اس کو مزید واضح کر دیتا ہے کہ وہ اپنے بندے کو رات کے تھوڑے سے حصے میں لے گیا۔ اس واقعہ معراج کو لوگوں کی آزمائش کا سبب بتایا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَما جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ- اگر یہ خواب ہی تھا تو اس خواب میں لوگوں کے لیے کون سی بڑی آزمائش تھی کہ جسے مستقلاً بیان کیا گیا ہے؟ سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہ آنکھوں کا دیکھنا تھا جو رسول اللہ ﷺ کو دکھایا گیا۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے، مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَما طَغی، نہ تو نگاہ بہکی نہ بھٹکی۔ ظاہر ہے کہ بصر یعنی نگاہ، انسان کی ذات کا ایک وصف ہے نہ کہ روح کا پھر براق کو سواری کے لیے لایا جانا

---

(1) تفسیر القرآن العظیم، ج۵، ص۷

اور اس سفید چمکیلے جانور پر سوار کرا کر رسول اللہ ﷺ کو لے جانا بھی اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ واقعہ جاگتے ہوئے جسمانی حالت کا ہے ورنہ روح کے لیے سواری کی ضرورت نہیں ہے۔[1]

مذکور الذکر بحث میں امام ابن کثیرؒ نے یہی ثابت کرنے کے لیے دلائل دیئے ہیں کہ قرآن واحادیث میں زیادہ تر شواہد سے نبی کریم ﷺ کی معراج جاگتے ہوئے جسم مع الروح کے ساتھ ثابت ہے۔ نبی کریم ﷺ کے سفر معراج کے متعلق جملہ روایات پر جرح کرنے کے بعد امام ابن کثیرؒ اس کی حقانیت کا جو تذکرہ کیا ہے وہ درج ذیل ہے:

حضرت عمر بن دحیہ اپنی کتاب التنویر فی مولد السراج المنیر میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے معراج کی حدیث وارد کر کے اس کے متعلق نہایت عمدہ کلام کر کے پھر فرمایا کہ معراج کی حدیث متواتر ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ، حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، حضرت عبد الرحمٰن بن قرظ رضی اللہ عنہ، حضرت ابو حبہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابو لیلیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ، حضرت جابر رضی اللہ عنہ، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ، حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ، حضرت سمرہ بنت جندب رضی اللہ عنہا، حضرت ابو الحمراء رضی اللہ عنہ، حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ، حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا وغیرہ سے مروی ہے۔ ان اصحاب میں سے بعض نے تو مفصل بیان کیا ہے اور بعض نے مختصراً۔ البتہ ان میں سے بعض روایتیں سند کے اعتبار سے صحیح نہیں ہیں مگر بالجملہ صحت کے ساتھ واقعہ معراج ثابت ہے اور مسلمان اجماعی طور پر اس کے قائل ہیں۔ ہاں زندیق و ملحد لوگ اس کے منکر ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے نورانی چراغ کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں۔ لیکن وہ پوری روشنی کے ساتھ چمکتا ہی رہے گا بے شک کافروں کو برا لگے۔[2]

کتب احادیث و سیر میں معراج شریف کے بارے میں پوری تفصیل موجود ہے جبکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مختصر بیان فرمایا ہے۔ مفصل معراج شریف کا واقعہ روایت کرنے والے اصحاب میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ذر غفاری، اور حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ، حضرت

---

(1) تفسیر القرآن العظیم، ج۵، ص۱۲

(2) ایضاً، ج۵، ص۲۲

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دیگر مقتدر صحابہ اکرام نے بھی بیان کیا ہے جیسا کہ ابنِ کثیر کے حوالے سے ان اصحاب کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ ان کی روایات قرآن مجید کے اجمال کی تفصیل ہیں۔ ان مذکور روایانِ واقعہ معراج دو گروہ ہیں ایک حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ان کے پیروکاروں کا ہے۔ ان نفوس قدسیہ کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کو معراج کرائی گئی۔ مگر رویت باری تعالیٰ نہیں ہوئی بلکہ رسول اللہ ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا تھا ان اصحاب کے دلائل درج ذیل ہیں۔

ا: امام بخاری نقل کرتے ہیں۔

« عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، {فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى فَأَوْحَى إِلَى عَبْدِهِ مَا أَوْحَى} قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ مَسْعُودٍ، «أَنَّهُ رَأَى جِبْرِيلَ لَهُ سِتُّ مِائَةِ جَنَاحٍ»[1]

یعنی حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان آیات کہ صرف قوسین کا فاصلہ یا اس سے کم رہ گیا، تب اللہ نے وحی بھیجی اپنے بندے کی طرف جو کچھ وحی آپ کو فرمانا تھی، بارے میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جبریل علیہ السلام کو دیکھا ان کے چھ سو پر تھے۔

۲: صحیح مسلم میں ہے۔

عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، هَلْ رَأَيْتَ رَبَّكَ؟ قَالَ: «نُورٌ أَنَّى أَرَاهُ»[2]

یعنی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ تو نور ہے میں اس کو کیسے دیکھ سکتا ہوں۔

رؤیت باری تعالیٰ کے حوالے سے دوسرا گروہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے پیروکاروں کا ہے۔ ان اصحاب کی رائے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شب معراج اپنے حبیب مکرم ﷺ کو دولت دیدار سے مشرف فرمایا ہے۔ ان کے دلائل درج ذیل ہیں۔ علامہ بدر الدین عینی بخاری شریف کی شرح میں لکھتے ہیں۔

''عَن أنس. قَالَ: رأى مُحَمَّد ربه، وَبِه قَالَ سَائِر أَصْحَاب ابْن عَبَّاس وَكَعب الْأَحْبَار وَالزهْرِيّ وَصَاحب معمر وَآخَرُونَ، وَحكى عبد الرَّزَّاق عَن معمر عَن الْحسن أَنه حلف أَن مُحَمَّدًا رأى ربه،''[3]

---

(1) صحیح بخاری، کتاب التفسیر القرآن، باب فکان قاب قوسین او ادنی، حدیث ۴۸۵۶، ج۶، ص ۱۴۱

(2) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب فی قولہ علیہ السلام انی اراہ، حدیث نمبر ۱۷۸، ج۱، ص ۱۶۱

(3) عمدۃ القاری شرح بخاری، العینی، ابو محمد محمود بن احمد بن بدر الدین، بیروت: داراحیاء التراث العربی، ۱۴۲۱ھ، ج۱۹ ص ۱۹۸

یعنی: ابن خزیمہ نے قوی سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔ اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد، کعب بن احبار، زہری اور معمر کہا کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔

علامہ بن حجر عسقلانی فتح الباری شرح بخاری میں سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے، کو نقل کرکے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''عَن بن عَبَّاسٍ قَالَ رَأَى مُحَمَّدٌ رَبَّهُ قُلْتُ أَلَيْسَ الله يَقُول لَا تُدْرِكهُ الْأَبْصَار قَالَ وَيحك ذَاكَ إِذَا تَجَلَّى بِنُورِهِ الَّذِي هُوَ نُورُهُ وَقَدْ رَأَى رَبَّهُ مَرَّتَيْنِ وَحَاصِلُهُ أَنَّ الْمُرَادَ بِالْآيَةِ نَفْيُ الْإِحَاطَةِ بِهِ عِنْدَ رُؤْيَاهُ لَا نَفْيَ أَصْلِ رُؤْيَاهُ۔''(1)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے یہ سن کر کہا کہ پھر یہ آیت کہاں جائے گی جس میں فرمانِ الٰہی ہے لا تدرکه الابصار وهويدرک الابصار یعنی اسے کوئی نگاہ نہیں پاسکتی اور وہ سب نگاہوں کو پالیتا ہے۔ اس پر ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ اس وقت ہے کہ وہ اپنے نور سے پوری تجلی کرے ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ اپنے رب کو دیکھا ہے۔ اس آیہ کریمہ سے مراد احاطہ کرتے ہوئے دیکھنا ہے (جیسے ہماری نگاہ چاند کو تکتی ہے مگر چاند کا احاطہ نہیں کرسکتی) جبکہ صرف دیکھنا کی نفی نہیں ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے جو شرح ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کی بیان فرمائی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا جاسکتا ہے جیسا کہ ہم سورج یا چاند کو دیکھتے ضرور ہیں مگر ہماری نگاہیں سورج یا چاند کا احاطہ نہیں کرسکتیں اسی طرح ہماری نگاہیں رب تعالیٰ کو دیکھ سکتیں ہیں اس کی ذات کا احاطہ نہیں کرسکتیں۔ علامہ بن حجر عسقلانی فتح الباری شرح بخاری میں امام احمد کے بارے میں لکھتے ہیں۔

«عَنِ الْمَرْوَزِيِّ قُلْتُ لِأَحْمَدَ إِنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ مَنْ زَعَمَ أَنَّ مُحَمَّدًا رَأَى رَبَّهُ فَقَدْ أَعْظَمَ عَلَى اللَّهِ الْفِرْيَةَ فَبِأَيِّ شَيْءٍ يُدْفَعُ قَوْلُهَا قَالَ بِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتُ رَبِّي قَوْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْبَرُ مِنْ قَوْلِهَا۔» (2)

مروزی لکھتے ہیں، میں نے امام احمد سے کہا کہ لوگ کہتے ہیں ام المومنین رضی اللہ عنہا کہا کرتیں تھیں کہ جس نے یہ کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا بہتان باندھا ہے۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کا کیا

(1) فتح الباری شرح بخاری، ج۸، ص۶۰۷

(2) ایضاً، ج۸، ص۶۰۹

جواب دیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کے ساتھ رایتُ ربی یعنی میں نے اپنے رب کو دیکھا ہے، سے حضرت عائشہ کے قول کا جواب دیں گے اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول سے بڑا ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی کا موقف یہ ہے کہ اسراء اور معراج ایک ہی رات میں، حالت بیداری میں، آپ ﷺ کے جسم اور روح دونوں کے ساتھ پیش آئے۔ جمہور علمائے حدیث، فقہا اور متکلمین اسی کے قائل ہیں۔ صحیح روایات کا ظاہری مفہوم اسی پر دلالت کرتا ہے۔ اس موقف کو ترک کرنا مناسب نہیں ہے۔ اس لیے کہ عقلی طور پر ایسا ہونا محال نہیں ہے کہ تاویل کی ضرورت ہو۔ ان تمام دلائل کو سامنے رکھتے ہوئے امام نووی لکھتے ہیں۔

''وَإِذَا صَحَّتِ الرِّوَايَاتُ عن بن عَبَّاسٍ فِي إِثْبَاتِ الرُّؤْيَةِ وَجَبَ الْمَصِيرُ إِلَى إِثْبَاتِهَا فَإِنَّهَا لَيْسَتْ مِمَّا يُدْرَكُ بِالْعَقْلِ وَيُؤْخَذُ بِالظَّنِّ وَإِنَّمَا يُتَلَقَّى بِالسَّمَاعِ وَلَا يَسْتَجِيزُ أَحَدٌ أَنْ يَظُنَّ بِابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ تَكَلَّمَ فِي هَذِهِ الْمَسْأَلَةِ بِالظَّنِّ وَالِاجْتِهَادِ وَقَدْ قَالَ مَعْمَرُ بن راشد حين ذكر اختلاف عائشة وبن عباس ما عائشة عندنا بأعلم من بن عباس ثم ان بن عباس أثبت شيئا نفاه غيره وَالْمُثْبِتُ مُقَدَّمٌ عَلَى النَّافِي۔''(1)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایات صحت کے ثبوت کو پہنچ گئیں کہ انہوں نے ایسا کہا ہے تو اب ہم یہ خیال نہیں کر سکتے کہ آپ نے اتنی بڑی بات محض اپنے قیاس اور ظن کی بنا پر کہی ہو۔ یقیناً انہوں نے کسی مرفوع حدیث کی بنا پر ایسا کہا ہو گا نیز ابن عباس رضی اللہ عنہ ایک چیز کو ثابت کر رہے ہیں دوسرے حضرات نفی کر رہے ہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ مثبت کا قول نافی پر مقدم ہو گا۔

امام نووی نے رؤیت کے قول کو اس بنا پر قبول کیا ہے کہ وہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور لکھتے ہیں کہ صحابی ظن و گمان کی بنیاد پر بات نہیں کرتا علامہ آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ان آیات کی تفسیر و تشریح کے بعد رؤیت باری تعالیٰ کے بارے میں اپنا موقف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''وأنا أقول برؤيته ﷺ ربه سبحانه وبدنوه منه سبحانه على الوجه اللائق۔''(2)

یعنی اور میں یہ کہتا ہوں کہ سرور کائنات ﷺ اپنے رب کے دیدار سے مشرف ہوئے اور نبی کریم علیہ السلام کو قرب الٰہی بھی نصیب ہوا لیکن اس طرح جیسے اس کی شان کبریائی کے لائق ہے۔

آگے امام احمد کے بارے میں لکھتے ہیں کہ۔

---

(1) المنہاج شرح صحیح مسلم، النووی، ابوزکریا محی الدین یحیی بن شرف، بیروت: داراحیاء التراث العربی، ۱۳۹۲ھ، ج۳، ص۵

(2) روح المعانی، ج۲۷، ص۵۴

''وعن الإمام أحمد أنه كان يقول : إذاسئل عن الرؤيةرآه رآه حتى ينقطع نفسه۔''[1]

جب امام احمد ابن حنبل رحمتہ اللہ علیہ سے سوال کیا جاتا کہ نبی کریمعلیہ السلام نے اپنے رب کا دیدار کیا تو آپ یہ فرماتے

راہٗ راہٗ حتی ینقطع نفسہ، یعنی ہاں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے۔ ہاں نبی کریم ﷺ نے اپنے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے۔ یہ جملہ اتنی دفعہ دہراتے کہ آپ کا سانس ٹوٹ جاتا تھا۔

امام قرطبی سورہ اسراء میں جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بعبدہ کہہ کر مخاطب فرمایا ہے اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ستاروں سے آگے بلندی پر فائز ہوگئے مگر تواضع و انکساری کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بعبدہ سے خطاب فرمایا۔ امام صاحب لکھتے ہیں کہ:

''لَمَّا رَفَعَهُ اللَّهُ تَعَالَى إِلَى حَضرَتِهِ السَّنِيَّةِ، وَأَرْقَاهُ فَوْقَ الْكَوَاكِبِ الْعُلْوِيَّةِ، أَلْزَمَهُ اسْمَ الْعُبُودِيَّةِ تَوَاضُعًا لِلْأُمَّةِ.''[2]

یعنی جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنی بارگاہ عالی کی طرف بلند فرمایا اور آپ ﷺ کو ستاروں کی بلندی سے بھی اوپر لے گیا تو امت کے سامنے تواضع کے لیے آپ ﷺ کو اسم عبودیت کے ساتھ مخاطب فرمایا۔

امام قرطبی واقعہ معراج کا اختلاف اور ایک گروہ کا نظریہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا موقف یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی روح پاک کو معراج ہوئی تھی جسم اطہر بستر سے الگ نہیں ہوا تھا اور یہ عالم رؤیا کا معجزہ ہے۔

امام صاحب لکھتے ہیں کہ:

''هَلْ كَانَ إِسْرَاءً بِرُوحِهِ أَوْ جَسَدِهِ، اخْتَلَفَ فِي ذَلِكَ السَّلَفُ وَالْخَلَفُ، فَذَهَبَتْ طَائِفَةٌ إِلَى أَنَّهُ إِسْرَاءٌ بِالرُّوحِ، وَلَمْ يُفَارِقْ شَخْصُهُ مَضْجَعَهُ، وَأَنَّهَا كَانَتْ رُؤْيَا رَأَى فِيهَا الْحَقَائِقَ، وَرُؤْيَا الْأَنْبِيَاءِ حَقٌّ.ذَهَبَ إِلَى هَذَا مُعَاوِيَةُ وَعَائِشَةُ،وَحُكِيَ عَنِ الْحَسَنِ وَابْنِ إِسْحَاقَ''[3]

کیا معراج روح کے ساتھ ہوئی ہے یا جسم کے ساتھ؟ اس کے بارے میں سلف و خلف کا اختلاف ہے، پس اس میں ایک گروہ کا موقف یہ ہے کہ معراج روح کو ہوئی، اور یہ کہ آپ ﷺ کا جسم اقدس آپ کے بستر سے الگ نہیں ہوا، اور یہ کہ یہ خواب تھا جس میں آپ ﷺ نے حقائق کو دیکھا، اور نبیاء علیہم السلام کے خواب حق ہیں، یہ نظریہ حضرت

(1) روح المعانی، ج ۲۷، ص ۵۴

(2) الجامع لاحکام القرآن، ج ۱۰، ص ۲۰۶

(3) ایضاً، ج ۱۰، ص ۲۰۹

امیر معاویہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہے، اور اسے حضرت حسن اور حضرت ابن اسحاق سے بیان کیا گیا ہے۔

واقعہ معراج کے بارے میں جو دوسرا نظریہ ہے اس کے بارے میں امام قرطبی لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد اقصیٰ تک معراج بیداری کی حالت میں جسم مع الروح کے ساتھ ہوئی اور مسجد اقصیٰ سے آگے معراج روحانی ہے نہ کہ جسمانی۔ لکھتے ہیں کہ:

''وَقَالَتْ طَائِفَةٌ: كَانَ الْإِسْرَاءُ بِالْجَسَدِ يَقَظَةً إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ، وَإِلَى السَّمَاءِ بِالرُّوحِ، وَاحْتَجُّوا بِقَوْلِهِ تَعَالَى: " سُبْحانَ الَّذِي أَسْرى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى" فَجَعَلَ الْمَسْجِدَ الْأَقْصَى غَايَةَ الْإِسْرَاءِ. قَالُوا: وَلَوْ كَانَ الْإِسْرَاءُ بِجَسَدِهِ إِلَى زَائِدٍ عَلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى لَذَكَرَهُ، فَإِنَّهُ كَانَ يَكُونُ أَبْلَغُ فِي الْمَدْحِ.''[1]

اور ایک گروہ نے کہا ہے: یہ معراج جسم کے ساتھ حالت بیداری میں بیت المقدس تک ہوئی، اور آسمان تک روح کے ساتھ ہوئی، اور اس گروہ نے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے استدلال کیا ہے: سبحان الذی اسرٰی بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصٰی، پس انہوں نے مسجد اقصیٰ کو اسراء کی غایت قرار دیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے: اگر اسراء آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جسم کے ساتھ اقصیٰ سے آگے تک ہوتی تو یقیناً اس کا ذکر ہوتا کیونکہ یہ مدح اور تعریف میں مزید مبالغہ اور اضافہ ہے۔

تیسرے گروہ کا موقف بیان کرتے ہوئے امام قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ:

معراج کے جسم کے ساتھ اور حالت بیداری میں کوئی استحالہ نہیں ہے، اور ظاہر اور حقیقت سے تاویل کی طرف عدول تب کیا جاتا ہے جب کوئی استحالہ لازم آئے، اور اگر یہ خواب ہوتی تو اللہ تعالیٰ فرماتا: بروح عبدہ (اپنے بندے کی روح کو) اور یہ نہ کہتا بعبدہ۔ اور قول باری تعالیٰ مازاغ البصر و ماطغی اس پر دلالت کرتا ہے۔ اور اگر یہ خواب ہوتی تو اس میں کوئی نشانی اور معجزہ نہ ہوتا، اور نہ ام ہانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے سامنے بیان نہ کریں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلا دیں گے۔ اور نہ اس کے سبب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو فضیلت دی جاتی، اور نہ قریش کے لیے تشنیع و تکذیب ممکن ہوتی، حالانکہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے خبر دی تو قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا حتی کہ کچھ لوگ مرتد ہو گئے جو ایمان لا چکے تھے۔ پس اگر یہ خواب ہوتی تو کوئی اس کا انکار نہ کرتا حالانکہ مشرکین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا: اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں تو پھر ہمیں قافلے کے بارے میں بتائیے کہ کہاں آپ ان سے ملے تھے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فلاں فلاں جگہ میں ان کے پاس سے گزرا اور فلاں آدمی پریشان اور

(1) الجامع لاحکام القرآن، ج ۱۰، ص ۲۰۹

گھبرایاہوا تھا۔[1]

سفر معراج کے بارے میں زیادہ تر مفسرین نے یہی مذکور الذکر تین موقف بیان فرمائے ہیں۔اس لیے اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ اب چند مثالیں سیرت نگاروں کی کتب سیر سے ذکر کرتا ہوں تاکہ ان کا موقف بھی شامل ہو جائے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ کیا سیرت نگاروں نے ایک ہی موقف اپنایا ہے یا سب کا ذکر کیا ہے؟اور کس نے کس موقف کی تائید کی ہے؟سب سے پہلی سیرت پر لکھی گئی کتاب محمد بن اسحاق کی ہے،اس کتاب میں مطلقاً سفر معراج کا ذکر ہے۔ کوئی کسی قسم کا اختلاف وارد نہیں ہے۔ سیرت حلبیہ میں البتہ اختلاف بیان کیا گیا ہے۔امام حلبی نے معراج روحانی وجسمانی کا اختلاف نقل کیااور رؤیت باری تعالیٰ پر بھی الگ الگ موقف ذکر کیا۔اور آخر میں ایک اور نظریہ بیان کیا، لکھتے ہیں: محققین کی ایک جماعت کا یہ قول اور مسلک ہے کہ معراج شریف کے اختلافی مسئلے میں خاموشی ہی بہتر ہے اس لیے کہ اس بارے میں کوئی مضبوط اور قطعی دلیل نہیں ہے بلکہ دونوں فریقوں نے جن باتوں کو اپنے لیے دلیل بنایاہے وہ روایتوں کے ظاہری الفاظ ہیں جو ایک دوسرے کے مخالف ہیں اور جن میں تاویل ممکن ہے۔چونکہ یہ بات عقیدے کے درجے کی ایک چیز ہے اس لیے ضروری ہے کہ اس کے متعلق کوئی قطعی دلیل ہو۔ پس یہاں ایک نیاموقف خاموشی کا سامنے آیاہے کہ اختلاف کی وجہ سے چپ رہنااس مسئلے میں بہتر ہے۔امام حلبی نے اس موقف کو صرف ذکر کیاہے اختیار نہیں کیااور انہوں نے جملہ اختلافات کو صرف بیان کیا ہے۔[2]

امام جلال الدین السیوطی نے الخصائص الکبری میں ۳۰روایات نبی کریم ﷺ کے سفر معراج پر نقل کی ہیں۔ آپ نے صرف وہی روایات ذکر کرنے پر اکتفا کیاہے کوئی اختلافی بحث نہیں بیان کی۔ہاں البتہ ان روایات کے اندر جو کچھ بھی اختلافی مواد ہے،وہ من وعن ذکر کیا گیاہے۔[3]''فقہ السیرۃ النبویۃ'' میں ڈاکٹر محمد سعید رمضان نے اسراءاور معراج کا الگ الگ ذکر کیاہے اور اختلاف بھی بیان کیاہے۔ڈاکٹر صاحب نے اپناموقف بیان کرتے ہوئے لکھاہے کہ اسراء اور معراج دونوں جسم اور روح کے ساتھ ہوئے تھے۔[4] خالد مسعود نے اپنی تصنیف ''حیات رسول امی'' میں واقعہ معراج کے ساتھ اختلاف بھی ذکر کیا ہے اور لکھتے ہیں کہ:حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حسن بصری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے روحانی سفر کے قائل ہیں جبکہ حضرت ابن

---

(1)الجامع لاحکام القرآن،ج۱۰،ص۲۱۰

(2)سیرۃ حلبیہ،امام حلبی، علی بن برہان الدین(مترجم:مولانااسلم قاسمی)کراچی:دار الاشاعت،۱۹۹۹ء،ج۲،ص۵۸۸

(3)الخصائص الکبری،السیوطی،عبدالرحمن بن ابی بکر جلال الدین،بیروت:دار الکتب العلمیہ،ج۱،ص۳۰۷

(4)فقہ السیرۃ النبویہ،ص۲۱۰

عباس رضی اللہ عنہ جسمانی سفر کے قائل ہیں۔ (1) مولانا صفی الرحمان مبارکپوری نے "الرحیق المختوم" میں اسراء اور معراج کے تحت جو گفتگو کی ہے اس میں امام ابن قیم کا "زاد المعاد" جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے بارے میں اختلاف ذکر ہے اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کو آنکھ سے دیکھنے کا سرے سے کوئی ثبوت نہیں ہے اور نہ ہی کوئی صحابی اس کا قائل ہے، اور ابن عباس سے مطلقاً دیکھنے اور دل اے دیکھنے کے جو دو قول منقول ہیں، ان میں سے پہلا دوسرے کے منافی نہیں ہے۔ اور ثم دنا فتدلیٰ میں جس قربت کا ذکر ہے وہ معراج کے واقعہ کے علاوہ ہے۔ اور سورہ النجم میں جس قربت کا ذکر ہے وہ حضرت جبریل علیہ السلام کی قربت و تدلّی ہے۔ (2) مولانا ابو الکلام آزاد "سیرت رسول رحمت" میں اسریٰ کے بارے باقیوں سے قدرے مختلف موقف بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ: یہ جو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا، "رویا عین اریھا" تو اس نے سارا مسئلہ حل کر دیا اور وہ حقیقت آشکار ہو گئی، کہ جس کی طرف ہم ابھی اشارہ کر چکے ہیں، یعنی جو کچھ پیش آیا، تھا تو رؤیا ہی، لیکن کیسی رؤیا؟ ویسی ہی رؤیا جیسی عالمِ خواب میں ہم دیکھا کرتے ہیں؟ نہیں "رؤیا عین" ایسی رؤیا جس میں آنکھیں غافل نہیں ہوتیں، بیدار ہوے یں ہیں، جو کچھ دیکھا جاتا ہے وہ ایسا ہوتا ہے جیسے آنکھوں سے دیکھا جا رہا ہو۔ (3)

مولانا مودودیؒ نے معراج کے بارے میں یہ سوال اٹھایا کہ: کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود تشریف لے گئے تھے یا اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے محض روحانی طور پر ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مشاہدہ کرا دیا گیا؟ اس کے جواب میں مولانا کو جواب یہ ہے کہ ان سوالات کا جواب قرآن مجید کے الفاظ خود دے رہے ہیں۔ سبحٰن الذی اسرٰی بعبدہ سے بیان کی ابتدا کرنا خود بتا رہا ہے کہ یہ کوئی بہت بڑا خارقِ عادت واقعہ تھا جو اللہ تعالیٰ کی غیر محدود قدرت سے رونما ہوا۔ ظاہر ہے کہ خواب میں کسی شخص کا اس طرح کی چیزیں دیکھ لینا، یا کشف کے طور پر دیکھنا یہ اہمیت نہیں رکھتا کہ اسے بیان کرنے کے لیے اس تمہید کی ضرورت ہو کہ "تمام کمزوریوں اور نقائص سے پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو یہ خواب دکھایا یا کشف میں کچھ دکھایا دیا"۔ پھر یہ الفاظ بھی کہ "ایک رات اپنے بندے کو لے گیا" جسمانی سفر پر صریحاً دلالت کرتے ہیں۔ خواب کے سفر یا کشفی سفر کے لیے "لے جانے" کے الفاظ کسی طرح موزوں نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا ہمارے لیے یہ ماننے بغیر چارہ نہیں کہ یہ محض ایک روحانی تجربہ نہ تھا، بلکہ ایک جسمانی سفر اور عینی مشاہدہ تھا جو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کرایا۔ (4)

---

(1) حیات رسول امی، خالد مسعود، لاہور: دار التذکیر، ۲۰۰۹ء، ص ۲۳۵

(2) الرحیق المختوم، ص ۲۰۲

(3) سیرت رسول رحمت، مولانا ابو الکلام آزاد، لاہور: شیخ علی اینڈ سنز پبلیشرز، ص ۱۶۰

(4) تفہیم القرآن، ج ۲، ص ۵۸۹

آنحضرت ﷺ نے کیا اللہ تعالیٰ کو دیکھا؟ اس کے بارے میں مولانا مودودیؒ نے اپنے موقف کو لَقَدْ رَأَی مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی سے ثابت کیا ہے اور کہتے ہیں یہ آیت اس امر کی تصریح کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو نہیں بلکہ اُس عظیم الشان آیات کو دیکھا تھا، اور چونکہ سیاق و سباق کی رو سے یہ دوسری ملاقات بھی اُسی ہستی سے ہوئی تھی جس سے پہلی ملاقات ہوئی، اس لیے لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ اُفقِ اعلیٰ پر جس کو آپ ﷺ پہلی مرتبہ دیکھا تھا اور جو قریب آتے آتے بس دو کمان یا اس سے بھی کم فاصلے پر آ گیا تھا وہ بھی اللہ تعالیٰ نہ تھا، اور دوسری مرتبہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس جس کو دیکھا وہ بھی اللہ تعالیٰ نہ تھا۔ اگر آپ ﷺ نے اِن مواقع میں سے کسی موقع پر بھی اللہ جلہ شانہ کو دیکھا ہوتا تو یہ اتنی بڑی بات تھی کہ یہاں ضرور اُس کی تصریح کر دی جاتی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی درخواست کی تھی اور انہیں جواب دیا گیا تھا کہ ''لن ترانی''، تم مجھے نہیں دیکھ سکتے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ اگر یہ شرف جو حضرت موسیٰ کو نہیں عطا کیا گیا تھا، رسول کریم ﷺ کو عطا کر دیا جاتا، تو اس کی اہمیت خود ایسی تھی کہ اسے صاف الفاظ میں بیان کر دیا جاتا۔(1)

الغرض نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کی طبیعت مبارکہ اسراء و معراج سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ابو طالب کی یکے بعد دیگرے وفات، مشرکین کی ہٹ دھرمی اور سفر طائف کی صعوبت کی بنا پر بہت مکدر رہتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تالیف قلب کے لیے اپنے عجائبات کی سیر کرائی اور مزید اپنا قرب بخشا۔ چنانچہ اب رسول اللہ ﷺ تازہ دم اور ہشاش بشاش ہو گئے تھے اور اب تبلیغ دین کے لیے بھی کمربستہ تھے۔ آنحضرت ﷺ نے سفر معراج میں اللہ تعالیٰ کا تقرب ضرور حاصل کیا۔ اب وہ تقرب کس حالت و نوعیت کا ہے اور دیدار کی حالت کونسی ہے، عالم رویا ہے یا عالم بیداری ہے اس کی حقیقت کماحقہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں اور معراج نبی کریم علیہ السلام کے معجزات میں عظیم معجزہ ہے اس معجزہ کا انکار گمراہی ہے۔ چند علماء کے نظریات معراج جسمانی یا روحانی اور رؤیت باری تعالیٰ کے بارے میں مذکور الذکر بحث میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

(۲) شق قمر

نبی کریم علیہ السلام کے آسمانی معجزات میں سے ایک شق قمر بھی ہے۔ جس کا ذکر قرآن مجید نے کیا ہے۔ مشرکین مکہ نے جب نبی کریم ﷺ سے چاند دو ٹکڑے کرنے کا کہا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگر ایسا ہو جائے تو تم ایمان قبول کر لو گے؟ سب نے ہاں کہی، مگر جب یہ عظیم معجزہ ظاہر ہو گیا تو پھر سب اسے جادو کہنے لگ گئے۔ اس واقعہ کا ذکر سورہ القمر کے اندر بیان ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(1) تفہیم القرآن، ج۵، ص۲۰۱

﴿اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ O وَإِنْ يَرَوْا آيَةً يُعْرِضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُسْتَمِرٌّ O وَكَذَّبُوا وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ وَكُلُّ أَمْرٍ مُسْتَقِرٌّ﴾(1)

قریب آگئی (قیامت کی) وہ ہولناک گھڑی اور پھٹ گیا چاند۔ مگر لوگوں کا حال یہ ہے کہ اگر یہ کوئی بڑی نشانی بھی دیکھ لیں تو اس سے (غفلت ولاپرواہی کے ساتھ) منہ موڑ لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو ایک جادو ہے چلتا ہوا۔ انہوں نے جھٹلایا (حق اور حقیقت کو) اور پیچھے چل پڑے اپنی خواہشات کے اور ہر کام کا بہرحال ایک وقت مقرر ہے۔

امام ابن کثیر ان آیاتِ مبیّنات کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

''قَدْ كَانَ هَذَا فِي زَمَانِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَمَا ثَبَتَ ذَلِكَ فِي الْأَحَادِيثِ الْمُتَوَاتِرَةِ بِالْأَسَانِيدِ الصَّحِيحَةِ۔۔۔ وَهَذَا أَمْرٌ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ بَيْنَ الْعُلَمَاءِ أَيِ انْشِقَاقُ الْقَمَرِ قَدْ وَقَعَ فِي زَمَانِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَّهُ كَانَ إِحْدَى الْمُعْجِزَاتِ الْبَاهِرَاتِ۔''(2)

تحقیق چاند کا شق ہونا یہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ کا واقعہ ہے جیسا کہ احادیثِ متواترہ الصحیحہ سے ثابت ہے۔ اور اس معجزہ پر علماء کا اتفاق ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں واقعہ ہوا جو کہ آپ ﷺ کے روشن معجزات میں سے ہے۔

شق قمر کی روایت یوں ہے کہ ایک دفعہ مشرک اکھٹے ہو کر نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے اگر آپ سچے ہیں تو چاند کو دو ٹکڑے کر کے دکھایئے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا! اگر میں ایسا کر دوں تو کیا ایمان لے آؤ گے ؟ وہ بولے ضرور۔ اس رات چاند کی چودھویں تاریخ تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب سے عرض کی کہ کفار نے جو مطالبہ کیا ہے اسے پورا کرنے کی قوت دی جائے۔ پس چاند دو ٹکڑے ہو گیا نبی کریم ﷺ اس وقت مشرکین کا نام لے لے کر فرما رہے تھے اے فلاں اے فلاں اب اپنی آنکھوں سے دیکھ لو اور اس بات پر گواہ رہنا۔ تمہاری آرزو پوری ہو گئی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کفار نے جب اس عظیم معجزہ کو دیکھا تو ایمان لانے کی بجائے انہوں نے کہا یہ ابی کبشہ کے بیٹے کی نظر بندی کا اثر ہے اس نے تمہاری آنکھوں پر جادو کر دیا ہے چند دنوں بعد قافلے باہر سے آنے والے ہیں ہم ان سے پوچھیں گے اس جادو کی حقیقت کھل کر سامنے آ جائے گی جب وہ قافلے مکہ پہنچے اور ان سے پوچھا گیا کہ کیا فلاں رات کو چاند کو شق ہوتے تم نے دیکھا ہے سب نے اس بات کی تصدیق کی کہ ہم چاند کو شق ہوتے دیکھا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیاتِ مقدسہ نازل فرمائیں۔ جو کہ رسول

---

(1) القمر: ۱۔۳

(2) تفسیر القرآن العظیم، ج۷، ص ۴۷۲

اللہ ﷺ کے اس عظیم معجزہ کی تصدیق ہے، لیکن اس کے باوجود کفار مکہ کو ایمان لانے کی توفیق نصیب نہ ہوئی۔[1]

سید قطب شہید ان مذکور الذکر سورہ القمر کی آیات کے تحت دس احادیث معجزہ شق قمر کے متعلق نقل کرنے بعد لکھتے ہیں کہ کثیر روایات سے ثابت ہے کہ یہ واقع ہوا تھا اور روایات زمان و مکان کی تحدید بھی کرتی ہیں اور شق قمر کی ہیت کا تعین بھی کرتی ہیں:

''فهذه روايات متواترة من طرق شتى عن وقوع هذا الحادث، وتحديد مكانه في مكة- باستثناء رواية لم نذكرها عن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه، أنه كان في منى- وتحديد زمانه في عهد النبي- صلى الله عليه وسلم- قبل الهجرة. وتحديد هيئته- في معظم الروايات أنه انشق فلقتين، وفي رواية واحدة أنه كسف (أي خسف) .. فالحادث ثابت من هذه الروايات المتواترة المحددة للمكان والزمان والهيئة.''[2]

ان مذکور الذکر متواتر روایات جو کہ مختلف اسناد و طرق ہیں، سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ واقع ہوا ہے اور مکہ میں اس کی جگہ بھی بتا دی گئی۔ سوائے ایک روایت کہ جس میں منی کا ذکر ہے باقی سب روایات مکہ کے بارے میں ہیں۔ آپ ﷺ کے زمانے میں یہ واقع پیش آیا اور ہجرت سے قبل صادر ہوا۔ کثیر روایات میں آتا ہے کہ یہ دو ٹکڑے ہو گیا جبکہ ایک روایت میں آتا ہے کہ چاند گرہن ہوا تھا۔ بہر حال واقعہ جو بھی ہو روایات سے ثابت ہے اور روایات زمان و مکان کی تحدید بھی کرتی ہیں اور شق قمر کی ہیت کا تعین بھی کرتی ہیں۔

سید صاحب نبی کریم ﷺ کو عطا کئے گئے معجزات کی حقیقت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ معجزہ شق قمر صادر ہوا، نص قرآنی نے اس کی تصدیق کی اور روایاتِ متواترہ میں اس کی تصدیق ہوئی اور جس جگہ اور جس زمانے میں واقعہ ہوا، اس کا بھی تعین ہو گیا اور جس انداز میں ہوا، اس کی بھی تفصیلات موجود ہیں:

''فأما ما وقع فعلا للرسول- صلى الله عليه وسلم- من خوارق شهدت بها روايات صحيحة فكان إكراما من الله لعبده، لا دليلا لإثبات رسالته.ومن ثم نثبت الحادث- حادث انشقاق القمر- بالنص القرآني وبالروايات المتواترة التي تحدد مكان الحادث وزمانه وهيئته. ونتوقف في تعليله الذي ذكرته بعض الروايات. ونكتفي بإشارة القرآن إليه مع الإشارة إلى اقتراب الساعة. باعتبار هذه الإشارة لمسة للقلب البشري ليستيقظ ويستجيب وانشقاق القمر إذن كان آية كونية''[3]

---

(1) الجامع لاحکام القرآن، ج۱۷، ص۱۲۷

(2) فی ظلال القرآن، ج۶، ص۳۴۲۶

(3) ایضاً، ج۶، ص۳۴۲۷

پس نبی کریم ﷺ کے دست اقدس پر جو معجزات صادر ہوئے اور جن کی تصدیق صحیح روایات نے کی ہے تو وہ بطور اعزاز نبی کریم ﷺ کو عطا کئے گئے ہیں نہ کے بطور دلائل نبوت۔یہی وجہ ہے کہ معجزہ شق قمر صادر ہوا، نص قرآنی نے اس کی تصدیق کی اور روایاتِ متواترہ میں اس کی تصدیق ہوئی اور جس جگہ اور جس زمانے میں واقعہ ہوا، اس کا بھی تعین ہوگیا اور جس انداز میں ہوا، اس کی بھی تفصیلات موجود ہیں۔ لیکن جن روایات میں اس کی علت بیان کی گئی ہے اس کے بارے میں ہم خاموش ہیں، بس یہی کہتے ہیں کہ شق قمر دلالت کرتا ہے قرب قیامت پر اور اسی میں ہمارے لیے عبرت ہے کہ ہم چوکنے ہوجائیں، جاگیں اور اس عظیم گھڑی کی تیاری کریں اور شق قمر ایک کائناتی معجزہ تھا۔

سید قطب شہیدؒ نے تفصیل سے اس معجزہ کے بارے میں لکھا ہے۔ اور ان اختلافات کا بھی جواب دیا ہے جو منکرین نے اس معجزہ کو تسلیم کرنے پر کئے ہیں۔ امام ابن کثیر اور امام قرطبی نے جو کچھ اس معجزہ کے بارے میں نظریات قائم کئے ہیں وہ بھی اس بحث میں شامل کئے گئے ہیں لیکن جس خوبصورتی سے دلائل سید صاحب نے پیش کئے ہیں وہ زیادہ مناسب و موزوں ہیں۔ ان مذکور الذکر مفسرین کے علاوہ بھی بہت سارے متقدمین و متاخرین نے بھی اس عظیم معجزہ کو تسلیم کیا ہے۔ اور محدثین نے بھی اس واقعہ کو متعدد طرق سے نقل کیا ہے۔ اور وہ روایات اس واقعہ کے بارے میں جن کو محدثین کی جماعت نے نقل کیا ہے اور تقریباً یہی الفاظ مختلف اسناد سے پیش کئے گئے ہیں، وہ دو روایات درج ذیل ہیں: امام بخاریؒ شقِ قمر کے بارے میں لکھتے ہیں۔

« عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: انْشَقَّ القَمَرُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِرْقَتَيْنِ، فِرْقَةً فَوْقَ الجَبَلِ، وَفِرْقَةً دُونَهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «اشْهَدُوا»[(1)]

سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں چاند دو ٹکڑے ہوا، ایک ٹکڑا پہاڑ کے ایک جانب، اور دوسرا ٹکڑا پہاڑ کے دوسری جانب تھا۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم سب گواہ ہو جاؤ۔

بخاری شریف کی مختصر سی حدیث سارے واقع کو تفصیل سے تو نہیں بیان کرتی مگر واقعہ شق قمر کی صحت کا ثبوت ضرور پیش کرتی ہے کہ یہ معجزہ رونما ہوا تھا۔ اتنی ہی تفصیل جامع ترمذی میں بھی ہے کہ یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ امام ترمذی اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

«عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِنًى فَانْشَقَّ القَمَرُ فَلْقَتَيْنِ: فَلْقَةٌ مِنْ وَرَاءِ الجَبَلِ،وَفَلْقَةٌ دُونَهُ، فَقَالَ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «اشْهَدُوا» [(2)]

---

(1) صحیح بخاری، کتاب التفسیر القرآن، باب وانشق القمر، حدیث نمبر ۴۸۶۴، ج ۶، ص ۱۴۲

(2) سنن الترمذی، ابواب التفسیر القرآن، باب سورہ القمر، حدیث نمبر ۳۲۸۵، ج ۵، ص ۳۹۷

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم سب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ منیٰ میں تھے۔ پس چاند دو ٹکڑے ہوا، ایک ٹکڑا پہاڑ کے ایک طرف تھا، اور دوسرا ٹکڑا پہاڑ کے دوسری طرف تھا۔ اس پر ہمیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گواہ ہو جاؤ۔

سیرت نگاروں نے بھی اس معجزہ کو ذکر کیا ہے۔ اور اس کی حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے اپنے نظریات اس کے متعلق بیان کئے ہیں۔ جیسا کہ جلال الدین السیوطی اپنی تصنیف الخصائص الکبریٰ میں اس عظیم معجزہ شق قمر کے بارے میں درجنوں روایات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

> ''علماء فرماتے ہیں کہ چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا بہت بڑا معجزہ ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا کوئی معجزہ اس کے مساوی نہیں ہو سکتا۔ یہ ایسا معجزہ ہے جو ملکوت سماء میں ظہور پذیر ہوا۔ یہ عالم رنگ بو جس میں مختلف قسم کی مخلوقات رہتی ہیں ان سب کی فطرت اور مزاج سے یہ معجزہ یکسر مختلف ہے کیونکہ وہاں تک رسائی کسی حیلہ و تدبیر سے ممکن ہی نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ انشقاق قمر کا معجزہ تمام دلائل نبوت میں قوی تر دلیل ہے۔''[1]

ڈاکٹر عبد الغفور راشد نے سیرت رسول قرآن کے آئینے میں، واقعہ شق قمر کو نبی کریم ﷺ کے معجزات قرآنی کے تحت ذکر کیا ہے۔ اور لکھتے ہیں کہ قرآن کریم میں آپ ﷺ کے جن معجزات کا بیان ہوا ہے ان میں سے ایک واقعہ شق قمر کا بھی ہے۔[2] محدثین و مفسرین اور سیرت نگاروں نے بہت سارے دلائل شق قمر کے پیش کئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ معجزہ اپنے حبیب مکرم ﷺ کو عطا فرمایا ہے۔ اور کفار کے لیے بطور حجت چاند کو دو ٹکڑے کر دیا۔ یہ عظیم معجزہ دیکھنے کے باوجود جن کے دل غلاظتوں سے بھرے ہوئے تھے وہ ایمان نہ لا سکے اور اس روشن معجزہ کو جادو کہہ کر انکار کر دیا۔

---

(1) الخصائص الکبری، ج ۱، ص ۲۰۹

(2) سیرت رسول قرآن کے آئینے میں، ص ۳۱۵

مبحث دوم: زمینی معجزات

نبی کریم علیہ السلام کے زمینی معجزات میں سے سب سے بڑا معجزہ خود قرآن مجید ہے۔ جس کو سب سے پہلے بیان کیا گیا ہے پھر اس کے بعد دیگر معجزات ذکر کئے گئے ہیں۔

(ا) قرآن مجید

قرآن مجید خالق کائنات کا کلام معجز ہے جو اس نے اپنے رسول پر نازل کیا ہے۔ اس کلام کو نازل کرنے والا رب العالمین ہے اور جس پر نازل فرمایا وہ رحمۃ للعالمین ہے اور یہ کلام ذکر للعالمین ہے۔ جو زمان و مکان کی حدبندیوں سے آزاد ہے، اور تمام بنی نوع انسان کے لیے قیامت تک کے لیے رشد و ہدایت کا ذریعہ ہے۔ جہاں بھر کے بنی نوع انسان اس کلام ربانی کی تعلیمات سے باہر نہیں ہیں۔ جو کوئی جہاں کہیں جس حالت میں بھی ہے اس کے لیے یہ قرآن مجید کلام معجز ایک دستور حیات ہے۔ اس لیے اس کی صفات میں سے یہ صفت رفیعہ بھی ہے کہ یہ ذکر ہے سارے جہانوں کے لیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ﴾[1]

یہ تو ایک عظیم الشان نصیحت (اور یاددہانی) ہے سب جہاں والوں کے لیے۔

گویا جہانِ عالم میں کوئی بھی فردِ واحد خود کو اس روشن و مقدس کتاب و ذکر کی تعلیمات سے بالاتر نہیں کہہ سکتا اور یہ آیت مقدسہ اس امر کو بھی واضح کرتی ہے کہ اس کلام کے ہوتے ہوئے جملہ صحائفِ آسمانیہ منسوخ ہیں۔ کیونکہ وہ صرف چند لوگوں کے لیے پیغام تھا جبکہ یہ سارے عالم کے لیے نصیحت ہے۔ اس کتاب مقدس کی جلالت و بزرگی کا ذکر خود رب العلمین نے کیا ہے۔ جس سے قرآن مجید کے اعجاز کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس جلالت مآب کلام کی عظمت کا ذکر کرتے ہوئے سورہ الحشر میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿لَوْ أَنْزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُتَصَدِّعًا مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾[2]

اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتار دیتے تو تم اسے دیکھتے کہ وہ بھی دبا جارہا ہے اور پھٹا پڑ رہا ہے اللہ کے خوف سے اور یہ مثالیں ہم بیان کرتے ہیں لوگوں کے لیے تاکہ وہ غور و فکر سے کام لیں۔

اس عظیم کلام کو اللہ تعالیٰ نے کائنات میں صرف قلب آدمیت پر ہی کیوں اتارا؟ یقیناً نزولِ قرآن کے عظیم مقاصد

---

(1) التکویر: ۲۷

(2) الحشر: ۲۱

ضرور ہوں گے جن کی وجہ سے یہ کتاب حضرت انسان کو عطا کی گئی۔ دراصل ذکر عالم کتاب ذیشان انسانوں کے لیے احکام الٰہی سے لبریز ہے۔ اسی لیے اس کو نصیحت قرار دیا گیا ہے، اور یہی وجہ ہے تھی کہ اسے قلبِ آدمیت کا زیور بنایا گیا ہے۔ اس کے نازل کرنے کی جو حکمتیں ہیں ان میں سے سب سے اہم یہی ہے کہ یہ عالمین کے لیے بہت بڑی نصیحت ہے۔ نزول قرآن مجید کے اس عظیم مقصد کو ظاہر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورہ العنکبوت میں ارشاد فرمایا:

﴿أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَى عَلَيْهِمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَى لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾(1)

اور کیا ان لوگوں کے لیے یہ نشانی کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر یہ (عظیم الشان) کتاب نازل کی جو (دن رات) پڑھ کر سنائی جاتی ہے ان کو بیشک اس میں بڑی بھاری رحمت اور عظیم الشان نصیحت ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں۔

پس اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے یہ واضح فرمایا ہے کہ قرآن مجید ایک عظیم الشان نصیحت ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی بتادیا کہ ایمان والوں کو اس نصیحت سے فائدہ حاصل ہو گا۔ البتہ قرآن مجید عمومیت کے اعتبار سے جملہ اقوام وملل کے لیے قیامت تک ذریعہ رشد وہدایت ہے۔ اس عظمتوں بھری نصیحت کا ایک اعجاز اللہ تعالیٰ نے یوں ذکر فرمایا کہ اے جملہ اقوام تم مل کر اس جیسی نصیحت اس جیسا کلام پیش کرو۔ خصوصاً جن لوگوں نے افتراء پردازی سے کام لیتے ہوئے اس کو جھٹلایا، اس کو کلام الٰہی ماننے سے صراحتاً انکار کیا، ان منکرین کے نزدیک یہ سحر زدہ کلام ہے۔ ان تمام باطل فرقوں اور گمراہ لوگوں کو دعوت ہے کہ تم تمام جن وانس کو اکھٹا کرلو سب مل کر سعی لاحاصل کرو اور قرآن جیسا کوئی دوسرا کلام لے آؤ۔ اللہ رب العزت نے تمام شیطانوں، جنوں اور نافرمان انسانوں کو چیلنج کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا﴾(2)

(اور عظمت قرآن کے اظہار وبیان کے لیے) کہو کہ اگر سارے انسان اور جن مل کر بھی اس قرآن جیسا کوئی کلام لانا چاہیں تو (ہرگز ہرگز) نہیں لاسکیں گے، اگرچہ وہ سب ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔

---

(1) العنکبوت:۵۱

(2) بنی اسرائیل:۸۸

صاحب مدارک التنزیل اس آیت کریمہ کے تحت لکھتے ہیں کہ:

"یہ آیت نضر بن حارث کے قول کے جواب میں اتری ہے۔ جو اس نے کہا "لو نشاء لقلنا مثل ھذا" تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا: اے نبی (ﷺ) آپ ان سے کہہ دیں تم صرف سارے انسان ہی نہیں بلکہ جنات بھی مل جاؤ اس عظیم کلام کی مثل لانے کے لیے تو تب بھی نہیں لا سکتے۔"[1]

اللہ جلا شانہ کے چیلنج کے سامنے جملہ اقوام عالم اور دیگر مخلوقات اس مقدس کلام جیسا دوسرا کلام پیش کرنے سے عاجز رہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں مزید چیلنج کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ قرآن مجید کے مثل قرآن لے کر آنا تو کجا، اس مقدس کلام کی سورتوں میں سے اس جیسی دس سورتیں ہی سب مل کر بنا لاؤ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾[2]

کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ پیغمبر ﷺ نے اس (کتاب حق) کو خود گھڑ لیا ہے؟ تو (ان سے) کہو کہ اچھا تو پھر تم لوگ بھی بنا لاؤ اس جیسی دس ہی سورتیں من گھڑت، اور بلا لو تم (اپنی مدد کے لیے) جس کو بھی بلا سکتے ہو اللہ کے سوا، اگر تم لوگ سچے ہو (اپنے اعتراض والزام میں)۔

ظالموں، فاسقوں کی محتاجی جب ابھر کر سامنے آئی اور وہ اس چیلنج کو پورا نہ کر سکے تو پھر اللہ تعالیٰ نے سورہ البقرۃ میں ان کو ایک اور چیلنج کیا کہ تم اس کی نہ مثل لا سکے اور نہ ہی اس کی دس سورتوں جیسی دس سورتیں پیش کر سکے ہو تو اب تم اس کی ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت ہی کی مثل کوئی سورت بنا کر لے آؤ تاکہ تمہاری صداقت کا پتا چل سکے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَى عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾[3]

اور اگر تمہیں شک ہو اس (کتاب) کے بارے میں جس کو ہم نے اتارا ہے اپنے بندہ پر تو تم اس جیسی ایک (چھوٹی سے چھوٹی) سورت ہی بنا لاؤ اور بلا لو تم اس (غرض کے لیے) اپنے تمام حمایتیوں کو سوائے اللہ (پاک سبحانہ وتعالی) کے اگر تم سچے ہو۔

---

(1) تفسیر النسفی (مدارک التنزیل وحقائق التاویل) النسفی، عبد اللہ بن احمد بن محمود، بیروت: دار الکلم ۱۴۱۹ھ، ج ۲، ص ۲۷۶

(2) ہود: ۱۳

(3) البقرۃ: ۲۳

1 اللہ تعالیٰ نے سورہ یونس میں بھی یہی چیلنج کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر تمیں اس کام کے لیے کسی کی مدد درکار ہے تو تم اس کو بھی اپنی مدد کے لیے بُلا سکتے ہو۔ یعنی تم خود بنانے سے قاصر ہو تو انسانوں یا جنوں کی مدد لو اور شعراء کو بلاؤ تاکہ وہ تمہاری مدد کر سکیں اور تم اس لاریب کتاب کی مثل پیش کر سکو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِثْلِهِ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾(1)

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اسے خود ہی تصنیف کر لیا ہے (تو ان سے) کہو کہ اچھا تو پھر تم لوگ اس جیسی کوئی ایک سورت ہی بنا کر لے آؤ، اور بلا لو (اس غرض کے لیے) جس کو بھی تم بلا سکتے ہو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو (اپنے اس الزام میں)۔

متعدد مقامات پر عرب کے فصحاء وادباء کو چیلنج کیا گیا مگر وہ بے بس رہے۔ ہزارہا کوششوں کے باوجود وہ اس کلام کی مثل نہ پیش کر سکے۔ اور کیوں نہ انہیں منہ کی کھانی پڑتی یہ کلام کلامِ معجز ہے اس بے نظیر و بے مثال ذات کا کہ نہ جس ذات کا کوئی ثانی ہے نہ اس کی صفت کلام کا کوئی ثانی ہو سکتا ہے۔ نہ صرف عرب بلکہ سارے عرب و عجم مل کر بھی کوشش کریں تو اس کلام کی ایک ہی آیت جیسی کوئی دوسری آیت پیش نہیں کر سکتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِثْلِهِ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ﴾(2)

سو یہ لا دکھائیں اس (کلام محکم نظام) جیسا کوئی کلام اگر یہ سچے ہیں (اپنے اس قول و قرار میں)۔

اس کلام عظیم کی شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اس کی مثل نہیں لا سکتا۔ تو گویا اس آیت کریمہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو چیلنج کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ کوئی کلام جو بلاغت کا حامل اور غیب کی اطلاع دینے میں قرآن کریم کی مثل ہو، پیش کرو۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ تم اس کی مثل پیش کر ہی نہیں سکتے کیونکہ میری وحی کے بغیر اس کلام پیش کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ خود ہی اللہ کریم نے چیلنج بھی کیا اور خود ہی نسانوں کی عاجزی کا ذکر بھی فرما دیا۔

سورہ یونس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ هَذَا الْقُرْآنُ أَنْ يُفْتَرَى مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾(3)

اور یہ قرآن کوئی ایسی کتاب نہیں جسے اللہ کی وحی کے بغیر یونہی گھڑ لیا جائے بلکہ یہ تصدیق ہے

(1) یونس:۳۸

(2) الطور:۳۴

(3) یونس:۳۷

ان کتابوں کی جو اس سے پہلے آچکی ہیں، اور یہ تفصیل ہے ان احکام کی جو تم پر لکھ دیئے گئے ہیں، (تمہارے رب کی طرف سے) جس میں کسی شک کی کوئی گنجائش نہیں، (اور یہ) پروردگار عالم کی طرف سے ہے۔

پس یہی کلام معجز کہ اس جیسا کوئی اور دوسرا کلام نہیں ہے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کو عطا فرمایا ہے۔ اور جس کلام کا کوئی بھی مخلوقات میں سے متحمل نہ ہو سکا وہ کلام اپنے پیارے نبی ﷺ کے قلبِ اطہر پر نازل فرمایا۔ اس لیے قرآن حکیم کا رسول اللہ ﷺ کو عطا کیا جانا آپ ﷺ کا عظیم معجزہ ہے۔ اہل عرب نبی کریم ﷺ کی طرح خالص عرب تھے اور بڑے قادر الکلام اور شاعری کے بڑے مشاق تھے کہ باہم سیکھتے سکھاتے تھے اور ان کے کلام کو ہر دور میں بڑی پذیرائی ملی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں کو فرمایا کہ تم اس کی مثل پیش کرو۔ چاہے وہ کلام غیبی اطلاعات، احکام، وعدہ ثواب، وعید عذاب کے بارے میں اس کلام معجز جیسا ہو یا ندرت، اسلوب اور بلاغت میں ساخت کے اعتبار سے اس جیسا ہو۔ اہل عرب اس کی مثل کلام لانے سے قاصر رہے۔ اور تا صبح قیامت قرآن مجید کا یہ اعجاز سلامت رہے گا اور کوئی بھی اس کی مثل نہیں لا سکے گا۔ یہ امت کی کمزوری اور نالائقی ہو گی کہ وہ اس کتاب دستور حیات سے دور رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو یہ کلام ہر دور میں ہر فرد کے مشعل راہ ہے۔ اللہ تعالیٰ من حیث القوم امت محمدیہ کو قرآن مجید کی تعلیمات پر متحد ہو کر یکجان ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

(۲) انشراح صدر

نبی کریمعلیہ الصلوۃ والسلام کے زمینی معجزات میں سے انشراح صدر بھی قرآن مجید میں ذکر ہے۔ یہ بحث نبی کریم ﷺ کے خصائص میں تفصیل سے بیان کر دی گئی ہے۔

(۳) غزوہ بدر میں فرشتوں کا نزول:

جس طرح آپ ﷺ اور اہل ایمان کی فرشتوں نے مدد کی ہے اسی طرح فرشتوں نے سابقہ انبیاء علیہم السلام کی بھی نصرت و تائید کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ پر فرشتوں کا نازل ہونا اور انسانوں میں سے بعض کا مشاہدہ کرنا، یہ آپ ﷺ کے معجزات میں سے ہے۔ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بھی فرمایا ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے غزوہ بدر کے موقع پر جب مسلمانوں کی تعداد کفار کے مقابلے میں بہت کم تھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بڑی دردمندانہ اور عاجزانہ دعا فرمائی کہ اے اللہ ہماری مدد فرما اگر آج ہم بے یار و مددگار رہے تو پھر تیرا نام لیوا قیامت تک کوئی نہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے عبد خاص کی دعا قبول فرمائی اور ایک ہزار فرشتہ قطار اندر قطار مسلمانوں کی نصرت کے لیے نازل فرمایا۔ جس سے مسلمانوں کے دلوں کو اطمینان و تسکین نصیب ہوئی اور کفار کے بڑھے ہوئے حو

صلے پست ہو گئے اور ان کی ہمتیں جواب دے گئیں تھیں۔اور مسلمان اس طرح فرشتوں کے نزول و مدد سے کفار و مشرکین پر غالب آ گئے۔اس منظر کو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یوں ذکر فرمایا ہے:

﴿ إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِأَلْفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ○ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾[1]

یاد کرو جب تم فریاد کر رہے تھے اپنے رب سے تو سن لی اس نے فریاد تمہاری (اور فرمایا) یقیناً میں تمہاری مدد کرنے والا ہوں ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ جو پے در پے آنے والے ہیں۔اور نہیں بنایا فرشتوں کے نزول کو اللہ نے مگر ایک خوشخبری اور تاکہ مطمئن ہو جائیں اس سے تمہارے دل اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ہے بے شک اللہ تعالیٰ بہت غالب حکمت والا ہے۔

مذکور الذکر آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اس معجزاتی کیفیت کو بیان فرمایا ہے کہ اے نبی (ﷺ) آپ کے مدد طلب کرنے پر میں نے ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد فرمائی ہے جو کہ بلاشبہ آپ کے لیے اور اہل ایمان کے لیے ایک خوشخبری اور سکینت قلبی کا باعث تھی۔بدر کے موقعہ پر چونکہ مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور کفار مسلمانوں سے تین گناہ سے بھی زیادہ تھے۔ایسی صورت میں دعا مانگتے ہی اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کی مدد کے لیے فرشتوں کو نازل فرما دیا۔اللہ کے نبی ﷺ نے اس قدر عاجزانہ و نیاز مندانہ اور دردمندانہ انداز سے دعا مانگی کہ فوراً مستجاب ہوئی۔اس کے بارے میں امام قرطبی ’’ اِذ تستغیثون ربّکم ‘‘ کا معنی لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’قول تَعَالَى: (إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ) الِاسْتِغَاثَةُ: طَلَبُ الْغَوْثِ والنصر‘‘[2]

یعنی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد استغاثہ کا معنی فریاد اور مدد طلب کرنا ہے۔

گویا اللہ تعالیٰ کے نبی کریم مدد طلب کرنے پر رسول اللہ ﷺ کی دعا قبول ہوئی اور فرشتے مسلمانوں کی نصرت کے لیے قطار در قطار نازل ہوئے۔غزوہ بدر کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ نے نزولِ ملائیکہ سے اپنے حبیب ﷺ اور اھلِ ایمان کی مدد فرمائی۔جیسا کہ قرآن مجید میں سورہ الاحزاب کے اندر اللہ تعالیٰ نے غزوہ خندق کے حوالے سے بھی فرشتوں کے نزول کا ذکر فرمایا کہ جب کفار کا لشکر جرار مسلمانوں پر حملہ آور ہوا اور وہ بہت سارے گروہ مل کر مسلمانوں کی مخالفت میں لڑنے آئے تھے۔گویا ایک جمِ غفیر یہودیوں اور منافقوں کی سازش سے اکھٹا ہو گیا تھا۔جن میں مشرکین مکہ، یہودی اور دیگر غیر مسلم قبائل بھی شامل تھے۔دس ہزار کے لگ بھگ لشکر کفار کی تعداد تھی۔ان سب کا ناپاک ارادہ یہ تھا کہ ہم سارے مل کر مسلمانوں کا خاتمہ کر دیں گئے۔مگر مشیتِ ایزدی تو یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ

(1)الانفال:۹،۱۰

(2)الجامع لاحکام القرآن،ج۷،ص۳۷۰

نے آندھی اور نزول ملائیکہ سے مسلمانوں کی مدد فرمائی اور عالمِ کفر کو نیست ونابود فرمادیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا﴾[1]

اے ایمان والو! یاد کرو اللہ تعالیٰ کے احسان جو اس نے تم پر کیا جب آگئے تھے تم پر (کفار کے) لشکر پس ہم نے ان پر آندھی بھیج دی اور ایسی فوجیں جنہیں تم دیکھ نہیں سکتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

تفسیر درمنثور میں ہے کہ:

"اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے جس لشکر کا ذکر کیا ہے جو کہ مسلمانوں پر حملہ آور ہوا تھا وہ ابو سفیان کا لشکر تھا اور یہ احزاب کے دن کا ذکر ہے۔"[2]

یہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام تھا اہل ایمان پر کہ علی الاعلان فرشتوں کا نزول ہوا اور دشمنان دین کے قدم اکھڑ گئے اور اہل ایمان تعداد میں بہت تھوڑے ہونے کے باوجود فاتح و مطمئن ٹھہرے۔ خدا تعالیٰ کی یہ نصرت اس کا اپنا وعدہ ہے جو ہر دور میں حق پرستوں کے ساتھ پورا کیا گیا ہے۔ غزوہ حنین کے اس موقع پر بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب پر سکینت اور ملائیکہ کا نزول فرمایا درآں حالیکہ مسلمان پریشانی و قلبی بے سکونی کا شکار ہورہے تھے۔ اس کا ذکر سورہ التوبہ میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے:

﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِينَ ○ ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ○ ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَلَى مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴾[3]

بلاشبہ اللہ مدد فرما چکا ہے تمہاری (اے مومنو!) بہت سے موقعوں میں، اور حنین کے دن بھی، جب کہ تم غرے میں آگئے تھے اپنی کثرت کی بناء پر، پھر تمہاری وہ کثرت تمہارے کچھ بھی کام نہ آسکی، اور تنگ ہوگئی تم پر زمین اپنی فراخی کے باوجود، پھر تم لوگ بھاگ نکلے پیٹھ دے کر۔ پھر اللہ نے (اپنے کرم سے) اتار دی اپنی سکینت اپنے رسول اور دوسرے اہل ایمان پر، اور اس نے اتار دیئے ایسے لشکر جو تمہیں نظر نہیں آرہے تھے، اور اس نے سزا دی کافروں کو، اور یہی ہے

---

(1) الاحزاب:۹

(2) الدر المنثور، ج۶، ص۵۷۱

(3) التوبہ:۲۵۔۲۷

بدلہ کافروں کا۔ پھر اللہ توبہ کی توفیق نصیب فرماتا ہے جس کو چاہتا ہے، اور اللہ بڑا ہی بخشنے والا، نہایت ہی مہربان ہے۔

مذکور الذکر آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اس امر کی خود نشاندہی فرمائی ہے کہ اے نبی (ﷺ) پہلے بہت سے موقعوں پر ہم تمہاری مدد کر چکے ہیں اور اب حنین کے موقع پر بھی فرشتوں کو نازل کیا جارہا ہے ساتھ ہی آپ (ﷺ) اور اصحاب پر سکینت قلبی بھی نازل کی جارہی ہے۔ ان آیات مقدسہ کی تشریح میں امام ابنِ کثیر اہل ایمان پر اللہ تعالیٰ کے ہمیشہ کی طرح اس انعام واحسان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

'' عَنْ مُجَاهِدٍ هَذِهِ أَوَّلُ آيَةٍ نَزَلَتْ مِنْ بَرَاءَةَ يَذْكُرُ تَعَالَى لِلْمُؤْمِنِينَ فَضْلَهُ عَلَيْهِمْ وَإِحْسَانَهُ لَدَيْهِمْ فِي نَصْرِهِ إِيَّاهُمْ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ مِنْ غَزَوَاتِهِمْ مَعَ رَسُولِهِ، وَأَنَّ ذَلِكَ مِنْ عِنْدِهِ تَعَالَى وَبِتَأْيِيدِهِ وَتَقْدِيرِهِ لَا بِعَدَدِهِمْ وَلَا بِعُدَدِهِمْ وَنَبَّهَهُمْ عَلَى أَنَّ النَّصْرَ مِنْ عِنْدِهِ سَوَاءٌ قَلَّ الْجَمْعُ أَوْ كَثُرَ ''(1)

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ براۃ کے بارے میں یہ پہلی آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان پر اپنے بہت بڑے احسان کا ذکر فرمارہا ہے کہ اس نے اپنے رسول ﷺ کے ساتھیوں کی خود امداد فرمائی، انہیں دشمنوں پر غالب کر دیا اور ایک جگہ نہیں ہر جگہ اللہ کی مدد شامل حال رہی۔ اسی نصرت ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی فتح و ظفر نے کبھی اہلِ ایمان کی ہم رکابی نہ چھوڑی۔ یہ صرف تائید ربّانی تھی نہ کہ مال واسباب اور ہتھیار کی فراوانی اور نہ تعداد کی زیادتی۔

بے شک حنین والے دن مجاہدین کو ذرا اپنی تعداد کی کثرت پر ناز ہو گیا تھا تو کیا حال ہوا؟ پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے تھے، صرف گنتی کے چند لوگ ہی اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے ساتھ رہ گئے تھے، عین اس وقت اللہ تعالیٰ کی مدد نازل ہوئی، اس نے مومنوں کے دلوں میں تسکین ڈال دی، یہ اس لیے کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ مدد صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ اس کی مدد سے چھوٹی چھوٹی جماعتوں نے بڑے بڑے گروہوں کے منہ پھیر دیئے، اللہ تعالیٰ کی امداد صبر کرنے والوں کے ساتھ ہی ہوتی ہے۔ غزوہ حنین والے دن مشرکین نے جو کچھ مسلمانوں کی غیبی نصرت واعانت کا مشاہدہ کیا اس کے حوالے سے امام ابن کثیر مزید آگے لکھتے ہیں کہ عبد الرحمٰن مولیٰ ابن بُرش کہتے ہیں کہ:

''حَدَّثَنِي رَجُلٌ كَانَ مَعَ الْمُشْرِكِينَ يَوْمَ حُنَيْنٍ قَالَ لَمَّا الْتَقَيْنَا نَحْنُ وَأَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ حُنَيْنٍ لَمْ يَقُومُوا لَنَا حَلَبَ شَاةٍ، قَالَ: فَلَمَّا كَشَفْنَاهُمْ جَعَلْنَا نَسُوقُهُمْ فِي آثَارِهِمْ حَتَّى انْتَهَيْنَا إِلَى صَاحِبِ الْبَغْلَةِ الْبَيْضَاءِ فَإِذَا هُوَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فَتَلَقَّانَا عِنْدَهُ رِجَالٌ بِيضٌ حِسَانُ الْوُجُوهِ فَقَالُوا لَنَا شَاهَتِ الْوُجُوهُ ارْجِعُوا

---

(1) تفسیر القرآن العظیم، ج۴، ص۱۱۳

قَالَ فَانْهَزَمْنَا وَرَكِبُوا أَكْتَافَنَا فَكَانَتْ إِيَّاهَا‘‘(1)

ایک مشرک کا بیان ہے کہ حنین والے دن ہم مسلمانوں کے ساتھ لڑ رہے تھے، ایک بکری کا دودھ دھویا جائے اتنی دیر بھی ہم نے انہیں سامنے جمنے نہ دیا، فوراً بھاگ کھڑے ہوئے اور ہم نے ان کا تعاقب کرنا شروع کر دیا یہاں تک کہ ہمیں ایک صاحب سفید خچر پر سوار آئے۔ ہم نے دیکھا کہ خوبصورت نورانی چہرے والے کچھ لوگ ان کے ارد گرد ہیں۔ ان کی زبان سے نکلا کہ تمہارے چہرے بگڑ جائیں۔ واپس لوٹ جاؤ۔ بس یہ کہنا تھا کہ ہمیں شکست ہو گئی یہاں تک کہ مسلمان ہمارے کندھوں پر سوار ہو گئے۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ حنین کے موقع پر نزولِ سکینت کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں بھی اس لشکر میں موجود تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف اسی مہاجرین و انصار رہ گئے تھے۔ ہم نے پیٹھ نہیں دکھائی تھی۔ ہم پر اللہ تعالیٰ نے اطمینان و سکون نازل فرما دیا تھا:

’’رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ على بغلته البيضاء يَمْضِي قُدُمًا فَحَادَتْ بَغْلَتُهُ فَمَالَ عَنِ السَّرْجِ فَقُلْتُ: ارْتَفِعْ رَفَعَكَ اللَّهُ. قَالَ:«نَاوِلْنِي كَفًّا مِنَ التُّرَابِ»فَنَاوَلْتُهُ قَالَ: فَضَرَبَ بِهِ وُجُوهَهُمْ فَامْتَلَأَتْ أَعْيُنُهُمْ تُرَابًا قَالَ: «أَيْنَ الْمُهَاجِرُونَ وَالْأَنْصَارُ؟» قُلْتُ: هُمْ هُنَاكَ قَالَ: «اهْتِفْ بِهِمْ» فَهَتَفْتُ بهم فجاؤوا وَسُيُوفُهُمْ بِأَيْمَانِهِمْ كَأَنَّهَا الشُّهُبُ وَوَلَّى الْمُشْرِكُونَ أَدْبَارَهُمْ۔‘‘(2)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سفید خچر مبارک پر سوار ہو کر دشمنوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ جانور نے ٹھوکر کھائی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قدرے زمین کی طرف جھک گئے۔ میں نے آواز دی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اونچے ہو جایئے۔ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ اونچا ہی رکھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک مٹھی مٹی کی بھر دو۔ میں نے بھر دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں کی طرف مٹی پھینکی جس سے ان کی آنکھیں بھر گئیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ مہاجر و انصار کہاں ہیں؟ میں نے کہا یہیں ہیں۔ فرمایا۔ انہیں آواز دو۔ میرا آواز دینا تھا کہ وہ تلواریں سونتے ہوئے لپک لپک کر آ گئے۔ اب تو مشرکین کی کچھ نہ بنی وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمینی معجزات میں سے یہ معجزہ بھی ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب دشمنوں کے نرغے میں آئے تو ایسی مشکل گھڑی میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے ان نفوس قدسیہ کی مدد فرمائی۔ جس کے نتیجہ میں مٹھی بھر نہتے ہونے کے باوجود مسلمان کفار و مشرکین پر غالب آجاتے اور دشمن اس غیر یقینی شکست کی وجہ

(1) تفسیر القرآن العظیم، ج۴، ص۱۱۳

(2) ایضاً، ج۴، ص۱۱۳

سے حوصلہ شکن اور ناکام ہو جاتے۔ اس فصل میں نبی کریم ﷺ کے زمینی و آسمانی ان معجزات کا ذکر کیا گیا ہے جن کا تذکرہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو بہت سارے معجزات عطا فرمائے ہیں مگر یہاں آسمانی و زمینی ان معجزات کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کو قرآن مجید نے بیان کیا ہے۔ ان میں سے معراج النبی ﷺ، شق قمر، قرآن مجید، انشراح صدر، غزوہ بدر میں فرشتوں کا نزول شامل ہیں۔ ایک بات یہ تو ثابت ہے کہ جملہ معجزات میں سے کسی نے بھی کسی ایک معجزہ کا بھی انکار نہیں کیا ہے جس سے آپ ﷺ کی شان و عظمت واضح ہوتی ہے۔ البتہ آیات کی توضیحات و توجیہات میں علماء نے اختلاف ضرور کیا ہے۔ اس اختلاف سے معجزات کی نفی یا ان کا انکار ثابت نہیں ہوتا۔

باب سوم

قرآن حکیم: رسول کریم ﷺ کی عائلی زندگی

فصل اول: ازدواجی زندگی

فصل دوم: اٰل نبی ﷺ کا ذکر

فصل سوم: اصحاب رسول ﷺ کا ذکر

فصل اول: ازدواجی زندگی

مبحث اول: تزویج

نبی کریم ﷺ نے جن پاک دامن خواتین سے عقد کیا ان کی تعداد گیارہ ہے۔ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جن خواتین سے رشتہ ازواج قائم کیا ان کی تعداد تیرا تھی۔[1]

ان نفوسِ قدسیہ کے اسماء درج ذیل ہیں۔

۱۔ ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا
۲۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا
۳۔ ام المؤمنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا
۴۔ ام المؤمنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا
۵۔ ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا
۶۔ ام المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا
۷۔ ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا
۸۔ ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا
۹۔ ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا
۱۰۔ ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا
۱۱۔ ام المومنین سیدہ زینب بنت حزیمہ رضی اللہ عنہا

ازواج مطہرات کے علاوہ دو کنیزیں بھی رسول اللہ ﷺ کے حرم پاک میں تھیں۔ ان کے اسماء درج ذیل ہیں۔

۱۔ سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا
۲۔ سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا

ان مذکورہ بالا امہات المؤمنینؓ میں سے پانچ کے بارے میں قرآن مجید میں آیات نازل ہوئیں ہیں۔ اس طرح انفرادی طور پر اُن پانچ نفوس قدسیہ کا ذکر کسی نہ کسی حوالے سے قرآن مجید میں موجود ہے۔ البتہ اجتماعی طور پر سب کی فضلیت کا ذکر بھی موجود ہے۔ جن امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے بارے میں تخصیص سے آیات نازل ہوئی ہیں ان کے اسماء درج ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا
۲۔ حضرت سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا
۳۔ حضرت سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا
۴۔ حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا
۵۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا

امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے بارے میں نازل ہونے والی آیات کی تفصیل آگے ان کے ذکر کے تحت آئے گی۔ اس فصل میں امہات المؤمنین کا تعارف اختصار کے ساتھ پیش کیا جائے گا۔ اگر تفصیل سے لکھا جائے تو موضوع سے بحث ہٹ جائے گی۔ اور جن کا ذکر قرآن مجید میں ہوا ہے ان سے متعلقہ آیات ان کے تعارف کے تحت

---

(1) السیرۃ النبویہ لابن ھشام، عبد الملک بن ھشام، (تحقیق عبد الرءوف سعد) بیروت: دار الجیل، ۱۴۱۱ھ، ج۶، ص۵۷

ذکر کی جائیں گی۔ ازواج مطہرات کے بارے میں مختصر احوال درج ذیل ہیں۔

(ا) سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

سب سے پہلی خاتون جن سے رسول اللہ ﷺ نے عقد کیا وہ سب ام المومنین سیدہ خدیجہ الکبریٰ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزی بن قصیٰ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی ہیں۔ سوائے سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کے نبی کریم ﷺ کی ساری اولاد انہی کے بطن سے ہوئی ہے سیدہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی شادی آپ کے والد خویلد بن اسد نے نبی کریم ﷺ سے کروائی تھی۔ بیس اونٹ حق مہر مقرر ہوا تھا۔ سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا چالیس سال کی عمر میں نبی کریم ﷺ کے عقد میں آئیں۔ اس سے قبل آپ ابی ہالہ بن مالک کے عقد میں تھیں جن سے سیدہ کے ایک صاحبزادے ہند بن ابی ہالہ اور ایک صاحبزادی زینب بنت ابی ہالہ پیدا ہوئے۔ جبکہ ہالہ سے نکاح ہونے سے قبل سیدہ ام المومنین عتیق بن عابد بن عبد اللہ بن عمر کے عقد میں تھیں ان سے سیدہ کے ہاں عبد اللہ اور جاریہ کی ولادت ہوئی۔
جب آپ ﷺ سے سیدہ کا عقد ہوا اس وقت رسول کائنات ﷺ کی عمر مبارک پچیس برس تھی۔ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے قبل آپ کے عقد میں کوئی خاتون نہ تھیں۔ اور ناں ہی آپ کے جیتے جی رسول کریم ﷺ نے کسی اور سے نکاح کیا۔ سیدہ انتہائی پاکدامن خاتون تھیں۔ آپ کا لقب طاہرہ تھا اور جود وسخاء آپ کا مشہور وصف تھا۔ جب نبی رحمت ﷺ نے اسلام کی تبلیغ فرمائی تو خواتین میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والی آپ ہی ہیں آپ نے ہمیشہ رسول اللہ کی مدد کی آپ و کی ہمت بڑھائی غرضیکہ ہر طرح سے اعانت کی۔ (1)
صحیح بخاری میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سیدہ خدیجہ الکبری رضی اللہ عنہا کے بارے میں ارشاد فرمایا:

«خَيْرُ نِسَائِهَا مَرْيَمُ ابْنَةُ عِمْرَانَ، وَخَيْرُ نِسَائِهَا خَدِيجَةُ» (2)

مریم بنت عمران اپنے زمانے کی سب سے بہترین خاتون تھیں اور اس امت کی سب سے بہترین خاتون حضرت خدیجہ ہیں۔

سیدہ کی شان کا اندازہ اس امر سے لگائیں کہ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو بھیج کر سیدہ کو جنت کے محل کی بشارت کے ساتھ ساتھ اپنا سلام بھی بھیجا ہے۔ امام بخاری اس روایت کو یوں نقل کرتے ہیں:

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ،قَالَ:" أَتَى جِبْرِيلُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ: هَذِهِ خَدِيجَةُ قَدْ أَتَتْ مَعَهَا إِنَاءٌ فِيهِ إِدَامٌ، أَوْ طَعَامٌ أَوْ شَرَابٌ، فَإِذَا هِيَ أَتَتْكَ فَاقْرَأْ عَلَيْهَا

---

(1) السیرۃ النبویہ، ج٦، ص٥٦

(2) صحیح بخاری، کتاب التفسیر القرآن، باب واذ قالت الملائکۃ یا مریم، حدیث نمبر ٣٤٣٢، ج٤، ص١٦٤

السَّلاَمَ مِنْ رَبِّهَا وَمِنِّي وَبَشِّرْهَا بِبَيْتٍ فِي الجَنَّةِ مِنْ قَصَبٍ لاَ صَخَبَ فِيهِ، وَلاَ نَصَبَ»[1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر خدمت ہوئے اور کہا ابھی خدیجہ آپ کے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز لے کر حاضر ہوتی ہیں جب آجائیں تو ان پر رب تعالیٰ اور میری طرف سے سلام کہنا اور انھیں جنت کے محل کی بشارت دینا جو خاص مروارید سے بنایا گیا ہے جس میں کوئی رنج والم نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے بہت زیادہ محبت فرماتے تھے۔اس محبت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ کی زندگی میں کسی اور خاتون سے نکاح نہیں کیا۔جب سیدہ کا وصال ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ خدیجۃ رضی اللہ عنہا کو ان الفاظ سے یاد فرمایا کرتے تھے:وہ مجھ پر اس وقت ایمان لائیں جس وقت لوگوں نے مجھے جھٹلایا اور اس وقت میری تصدیق کی جب لوگوں نے میری تکذیب کی۔اس وقت مجھے اپنے مال میں شریک کیا جب لوگوں نے مجھے اپنے اموال سے محروم رکھا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کے بطن سے اولاد دی جب کہ کسی اور زوجہ کے بطن سے نہیں ہوئی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ خدیجۃ الکبریٰ سے محبت کا اظہار فرمایا ہے۔استیعاب میں ہے کہ ایک مرتبہ سیدہ رضی اللہ عنہا کی ہمشیرہ ہالہ آپ رضی اللہ عنہا کے وصال بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے آئیں اور دروازے پر دستک دی اور اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ہالہ کی آواز سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ملتی تھی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ہالہ کی آواز سنی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدہ خدیجہ کی یاد آگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہاں یہ ہالہ ہوں گی،ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے جھجک اُٹھے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی موجود تھیں،ان کو بہت رشک آیا اور بولیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ایک بڑھیا کو یاد کرتے ہیں جو کہ مر چکیں ہیں اور خدا نے آپ کو اس سے اچھی بیویاں دی ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا،ہرگز نہیں جب لوگوں نے میری تکذیب کی تو انہوں نے تصدیق کی،جب لوگ کافر تھے آپ اسلام لائیں اور جب میرا کوئی مددگار نہ تھا تو آپ نے میری مدد کی۔[2]

سیدہ رضی اللہ عنہا نے ساری زندگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غمخواری کی اور اشاعت دین کے سلسلے میں ہمیشہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت بندھائی۔جس وقت وحی کا سلسلہ شروع ہوا تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے والی اور حوصلہ بڑھانے والی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی رفیقہ حیات تھیں۔سیدہ خدیجہ الکبری رضی اللہ عنہا کی محبت والفت اور خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔جس کے لیے ایک مستقل تحقیقی کتاب تحریر کرنے کی ضرورت ہے۔

---

(1) صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب تزویج النبی صلی اللہ علیہ وسلم خدیجۃ، حدیث نمبر ۳۸۲۰،ج۵،ص۳۹

(2)الاستیعاب فی معرفہ الاصحاب، القرطبی، ابو عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد النمری، بیروت: دارالجیل، ۱۴۱۲ھ، ۴ج، ص۱۸۱۷

(۲) سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

وہ کنواری عورت جو سن بلوغت کے ابتدائی ایام میں امام الانبیاء ﷺ کے عقد میں آئیں وہ سیدہ عائشہ بنت ابی بکر بن قحافہ بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی ہیں۔ سیدہ کی عمر سیرت ابن ہشام اور دیگر کثیر سیرت نگاروں کے مطابق بوقت نکاح چھ سال اور رخصتی کے وقت نو سال تھی۔(1) سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خود اپنی مرضی سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی شادی رسول اللہ ﷺ سے کروائی تھی اور حق مہر چار سو درہم مقرر ہوا تھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ بے حد محبت کرتے تھے۔ اپنی حیات کے آخری ایام بھی انہیں کے پاس گزارے تھے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بے حد سلیم الفطرت، دقیق النظر اور سریع الفہم تھیں۔ احکام شریعت کی عمیق پیچیدگیاں جن کو سمجھنے میں دوسروں کو مشکل پیش آتی اسے وہ سمجھ جاتیں۔ بسا اوقات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم درپیش مشکل مسائل لے کر سیدہ کے پاس جاتے تو وہ حل کر دیتیں تھیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں فتویٰ دیا کرتی تھیں۔ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ۲۲۱۰ احادیث مروی ہیں۔ احکام شریعت میں ایک چوتھائی آپ سے منقول ہے۔ تفسیر، حدیث، اسرار شریعت، خطابت اور ادب و انساب میں آپ رضی اللہ عنہا کو کمال حاصل تھا۔ شعراء کے بڑے بڑے قصائد آپ کو زبانی یاد تھے۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اللہ تعالیٰ کی مقبول بندی اور رسول اللہ ﷺ کی محبوب زوجہ تھیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عظمت کا بخوبی اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب آپ رضی اللہ عنہا پر غزوہ بنی مصطلق سے واپسی پر تہمت لگی تو خود اللہ تعالیٰ نے آپ کی پاکدامنی اور پاک بازی کے بارے میں قرآن مجید نازل فرمایا اور منافقین کی ہرزہ سراہی اور تہمت تراشی کو بہتان عظیم کہا۔ قرآن مجید میں سورہ نور کے اندر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عفت و عصمت کا تذکرہ یوں ذکر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِنْكُمْ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَكُمْ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَكُمْ لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ مَا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾(2)

بلاشبہ جو لوگ یہ طوفان گھڑ لائے وہ تمہارے اندر ہی کا ایک ٹولہ ہے، تم اس کو اپنے لیے برا نہ سمجھو بلکہ یہ تمہارے لیے بہتر ہی ہے ان میں سے ہر شخص نے اپنے کیے کے مطابق گناہ سمیٹا ہے، اور ان میں سے جس نے اس کا بڑا حصہ اپنے سر لیا اس کے لیے بڑا عذاب ہے۔

---

(1) صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب تزویج الاب ابنتہ، حدیث نمبر ۵۱۳۴، ص ۲۳۳۰

(2) النور: ۱۱

تفسیر ابن عباس میں ہے کہ:

"یہ آیات مبارکہ کذاب اور واقعہ کو گھڑنے والے عبد اللہ بن ابی سلول منافق اور دیگر کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ابی بن سلول منافق نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صفوان پر تہمت لگائی تھی، اور چند اہل ایمان اس منافق کے بہکاوے میں آ گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اس چیز کو اپنے حق میں آخرت میں بھی برا نہ سمجھو، بلکہ یہ تمہارے حق میں ثواب و انجام کے اعتبار سے بہتر ہی بہتر ہے۔ ان میں سے ہر شخص کو جس نے جتنا اس معاملہ میں حصہ لیا تھا گناہ ہو۔"[1]

سیدہ رضی اللہ عنہا کی شان کا عالم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں منافقین کو جھوٹا کہا ہے اور ان کے لیے عتاب کا ذکر کیا ہے وہیں اہل ایمان کو بھی اس موقع پر تنبیہ کی کہ اہل ایمان مرد و زن کو کیا ہو گیا کہ وہ نیک گمان کرنے کی بجائے اس بہتان کو بہتان عظیم کہہ رہے ہیں۔ ارشاد فرمایا۔

﴿لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَذَا إِفْكٌ مُبِينٌ ○ لَوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاءِ فَأُولَئِكَ عِنْدَ اللَّهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ ○ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾[2]

یہ کیوں نہ ہوا کہ جب تم لوگوں نے ان کو سنا تھا تو مومن مرد اور مومن عورتیں اپنے بارے میں نیک گمان کرتے اور وہ سب یوں کہتے کہ یہ تو ایک کھلا بہتان ہے۔ یہ لوگ اس الزام پر چار گواہ کیوں نہ لائے، پھر جب وہ گواہ نہیں لا سکے تو اللہ کے نزدیک یہی ہیں جھوٹے۔ اور اگر تم لوگوں پر اللہ کی مہربانی اور اس کی رحمت نہ ہوتی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، تو یقینی طور پر تم لوگوں کو پہنچ کر رہتا، ایک بہت بڑا عذاب ان باتوں کی وجہ سے جن میں تم لوگ پڑ گئے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے سیدہ پر اس بہتان عظیم لگانے والوں کے لئے عذاب کی وعید سناتے ہوئے اہلِ ایمان سے فرمایا کہ تم نے اس افواہ کو معمولی کیوں سمجھا؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بہت بڑی بات ہے۔ غور فرمائیے کہ اس طویل گفتگو کا ایک ہی مقصد تھا کہ سیدہ ام المؤمنین کی عصمت و عظمت کا اظہار کرنا ہے۔ اس لیے کافروں کو سخت وعید سنائی اور اہل ایمان کو خاموش رہنے پر تنبیہ کی۔ اگلی آیات میں بھی اللہ تعالیٰ نے سیدہ کی عفت و عصمت بیان کرتے ہوئے اہل ایمان کو جھنجوڑا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُمْ مَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا وَهُوَ عِنْدَ

---

(1) تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس، عبد اللہ بن عباس (جمعہ: ابو طاہر محمد بن یعقوب) لبنان: دار الکتب العلمیہ، ج۱، ص ۲۹۲

(2) النور: ۱۲۔۱۴

اللَّهِ عَظِيمٌ ○ وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُمْ مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَتَكَلَّمَ بِهَٰذَا سُبْحَانَكَ هَٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ ○ يَعِظُكُمُ اللَّهُ أَنْ تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَدًا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾[1]

جب کہ تم لوگ اس طوفان کو اپنی زبانوں سے نقل در نقل کرتے جا رہے تھے اور تم اپنے مونہوں سے وہ کچھ کہتے جارہے تھے جس کا تمہیں کوئی علم نہ تھا اور تم اس کو معمولی چیز سمجھ رہے تھے، مگر اللہ کے نزدیک وہ بہت بڑی بات تھی۔ اور یہ کیوں نہ ہوا کہ جب تم لوگوں نے اس کو سنا تھا تو تم سنتے ہی یوں کہہ دیتے کہ ہمیں تو ایسی بات منہ سے نکالنا بھی زیب نہیں دیتا، اللہ تو پاک ہے یہ تو ایک بہت بڑا بہتان ہے۔ اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ تم پھر کبھی ایسا نہ کرنا اگر تم ایماندار ہو۔

امام قرطبی ان آیات مقدسہ کی روشنی میں لکھتے ہیں کہ:

"اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں مومنوں کے لیے عتاب ذکر کیا ہے۔ یعنی اے اہل ایمان تمہارے لیے مناسب تھا کہ تم انکار کرتے، اس تہمت کو نقل کرنے اور حکایت کرنے میں معاونت نہ کرتے اور اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرتے کہ اس کے نبی مکرم ﷺ کی زوجہ سے ایسا فعل واقع ہو اور تم اس بات پر بہتان کا فیصلہ کرتے۔ اور بہتان کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کے بارے میں ایسی بات کہنا جو اس میں نہ ہو اور غیبت یہ کہ ایسی بات بیان کی جائے جو اس میں ہو۔"[2]

جب منافقین نے سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی تو رسول اللہ ﷺ نے اس واقعہ کے بارے میں جلیل القدر صحابہ سے استفسار فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جب پوچھا تو آپ نے جواب دیا: اے اللہ کے رسول ﷺ میں اپنے کانوں اور آنکھوں کی حفاظت کرتا ہوں جو میرے کان سنیں یا جو میری آنکھیں دیکھیں میں صرف وہی بیان کرتا ہوں اس میں کوئی ملاوٹ نہیں کرتا۔ اللہ کی قسم مجھے یقین ہے منافق جھوٹ بکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس سے بھی محفوظ رکھا ہے کہ مکھی آپ ﷺ کے جسم اطہر پر بیٹھے کیونکہ وہ نجاستوں پر گرتی ہے اور ان سے آلودہ ہوتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اتنی آلائشوں سے محفوظ رکھا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ ﷺ کی زوجہ اس فحش حرکت میں ملوث ہو۔[3]

یہی سوال جب رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ: یارسول

---

(1) النور: ۱۵۔۱۷

(2) الجامع لاحکام القرآن، ج ۱۲، ص ۲۹۷

(3) مدارک التنزیل، ج ۳، ص ۳۴۳

اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کو یہ بھی برداشت نہیں کہ آپ ﷺ کا سایہ زمین پر پڑے مبادہ کوئی شخص اس پر پاؤں رکھ دے یا آپ ﷺ کا سایہ کسی پلید جگہ پر پڑے۔ تو جب اللہ تعالیٰ یہ برداشت نہیں کرتا کہ آپ ﷺ کے سائے پر کسی کا پاؤں پڑے تو وہ یہ کیسے برداشت کر سکتا ہے کہ کوئی شخص آپ ﷺ کی ردائے عصمت کو آلودہ کرے۔[1]

پھر یہی سوال رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ: یارسول اللہ ﷺ ہم ایک دن آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے تو آپ ﷺ نے دوران نماز اپنے نعلین اُتار دیئے تو ہم نے بھی آپ ﷺ کی اقتدا میں جوتے اتار دیئے۔ جب آپ ﷺ نماز نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے ہم سے پوچھا کہ تم نے جوتے کیوں اتارے؟ تو ہم نے جواب دیا آپ ﷺ کی اتباع میں۔ تو آپ نے فرمایا! مجھے تو جبریل نے جوتے اتارنے کا کہا تھا کیونکہ وہ پاک نہیں تھے۔ یارسول اللہ ﷺ جب اللہ تعالیٰ نے اس نجاست سے آپ کو مطلع کیا جو آپ ﷺ کے نعلین پر تھی اور اس جوتے کو اتارنے کا حکم دیا تو یہ کیسے کر ممکن ہو سکتا ہے کہ گناہ میں ملوث بیوی سے جدائی کا حکم نازل نہ فرمائے۔[2]

اس مذکور الذکر عبارات سے پتا چلتا ہے کہ اصحاب رسول سیدہ کی عفت و عصمت پر یقین رکھتے تھے مگر کچھ اہل ایمان خاموش اور کچھ بحث مباحثے میں شریک ہو رہے تھے۔ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے منافقوں کو عذاب کی وعید سنائی اور مسلمانوں کو سخت تنبیہ فرمائی کہ تم نے اس کو بہتان عظیم کہہ کر رد کیوں نہ کیا؟ پس اللہ کریم نے سیدہ کا خود دفاع کرتے ہوئے بہتان عظیم کی نفی فرمائی۔ جس سے ثابت ہو کہ آپ رضی اللہ عنہا بہت زیادہ شان و عظمت کی مالکہ ہیں۔ سیدہ نے بہت زیادہ احادیث روایت کی ہیں۔ صحاح اور دیگر کتب احادیث میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بہت زیادہ احادیث مروی ہیں۔ سیدہ کا وصال ۵۸ھ میں ہوا۔ وصال کے وقت آپ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک ۶۳ برس تھی اور آپ رضی اللہ عنہا مدینہ طیبہ جنت البقیع میں مدفون ہیں۔

(۳) سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا

سیدہ سودہ بنت زمعہ بن قیس بن عبد الشمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی سے رسول اللہ ﷺ نے سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد نکاح کیا۔ سیدہ رسول اللہ ﷺ سے عقد سے قبل سکران بن عمرو بن عبد شمس بن عبدود کے پاس تھیں۔ سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کرنے کے بعد اپنی ذاتی کوشش اور ترغیب سے خاوند کو بھی مشرف با اسلام کروایا۔ گویا سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کو قدیم الاسلام ہونے کا بھی شرف

---

(1) مدارک التنزیل، ج۳، ص ۳۴۳

(2) ایضاً

حاصل ہے۔خاوند کے مشرف با اسلام ہونے کے بعد دونوں نے حبشہ کی طرف ہجرت ثانیہ کی۔ اور حضرت سکران قیام حبشہ کے دوران انتقال کر گئے۔ سکران سے سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے ایک بیٹے تھے جن کا نام عبد الرحمٰن تھا جنہوں نے جنگ جلولا میں وفات پائی۔ (1)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد بہت پریشان و غمگین رہنے لگے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کیفیت دیکھ کر حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو ایک مونس و رفیقہ حیات کی ضرورت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں گھر بار اور بچے خدیجہ کے زیر انتظام تھے۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے والد کے پاس گئیں اور ان سے حضرت سودہ کے رشتے کی بات کی۔ سیدہ کے والد نے یہ رشتہ قبول کر لیا اور رمضان ۱۰ نبوی میں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا نکاح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا۔ اس نکاح میں ایک حکمت یہ بھی تھی کہ سیدہ کے غم و اندوہ اور مصائب و تکالیف کو کم کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا۔ کیونکہ وہ اپنے شوہر سکران کی وفات کے بعد بہت زیادہ پریشان تھیں۔ (2)

سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری میں سب سے ممتاز اور آگے تھیں۔ انتہائی فیاض دل کی مالکہ تھیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ان کی خدمت میں درہم پیش کئے۔ آپ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا ان میں کیا ہے؟ لانے والے نے جواب دیا کہ درہم ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ کھجور کی طرح تھیلی میں درہم بھیجے جاتے ہیں؟ اسی وقت آپ نے وہ سارے درہم فقراء میں تقسیم فرما دیئے۔ دریا دلی کا عالم یہ تھا کہ سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے عقد کے بعد جلد ہی اپنی باری ان کو دے دی تھی۔ گویا سیدہ نہایت ہی اعلیٰ محاسن و مکارم کی مالکہ تھیں۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے صرف پانچ احادیث مروی جن میں سے ایک حدیث پاک کو امام بخاریؒ نے اپنی صحیح نقل

---

(1) جلولاء: یہ ساسانی سلطنت کا حصہ تھا۔ (اب یہ موجودہ محافظہ دیالہ کے نام سے مشہور عراق میں ہے) بغداد سے ملحق ایک شہر ہے جو کہ چھوٹا ہونے کی وجہ سے نقشہ میں درج نہیں ہے۔ بغداد سے خراسان جائیں تو راستے میں آتا ہے۔ اس معرکہ سے فتوحات عراق کا خاتمہ ہوا۔ مدائن کی فتح کے بعد ایرانیوں نے جلولاء میں جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں اور ایک بہت بڑی فوج تیار کر لی۔ خرزاد جو کہ رستم کا بھائی اور لشکر کا سرغنہ تھا نہایت تدبیر سے کام لیا۔ خندق کھدوائی اور راستے میں کانٹے اور لوہے کے بنے ہوئے جال بچھا دیئے۔ سعد کو جب خبر ملی تو اس نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ ہاشم بن عتبہ بارہ ہزار فوج لے کر وہاں جائیں۔ جلولاء پہنچ کر ہاشم نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ ایرانی وقتاً فوقتاً قلعہ سے باہر نکل کر حملہ آور ہوتے۔ یہ محاصرہ کئی مہینے تک جاری رہا۔ طبری کے مطابق ۸۰ معرکے ہوئے۔ لیکن ایرانیوں نے ہمیشہ شکست کھائی۔ آخر کار کروڑوں کا مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا اور مسلمان فاتح ٹھہرے (تاریخ الطبری، محمد بن جریر بن یزید بن کثیر، ابو جعفر الطبری، بیروت: دار التراث، ۱۳۸۷ھ، ج۴، ص۲۷)

(2) سیرت سید الوریٰ، ج۳، ص۳۷۰

کیا ہے۔ صحابہ میں حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت یحیٰ بن عبد الرحمٰن بن اسعد بن زرارہ نے روایت کیا ہے۔ آپ نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے آخری ایام میں وصال فرمایا۔

(۴) سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

سیدہ زینب بنت جحش بن اماب بن لیعمر بن صبرہ بن مرہ بن کبیر بن غنم بن دوران بن اسد بن فزیمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد تھیں۔ ان کا پہلے نکاح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلامی سے آزاد کر کے متبنیٰ بنا لیا تھا۔ جب سیدہ کی حضرت زید سے بن نہ سکی تو شکایت لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی بیوی اپنے پاس رکھ اور اللہ تعالیٰ سے ڈر۔ لیکن میاں بیوی میں جب نباہ نہ ہو سکا تو نوبت طلاق تک پہنچ گئی۔ اور جب دونوں میں مفارقت ہو گئی تو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے غم اور دکھ کو دور کرنے کے لیے کمال شفقت فرماتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کر لیا۔ سیدہ کی طلاق اور پھر نکاح پر لوگوں نے اعتراض یہ کیا کہ متبنٰی کی مطلقہ سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اس اعتراض کی نفی کرتے ہوئے سورہ الاحزاب میں ارشاد فرمایا کہ منہ بولے بیٹے کبھی بھی حقیقی اور سلبی بیٹے نہیں ہو سکتے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهِ وَمَا جَعَلَ أَزْوَاجَكُمُ اللَّائِي تُظَاهِرُونَ مِنْهُنَّ أُمَّهَاتِكُمْ وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ ذَلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِأَفْوَاهِكُمْ وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَO ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ فَإِنْ لَمْ تَعْلَمُوا آبَاءَهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَمَوَالِيكُمْ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُمْ بِهِ وَلَكِنْ مَا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا﴾(1)

اللہ نے کسی کے دھڑ میں دو دل نہیں رکھے اور نہ ہی اس نے تمہاری ان بیویوں کو جن سے تم لوگ ظہار کر دیتے ہو (تمہارے کہنے سے) تمہاری مائیں بنا دیا اور نہ ہی اس نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا حقیقی بیٹا بنایا ہے یہ سب تمہارے اپنے مونہوں کی باتیں ہیں اور اللہ حق فرماتا ہے اور وہی سیدھی راہ بتاتا ہے۔ تم لوگ ان (اپنے منہ بولے بیٹوں) کو ان کے اصلی باپوں کی نسبت سے ہی پکارا کرو اللہ کے یہاں یہ پورے انصاف کی بات ہے پھر اگر تم کو ان کے باپ معلوم نہ ہوں تو وہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں اور تم پر اس صورت میں کوئی گناہ نہیں کہ تم سے

---

(1) الاحزاب:۵،۴

(بھول) چوک ہو جائے لیکن جو بات تم اپنے دل کے ارادہ سے کہو اور اللہ پاک بڑا ہی بخشنے والا انتہائی مہربان ہے۔

امام قرطبی مذکور الذکر آیات کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ:

"علماء تفسیر کا اتفاق ہے اس بات پر کہ یہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئیں ہیں۔ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو زید بن محمد کہا کرتے تھے یہاں تک کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔"[1]

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی جب حضرت زید رضی اللہ عنہ سے طلاق کے بعد جب مفارقت ہوئی تو آپ رضی اللہ عنہا بہت زیادہ رنجیدہ ہوئیں اور بے حد صدمہ کا شکار ہوئیں۔ اس قدر غم پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کمالِ شفقت فرماتے ہوئے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے خود نکاح کا ارادہ فرمالیا تاکہ اس سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے دکھ کا مداوا ہو سکے۔ سیدہ کی حضرت زید سے جدائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقد کے بارے میں حکم جاری کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا﴾[2]

(اور وہ بھی یاد کرو کہ) جب آپ کہہ رہے تھے (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) اس شخص سے جس پر احسان فرمایا تھا اللہ نے اور آپ نے بھی اس پر احسان کیا تھا کہ اپنے عقد زوجیت میں رکھو تم اپنی بیوی کو اور ڈرو اللہ سے اور آپ چھپا رہے تھے اپنے دل میں وہ کچھ جس کو ظاہر کرنا تھا اللہ نے اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ڈر رہے تھے لوگوں سے حالانکہ اللہ زیادہ حقدار ہے اس بات کا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اسی سے ڈرتے پھر جب پوری کر چکا زید اپنی حاجت اس خاتون سے تو (طلاق وعدت کے بعد) ہم نے اس کا نکاح آپ سے کر دیا تاکہ کوئی حرج (اور تنگی) باقی نہ رہے ایمان والوں پر ان کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں جب کہ وہ پوری کر چکیں ان سے اپنی حاجت اور اللہ کے اس حکم نے تو بہر حال ہو کر ہی رہنا ہوتا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر لوگوں کے منہ بند ہو گئے۔ اور سیدہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عقد کے

---

(1) الجامع لاحکام القرآن، ج ۱۴، ص ۱۱۷

(2) الاحزاب: ۳۷

بارے میں اعتراضات ختم ہو گئے۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بارے میں علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ:

"ازواج مطہرات میں جو بیبیاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہمسری کا دعویٰ رکھتیں تھیں ان میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں "کانت تسامینی" یعنی وہ میرا مقابلہ کرتی تھیں اور ان کو اس کا حق بھی تھا، نسبی حیثیت سے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپی زاد بہن تھیں، جمال میں بھی ممتاز تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان سے نہایت محبت تھی۔"(1)

سیدہ ۳۶سال کی عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں اور ۲۰ ہجری میں آپ کا وصال ہوا۔ اور وصال کے بارے میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات سے فرمایا تھا "اسرعکن لحاقبی اطولکن یدا" یعنی تم میں مجھ سے جلد وہ ملے گی جس کا ہاتھ لمبا ہو گا۔ یہ استعارۃ فیاضی کی طرف اشارہ تھا لیکن ازواج مطہرات اس کو حقیقت سمجھیں، چنانچہ وہ باہم اپنے ہاتھوں کو ناپا کرتی تھیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنی فیاضی کی بنا پر اس پیشین گوئی کا مصداق ثابت ہوئیں اور امہات المؤمنین میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے آپ کا وصال ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہا کا جنازہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پڑھایا تھا۔(2)

(۵) سیدہ ام سلمہؓ بنت ابی امیہ رضی اللہ عنہا

سیدہ ام سلمہ کا نام ہند تھا۔ ام سلمہؓ بنت ابی امیہ بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم بن یقظہ بن مرہ بن کعب بن لوئ۔ حضرت سلمہؓ عبد اللہ بن اسد کے نکاح میں تھیں۔ جو زیادہ تر ابو سلمہؓ کے نام سے مشہور تھے۔ یہ سیدہ کے چچا زاد اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے۔ دونوں میاں بیوی ابتدائے اسلام میں ہی مشرف با اسلام ہو گئے تھے۔ دونوں جب حبشہ کی طرف ہجرت کرنے لگے تو مکہ والوں نے ام سلمہؓ اور انکے بچوں کو مکہ میں روک لیا۔ تب ابو سلمہؓ نے اکیلے ہی ہجرت کی۔ سیدہ ام سلمہؓ اپنے خاوند کے فراق میں ایک سال مسلسل جائے فراق میں جا کر روتی رہیں۔ آخر سال بعد آپ کو حبشہ روانہ کر دیا گیا۔ حبشہ قیام کے دوران پہلے ان کی ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام زینب ہے پھر ان کے صاحبزادے سلمہ پیدا ہوئے۔ اس کے بعد ایک بیٹا اور پیدا ہو جس کا نام عمر رکھا اور اس کے بعد ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام انہوں نے درۃ رکھا۔ اس دوران سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بڑے خوشگوار دن گزرے کیونکہ وہاں کا حکمران نجاشی بڑا نیک دل اور مہربان انسان تھا۔ سیدہ فرماتی ہیں کہ ہمیں مکہ مکرمہ کی یاد بہت ستاتی اور یہی دل کرتا کہ کون سی گھڑی ہو گی کہ جب ہم مکہ واپس جائیں گے۔ ایک دن اطلاع ملی کہ مکہ کے حالات بڑے سازگار ہو گئے ہیں کہ وہاں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اور ان کے رعب اور دبدبہ کی وجہ سے قریش نے مظالم ڈھانے بند کر دیئے

---

(1) سیرت النبی، ج ۱، ص ۶۴۰

(2) السیرۃ النبویہ، ج ۶، ص 30

ہیں۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے اہل خانہ کے ساتھ حبشہ سے واپس مکہ آئیں اور وہاں آکر پتا چلا کہ حالات جوں کے توں ہی ہیں یہ تو محض ایک افواہ تھی۔ اسی دوران نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دے دیا۔ ابو سلمہ نے پہلے ہجرت کی اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بعد میں ہجرت کی کیونکہ سیدہ کو ان کے خاندان والوں نے روک لیا تھا اور پھر بعد میں سیدہ کی پریشانی کو دیکھ کر آپ کو اجازت مل گئی اور یوں سیدہ مدینہ کی طرف ہجرت کر کے چلی گئیں۔

آپ رضی اللہ عنہا کو یہ بھی فضیلت حاصل ہے کہ عورتوں میں سب سے پہلے آپ رضی اللہ عنہا نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ حضرت ابو سلمہ بہت بہادر اور شہسوار انسان تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ بدر و احد جیسے عظیم معرکوں میں شریک ہوئے اور احد میں شدید زخمی ہوئے اور بعد میں جلد ہی وصال فرما گئے۔ آپ کا سن وصال ۴ ہجری جمادی الثانی ہے۔ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کا جنازہ بڑے اہتمام سے پڑھایا گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جنازے میں ۹ تکبیرات کہیں، صحابہ کرام نے بعد میں پوچھا یارسول اللہ کیا آپ کو سہو ہو گیا تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا نہیں یہ ہزار تک تکبیرات کے مستحق تھے۔ ان کی شہادت کے بعد ام سلمہٰ رضی اللہ عنہا تنہا رہ گئیں بچے چھوٹے تھے لہذا ان کی دل جوئی اور تسلی کے لیے امام الانبیاء علیہ السلام نے ان سے نکاح کیا۔ نکاح کے بعد ان کے بچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر تربیت رہے۔ سیدہ بڑی زیرک خاتون تھیں ساڑے تین سو کے قریب ان سے روایات منقول ہیں۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بعد فضل و کمال میں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا ہی درجہ ہے۔ احکام نقل کرنے اور احادیث روایت کرنے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بعد باقی ازواج مطہرات پر آپ کو برتری حاصل ہے۔ اہل سیر متفق اللفظ ہیں کہ ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہن میں سب کے بعد حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی، لیکن ان کے سن وفات میں نہایت اختلاف ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ ۶۱ھ میں جب امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر آئی اس وقت ان کا انتقال ہوا، ابن عبد اللہ نے اس روایت کی تصحیح کی ہے۔ بہر حال ازواج مطہرات میں سب کے بعد حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی اور وفات کے وقت آپ کی عمر ۸۴ برس تھی۔[1]

(۶) سیدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا

سیدہ حفصہ بنت عمر بن خطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ بن عبد اللہ بن قرط بن رباح بن زراح بن عدی بن کعب بن لوئی کا پہلا نکاح خنیس بن ابی حذامہ السلمی سے ہوا تھا جو احد کے بعد انتقال کر گئے تھے۔ سیدہ نے انہیں کے ساتھ مدینہ ہجرت کی تھی۔ جب سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہوئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے نکاح کی فکر لاحق ہوئی۔ انہیں

---

(1) السیرۃ النبویہ، ج۶، ص44

ایام میں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تھا جس کی وجہ سے سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے نکاح کی خواہش حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کی۔ آپ نے غور کرنے کے لیے وقت مانگ لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا تو انہوں نے خاموشی اختیار کرلی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی اس بے التفاتی سے بڑا صدمہ پہنچا۔ جب امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے عقد میں لے لیا تو ایک دن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملے اور کہا جب آپ نے مجھ سے حفصہ کے نکاح کے لیے کہا تو میں اس لیے خاموش رہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ان سے نکاح کی خواہش کا اظہار فرما چکے تھے۔ لہٰذا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز فاش نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اور خاموش رہا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح نہ کیا تو میں خود امادہ تھا۔ سیدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا بہت زیادہ عبادت گزار خاتون تھیں آپ اپنے باپ اور بھائی عبد اللہ بن عمر کی روایات کی راویہ تھیں۔ سیدہ کے بارے میں قرآن مجید میں بھی آیات نازل ہوئیں ہیں۔ جب آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی راز کی بات آگے بتادی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو تنبیہ فرمائی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا وَإِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيرٌ ﴾(1)

اے دونوں بیویو! (سیدہ حفصہ وسیدہ عائشہ) اگر تم اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کرلو تو تمہارے دل تو اس کی طرف مائل ہو ہی رہے ہیں اور اگر تم نبی کے مقابلے میں کاروائیاں کرتی رہیں تو نبی کا رفیق تو اللہ تعالیٰ ہے اور جبرائیل ہیں اور نیک مسلمان ہیں اور ان کے علاوہ فرشتے مددگار ہیں۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ہمیشہ ایسے موقع کی تلاش میں رہا کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے ان دو کے بارے میں پوچھوں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے، ان تتوبا الی اللہ فقد صغت قلوبکما۔ یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ کی جانب میں توبہ کرو تو بہتر ورنہ تمہارے دل تو مائل ہو ہی چکے ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حج کیا اور میں نے بھی آپ کے ساتھ حج کیا، ابھی ہم راستے میں تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ قضائے حاجت کے لیے ایک طرف گئے۔ جب آپ رضی اللہ عنہ واپس آئے تو میں نے ان کو وضو کروایا اور پوچھا، اے امیر المؤمنین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں سے وہ دو کون ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ان تتوبا الی اللہ فقد صغت قلوبکما۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے

---

(1) التحریم: ۴

جواب دیا وہ عائشہ رضی اللہ عنہا و حفصہ رضی اللہ عنہا ہیں۔[1]

پس اس مذکور الذکر آیتِ کریمہ کا تعلق واقعہ ایلاء سے ہے۔ اور اس میں دو امہات المؤمنین سے خطاب فرمایا گیا ہے۔ ایک سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور دوسری سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ ایلاء کی تفصیل آگے اس کے عنوان کے تحت ذکر کی گئی ہے۔ سیدہ نے ۴۱ھ میں رحلت فرمائی۔ یہ دور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا تھا۔ مروان بن حکم گورنر مدینہ نے آپ کا جنازہ پڑھایا تھا۔

(۷) ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا

سیدہ ام حبیبہ بنت ابی سفیان بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصیٰ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئ کا اصل نام رملہ[2] رملہ کا معنی ہے ''قطعة من الارض يعلوها الرمل''[3] یعنی از مین کا ایسا ٹکڑا جس میں ریت بکثرت ہو۔ اس لحاظ سے یہ لفظ ریگستان کا ہم معنی ہے۔ ریگستان کی وسعت و کشادگی، اس کے طلوع و غروب کے حسین مناظر اور اس کی پر سکون خنک راتیں عربوں کو نہایت مرغوب تھیں اس لیے رملہ ان کے ہاں مرغوب نام تھا۔ تھا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ۱۷ سال قبل پیدا ہوئیں۔ آپ ابتدائی دور میں ہی اسلام قبول کر چکی تھی۔ خاوند عبید اللہ بن جحش بھی اسلام قبول کر چکا تھا۔ جب ان دونوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو عبید اللہ وہاں جا کر عیسائی ہو گیا۔ مگر سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اسلام پر قائم رہیں۔ جس کی وجہ سے عبید اللہ بن جحش نے آپ رضی اللہ عنہا سے علیحدگی اختیار کر لی۔

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا دیارِ غیر میں اس صدمہ کا شکار ہو گئیں تو ان کے غموں کا مداوا کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے عقد کیا۔ اس طرح آپ ام المؤمنین کے درجہ پر فائز ہو گئیں۔ واقعہ یوں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بن امیہ ضمری کو نجاشی کے پاس حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی غرض سے بھیجا۔ نجاشی کو جب اطلاع ملی تو اس نے اپنی کنیز ابرہہ کے ذریعے ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو پیغام دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تمہارے نکاح کا پیغام بھیجا ہے۔ انہوں نے خالد بن سعید اموی کو وکیل مقرر کیا اور اس مژدہ جانفزا کے صلہ میں ابرہہ کو چاندی کے دو کنگن اور انگوٹھیاں دیں۔ شاہ حبش نجاشی نے نکاح منعقد کروایا اور تمام شرکاء کو کھانا کھلایا۔ جب حق مہر کی رقم امم المؤمنین کو دی گئی تو اس میں سے بھی پچاس درہم آپ نے ابرہہ کو دیئے لیکن اس نے یہ رقم اور پہلے دیئے گئے کنگن یہ کہہ کر واپس

(1) صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب موعظة الرجل ابنته، حدیث نمبر ۵۱۹۱، ج ۷، ص ۲۸

(2) السیرة النبویہ، ج ٦، ص ۵۸

(3) لسان العرب، ج 11، ص 294

لُٹادیئے کہ بادشاہ نے مجھے منع کیا ہے۔ دوسرے روز سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بادشاہ نے عود، زعفران اور عنبر وغیرہ ہدیہ کئے جنہیں وہ لے کر بعد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ساتھ لے کر آئیں۔ جب نکاح کے تمام رسومات مکمل ہوگئے تو شاہ حبش نجاشی نے اگلے دن آپ رضی اللہ عنہا کو شرجیل بن حسنہ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ ہجرت حبشہ سے لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح میں آکر مدینہ آنے تک ۱۳ سال سیدہ حبشہ میں مقیم رئیں۔ جب آپ رضی اللہ عنہا مدینہ پہنچیں تو ان دنوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی مہم پر تشریف لے گئے ہوئے تھے۔ واپس تشریف لائے تو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا شدت سے چشم براہ تھیں۔ بیٹی حبیبہ (جس کی ولادت حبشہ میں ہوئی اور اس کے نام کی وجہ سے آپ کی کنیت ام حبیبہ پڑی اور اصل نام کی بجائے یہ زیادہ مشہور ہوا) آپ کے ساتھ مدینہ آئی اور پھر اس نے آغوش نبوت میں پرورش پائی اور جب بڑی ہوئیں تو قبیلہ ثقیف کے رئیس اعظم داؤد بن عروہ سے آپ کا نکاح ہوا۔ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بڑی راسخ العقیدہ مومنہ تھیں۔ مشرکین سے سخت نفرت کرتی تھیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ عقیدت ومحبت رکھتی تھیں۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگائیں کہ ایک دفعہ جب ان کے باپ ابوسفیان ان سے مدینہ میں ملنے آئے جنہوں نے ابھی تک اسلام قبول نہ کیا تھا۔ بیٹی کی اپنے باپ سے ملاقات ۱۴ سال بعد ہوئی تھی۔ ابتدائی گفتگو کے بعد جب وہ اند حجرے میں آئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر مبارک پر بیٹھنے لگے تو سیدہ ام المؤمنین نے ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر بیٹھنے نہ دیا اور فوراً بسترے کو لپیٹ دیا کہ تم مشرک ہو اور تم نجس ہو لہذا اس پاک بسترے پر تم نہیں بیٹھ سکتے۔ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جو کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا وہ سب علم وعرفان آپ رضی اللہ عنہا نے آگے صحابہ وصحابیات میں تقسیم فرمایا۔ قاضی عبد الدائم لکھتے ہیں کہ:

> ''سیدہ ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے کتب متداولہ میں ۶۵ احادیث مروی ہیں۔ ان میں سے ۲ متفق علیہ اور ایک تنہا مسلم شریف میں جبکہ باقی سب دیگر کتب احادیث میں ہیں۔''(1)

آپ نے ۴۴ھ میں وصال فرمایا۔ اور مدینہ طیبہ میں آپ رضی اللہ عنہا کی تدفین ہوئی۔ وصال کے وقت آپ کی عمر ۷۴ برس تھی اور وہ عہد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا تھا۔

(۸) سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا

سیدہ جویریہ بنتِ حارث بن ابی ضرار خزاعیہ ثم المصطلقیہ بنی مصطلق کے قیدیوں میں گرفتار ہوکر آئیں تھیں۔ آپ کا اصل نام برہ تھا۔ آپ کے والد حارث بن ابی ضرار اپنے قبیلے کے سردار تھے۔ قبیلہ بنی مصطلق بحیرہ احمر کے کنارے رابغ اور جدہ کے درمیان قدید نامی علاقہ میں آباد تھا۔ جس چشمہ پر ان کی آبادی تھی اس کا نام مریسیع

---

(1) السیرۃ النبویہ، ج۲، ص62

تھا۔[1] سیدہ بعثت سے دو سال قبل پیدا ہوئیں اور آپ کی پرورش بڑے ناز و نعم سے ہوئی۔ سیدہ کا پہلا نکاح مسافع بن صفوان سے ہوا تھا۔ سیدہ ام المؤمنین جویریہ رضی اللہ عنہا کا باپ اور خاوند اسلام کے سخت مخالف تھے۔ اشاعت اسلام سے یہ سخت بیزار تھے۔ سرایا میں مسلمانوں کی کامیابی اور غزوہ بدر میں کفار و مشرکین کی شکست نے حارث کو اور زیادہ پریشان اور افسردہ کر دیا تھا۔ حارث اپنی قوم اور بااثر افراد سے ملا اور ان سب کو اسلام کے خلاف اُبھارا۔ بنی مصطلق اور دیگر قبائل نے مل کر مدینہ پر یلغار کی نیت سے تیاریاں شروع کر دیں۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امر کی اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کو خبر گیری کے لیے روانہ فرما دیا۔ انہوں نے واپس آکر اس خبر کی تصدیق کر دی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حملے کی تیاری کا حکم دے دیا۔ اسلامی لشکر نے جا کر مریسیع میں قیام کیا۔ بنی مصطلق والوں نے جب دیکھا کہ مسلمان ان کے سر پر پہنچ گئے ہیں تو انہوں نے راہ فرار اختیار کی۔ قبیلے کے سردار حارث نے بھی اسی میں عافیت جانی اور بھاگ گیا۔ کچھ لوگوں نے مسلمانوں کے ساتھ تیروں کے ساتھ مقابلہ کیا مگر مسلمانوں نے جلد ہی ان پر قابو پا لیا۔ اس غزوہ بنی مصطلق میں دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں مال غنیمت میں آئیں اور چھ سو مرد، عورتیں اور بچے قیدی بنے۔ جن میں حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں۔ سیدہ جب قیدی بن کر آئیں تو ثابت بن قیس کے حصہ میں آئیں، انھوں نے ان سے مکاتبہ طے کر لیا۔ مکاتبت نو اوقیہ سونا جس کی رقم چار ہزار درہم بنتی تھی۔

مکاتبہ سے آزادی پانے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے اگر اس بہتر سلوک کیا جائے تو کیا خیال ہے؟ پوچھا وہ کیا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ تم اسلام قبول کر کے میرے ساتھ نکاح کر لو میں زر مکاتبہ ادا کر دوں گا۔ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا نے بخوشی اس بات کو تسلیم کر لیا۔ سیدہ کا نکاح رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو گیا اور ان کا زرِ مکاتبہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا فرما دیا۔ جب اصحاب رسول کو یہ خبر ملی کہ سیدہ عقد رسول میں آ گئیں ہیں تو انھوں نے بنی مصطلق کے دیگر قیدیوں کو بھی آزاد کر دیا کہ یہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سسرالی خاندان ہے۔[2] دوسری طرف آپ کے بھائی عبد اللہ بن حارث اور والد حارث بن ابی ضرار اونٹ فدیہ لے کر آئے سیدہ کو آزاد کرانے اور دو اونٹ راستے میں چھپا آئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا فدیہ لائے ہو عرض کیا اونٹ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ دو اونٹ کہاں چھپائے ہیں؟ اس پر وہ شدید حیران ہوئے کہ ان کے بارے میں تو سوائے ہمارے کوئی نہیں جانتا۔ لہذا حارث کہنے لگے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں اور ساتھ ہی کلمہ پڑھ کو حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ قاضی عبد الدائم صاحب آپ کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

"کتب معتبرہ میں ان سے سات احادیث مروی ہیں۔ جن میں سے دو بخاری شریف میں، دو مسلم

---

(1) السیرۃ النبویہ، ج۶، ص۵۹

(2) ایضاً، ص62

شریف میں اور باقی تین دیگر کتب میں مروی ہیں۔"[1]

ام المؤمنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا نے چھ سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں گزارے اور جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال پاک ہوا تب سیدہ کی عمر چھبیس سال تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ رضی اللہ عنہا پینتالیس سال تک حیات رہیں اور ۵۶ھ میں ۷۱ سال کی عمر میں وصال فرمایا۔ یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور خلافت تھا۔ آپ کی طرف سے مروان بن الحکم مدینہ کے حاکم تھے۔ انہوں نے ہی نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کو بقیع میں دفن کیا گیا۔

(۹) سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا

سیدہ صفیہ بنت حیئ بن اخطب کا والد یہودی قبیلے بنو نضیر کا سردار تھا۔ آپ کی والدہ بنو قریظہ کے سردار سموئیل کی بیٹی تھیں۔ آپ کا پہلا نکاح سلام بن مشکم سے ہوا تھا جو ایک مشہور شاعر اور سردار تھا لیکن دونوں میاں بیوی میں بن نہ سکی اور سلام نے آپ کو طلاق دے دی۔ اور دوسرا نکاح کنانہ بن ابی الحقیق سے ہوا تھا یہ بھی خیبر کے مشہور قلعہ القموص کا سردار تھا۔[2] سن ۷ ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کی سازشوں کا قلع قمع کرنے لیے خیبر پر حملہ کیا۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے فتح سے سرفراز فرمایا تو قلع القموص بھی مسلمانوں کے ہاتھ آیا اور کنانہ مارا گیا۔ اس کے تمام اہل وعیال کے ساتھ سیدہ صفیہ بھی قید ہو کر آئیں۔ اس جنگ میں ان کے شوہر کے ساتھ ساتھ باپ اور بھائی بھی مارے گئے۔ آپ خیبر کے قیدیوں میں آئی تھیں۔ جب غازیانِ اسلام میں لونڈیاں تقسیم ہوئیں تو حضرت دحیہ کلبی نے آپ کو پسند کیا مگر صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفیہ قبیلے کی سیدہ اور نہایت حسین و جمیل ہیں اس لیے وہ صرف آپ کے لائق ہیں۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا انتہائی صلہ رحمی کر نے والی خاتون تھیں۔ اکثر حقداروں اور اقرباء پر صدقہ کیا کرتی تھیں۔ گویا آپ میں بہت سے محاسن جمع تھے۔ آپ رضی اللہ عنہا عاقلہ، فاضلہ، حلیم الطبع، خلیق، کشادہ دل، سیر چشم اور سخی تھیں۔ سیدہ جب ام المؤمنین کی حیثیت سے مدینہ طیبہ میں تشریف لائیں تو سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا آپ سے ملنے آئیں تو آپ نے انہیں اپنے بیش قیمت طلائی جھمکے کانوں سے اتار کر دے دیئے۔ اور جو خواتین سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپ کو ملنے آئیں انہیں بھی آپ نے کچھ نہ کچھ دے کر بھیجا۔ سیدہ ام المؤمنین کا ایک ہی ذاتی مکان تھا وہ بھی آپ رضی اللہ عنہا نے اپنی زندگی میں ہی صدقہ کر دیا تھا۔ خاندانی شرف کے اعتبار سے بھی آپ رضی اللہ عنہا نہایت ممتاز تھیں۔

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے تو آپ رضی اللہ عنہا رو رہی

---

(1) السیرۃ النبویہ، ج۶، ص60

(2) ایضاً

تھیں، آپ ﷺ نے ان سے رونے کا سبب پوچھا تو آپ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ عائشہ اور زینب کہتی ہیں ہم تمام ازواج مطہرات میں افضل ترین ہیں، کیونکہ زوجہ ہونے کے علاوہ ہم نبی کریم ﷺ کی قرابت دار بھی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی دل جوئی کے لیے ارشاد فرمایا اگر عائشہ اور زینب کہتی ہیں کہ ان کا تعلق خاندان نبوت سے ہے تو تم نے ان سے کیوں نہ کہا کہ میرے باپ ہارون علیہ السلام، میرے چچا موسیٰ علیہ السلام اور میرے شوہر محمد ﷺ ہیں۔[1] سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا وصال ۵۰ ہجری میں ہوا، اور آپ رضی اللہ عنہا کی تدفین جنت البقیع میں کی گئی۔ وصال کے وقت آپ رضی اللہ عنہا کی عمر ساٹھ سال تھی۔

(۱۰) سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا

سیدہ میمونہ بنت حرث بن حزن بن بجیر بن ہزم بن رویبہ بن عبد اللہ بن ہلال بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن حصفہ بن قیس بن عیلان کی پہلی شادی ابو دھم بن عبد العزی بن ابی قیس بن عبدود سے ہوئی تھی۔[2] سیدہ کی شادی رسول اللہ ﷺ سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کروائی تھی۔ بعض کا کہنا یہ ہے کہ سیدہ میمونہ نے اپنے آپ کو نبی کریم علیہ السلام کی نذر کر دیا تھا۔ یعنی انہوں نے کہا تھا کہ یہ اونٹ اور جو کچھ اس پر ہے رسول اللہ ﷺ کا ہے۔ اور سیدہ کی شان میں ہی قرآن حکیم کی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَبَنَاتِ عَمِّكَ وَبَنَاتِ عَمَّاتِكَ وَبَنَاتِ خَالِكَ وَبَنَاتِ خَالَاتِكَ اللَّاتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ وَامْرَأَةً مُؤْمِنَةً إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَيْكَ حَرَجٌ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا﴾[3]

اے نبی ہم نے آپ کے لیے حلال کر دیں آپ کی وہ بیویاں جن کے مہر آپ نے ادا کر دیئے اور وہ باندیاں بھی جو آپ کی ملکیت میں آچکی ہوں ان عورتوں میں سے جو اللہ نے آپ کو غنیمت میں عطا فرمائیں ہیں اور آپ کی وہ چچا زاد پھوپھی زاد ماموں زاد و خالہ زاد بہنیں بھی جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہو اور وہ مومن عورت بھی جو بلا عوض اپنے آپ کو نبی کو دے دے اگر نبی اس کو اپنے نکاح میں لانا چاہیں (یہ سب احکام) خاص آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے کیلئے ہیں

(1) سیرت النبی، ج۱، ص ۶۴۳

(2) السیرۃ النبویہ، ج۶، ص ۶۱

(3) الاحزاب: ۵۰

نہ کہ دوسرے مسلمانوں کے لیے ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ کہ ہم نے فرض کیا ہے ان (عام مومنوں) پر ان کی بیویوں اور ان کی ان باندیوں کے بارے میں جو کہ ان کی ملکیت میں ہوں (اور آپ کے لیے ایسا اس لیے کیا گیا کہ) تاکہ آپ پر کوئی تنگی نہ رہے اور اللہ بڑا ہی بخشنے والا نہایت ہی مہربان ہے۔

امام بغوی لکھتے ہیں کہ اس آیہ کریمہ کے شان نزول میں اختلاف ہے کہ یہ کس کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ لکھتے ہیں کہ:

''وَاخْتَلَفُوا فِيهَا فَقَالَ الشَّعْبِيُّ: هِيَ زَيْنَبُ بِنْتُ خُزَيْمَةَ الْهِلَالِيَّةُ، يُقَالُ لَهَا أُمُّ الْمَسَاكِينِ. وَقَالَ قَتَادَةُ: هِيَ مَيْمُونَةُ بِنْتُ الْحَارِثِ. وَقَالَ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ وَالضَّحَّاكُ وَمُقَاتِلٌ: هِيَ أُمُّ شَرِيكٍ بِنْتُ جَابِرٍ مِنْ بَنِي أَسَدٍ. وَقَالَ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ: هِيَ خَوْلَةُ بِنْتُ حَكِيمٍ مِنْ بني سليم'' (1)

اس میں اختلاف ہے، شعبی کہتے ہیں کہ اس سے مراد سیدہ زینب بنت خزیمہ الھلالیہ ہیں، جنہیں امّ المساکین کہا جاتا ہے۔ اور قتادہ کہتے ہیں کہ وہ سیدہ میمونہ بنت الحارث ہیں۔ اور علی بن حسین اور ضحاک اور مقاتل کہتے ہیں کہ وہ ام شریک بنت جابر جو بنو اسد سے ہیں وہ مراد ہیں۔ اور عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ وہ خولہ بنت حکیم ہیں جو کہ بنو سلیم سے ہیں۔

امام قرطبی، علامہ زمحشری کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں، اس سے مراد چار خواتین ہیں:

''الزَّمَخْشَرِيُّ: وَقِيلَ الْمُوهِبَاتُ أَرْبَعٌ: مَيْمُونَةُ بِنْتُ الْحَارِثِ، وَزَيْنَبُ بِنْتُ خُزَيْمَةَ أُمُّ الْمَسَاكِينِ الْأَنْصَارِيَّةُ، وَأُمُّ شَرِيكٍ بِنْتُ جَابِرٍ، وخولة بنت حكيم. ''(2)

زمحشری کہتے ہیں کہ اپنے آپ کو نبی کریم ﷺ کو ہبہ کرنے والی چار مستورات ہیں۔ میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا، اور زینب بنت خزیمہ ام المساکین الانصاریہ رضی اللہ عنہا، اور ام شریک بنت جابر رضی اللہ عنہا اور خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا ہیں۔

اس سے مراد کوئی بھی خاتون ہو یہ ضرور ثابت ہے کہ مستورات نے خود کو نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں ہبہ کیا تھا۔ اگر حضرت قتادہ کا قول دیکھا جائے تو اس میں بھی حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا نام آیا ہے اور علامہ زمحشری کے قول کو دیکھا جائے تو اس میں ۴ خواتین کا ذکر ہے کہ جنہوں نے اپنے آپ کو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ہبہ کیا تھا اور اس میں بھی سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا نام سرفہرست آیا ہے۔ پس حضرت میمونہ نے اپنا آپ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں ہبہ کی تھا۔ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے ۵۱ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ رضی اللہ عنہا کا جنازہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے پڑھایا تھا۔

---

(1) معالم التنزیل فی تفسیر القرآن، ج۳، ص ۶۵۱

(2) الجامع لاحکام القرآن، ج۱۴، ص ۲۰۶

(۱۱) سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا

سیدہ زینب بنت خزیمہ بن حرث بن عبد اللہ بن عمرو بن عبد مناف بن ہلال بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ کا پہلا نکاح جہم بن عمرو بن حرث سے ہوا۔ اس کے بعد آپ عبیدہ بن حرث بن مطلب بن عبد مناف کے پاس آئیں۔ پھر سیدہ کا نکاح عبد اللہ بن جحش سے ہوا جو شہید ہو گئے۔[1] حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے جنگ احد ۳ ہجری میں شہادت پائی۔ پھر سیدہ کا نکاح اسی سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا۔ عائشہ عبد الرحمٰن بنت الشاطی سیدہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں لکھتی ہیں کہ:

> ''حضرت زینب بنت خزیمہ کے شوہر کی شہادت کے بعد ان کو پریشان دیکھا تو نبی کریم نے ارشاد فرمایا کہ آپ کو آخر کس چیز نے بے چین کر دیا؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بچوں کے مستقبل نے، کہ ان کا سوتیلا باپ نہ جانے کیسے پرورش کرے گا۔ آپ میرے لیے اللہ تعالیٰ کے نبی کریم دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔''[2]

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کے صبر و استقامت، ثابت قدمی اور ان کے جہاد کا علم ہوا اور ان کے شوہر کے انتقال کے بعد ان کی نگہداشت کرنے والا کوئی نہ تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں نکاح کا پیغام بھیجا اور اس طرح اُمت کے غم گسار نبیِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور بیوہ عورت کو سہارا دیا اور انھیں ''ام المساکین'' کے ساتھ ساتھ ''ام المؤمنین'' کا تاجِ عزت و رفعت پہنایا۔[3] حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا پانچویں خاتون تھیں جو ام المومنین کے عظیم مرتبے پر فائز ہوئیں۔ اس سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آچکی تھیں۔ حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی سہیلی اور قریبی ہونے کا بھی شرف حاصل تھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو پتہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور ان کے شوہر کے تقویٰ کے بنا پر ان کی دلجوئی کرنے کے لیے ان سے نکاح کیا ہے، اس لیے ان دونوں نے بھی خوش آمدید کہا اور ان کی برابر دلجوئی کی۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا ذکر بھی ان خوش نصیب مستورات میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کیا تھا۔ تفسیر بغوی میں امام شعبی کے قول کے مطابق

---

(1) السیرۃ النبویہ، ج۶، ص۶۰

(2) نساء النبی، عائشہ عبد الرحمٰن بنت الشاطی، بیروت: دار الکتب العربی، ۱۹۱۹ء، ص۳۳۱

(3) زوجات النبی صلی اللہ علیہ وسلم و اسرار الحکمۃ فی تعدد ہن، ابراہیم محمد حسن الجمل، القاہرۃ: مکتبہ وھبہ، ص۸۶

آپ رضی اللہ عنہا نے اپنا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کی اتھا اور علامہ زمخشری نے جن خواتین کا ذکر کیا ہے ان میں بھی آپ رضی اللہ عنہا شامل ہیں۔ (1)

آپ رضی اللہ عنہا کے ایمان لانے کے بارے میں آتا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا تو اس وقت حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۱۳ یا ۱۴ سال تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا کے اعلیٰ اَخلاق و کردار، صاف ستھری زندگی اور سخاوت و فیاضی سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ ابتدائی دور میں ہی اسلام سے قریب آگئی ہوں گی۔ سیدہ انتہائی مہربان خاتون تھیں غرباء اور مساکین کو کھانا کھلاتی تھیں اسی سبب سے سیدہ کا نام ام المساکین تھا۔ سیدہ تین ماہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں رہیں پھر وصال فرما گئیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے صرف سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ خدیجہ الکبری رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں وصال فرمایا۔ باقی ۹ ازواج مطہرات نے نبی کریم علیہ السلام کے بعد وصال فرمایا۔ سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کا جنازہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پڑھایا اور جنت البقیع میں دفن فرمایا۔ وصال کے وقت سیدہ کی عمر مبارک ۳۰ برس تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کی رفاقت بہت کم ہونے کی وجہ سے سیرت نگاروں اور مؤرخین نے ان کی طرف کم توجہ دی ہے۔ اس لیے سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں ان کا تذکرہ بہت کم ملتا ہے۔

---

(1) معالم التنزیل فی تفسیر القرآن، ج ۳، ص ۶۵۱

مبحث دوم: تعداد ازواج

نبی کریم علیہ السلام کی گیارہ ازواج مطہرات اور دو کنیزوں کا ذکر پچھلی بحث میں گزر گیا ہے۔ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ ان ازواج کے علاوہ دو عورتوں سے مزید رسول اللہ ﷺ نے نکاح کیا تھا۔ مگر خلوت سے قبل ہی ان کو جدا کر دیا تھا۔ ان میں ایک اسماء بنتِ نعمان کندیہ ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے ان سے نکاح کیا تو ان کے بدن پر سفید داغ دیکھے تو ان کو رخصت کر دیا۔ اور دوسری عورت عمرہ بنتِ یزید کلابیہ تھی۔ جب یہ آپ ﷺ کے پاس آئیں تو آپ ﷺ سے پناہ مانگی پس رسول اللہ ﷺ نے اس کو واپس بھیج دیا۔[1]

نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس بہت سا رے معاملات میں امت سے ممتاز ہے۔ جیسا کہ صدقہ آپ ﷺ پر حرام تھا۔ نمازِ تہجد آپ ﷺ پر فرض تھی۔ اسی طرح تعدد ازواج میں بھی آپ ﷺ کا معاملہ جدا ہے۔ امت کے جملہ افراد کے لیے یہ حکم ہے کہ وہ ایک وقت میں زیادہ سے زیادہ چار عورتوں کو بیک وقت نکاح میں رکھ سکتے ہیں۔ ہر وہ عورت جس سے آدمی نکاح کرے اس کا حق مہر ادا کرنا بھی واجب اور سب کے ساتھ برابری کا سلوک روا رکھنے کا حکم ہے۔ اور اگر کسی کے عقد میں چار سے کم بیویاں ہوں تو چار سے کم رکھنا اس پر کوئی شرعی حکم امتناع نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَلِكَ أَدْنَى أَلَّا تَعُولُوا﴾[2]

اور اگر تمہیں اندیشہ ہو اس بات کا کہ تم انصاف نہیں کر سکو گے یتیموں کے بارے میں، تو تم نکاح کر لیا کرو ان دوسری عورتوں سے جو تم کو پسند ہوں، دو دو، تین تین، اور چار چار، لیکن اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم انصاف نہیں کر سکو گے (ایک سے زیادہ بیویوں کے درمیان) تو پھر تم ایک پر ہی اکتفا کر لیا کرو، یا ان باندیوں پر جن کے مالک ہوں تمہارے داہنے ہاتھ، یہ زیادہ قریب ہے اس کے کہ تم انصاف سے نہ ہٹو۔

جبکہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ہے کہ آپ جتنی عورتوں کو چاہیں مہر ادا کر کے اپنی زوجیت میں لے آئیں اور اگر کوئی خود کامل رضا و رغبت سے اپنے آپ کو ہبہ کر دے تو نبی کریم ﷺ بلا حق مہر کی ادائیگی کے ان سے نکاح کر سکتے ہیں۔

---

(1) السیرۃ النبویہ، ج٦، ص٦٠

(2) النساء:٣

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَبَنَاتِ عَمِّكَ وَبَنَاتِ عَمَّاتِكَ وَبَنَاتِ خَالِكَ وَبَنَاتِ خَالَاتِكَ اللَّاتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ وَامْرَأَةً مُؤْمِنَةً إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَيْكَ حَرَجٌ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا﴾(1)

اے نبی ہم نے آپ کے لیے حلال کر دیں آپ کی وہ بیویاں جن کے مہر آپ نے ادا کر دیئے اور وہ باندیاں بھی جو آپ کی ملکیت میں آچکی ہوں ان عورتوں میں سے جو اللہ نے آپ کو غنیمت میں عطا فرمائیں ہیں اور آپ کی وہ چچازاد پھوپھی زاد ماموں زاد وخالہ زاد بہنیں بھی جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہو اور وہ مومن عورت بھی جو بلا عوض اپنے آپ کو نبی کو دے دے اگر نبی اس کو اپنے نکاح میں لانا چاہیں (یہ سب احکام) خاص آپ (ﷺ) کے کیلئے ہیں نہ کہ دوسرے مسلمانوں کے لیے ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ کہ ہم نے فرض کیا ہے ان (عام مومنوں) پر ان کی بیویوں اور ان کی ان باندیوں کے بارے میں جو کہ ان کی ملکیت میں ہوں (اور آپ کے لیے ایسا اس لیے کیا گیا کہ) تاکہ آپ پر کوئی تنگی نہ رہے اور اللہ بڑا ہی بخشنے والا نہایت ہی مہربان ہے۔

ان آیات مبینات کی تفسیر کچھ یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرمارہا ہے کہ آپ نے جن بیویوں کا حق مہر ادا کیا ہے وہ سب آپ پر حلال ہیں۔ آپ کی تمام ازواج مطہرات کا مہر ساڑھے بارہ اوقیہ سونا تھا جس کے پانچ سو درہم ہوتے ہیں۔ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا مہر نجاشی نے اپنے پاس سے ۴ سو دینار دیا تھا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا مہر صرف ان کی آزادی تھی۔ خیبر کے قیدیوں میں آپ بھی شامل تھیں، آپ ﷺ نے انہیں آزاد کر دیا اور یہی آزادی ان کا مہر تھی۔ جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا نے جتنی رقم پر مکاتبہ کیا تھا وہ پوری رقم آپ ﷺ نے ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو ادا کر کے ان سے عقد کر لیا تھا۔ ایسے ہی وہ لونڈیاں جو غنیمت میں آپ ﷺ کے قبضے میں آئیں وہ بھی آپ ﷺ پر حلال ہیں۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اور جویریہ رضی اللہ عنہا کے مالک آپ ﷺ ہوئے پھر آپ نے انہیں آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔ حضرت ریحانہ بنت شمعون اور ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا بھی آپ ﷺ کی ملکیت میں آئیں۔ اور آپ کی وہ چچازاد پھوپھی زاد ماموں زاد وخالہ زاد بہنیں بھی جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہو۔ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے پاس آپ ﷺ کا رشتہ آیا تو میں نے معذوری ظاہر کی جسے آپ ﷺ نے تسلیم کر لیا اور یہ آیت نازل ہوئی تو میں

---

(1) الاحزاب: ۵۰

ہجرت کرنے والیوں میں نہ تھی بلکہ فتح مکہ کے بعد ایمان لانے والیوں میں سے تھی۔ مفسرین نے یہی کہا ہے کہ وہ عورتیں جنہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ مدینہ ہجرت کی ہو جبکہ حضرت قتادہ کا کہنا ہے کہ اس سے مراد اسلام لانا بھی ہے۔ اور فرمایا وہ مومنہ عورت جو اپنا نفس نبی ﷺ کے لیے ہبہ کر دے اور نبی بھی اس سے نکاح کرنا چاہیں تو بغیر مہر دیئے اسے نکاح میں لا سکتے ہیں۔ بس یہ حکم دو شرطوں کے ساتھ خاص ہے۔ ایک تو عورت کا اپنا نفس ہبہ کرنا اور دوسرا نبی کریم ﷺ کا اسے اپنے نکاح میں قبول کرنا۔

آپ ﷺ کے پاس ایک عورت آئی اور کہا کہ میں اپنا نفس آپ کے لئے ہبہ کرتی ہوں۔ پھر وہ دیر تک کھڑی رہی تو ایک صحابی نے کہا، یارسول اللہ ﷺ آپ ان کے ساتھ نکاح کا ارادہ نہ رکھتے ہوں تو میرے ساتھ نکاح کرا دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے پاس کچھ ہے جو انہیں مہر میں دیں؟ جواب دیا اس تہبند کے سوا کچھ نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ انہیں دے دو گے تو پھر خود ننگے رہ جاؤ گے۔ جب ان صحابی نے انتہائی مفلسی کا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے قرآن پاک کی چند سورتوں پر ان کا نکاح اس عورت سے کر دیا۔ جس طرح موت مہر کو مقرر کر دیتی ہے اسی طرح دخول سے بھی مہر واجب ہو جاتا ہے۔ البتہ نبی کریم ﷺ اس حکم سے مستثنٰی تھے۔ ایسی عورتوں کو کچھ دینا آپ ﷺ پر واجب نہ تھا گو اسے شرف بھی حاصل ہو چکا ہو۔ اس لیے آپ ﷺ کو بغیر مہر اور ولی کے اور بغیر گواہوں کے نکاح کر لینے کا اختیار تھا۔ جیسا کہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے قصے میں آیا ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ کسی عورت کو یہ جائز نہیں کہ وہ ولی اور مہر کے بغیر خود کو کسی کے نکاح میں دے دے ہاں صرف نبی کریم ﷺ کے لیے یہ تھا۔ مومنوں کے بارے میں تو یہ ہے کہ وہ ایک وقت میں چار سے زیادہ بیویاں نہیں رکھ سکتے اور اسی طرح ہر مومن کے لیے ولی، مہر اور گواہوں کی شرط ساتھ ہے۔ امت پر تو اس کا حکم ہے اور آپ ﷺ پر اس کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ (1)

ان مذکورہ بالا آیت مقدسہ میں امام الانبیاء علیہ السلام پر تعدد ازواج کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ آپ ﷺ جتنی عورتوں کے ساتھ چاہیں نکاح کر لیں۔ مومنہ صادقہ اپنے آپ کو ہبہ کر دے تو پھر حق مہر کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ یہ خصوصیت صرف آپ ﷺ کے ساتھ متعلق ہے۔ امت کے کسی بھی فرد کے لیے اس کی اجازت نہیں ہے۔ امت کو اللہ تعالیٰ نے برابری کا سلوک کرنے کا حکم دیا ہے کہ اگر انصاف کر سکتے ہو تو چار تک نکاح کی اجازت ہے جبکہ آپ ﷺ کو اس بارے میں بھی امتیازی شان عطا فرمائی کہ آپ اپنی ازواج میں سے جس کو چاہیں اپنے پاس رکھیں یا علیحدہ کر دیں اور جس کو چاہیں علیحدگی کے بعد دوبارہ طلب کر لیں۔

---

(1) تفسیر القرآن العظیم، ج۶، ص۴۴۲۔۴۴۴

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ تُرْجِي مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِي إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ذَلِكَ أَدْنَى أَنْ تَقَرَّ أَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَا آتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَلِيمًا﴾(1)

(آپ ﷺ کو اختیار ہے) ان میں سے جس کو آپ چاہیں اپنے سے دور کر لیں اور جس کو چاہیں اپنے نزدیک رکھیں اور ان میں سے کہ جن کو آپ نے دور کر دیا ہو جس کو آپ چاہیں پھر طلب کر لیں تو بھی آپ پر کوئی گناہ نہیں یہ اس کے زیادہ قریب ہے کہ اس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں وہ آزردہ خاطر نہ ہوں اور جو بھی کچھ آپ ان کو دیں اس پر وہ راضی رہیں سب کی سب اور اللہ جانتا ہے وہ سب کچھ جو کہ تمہارے دلوں کے اندر ہے اور اللہ بڑا ہی علم والا نہایت ہی بردبار ہے۔

امت کے سبھی افراد کے لیے ایک ہی قانون ہے کبھی کمی بیشی نہیں ہوتی کہ ایک وقت میں چار ہی عورتیں رکھ سکتے ہیں۔ اور نکاح اور طلاق کے مسائل بھی سب کے لیے یکساں ہیں کسی کے لیے کوئی رعایت نہیں ہے۔ سوائے پیغمبر اسلام کہ آپ ﷺ جس زوجہ کو چاہیں رکھ لیں اور جس کو چاہیں جدا کر دیں۔ اور اگر جدا کرنے کے بعد بھی کسی کو واپس اپنے حرم ناز میں لانا چاہیں تو آپ ﷺ کو اختیار ہے۔ آپ ﷺ کے تعدد ازواج پر اعتراض کرنے والوں کے لیے اس آیت کریمہ میں بڑا واضح ترین جواب موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کا اختیار اپنے نبی ﷺ کو دیا کہ جس کو چاہیں عقد میں لائیں اور جس کو چاہیں چھوڑ دیں۔ مہر ادا کریں یا وہ ہبہ کرے اپنا آپ، سبھی معاملات میں آپ ﷺ کو اختیار ہے۔ حیات اقدس میں رسول اللہ ﷺ پر ایک مرحلہ ایسا بھی آیا کہ جب آپ ﷺ پر مزید نکاح کی پابندی تھی اور کسی زوجہ کو دوسری زوجہ سے بدلنے کی ممانعت تھی۔ جس کا اظہار اللہ تعالیٰ نے سورہ الاحزاب میں فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ إِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ رَقِيبًا﴾(2)

حلال نہیں آپ کے لیے دوسری عورتیں اس کے بعد اور نہ اس کی اجازت ہے کہ آپ تبدیل کر لیں ان ازواج سے دوسری بیویاں اگرچہ آپ کو پسند آئیں ان کا حسن بجز کنیزوں کے اور اللہ تعالیٰ

---

(1) الاحزاب:۵۱

(2) الاحزاب:۵۲

ہر چیز پر نگران ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ پہلی آیات میں گزر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ازواج مطہرات کو اختیار دیا تھا کہ اگر وہ چاہیں تو نبی کریم ﷺ کی زوجیت میں رہیں اور اگر چاہیں تو نبی کریم ﷺ سے علیحدگی اختیار کر لیں۔ لیکن امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن نے رسول اللہ ﷺ کے دامن اقدس کو چھوڑنا پسند نہ فرمایا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ جزا کے طور پر انعام عطا فرمایا۔ جیسا کہ امام ابن کثیرؒ مذکور الذکر آیۃ کریمہ کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''كَانَ جَزَاؤُهُنَّ أَنَّ [اللَّه] قصره عَلَيْهِنَّ، وَحَرَّمَ عَلَيْهِ أَنْ يَتَزَوَّجَ بِغَيْرِهِنَّ، أَوْ يَسْتَبْدِلَ بِهِنَّ أَزْوَاجًا غَيْرَهُنَّ، وَلَوْ أَعْجَبَهُ حُسْنُهُنَّ إِلَّا الْإِمَاءَ وَالسَّرَارِيَ فَلَا حَجْرَ عَلَيْهِ فِيهِنَّ. ثُمَّ إِنَّهُ تَعَالَى رَفَعَ عَنْهُ الْحَجْرَ فِي ذَلِكَ وَنَسَخَ حُكْمَ هَذِهِ الْآيَةِ، وَأَبَاحَ لَهُ التَّزَوُّجَ ، وَلَكِنْ لَمْ يَقَعْ مِنْهُ بَعْدَ ذَلِكَ تَزَوّج لِتَكُونَ الْمِنَّةُ لِلرَّسُولِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِنَّ.''(1)

اس پر ان نفوس قدسیہ کو دنیا میں اللہ تعالیٰ نے جزا کے طور پر یہ آیت کریمہ عطا فرمائی جس میں نبی رحمت ﷺ کو حکم دیا کہ اب آپ ان ازواج کے علاوہ کسی عورت سے نکاح نہیں کر سکتے نہ ہی ان میں سے کسی ایک کو چھوڑ کر اس کے بدلے دوسری عورت لا سکتے ہیں چاہے وہ کتنی ہی خوش شکل کیوں نہ ہو۔ ہاں لونڈیوں اور کنیزوں کی بات اور ہے۔ کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے یہ پابندی اپنے حبیب مکرم ﷺ سے اُٹھالی اور دیگر عورتوں سے نکاح کی اجازت دے دی۔ لیکن نبی کریم ﷺ نے بعد میں خود سے ہی کسی اور عورت سے عقد نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ نے اولاً آپ ﷺ کو منع فرمایا کہ آپ مزید عورتوں سے عقد نہ کریں لیکن بعد میں اس حکم کو منسوخ فرما دیا اور مزید نکاح کی اجازت دے دی مگر آپ ﷺ خود ہی کسی اور عورت سے نکاح نہ فرمایا گویا آپ ﷺ امہات المؤمنین پر اپنا احسان جاری رکھنا چاہتے تھے۔ اس کے بارے میں امام ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ:

''اللہ تعالیٰ سے اجازت ملنے کے باوجود کسی اور عورت سے نکاح نہ کرنے کی حکمت یہ تھی کہ آپ ﷺ اپنی طرف سے امہات المؤمنین پر احسان جاری رکھنا چاہتے تھے۔ امّ المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ امام الانبیاء ﷺ کے وصال پاک سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لیے دیگر عورتیں حلال کر دیں تھیں۔ سیدہ ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی فرماتی ہیں کہ حلال کرنے والی آیت تُرجی مَن تشاءُ منهُنَّ ہے۔ جو اس آیۃ کریمہ سے ما قبل گزر چکی ہے۔''(2)

---

(1) تفسیر القرآن العظیم، ج۶، ص۴۴۶

(2) ایضاً، ص۴۴۲

تعدد ازواج کی حکمتیں:

رسول اللہ ﷺ نے متعدد نکاح فرمائے۔ آپ ﷺ نے سب سے پہلا نکاح سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے ۲۵ سال کی عمر مبارک میں کیا اور جب تک حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا زندہ رہیں، آپ ﷺ نے دوسرا کوئی نکاح نہیں کیا۔ آپ ﷺ کی ساری اولاد (سوائے سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کے) سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن سے ہی ہوئی۔ جب سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا صال ہوا تو خانگی ضرورت کے پیشِ نظر رسول اللہ ﷺ نے سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ کیونکہ اس وقت کاشانہ نبوت میں گھریلوں ذمہ داریوں اور بچیوں کی پرورش کے لئے خاتون خانہ کی ضرورت تھی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح اللہ تعالیٰ کے حکم پر ہوا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں اور ان کے گھر میں آنحضور ﷺ کا بکثرت آنا جانا تھا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شدید خواہش بھی تھی کہ نبی کریم ﷺ کے عقد میں ان کی صاحبزادی آئیں۔ چنانچہ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پیشکش کی تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کا نکاح ہو گیا۔ ہجرت تک تنہا سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے گھر میں رہیں، ہجرت کے بعد دوسرے سال سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی عمل میں آئی۔ اب آپ ﷺ کے گھر میں دو بیویاں اکٹھی ہوئیں، اس وقت نبی پاک ﷺ کی عمر مبارک 55 سال تھی، اور پوری عمرِ مبارک 63 سال ہوئی ہے، پس گویا وفات سے آٹھ سال پہلے حضور ﷺ کے گھر میں دو بیویاں جمع ہوئیں ہیں۔

غور طلب امر یہ ہے کہ آدمی کو زیادہ بیویوں کی ضرورت جوانی میں ہوتی ہے۔ پچپن سال میں آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے اور اس عمر میں متعدد بیویوں کی ضرورت نہیں ہوتی جبکہ آپ ﷺ کی جوانی اور ادھیڑ عمر ایک بیوی کے ساتھ گذری ہے۔ متعدد نکاح حیات مبارکہ کے آخری آٹھ سالوں میں کئے ہیں۔ اس سے ہر صاحبِ فہم سمجھ سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے جو متعدد نکاح کئے وہ ذاتی ضرورت سے نہیں بلکہ کسی مصلحت سے کئے ہیں اور وہ مصلحتیں تین ہیں، ملی، ملکی اور شخصی۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سوا تمام نکاح آپ ﷺ نے بیوہ عورتوں کے ساتھ کئے۔ جس عرصہ میں آپ ﷺ نے متعدد نکاح کئے وہ عرصہ اسلام کی اشاعت کا تھا، بہت سارے قبائل اسلام قبول کر چکے تھے اور ریاستِ اسلامیہ کی سرحد دور دور تک پھیل چکی تھی۔ رسول اللہ ﷺ چاہتے تو کنواری عورتوں سے نکاح کرتے جس کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی اجازت تھی مگر نبی کریم ﷺ نے اسلام کی اشاعت اور لوگوں کی دلجوئی کے لئے بے سہارا عورتوں سے نکاح کئے۔

مذکورہ بالا آیات سے بخوبی یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے استثنائی معاملہ فرمایا ہے۔ جملہ امت کے لیے احکام الگ اور یکساں ہیں جبکہ آپ ﷺ کو دیگر انبیاء اور امتوں سے ہٹ کر امتیازی شان عطا فرمائی ہے۔ اگر اسی امت کو پیش نظر رکھ کر بات کی جائے تب بھی یہ امر واضح ہوتا ہے کہ امتی بیک وقت ۴ سے زائد

عورتوں سے عقد نہیں کر سکتا اور نہ ہی تین طلاقوں کے بعد رجوع کر سکتا ہے سوائے حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ کی صورت میں، جبکہ آپ ﷺ ایسے ازدواجی قوانین سے مستثنیٰ ہیں۔ یہاں تک کہ امتی ولی، گواہوں اور مہر کے بغیر نکاح نہیں کر سکتا اور آپ ﷺ پر یہ شرائط نہیں ہیں۔ اجنبی عورت اگر اپنا آپ رسول اللہ ﷺ کو ہبہ کر دے تو وہ بھی آپ ﷺ پر حلال ہے۔ ازواج مطہرات میں جس کو چاہیں رکھ لیں اور جس کو چاہیں چھوڑ دیں۔ یوں لگتا ہے کہ ہر صورت میں اختیار کی شان عطا فرمائی ہے۔ آپ ﷺ نے جتنے بھی نکاح کیے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ سب بائنہ اور بے سہارا کو آسراء دینے کے لیے کئے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح بھی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی حد درجہ رغبت اور رضا کی وجہ سے کیا باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو واضح اور اعلانیہ اجازت عطا فرمائی تھی کہ جس طرح بھی آپ جس عورت کو بھی عقد میں لانا چاہیں لا سکتے ہیں۔ معترضین صرف مخالفت اور عداوت کی بنا پر اعتراضات کی بوچھاڑ کرتے ہیں حالانکہ ان کے اعتراضات کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ نہ ہی نبی کریم ﷺ نے کسی لالچ یا خواہش کی بنا پر زیادہ نکاح فرمائے ہیں بلکہ محض بے آسراء کو سہارا دینے کی خاطر کثیر نکاح کیے ہیں۔

مبحث سوم: عفت ازواج

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مومنات کی عفت و عصمت کا ذکر عمومیت کے ساتھ جبکہ ازواج مطہرات امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کی عفت و عظمت کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا ہے۔ان تمام ازواج کو اللہ تعالیٰ نے مومنین کی مائیں قرار دیا ہے۔اور یہی حقیقت ہے اس عفت میں کہ ازواج مطہرات اہل ایمان کی مائیں ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی تقدیس کے پیش نظر اہل ایمان اور ازواج مطہرات سے ان کے متعلق خصوصی احکام ذکر کئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَى بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ إِلَّا أَنْ تَفْعَلُوا إِلَى أَوْلِيَائِكُمْ مَعْرُوفًا كَانَ ذَلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا﴾[1]

(اور یہ حقیقت واضح رہے کہ) نبی ایمان والوں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بیویاں ان کی مائیں ہیں اور رشتہ دار اللہ کی کتاب کی رو سے آپس میں ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں بہ نسبت دوسرے مومنوں اور مہاجروں کے مگر یہ کہ تم لوگ اپنے طور پر اپنے دوستوں کیساتھ کوئی بھلائی کرنا چاہو (تو کر سکتے ہو) یہ بات اس کتاب لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔

اس آیۃ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی ازواج کو یہ شرف بخشا کہ انہیں اہلِ ایمان کی مائیں قرار دے دیا۔ تاکہ اہل ایمان ان کی تعظیم کریں اور ان کے ساتھ حسن سلوک اور تکریم کا معاملہ روا رکھیں۔ماں کا درجہ اس لیے بھی عطا کیا گیا کہ امت کے کسی بھی فرد کے لیے اب ان سے نکاح جائز نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ کے وصال پاک کے بعد امت میں کوئی بھی فرد ان سے نکاح نہیں کر سکتا۔اس امر کی باقاعدہ اللہ تعالیٰ نے وضاحت بھی فرمائی ہے۔اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے قوانین الگ سے نازل فرمائے ان کو اس شان و عظمت سے آگاہ فرمایا کہ تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو اس لیے تم سب کا طرز حیات بھی دوسروں سے جدا ہو۔ تاکہ تمہاری امتیازی حیثیت بھی امت پر عیاں ہو اور کوئی تمہارے متعلق ایسا سوچ بھی نہ سکے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا O وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ

(1) الاحزاب:٦

وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ۝ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا﴾[1]

اے نبی کی بیویو! (یاد رکھو) تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو بشرطیکہ تم تقوی کو اپنائے رکھو پس تم (کسی نامحرم سے بوقت ضرورت) بات کرنے میں کسی لچک (نرمی) سے کام نہ لینا کہ کہیں لالچ میں پڑ جائے کوئی ایسا شخص جس کے دل میں روگ ہو اور (یوں) بات بھلی ہی کہا کرو۔ اے نبی کی بیویو! (یاد رکھو) تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو بشرطیکہ تم تقوی کو اپنائے رکھو پس تم (کسی نامحرم سے بوقت ضرورت) بات کرنے میں کسی لچک (اور نرمی) سے کام نہ لینا کہ کہیں لالچ میں پڑ جائے کوئی ایسا شخص جس کے دل میں روگ ہو اور (یوں) بات بھلی ہی کہا کرو۔ اور ٹک کر رہا کرو تم اپنے گھروں میں اور دکھاتی نہ پھرنا اپنا بناؤ سنگار (اور اپنی سج دھج) پہلی جاہلیت کے دکھلاوے کی طرح اور تم نماز قائم رکھو اور زکوۃ دیتی رہو اور فرمانبرداری کرتی رہو اللہ اور اس کے رسول کی اللہ تو بس یہ چاہتا ہے کہ وہ دور کر دے تم سے گندگی اے نبی کے گھر والو اور وہ تم کو پاک کر دے خوب اچھی طرح سے اور یاد رکھو اللہ کی ان آیتوں اور حکمت کی ان باتوں کو جو (صبح وشام) پڑھی جاتی ہیں تمہارے گھروں میں بلاشبہ اللہ بڑا ہی باریک بیں نہایت ہی باخبر ہے۔

ان آیات مبینات میں اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو فرمایا ہے کہ تم عام عورتوں جیسی نہیں ہو بلکہ تمہارا شرف اور فضیلت دنیا کی تمام عورتوں سے زیادہ ہے کیونکہ تمہارے علاوہ کسی کو یہ شرف حاصل نہیں ہے کہ وہ اہل ایمان کی ماں ہو۔ اور امہات المؤمنین کے شایان شان نہیں ہے کہ وہ کسی اجنبی سے نرم آواز یا لہجے میں بات کریں۔ کیونکہ جس شخص کے دل میں کوئی بیماری ہو تو وہ کہیں غلط امید نہ لگا بیٹھے۔ اس لیے اجنبی مردوں کے ساتھ مومنوں کی ماؤں کو حکم یہ ہے کہ وہ سخت لہجہ میں بات کریں۔ علامہ آلوسی بغدادی اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

"ازواج مطہرات جب کسی ضرورت کے تحت اجنبی مرد سے بات کرتیں تو اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیتیں کہ مبادا ان کی آواز سے کوئی نرمی یا لچک محسوس کرے۔ اس طرح جب کوئی عورت اپنے خاوند کے سوا کسی اور سے بات کرے تو سخت لہجے میں بات کرے کیونکہ اس کو زمانہ جاہلیت اور زمانہ اسلام دونوں میں عورت کے محاسن میں سمجھا جاتا ہے۔"[2]

---

(1) الاحزاب: ۳۲۔۳۴

(2) روح المعانی، ج ۲۲، ص ۶۵

عام عورتوں کے لیے جو حکم عام ہے کہ وہ اپنی آواز پست رکھیں اور غیر مردوں سے ضرورت پڑنے پر سخت لہجے میں بات کریں جبکہ امہات المؤمنین کے لیے خصوصی طور یہ حکم ہے۔نہ صرف یہی بلکہ نافرمانی کی صورت میں عتاب بھی عام عورتوں کی نسبت زیادہ ملے گا۔ گویا اس سے بھی اللہ تعالیٰ نے ان کی شان و منزلت اور ان کی ذمہ داریوں کو مزید واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جس طرح تمہاری شان دوسروں سے جدا اور بلند ہے اسی طرح اگر تم کوئی نافرمانی کروگی تو تمہیں سزا بھی دوسروں سے دوگنا ملے گی۔ اور پھر ان کے منصب اور ذمہ داری کے مطابق احکام پر عمل کرنے کی دُگنا جزا کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ مَنْ يَأْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ يُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ○ وَمَنْ يَقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُؤْتِهَا أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَأَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيمًا﴾(1)

اے نبی کی بیویو! تم میں سے جس کسی نے ارتکاب کیا کسی کھلی بے حیائی کا تو اس کو (عام عورتوں کے مقابلے میں) دوہرا عذاب دیا جائے گا اور ایسا کرنا اللہ کے لیے بڑا آسان ہے۔اور جو تم میں سے فرمانبرداری کرے گی اللہ اور اس کے رسول کی اور نیک کام کرے گی تو اس کو اجر بھی ہم دگنا دیں گے اور اس کے لیے ہم نے ایک بڑی عمدہ (اور عزت کی) روزی بھی تیار کر رکھی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورہ الاحزاب کی ابتدائی آیات میں ازواج مطہرات کی فضیلت و شان بیان فرمائی ہے اور ان کو مومنوں کی مائیں قرار دیا ہے۔ آگے چل کر اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ بھی واضح فرمادیا کہ جس طرح میں نے تمہیں فضیلت و مرتبہ عطا کیا ہے اسی طرح اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی معصیت اختیار کروگی اور ان کے احکام سے روگردانی کروگی تو پھر تمہارے لیے عذاب بھی شدید اور دوہرا ہے۔ اور اگر تم فرمانبرداری کرتی رہیں اور نیک اعمال بجالاتی رہیں تو پھر اللہ تعالیٰ تمہیں باقی ایمان والوں کی نسبت اجر بھی دوہرا عطا فرماؤں گا۔ اللہ تعالیٰ نے امہات المؤمنین کو ان احکام پر جہاں تعمیل کرنے کا حکم دیا ہے وہیں اس امر کی اجازت بھی دی ہے کہ اگر تم دنیوی زندگی کی طرف واپس جانا چاہتی ہو اور ظاہری خوشحالی کا دور دیکھنا چاہتی ہو تو رسول کریم ﷺ تمہیں آزاد کر دیں گے۔ اور اگر تم اس شان و عظمت پر فائز رہنا چاہتی ہو تو تمہارے لیے دنیا و آخرت میں بہت زیادہ اجر کی نوید ہے۔ یہ بھی امہات المؤمنین کی فضیلت و عظمت میں شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں صرف عذاب و عتاب اور انعام و اکرام کا ہی پیغام نہیں دیا بلکہ اختیار بھی دیا ہے کہ جس زندگی کو چاہو اپنا سکتی ہو لیکن خوبصورتی اس بات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ساتھ رغبت اس امر کی طرف دلائی ہے کہ جب ازواج مطہرات رسول اللہ ﷺ کی قربت و معیت کو چن لیں گی تو ان کے لیے آخرت میں اجر عظیم

(1) الاحزاب: ۳۰۔۳۱

ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا o وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا﴾(1)

اے پیغمبر ﷺ! کہہ دو اپنی بیویوں سے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زیب وزینت چاہتی ہو تو آؤ تا کہ میں تمہیں کچھ دے دلا کر اچھے طریقے سے رخصت کر دوں۔ اور اگر تم اللہ اس کے رسول اور اور دار آخرت کی طالب ہو تو یقیناً اللہ نے تیار کر رکھا ہے تم میں سے نیکوکاروں کے لیے ایک بہت ہی بڑا اجر۔

ان عفت مآب امہات المؤمنین کی شان وعظمت کے ظہور کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو ان کی بارگاہ میں استفادہ کی غرض سے جانے والوں کو آداب بتائے ہیں۔ جب کوئی صاحب ایمان نبی ﷺ کے کاشانہ نبوت میں داخل ہونا چاہے تو اجازت لے کر جائے اور اگر اجازت دی جائے تب داخل ہو ورنہ رک جائے۔ اور اگر کسی کام سے یا دعوت کی وجہ سے جاؤ تو فارغ ہونے کے بعد فوراً واپس آجاؤ وہیں نہ بیٹھے رہو۔ اور اگر تمہیں کسی چیز کی حاجت ہو تو امہات المؤمنین سے پردے میں رہ کر طلب کرو۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد آپ کی ازواج سے نکاح کرنا تمہارے لیے جائز نہیں ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا﴾(2)

اے وہ لوگوں جو ایمان لائے ہو تم نبی کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو مگر یہ کہ تم کو اجازت دی جایا کرے کسی کھانے (وغیرہ) کی اور وہ بھی اس طرح نہیں کہ تم اسکی تیاری کے انتظار میں لگے رہو لیکن جب تمہیں دعوت دی تو تم حاضر ہو جایا کرو پھر جب کھانا کھا چکو تو تم اٹھ کر چلے جایا کرو اور بیٹھ نہ جایا کرو باتوں میں دل لگا کر بیشک اس سے نبی کو (تکلیف اور) ناگواری ہوتی ہے مگر وہ

---

(1) الاحزاب: ۲۹، ۲۸

(2) ایضاً: ۵۳

تمہارا لحاظ کرتے ہیں اور اللہ حق بات کہنے میں لحاظ نہیں کرتا اور جب تمہیں ان (نبی کی بیویوں) سے کوئی چیز مانگنا (یا کچھ پوچھنا) ہو تو تم پردے کے پیچھے سے مانگا (اور پوچھا) کرو اس میں بڑی پاکیزگی ہے تمہارے دلوں کے لیے بھی اور ان کے دلوں کے لیے بھی اور تمہارے لیے نہ تو یہ بات کسی طرح جائز ہے کہ تم اللہ کے رسول کو کوئی تکلیف پہنچاؤ اور نہ ہی یہ کہ تم ان کی بیویوں سے نکاح کرو ان (کی وفات) کے بعد کبھی بھی بلاشبہ یہ اللہ کے نزدیک بھاری گناہ ہے۔

مذکور الذکر بحث میں رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کی عفت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کی ازواج عام عورتوں کی طرح نہیں ہیں بلکہ یہ مومنوں کی مائیں قرار دی گئیں ہیں۔ ان کی شان و عظمت یہ ہے کہ قرآن مجید میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ ان پر احکام الٰہی کی تعمیل باقیوں کی نسبت زیادہ لازم ہے اور پھر سزا اجزاء میں بھی دوسروں کی نسبت ان کا حق زیادہ ہے۔ اطاعت رسول ﷺ، پردے کی پابندی، غیر مردوں سے اجتناب اور آواز کو پست رکھنا گویا جتنے بھی مستورات کے لیے احکام قرآن مجید میں بیان کئے گئے ہیں ان سب پر عمل ان کے لیے زیادہ ضروری ہے۔ اس مذکورہ بحث میں ضمنی طور پر یہ بھی ثابت کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورت کو زور سے زمین پر پاؤں مارنے سے منع کیا ہے تاکہ اس کی پازیب کی آواز غیر مردوں کو سنائی نہ دے اور نبی کریم ﷺ نے عورت کو نماز میں بلند آواز کرنے سے منع کیا ہے تاکہ کوئی غیر اس کی آواز نہ سنے۔ جس طرح ضرورت کے وقت وہ سوائے چہرہ کے اجنبی پر کچھ ظاہر نہیں کر سکتی اسی طرح وہ بغیر ضرورت کے کسی اجنبی مرد پر اپنی آواز بھی ظاہر نہیں کر سکتی۔ کیونکہ اس کا بلند آواز میں بات کرنا ممنوع ہے۔ لہذا اجنبی سے بات کرتے وقت وہ اپنا لہجہ سخت رکھے۔

مبحث چہارم: ایلاء

ایلاء کے لغوی معنی ہیں "یمین" یعنی قسم کھانا اور اصطلاح میں اس سے مراد یہ کہ خاوند کا اپنی بیوی سے ایک مدت مخصوصہ تک جماع نہ کرنے کی قسم کھانا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کی مدت ۴ ماہ ذکر کی ہے اور فرماتے ہیں کہ چار مہینے سے کم مدت میں ایلاء نہیں ہے۔[1] اس سے آگے ایلاء کے مزید احکام ہیں جن کی فقہاء نے مزید تفصیل بیان کی ہے جو کہ ہمارا موضوع بحث نہیں ہے۔ لہٰذا اب سورہ التحریم کی وہ آیات ذیل میں پیش ہیں جن کے اندر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایلاء کرنے کا ذکر ہے۔ اور مفسرین و محدثین نے انہی کے تحت ایلاء کا قصہ بیان کیا ہے۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ○ قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ وَاللَّهُ مَوْلَاكُمْ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ○ وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ أَنْبَأَكَ هَذَا قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ ○ إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا وَإِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيرٌ ○ عَسَى رَبُّهُ إِنْ طَلَّقَكُنَّ أَنْ يُبْدِلَهُ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِنْكُنَّ مُسْلِمَاتٍ مُؤْمِنَاتٍ قَانِتَاتٍ تَائِبَاتٍ عَابِدَاتٍ سَائِحَاتٍ ثَيِّبَاتٍ وَأَبْكَارًا ﴾[2]

اے نبی آپ کیوں حرام کرتے ہیں (اپنے اوپر) ایسی چیز کو جس کو اللہ نے حلال فرمایا ہے آپ کے لیے اپنی بیویوں کی رضا (وخوشنودی) چاہتے ہوئے اور اللہ بہر حال بڑا ہی بخشنے والا انتہائی مہربان ہے۔ بیشک اللہ نے مقرر فرما دیا (اپنے کرم سے) تمہارے لیے تمہاری قسموں کی پابندی سے نکلنے کا طریقہ اور اللہ ہی کارساز ہے تم سب کا اور وہی ہے سب کچھ جانتا نہایت حکمت والا۔ اور (وہ وقت بھی یاد کرنے کے لائق ہے کہ) جب پیغمبر نے اپنی ایک بیوی سے ایک بات راز میں کہی پھر جب وہ اس بات کی خبر (دوسری بی بی کو) کر بیٹھیں اور اللہ نے اس کو ظاہر فرما دیا اپنے پیغمبر پر تو پیغمبر نے اس کا کچھ حصہ تو جتلا دیا اور کچھ سے چشم پوشی فرمائی سو جب پیغمبر نے ان کو وہ بات جتلائی تو وہ کہنے لگیں کہ آپ کو اس کی خبر کس نے دی؟ تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جواب میں فرمایا کہ مجھے اس ذات نے خبر دی ہے جو (سب کچھ) جاننے والی (ہر شئ سے) پوری طرح باخبر

---

(1) الہدایہ فی شرح بدایہ، المرغینانی، علی بن ابی بکر الفرغانی ابو الحسن برھان الدین، بیروت: دار احیاء التراث العربی، ج۱، ص ۴۰۱

(2) التحریم: ۱۔۵

ہے۔ اب اگر تم دونوں نے توبہ کرلی اللہ کی بارگاہ میں تو یقینا (یہ خود تمہارے ہی لیے بہتر ہوگا کہ) تمہارے دل کچھ مائل ہوگئے ہیں اور اگر تم نے پیغمبر کے خلاف ایک دوسرے کی مدد جاری رکھی تو (اس میں ان کا کوئی نقصان نہیں کیونکہ) ان کا تو یقینا اللہ بھی مددگار ہے جبرائیل بھی اور نیک بخت ایمان والے بھی اور اس کے بعد فرشتے بھی (آپ کے) حامی ہیں۔ بعید نہیں کہ اگر پیغمبر تم سب بیویوں کو طلاق دے دے تو ان کا رب تمہارے بدلے میں ان کو تم سے ایسی اچھی بیویاں دے دے جو اسلام والی ایمان والی فرمانبرداری کرنے والی توبہ کرنے والی عبادت گذار اور روزہ دار ہوں خواہ شوہر دیدہ ہوں یا کنواری۔

نبی اکرم ﷺ نے ایلاء کیا تھا۔ مگر آپ ﷺ نے کس چیز سے خود کو روکا تھا؟ اس بارے میں تین طرح کی روایات آئی ہیں جو متعدد طرق سے مختلف کتب میں وارد ہیں۔ ایک روایت جو بخاری شریف میں ہے۔ اس کے راوی عبید بن عمیر ہیں۔ فرماتے ہیں کہ:

«سَمِعْتُ عَائِشَةَ،"أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَمْكُثُ عِنْدَ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ وَيَشْرَبُ عِنْدَهَا عَسَلًا، فَتَوَاصَيْتُ أَنَا وَحَفْصَةُ أَنَّ أَيَّتَنَا دَخَلَ عَلَيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلْتَقُلْ إِنِّي أَجِدُ مِنْكَ رِيحَ مَغَافِيرَ أَكَلْتَ مَغَافِيرَ، فَدَخَلَ عَلَى إِحْدَاهُمَا، فَقَالَتْ لَهُ ذَلِكَ، فَقَالَ: لَا، بَلْ شَرِبْتُ عَسَلًا عِنْدَ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ وَلَنْ أَعُودَ لَهُ، فَنَزَلَتْ يَأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ إِلَى إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ لِعَائِشَةَ وَحَفْصَةَ، وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ سورة التحريم آية 3 لِقَوْلِهِ: بَلْ شَرِبْتُ عَسَلًا»(1)

میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ ام المؤمنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے یہاں ٹھہرتے تھے اور ان کے یہاں شہد پیا کرتے تھے۔ چنانچہ میں نے اور حفصہ رضی اللہ عنہا نے مل کر صلاح کی کہ نبی کریم ﷺ ہم میں سے جس کے یہاں بھی تشریف لائیں تو آپ سے یہ کہا جائے کہ آپ کے منہ سے مغافیر (ایک خاص قسم کے بدبودار گوند) کی مہک آتی ہے، کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے؟ نبی کریم ﷺ اس کے بعد ہم میں سے ایک کے یہاں تشریف لائے تو انہوں نے نبی ﷺ سے یہی بات کہی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ میں نے زینب بنت جحش کے ہاں شہد پیا ہے، اب دوبارہ نہیں پیوں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی یا أيها النبي لم تحرم ما أحل الله لك سے إن تتوبا إلى الله تک۔ یہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور حفصہ رضی اللہ عنہا کی طرف خطاب ہے وإذ أسر النبي إلى بعض أزواجه۔ حدیث سے آپ کا یہی فرمانا مراد ہے کہ میں نے مغافیر نہیں کھایا بلکہ شہد پیا ہے۔

(1) صحیح بخاری، کتاب التفسیر القرآن، باب لم تحرم ما احل اللہ لک، حدیث نمبر ۵۲۶۷، ج ۷، ص ۴۴

دوسری روایت بھی بخاری شریف میں روایت ہے۔ اس کے راوی ہشام بن عروہ ہیں۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حلوہ (یعنی میٹھی چیز) اور شہد پسند کرتے تھے اور عصر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد اپنی ازواج سے (ان میں سے کسی کے حجرہ میں جانے کے لیے) اجازت لیتے تھے اور ان کے پاس جاتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئے اور ان کے یہاں اس سے زیادہ دیر تک ٹھہرے رہے جتنی دیر تک ٹھہرنے کا آپ کا معمول تھا۔ میں نے اس کے متعلق نبی کریم ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کی قوم کی ایک خاتون نے شہد کی ایک کپی انہیں ہدیہ کی تھی اور انہوں نے نبی کریم ﷺ کو اس کا شربت پلایا تھا۔ میں نے اس پر کہا کہ اب میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک حیلہ کروں گی چنانچہ میں نے اس کا ذکر سودہ رضی اللہ عنہا سے کیا اور کہا جب نبی کریم ﷺ آپ کے یہاں آئیں تو آپ کے قریب بھی آئیں گے اس وقت تم آپ سے کہنا یا رسول اللہ! شاید آپ نے مغافیر کھایا ہے؟ اس پر آپ جواب دیں گے کہ نہیں۔ تم کہنا کہ پھر یہ بو کس چیز کی ہے؟ نبی کریم ﷺ کو یہ بات بہت ناگوار تھی کہ آپ کے جسم کے کسی حصہ سے بو آئے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ اس کا جواب یہ دیں گے کہ حفصہ نے مجھے شہد کا شربت پلایا تھا۔ اس پر کہنا کہ شہد کی مکھیوں نے غرفط کا رس چوسا ہوگا اور میں بھی نبی کریم ﷺ سے یہی بات کہوں گی اور صفیہ تم بھی نبی کریم ﷺ سے یہ کہنا چنانچہ جب نبی کریم ﷺ سودہ کے یہاں تشریف لے گئے تو ان کا بیان ہے کہ اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ تمہارے خوف سے قریب تھا کہ میں اس وقت نبی کریم ﷺ سے یہ بات جلدی میں کہہ دیتی جبکہ آپ دروازے ہی پر تھے۔ آخر جب نبی کریم ﷺ قریب آئے تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے مغافیر کھایا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ نہیں۔ میں نے کہا پھر بو کیسی ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حفصہ نے مجھے شہد کا شربت پلایا ہے میں نے کہا اس شہد کی مکھیوں نے غرفط کا رس چوسا ہوگا اور صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس جب آپ تشریف لے گئے تو انہوں نے بھی یہی کہا۔ اس کے بعد جب حفصہ کے پاس آپ ﷺ گئے تو انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ شہد میں پھر آپ کو پلاؤں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس کی ضرورت نہیں۔ بیان کیا ہے کہ اس پر سودہ رضی اللہ عنہا بولیں۔ سبحان اللہ یہ ہم نے کیا کیا گویا شہد آپ پر حرام کر دیا، میں نے کہا چپ رہو۔[1]

تیسری روایت دار قطنی کی ہے۔ جس کے راوی حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ:

«دَخَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِأُمِّ وَلَدِهِ مَارِيَةَ فِي بَيْتِ حَفْصَةَ ,فَوَجَدَتْهُ حَفْصَةُ مَعَهَا, فَقَالَتْ لَهُ: تُدْخِلُهَا بَيْتِي مَا صَنَعْتَ بِي هَذَا مِنْ بَيْنَ نِسَائِكَ إِلَّا مِنْ هَوَانِي عَلَيْكَ , فَقَالَ: «لَا تَذْكُرِي هَذَا لِعَائِشَةَ فَهِيَ عَلَيَّ حَرَامٌ إِنْ قَرَبْتُهَا» قَالَتْ حَفْصَةُ: وَكَيْفَ تُحَرِّمُ عَلَيْكَ وَهِيَ جَارِيَتُكَ؟ , فَحَلَفَ لَهَا لَا يَقْرَبُهَا , فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ:«لَا تَذْكُرِيهِ لِأَحَدٍ» فَذَكَرَتْهُ لِعَائِشَةَ

---

(1) صحیح بخاری، کتاب الحیل، باب مایکرہ من احتیال المراۃ مع الزوج والضرائر، حدیث نمبر ۶۹۷۲، ج۹، ص۲۶

فَأَبَى لَا يَدْخُلُ عَلَى نِسَائِهِ شَهْرًا فَاعْتَزَلَهُنَّ تِسْعًا وَعِشْرِينَ لَيْلَةً , فَأَنْزَلَ اللَّهُ {لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ} »[1]

رسول اللہ ﷺ نے اپنی ام ولد سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں مقاربت کی۔ ام المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ کو ان کے ساتھ دیکھا تو کہنے لگیں! آپ ﷺ میرے حجرہ میں ماریہ سے ملاقات کر رہے ہیں۔ آپ نے اپنی ازواج میں سے صرف میرے ساتھ یہ معاملہ کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے نزدیک میری کوئی اہمیت نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا! تم اس واقعہ کا ذکر عائشہ سے نہ کرنا، اب میرا ان سے مقاربت کرنا حرام ہے۔ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا یہ آپ کے لیے کس طرح حرام ہوں گی حالانکہ یہ آپ ﷺ کی کنیز ہیں۔ آپ ﷺ نے قسم کھائی کہ اب میں ان سے مقاربت نہیں کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اس بات کا کسی سے ذکر مت کرنا۔ پھر سیدہ نے یہ بات ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتادی۔ تب آپ ﷺ نے یہ قسم کھائی کہ میں ایک ماہ تک اپنی ازواج کے نہیں جاؤں گا۔ پھر نبی کریم ﷺ انتیس راتوں تک اپنی ازواج کے پاس نہیں گئے تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

پہلی دو روایات جو کہ دونوں متفق علیہ ہیں مگر ان کے اندر تعارض پایا جاتا ہے۔ متعارض روایات کے بارے میں علماء نے اپنی آراء پیش کیں ہیں۔ علامہ بدرالدین عینیؒ اس تعارض کے متعلق لکھتے ہیں کہ ان دو حدیثوں میں جو باہم تعارض ہے وہ کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ یہ دو الگ الگ واقعات ہیں۔ علامہ قرطبیؒ اس تعارض پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> ''پہلی حدیث جو کہ عبید بن عمیر نے روایت کی ہے اس کی سند زیادہ قوی ہے اور دوسری روایت ہشام بن عروہ نے روایت کی ہے اسکی سند کمزور ہے۔ عبید بن عمیر کی روایت راجح اور ہشام بن عروہ کی روایت مرجوع ہے۔''[2]

ہمارے نزدیک بھی عبید بن عمیر کی روایت زیادہ مضبوط ہے کیونکہ وہ قرآن پاک کی آیت کے زیادہ موافق ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ''ان تظاھرا علیہ'' یعنی دو بیویوں نے یہ کاروائی کی۔ اور ازواج مطہرات کا ذکر عبید بن عمیر ہی کی روایت میں ہے جبکہ ہشام بن عروہ کی روایت میں تین ازواج مطہرات کا نام آیا ہے جنہوں نے یہ کام کیا۔ حالانکہ قرآن مجید نے تو دو کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح اگر حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی روایت بھی عبید بن عمیر

---

(1) سنن الدار قطنی، الدار قطنی، ابو الحسن علی بن عمر بن احمد، کتاب الخلع والطلاق وایلاء، باب حدیث نمبر ۴۰۱۳، بیروت: مؤسسہ الرسالہ، ۱۴۲۴ھ، ج۵، ص۷۵

(2) الجامع لاحکام القرآن، ج۱۸، ص۱۸۱

کی روایت کے موافق ہے کیونکہ دونوں میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا نام ذکر ہے۔ جبکہ امام ابن کثیرؒ نے تو تیسری روایت کی تائید کی ہے۔ امام صاحب لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا والی روایت کی سند صحیح ہے۔ اور حافظ ضیاء الدین المقدسی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ انہوں نے مستخرج میں اسی روایت کو اختیار کیا ہے۔ [(1)]

سیدہ ماریہ قبطیہ کا مختصر تعارف:

ام المؤمنین سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی ام ولد ہیں۔ ان کے بطن سے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے ہیں امام محمد بن سعد نے اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ مقوقس صاحب سکندریہ نے سات ہجری میں دو کنیزیں سیدہ ماریہ قبطیہ اور ان کی بہن سیرین کو بھیجا۔ ساتھ ہی ایک ہزار مثقال سونا، بیس ریشمی جوڑے اور ایک دراز گوش بھیجا جس کا نام عفیر یا یعفور تھا۔ اور اس کے ساتھ خصی شخص تھا جس کا نام مابور تھا اور ایک بوڑھا شخص بھی تھا جو سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کا بھائی تھا۔ ان سب کو حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے سیدہ کے سامنے اسلام لانے کا کہا اور اسلام کی ترغیب دلائی۔ سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا اور آپ کی بہن نے اسلام قبول کر لیا جبکہ مابور اپنے دین پر برقرار رہا حتی کہ وہ بعد میں مدینہ آکر نبی کریم ﷺ دست حق پر مسلمان ہوگیا۔ آپ ﷺ نے ان کو ایک بلند منزل پر ٹھہرایا جس کو ام ابراہیم کا بالا خانہ کہا جاتا تھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضرت ماریہ مصر سے آئیں تو ہمارے پڑوس میں ٹھہریں پس وہ ہماری پڑوسن ہوگئیں پھر رسول ﷺ نے ان کو وہاں سے بالا خانہ میں منتقل فرما دیا۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ کو تاحیات خرچ دیتے رہے حتی کہ آپ رضی اللہ عنہ وصال فرما گئے پھر بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی خرچ دیتے رہے یہاں تک کہ ان کے دور میں آپ وصال فرما گئیں۔ حضرت عمرؓ نے آپ کا جنازہ پڑھایا اور بقیع میں دفن ہوئیں۔ [(2)]

ایلاء کے بارے میں سیرت نگاروں نے یہی مذکور الذکر روایات پیش کیں ہیں۔ البتہ جو تفصیلات قاضی عبدالدئم دائم نے سیرت سید الوریٰ میں پیش کی ہیں وہ ان سب سے یکسر ہیں۔ دائم صاحب کے نزدیک آپ ﷺ نے خود کو ازواج مطہرات سے عارضی طور پر روکا تھا۔ حرام کرنے کا معاملہ نہیں تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایلاء کیا تھا یعنی قسم کھائی تھی کہ ایک مہینہ تک اپنی بیویوں سے کوئی تعلق نہیں رکھوں گا اسی عارضی قطع تعلق کو قرآن حکیم نے تحریم سے تعبیر کیا ہے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دودھ نہ پینے کے لیے تحریم کا لفظ استعمال کیا ہے۔ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ (اور حرام کر دیں ہم نے موسیٰ پر دودھ پلانے والیاں) یہاں ''حرمنا'' کا مطلب یہ نہیں کہ

---

(1) تفسیر القرآن العظیم، ج۴، ص۴۲۵

(2) الاصابہ، العسقلانی، حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر، بیروت: دار الفکر، ۱۴۱۵ھ، ج۸، ص۳۱۰

ہم نے موسیٰ کے لیے دودھ پلانے والیوں کا دودھ شرعی طور پر حرام کر دیا تھا بلکہ مراد یہ ہے کہ ان کی والدہ کے آنے تک باقی عورتوں کا دودھ پینے سے ہم نے روک دیا تھا۔ ایلاء میں بھی یہی صورت تھی، یعنی رسول اللہ ﷺ نے اپنے آپ کو ایک مہینے تک بیویوں کے پاس جانے سے روک لیا تھا۔ اس امتناع کو تحریم سے تعبیر کیا گیا ہے۔[1]

مذکور الذکر تینوں روایات کی نفی بھی قاضی دائم نے کی ہے اور ان کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے شہد کو حرام کیا تھا نہ ماریہ قبطیہ کو۔ صرف عارضی طور پر ازواج مطہرات سے قطع تعلق کی قسم کھائی تھی اور اس کو تحریم سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ قطع تعلق عارضی تھا۔ لیکن بہر حال ازواج مطہرات کی ازردگی کا سبب تھا اور یہ چیز رسول اللہ ﷺ کے عمومی طرزِ عمل کے خلاف تھی کیونکہ آپ ﷺ ہمیشہ اپنی بیویوں کو خوش رکھنے کے خواہاں رہتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس جانب متوجہ کرتے ہوئے حکم نازل فرمایا۔ اے نبی جو چیز اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کی ہے (یعنی ازواج کی قربت) اس کو کیوں اپنے لیے ممنوع قرار دیتے ہو۔ (اس طرح تمہاری بیویاں تو آزدہ خاطر ہو جائیں گی) حالانکہ تم انہیں خوش رکھنا چاہتے ہو، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اگر چاہو تو بیویوں کے ساتھ حسب سابق عمدہ تعلق قائم رکھو اور قسم کا کفارہ ادا کر دو۔

ایلاء کا سبب قاضی دائم صاحب کے نزدیک یہ ہے کہ ہجرت کے بعد ابتدائی دنوں میں مہاجرین و انصار کی معاشی حالت خاصی کمزور تھی۔ اور پھر بعد میں رفتہ رفتہ حالات سدھرنے لگے اور فتوحات وغیرہ کی وجہ سے مہاجرین و انصار کسی حد تک خوشحال ہو گئے۔ ازواج مطہرات بھی اسی معاشرے کا حصہ تھیں اس لیے جب تک سب لوگ تنگی ترشی سے گزارا کرتے رہے ازواج مطہرات بھی روکھی سوکھی پر قانع رہیں اور کسی قسم کا مطالبہ نہیں کیا مگر جب باقی گھرانوں کے حالات آسودہ ہوئے اور مدینہ کی عورتیں اچھے کپڑے پہن کر ازواج مطہرات کے پاس آنے جانے لگیں تو ازواج مطہرات کے دلوں میں بھی اچھا کھانے اور پینے کی خواہش پیدا ہوئی اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے مطالبہ کیا کہ ہمیں پہلے سے زیادہ نفقہ اور خرچہ دیا جائے۔ تاہم اس مطالبے میں پیش پیش چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا تھیں اور وہی باقی ازواج کی ترجمان تھیں۔ اس لیے رسول ﷺ نے غالباً ان کی تسلی خاطر کے لیے تکوینی راز بتا دیا کہ تم دونوں کے والد یکے بعد دیگرے میرے جانشین ہوں گے، اور یہ بات دیگر ازواج کو نہ بتانا۔ مگر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ضبط نہ کر سکیں اور بات آگے بڑھا دی۔ دائم صاحب کے نزدیک ایک تو زیادہ نان نفقہ طلب کرنا رسول اللہ ﷺ کو پسند نہ آیا دوسرا یہ افشائے راز تھا کہ جس نے نبی کریم ﷺ کو تکلیف دی اور آپ ﷺ نے عارضی طور پر اپنی ازواج سے ایک ماہ کے لیے علیحدگی اختیار کر لی۔[2] دائم صاحب کے نظریات کی

---

(1) سیرت سید الوریٰ، ج ۲، ص ۳۷۶

(2) سیرت سید الوریٰ، ج ۲، ص ۳۷۷

تائید علامہ آلوسی بغدادی کی تشریح سے بھی ہوتی ہے۔ وہ بھی اس آیتِ کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''والمراد بالتحریم الأمتناع۔''(1)

اور اس تحریم سے مراد امتناع یعنی روکنا ہے۔

کتب تفاسیر و احادیث میں ایلاء کے ضمن میں عموماً دو مختلف واقعات بیان ہوئے ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ سیدہ ماریہ قبطیہؓ کے متعلق نازل ہوئی اور بعض نے لکھا ہے کہ اس سے مراد شہد کا اپنے لیے حرام قرار دینا ہے جو کہ آپ ﷺ پر حلال تھا۔ دونوں کے اندر اختلاف حد درجہ کا ہے۔ امتناع ہو یا تحریم، نبی کریم ﷺ نے خود کو ازواج مطہرات سے ایک ماہ کے لیے روک لیا تھا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کفارہ کی ادائیگی کا حکم دیا۔

---

(1) روح المعانی، ج ۲۲، ص ۱۵۱

فصل دوم: آل نبی کریم ﷺ کا ذکر

مبحث اول: بیٹوں کا ذکر

نبی کریم ﷺ کے صاحب زادوں کا ذکر قرآن مجید میں نام کے ساتھ صراحتاً کہیں نہیں ہے۔ لیکن ایک مقام پر ابناء کا ذکر ہے اور دوسری جگہ رجال کا ذکر ہے۔ ابناء کا لفظ آیت مباہلہ کے اندر آیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ﴾[1]

پھر بھی جو آپ سے اس بارے جھگڑا (اور حجت بازی) کریں (حق اور حقیقت کو واضح کر دینے والے) اس علم کے بعد، جو کہ پہنچ چکا آپ کے پاس، (آپ کے رب کی جانب سے) تو ان سے کہو کہ آؤ (ہم اور تم اس بارے آپس میں مباہلہ کر لیتے ہیں، اسی طرح کہ) ہم اور تم خود بھی (میدان میں) آتے ہیں، اور اپنے اپنے بیوی بچوں کو بھی بلالاتے ہیں، پھر ہم سب مل کر عاجزی وزاری کے ساتھ دعا (والتجا) کرتے ہیں، کہ اللہ کی لعنت (اور پھٹکار) ہو ان پر، جو جھوٹے ہوں۔

امام قرطبیؒ اس آیت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"بہت سارے علماء کا اتفاق ہے کہ نبی کریم ﷺ کا مباہلہ کے وقت امام حسن رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ مخصوص ہے۔ ان دونوں کو نبی کریم ﷺ کا بیٹا کہا گیا ہے۔ ان کے سوا کسی کے لیے یہ حکم نہیں ہے۔"[2]

گویا جس وقت نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے نجران کے عیسائیوں کو مباہلہ کی دعوت دی تو نبی کریم ﷺ کے ساتھ مباہلہ کے لیے جانے والوں میں بیٹوں کی جگہ امام حسین رضی اللہ عنہ اور امام حسن رضی اللہ عنہ تھے۔ امام جلال الدین سیوطیؒ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

"یہ آیت مباہلہ کہلاتی ہے، مباہلہ کے معنی ہیں دو فریقین کا ایک دوسرے پر لعنت، یعنی بد دعاء کرنا۔ جب فریقین میں کسی معاملے کے حق و باطل ہونے میں اختلاف و نزع پیدا ہو جائے اور دلائل سے وہ ختم ہو تا نظر نہ آتا ہو تو دونوں بارگاہِ الٰہی میں یہ دعا کریں کہ یا اللہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہو اس پر لعنت فرما۔ ۹ ہجری میں نصاریٰ نجران کے چودہ اکابر افراد کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی الوہیت پر بحث ہوتی رہی اور جس وقت باتوں

---

(1) آل عمران: ۶۱

(2) الجامع لاحکام القرآن، ج ۴، ص ۱۰۴

سے کام نہ بنا تو آپ ﷺ نے فرمان خداوندی کے ماتحت مسیحیوں کو مباہلہ کی دعوت دی۔"[1]

جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے نجران کے وفد کو مباہلہ کرنے کے لیے بلایا۔ آپ ﷺ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو گود میں اٹھایا اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر نکلے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے اور آپ ﷺ فرما رہے تھے جب میں دعا کروں تو تم آمین کہنا۔ نصاریٰ کے سردار اسقف نے کہا اے نصاریٰ کی جماعت میں ایسے چہروں کو دیکھ رہا ہوں کہ اگر وہ اللہ سے دعا کریں کہ وہ پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹا دے تو اللہ ان کی دعا قبول کر کے پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹا دے گا پس تم ان سے مباہلہ نہ کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور قیامت تک روئے زمین پر کوئی عیسائی باقی نہیں بچے گا۔ پھر انہوں نے جزیہ دینا پسند کیا اور اپنے علاقہ میں واپس چلے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ کا عذاب اہل نجران کے نزدیک آ چکا تھا اور اگر یہ مباہلہ کرتے تو انہیں بندر اور خنزیر بنا دیا جاتا اور ان کی وادی میں آگ بھڑکتی رہتی اور اہل نجران کو ملیا میٹ کر دیا جاتا حتیٰ کہ درختوں پر پرندے بھی ہلاک ہو جاتے اور سال ختم ہونے سے پہلے تمام عیسائی فنا کے گھاٹ اتر جاتے۔[2]

مباہلہ کے وقت عیسائیوں کے سردار اسقف نے جو کچھ کہا یہی کچھ انیسویں صدی کے مسیح سر ولیم میور نے بھی کہا ہے۔ انہوں نے بھی مباہلہ کا ذکر کرتے ہوئے اپنی تصنیف لائف آف محمد میں لکھتے ہیں کہ:

"سارے واقعہ میں محمد ﷺ کے ایمان کی پختگی بالکل نمایاں ہے اور ان کے اس عقیدہ کی شہادت ہے کہ ان کا تعلق عالم غیب سے جڑا ہوا ہے۔ اس لیے حق تمام تر ان ہی کے ساتھ ہے۔ اور مسیحیوں کے پاس سوائے تخمین کے اور کچھ نہ تھا۔"[3]

مذکور الذکر آیت کریمہ میں ابناء کا لفظ آیا ہے مگر جب یہ آیت مقدسہ نازل ہوئی اس وقت رسول اللہ ﷺ کے سارے صاحبزادے وصال فرما چکے تھے۔ دوسری جگہ الاحزاب میں رجال کا لفظ استعمال ہوا ہے کہ محمد ﷺ تم مردوں میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا﴾[4]

---

(1) الدر المنثور، ج۲، ص۲۳۳

(2) الوسیط فی تفسیر القرآن المجید، الواحدی، ابو الحسن علی بن احمد بن محمد، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۵ھ، ج۱، ص۴۴۵

(3).The life of Mohammad: Sir William Muir,volume iv,London:1861, p.224

(4) الاحزاب:۴۰

(لوگو!) محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں مگر وہ اللہ کے رسول اور سب نبیوں کے خاتم ہیں اور اللہ ہر چیز کو پوری طرح جانتا ہے۔

علامہ آلوسی بغدادی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ:

"آپ ﷺ مردوں میں سے کسی مرد کے شرعی والد ہیں نہ رضاعی اور نہ کسی کو آپ ﷺ نے شرعا بیٹا بنایا ہے کیونکہ شرعا بیٹا اس کو بنایا جاتا ہے جو مجہول النسب ہو اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مجہول النسب نہیں تھے۔ ان کا نسب معروف تھا وہ حارثہ کے بیٹے تھے۔ غرضیکہ نبی کریم ﷺ کسی اعتبار سے بھی کسی مرد کے باپ نہیں تھے، نسبی نہ رضاعی نہ متبنی کے اعتبار سے۔"(1)

نبی کریم ﷺ کی اولاد میں بیٹے اور بیٹیاں جن میں سب سے پہلے حضرت قاسم رضی اللہ عنہ تھے جو کہ بچپن میں ہی فوت ہو گئے تھے، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ سواری پر سوار ہونے کی عمر تک زندہ رہے، ان کے بعد سیدہ زینب رضی اللہ عنہا ہیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ قاسم رضی اللہ عنہ سے بڑی تھیں۔ پھر ان کے بعد حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا، اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا گیا ہے کہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا تینوں سے بڑی تھیں، اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سب سے چھوٹی تھیں۔ پھر آپ ﷺ کے ہاں حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی پیدائش ہوئی، اور اس میں اختلاف ہے کہ آیا وہ نبوت سے قبل پیدا ہوئے یا کہ وہ بعد از نبوت، اور بعض نے اسے صحیح قرار دیا کہ وہ نبوت کے بعد پیدا ہوئے۔ اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ آیا عبد اللہ ہی طاہر اور طیب ہیں یا کہ وہ دونوں کوئی اور ہیں اس میں دو قول ہیں، اور صحیح یہی ہے کہ یہ دونوں عبد اللہ کے لقب ہیں واللہ تعالی اعلم۔ اور یہ سب سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی اولاد ہیں، اور کسی دوسری بیوی سے رسول اللہ ﷺ کا کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا، پھر آپ ﷺ کے ہاں پ کی کنیز حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے آٹھ ھجری میں حضرت ابراھیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔(2)

پس نبی کریم ﷺ کی ساری کی ساری اولاد سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئی سوائے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ جو کہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے تھے جو کہ اسکندریہ کے بادشاہ اور قبطیوں کے بڑے کی طرف سے نبی کریم ﷺ کو بطور ہدیہ پیش کی گئیں تھیں۔ نبی کریم ﷺ کی اولاد کی تعداد سات جن میں تین بیٹے اور چار بیٹیاں ہیں۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ باقی ساری اولاد آپ ﷺ کی زندگی میں ہی فوت ہو گئ صرف سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے بعد فوت ہوئیں۔ مذکورہ بالا ان دو آیات کے علاوہ اولاد امجاد کا ذکر قرآن مجید میں کہیں نہیں آیا ہے۔ آپ ﷺ کی اولاد امجاد

---

(1) الجامع لاحکام القرآن، ج ۱۴، ص ۱۹۶

(2) زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، الجوزی، محمد بن ابی بکر بن ایوب، ابن قیم، بیروت: مؤسسہ الرسالہ، ۱۴۱۵ھ، ج ۱، ص ۱۰۱

کا تذکرہ درج ذیل ہے۔

۱:۔ حضرت قاسم رضی اللہ عنہ

اولاد نرینہ میں سب سے پہلے پیدا ہونے والے سیدنا قاسم رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ بچپن میں ہی وفات پا گئے۔ان کی وجہ شہرت یہ ہے نبی کریم ﷺ کی کنیت "ابو قاسم" یعنی قاسم کے باپ انہی کے حوالے سے ہے ۔سیدنا قاسم رضی اللہ عنہ خود تو وصال فرماگئے مگر نبی کریم ﷺ ابو قاسم کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے تاریخ کا حصہ بن گئے۔[1]

۲:۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ

یہ دوسرے صاحبزادے ہیں۔یہ بھی مختصر عرصہ زندہ رہے۔آپ اس حوالے سے معروف ہیں کہ ان کی وفات پر سنگ دِل کفار نے بہت خوشی منائی تھی۔اور کہا تھا محمد ﷺ کے یکے بعد دیگرے دونوں بیٹے مر گئے ہیں اس لیے یہ اب ابتر 'ہو گئے ہیں یعنی ان کی جڑ کٹ گئی ہے اور ان اب کوئی نام لینے والا باقی نہیں رہا(معاذاللہ)۔نبی کریم ﷺ یہ دل آزار تبصرے سن کر بہت پریشان ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تسلی و تسکین کی خاطر سورہ کوثر نازل فرئی اور فرمایا آپ ﷺ کا دشمن یقیناً بے نام ونشان ہو گا۔[2]

۳:۔ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ

سیدنا ابرہیم رضی اللہ عنہ سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔اور تقریباً ڈیڑھ سال کی عمر میں وصال فرماگئے۔ان کی وفات پر رسول اللہ ﷺ بے حد غمگین ہوئے۔نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کا پریشان ہونا اور رونا دیکھ کر صحابی بھی پریشان ہوئے اتفاق سے اس دن سورج کو گرہن لگ گیا تو بعض نے کہا کہ سورج نے بھی ابراہیم کے غم میں منہ ڈھانپ لیا ہے۔ صحیح بخاری شریف کی روایت میں ہے:

«عَنِ المغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، قَالَ: كَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ مَاتَ إِبْرَاهِيمُ، فَقَالَ النَّاسُ: كَسَفَتِ الشَّمْسُ لِمَوْتِ إِبْرَاهِيمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ الشَّمْسَ وَالقَمَرَ لاَ يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلاَ لِحَيَاتِهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمْ فَصَلُّوا، وَادْعُوا اللَّهَ »[3]

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں سورج گرہن اس دن لگا

(1)زاد المعاد،ج۱،ص۱۰۱

(2)تفسیر القرآن العظیم،ج۸،ص۵۰۴

(3) صحیح بخاری،ابواب الکسوف،باب الصلاۃ فی کسوف الشمس،حدیث نمبر ۱۰۴۳،ج۲،ص۳۴

جس دن (آپ ﷺ کے صاحبزادے) حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا بعض لوگ کہنے لگے کہ یہ حضرت ابرہیم رضی اللہ عنہ کی وفات سے لگا ہے۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سورج اور چاند گرہن کسی کی موت وحیات سے نہیں لگتا۔ البتہ تم جب اسے دیکھو تو نماز پڑھا کرو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کرو۔

بعض محدثین اور سیرت نگاروں نے نبی کریم ﷺ کے چار صاحبزادوں کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے تین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے اور ایک صاحبزادے سیدہ ماریہ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ آپ ﷺ کے صاحبزادوں کے بارے میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔ اکثریت کے نزدیک تین ہی صاحبزادے ہیں۔ لیکن یہ بات تو سب کے مطابق متفقہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ساری اولاد سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن سے ہوئی سوائے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے اور سارے بیٹے بچپن میں ہی فوت ہو گئے۔

مبحث دوم: بیٹیوں کا ذکر

قرآن مجید میں نبی کریم ﷺ کی صاحبزادیوں کا ذکر بھی ان کے ناموں کے ساتھ کہیں نہیں آیا۔ مطلقاً بیٹیوں کا ذکر آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نبی کی بیٹیاں کہہ کر خطاب کیا ہے کسی کا نام لے کر کلام نہیں کیا۔ نبی کریم ﷺ کی صاحبزادیوں کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا﴾(1)

اے پیغمبر ﷺ! کہو اپنی بیویوں بیٹیوں اور عام مسلمانوں کی عورتوں سے کہ وہ لٹکا دیا کریں اپنے (چہروں کے) اوپر کچھ حصہ اپنی چادروں کا یہ طریقہ اس کے زیادہ قریب ہے کہ وہ پہچان لی جایا کریں پھر ان کو کوئی ایذا نہ پہنچنے پائے اور اللہ تو بہر حال بڑا ہی بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

اس آیت مقدسہ کے تحت امام قرطبی لکھتے ہیں کہ:

"نبی کریم ﷺ کی چار صاحبزادیاں تھیں۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا، سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا، سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا۔ اور یہ چاروں صاحبزادیاں ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ اسی پر جملہ سیرت نگاروں کا اتفاق ہے۔"(2)

اس مذکورہ بالا آیت میں بنت کی جگہ بنات لفظ آیا ہے یعنی صاحبزادی نہیں بلکہ صاحبزادیوں کہا جس سے واضح پتا چلتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ایک صاحبزادی نہیں بلکہ متعدد صاحبزدیاں تھیں۔ جو لوگ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ باقی صاحبزادیوں کا انکار کرتے ہیں ان کی اپنی ہی معتبر کتابوں میں نبی کریم ﷺ کی چار صاحبزدیوں کا ذکر آیا ہے۔

مشہور شیعہ محدث محمد بن یعقوب کلینی نے "اصول کافی" میں لکھا ہے کہ:

"حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن نبی کریم ﷺ کی یہ اولاد پیدا ہوئی۔ بعثت سے قبل قاسم، رقیہ، زینب اور ام کلثوم اور بعثت کے بعد طیب، طاہر اور فاطمہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔ جو لوگ ایک ہی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کرتے ہیں وہ آیت مباہلہ سے استدلال کرتے ہیں کہ اگر اور صاحبزدیاں بھی ہوتیں تو وہ بھی مباہلہ میں شرکت کرتیں۔ مباہلہ کے لیے فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا اکیلے تشریف لانا اس لیے تھا کہ باقی تین صاحبزادیاں تھیں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا

---

(1) الاحزاب:۵۹

(2) الجامع لاحکام القرآن، ج۱۴، ص۲۴۱

۲سن ھ میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا ۸ سنہ ھ میں اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا ۹ سنہ ھ میں وصال فرما گئیں تھیں یہ واقعہ ۱۰ سنہ ھ کا ہے۔"[1]

مذکورہ بالا عبارت سے یہ بات پتا چلتی ہے کہ شیعہ کے علماء بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چاروں صاحبزادیوں کا ذکر کرتے ہیں۔ البتہ ان میں کچھ ایسے ہیں جنہوں نے صرف سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کا ذکر کیا ہے اور باقیوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ماننے سے انکار کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کے مختصر احوال درج ذیل ذکر ہیں۔

(ا) سیدہ زینب رضی اللہ عنہا

حضرت زینب رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی شادی بعثت سے قبل ہی ان کے خالہ زاد ابو العاص بن ربیع سے ہو گئی تھی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا تو آپ فوراً ایمان لے آئیں مگر آپ کے خاوند نے اسلام قبول نہ کیا۔ اس کے باوجود سیدہ زینب سے سلوک بھی بڑا مثالی روا رکھا۔ کفار نے آپ کو بڑا تنگ کیا کہ زینب بنت رسول کو طلاق دے دو مگر آپ نے طلاق نہ دی۔ اس دور میں جو مثالی سلوک ابو العاص کا سیدہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ تھا اس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بڑی تعریف فرمائی ہے۔ جملہ اوصاف کے باوجود ابو العاص نے اسلام قبول نہیں کیا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ ہجرت کر کے تشریف لے گئے۔

ہجرت مدینہ کے وقت بھی سیدہ مکہ میں ہی رہیں۔ ۲ رمضان المبارک میں جب غزوہ بدر ہوا تو ابو العاص بھی مشرکین کے ساتھ بدر میں شریک ہوئے۔ اور وہ بدر میں قیدی ہو گئے تو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا ہار ان کی رہائی کے لیے بطور فدیہ پیش کیا گیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ ہار قبول نہ کیا اور فرمایا: ابو العاص کا فدیہ یہ ہے کہ وہ مکہ جا کر زینب کو فوراً یہاں بھیج دے۔ ابو العاص نے یہ شرط قبول کر لی اور مکہ جا کر اپنے چھوٹے بھائی کنانہ کے ہمراہ سیدہ رضی اللہ عنہا کو مدینہ روانہ کر دیا۔[2] ابو العاص بڑے شریف النفس اور امانتدار انسان تھے۔ لوگ ان کے پاس اپنی امانتیں رکھا کرتے تھے اور ابو العاص اس کو بڑی حفاظت سے رکھتے اور جب لوگ طلب کرتے تو ان کو لٹا دیتے۔ مکہ میں ان کی اس قدر ساکھ بن گئی تھی کہ لوگ ان کو اپنا مال تجارت دے کر فروخت کرنے کے لیے دوسرے ملکوں میں بھیجا کرتے تھے۔ ۶ ہجری میں ابو العاص سامان تجارت لے کر شام جا رہے تھے کہ مجاہدین نے چھاپہ مار کر سارا مال واسباب قبضہ کر لیا۔ ابو العاص مدینہ بھاگ آئے اور سیدہ زینب بنت رسول کی پناہ لے لی۔ سیدہ رضی اللہ عنہا کی سفارش پر ابو العاص کا مال ان کو واپس کر دیا گیا۔ اس پر وہ بے حد متاثر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔ ابو العاص اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے درمیان شرک

---

(1) الاصول من الکافی، کلینی، ابو جعفر محمد بن یعقوب، تہران: دار الکتب الاسلامیہ، ج۱، ص۴۳۹

(2) الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ج۸، ص۱۵۱

کی وجہ سے تفریق ہو گئی تھی مگر اب اسلام میں داخل ہونے کے ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ نے سیدہ کو پہلے حق مہر کے ساتھ ہی دوبارہ نکاح کے ساتھ ان کے گھر واپس بھیج دیا۔ اس واقعہ کے جلد ہی بعد میں ۸ھ سیدہ خالق حقیقی سے جا ملیں۔ حضرت ام ایمن، حضرت سودہ اور حضرت ام سلمہ نے رسول اللہ ﷺ کے حکم پر انہیں غسل دیا۔ نماز جنازہ آپ ﷺ نے خود پڑھائی اور حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے انہیں قبر میں اتارا۔ جس دن سیدہ کا وصال ہوا، رسول اللہ ﷺ بے حد مغموم تھے، آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور فرما رہے تھے "زینب میری سب سے اچھی بیٹی تھی جو میری محبت میں ستائی گئی"۔ سیدہ زینب بنت رسول کے دو بچے تھے ایک لڑکا علی اور دوسرا لڑکی امامہ تھیں۔ علی تو جوانی میں ہی وصال کر گئے جبکہ امامہ جوان ہوئیں اور ان کی شادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ (1)

(۲) سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا

سیدہ رقیہ کا نکاح بعثت سے قبل ہی ابولہب کے بیٹے عتبہ سے ہو گیا تھا۔ مگر رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ بعثت کے بعد جب آپ ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا تو ابولہب اور اس کی بیوی آپ ﷺ اور اسلام کے سخت ترین دشمن بن گئے۔ اور انہوں نے آپ ﷺ کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ ابولہب کے دو بیٹوں کے گھر آپ ﷺ کی دو صاحبزادیوں کے رشتے طے تھے۔ عتبہ بن ابولہب کے ساتھ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور عتیبہ بن ابولہب کے ساتھ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا تھا۔ ابولہب نے اپنے بیٹوں کو بلا کر کہا اگر تم نے محمد کی بیٹیوں کو طلاق نہ دی تو میرا تمہارے ساتھ اٹھنا بیٹھنا حرام ہے۔ دونوں بیٹوں نے باپ کے حکم کی تعمیل کی اور طلاق دے دی۔

اس واقعہ چند دن بعد جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنی دامادی کے لیے پسند فرما لیا اور سیدہ کی شادی ان سے ہو گئی۔ مکہ میں جب مسلمانوں کو کفا و مشرکین نے بے حد ستایا تو آپ ﷺ نے انہیں حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دے دیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جب حبشہ کی جانب ہجرت کی تو سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کے ہمراہ تھیں۔ اس موقعہ پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ابراہیم اور لوط کے بعد عثمان پہلا شخص ہے جس نے خدا کی راہ میں اپنی بیوی کے ساتھ ہجرت کی ہے"۔ کافی عرصہ حبشہ میں قیام کے بعد جب مسلمانوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو یہ دونوں اصحاب پہلے مکہ میں چند اور مسلمانوں کے ساتھ آئے اور پھر کچھ دن قیام کرنے کے بعد مدینہ منورہ چلے آئے۔ جب ۲ ہجری میں سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا سخت بیمار ہوئیں تو اس وقت رسول اللہ ﷺ بدر جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو روانگی سے قبل حکم دیا کہ آپ مدینہ میں ہی قیام کریں

(1) سیرت النبی، ج۱، ص۶۴۶

اور سیدہ کی خبر گیری کریں اس کے عوض اللہ تعالیٰ آپ کو جہاد کا ثواب عطا فرمائے گا اور مال غنیمت بھی آپ کو دیا جا ئے گا۔ نبی کریم علیہ السلام ابھی بدر میں ہی تھے کہ سیدہ وصال فرما گئیں۔ جب آپ ﷺ کو خبر ملی تو بے حد مغموم ہو ئے۔ اور واپس تشریف لاکر سیدہ کی قبر پر گئے، ساتھ ہی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی گئیں اور قبر کے کنارے بیٹھ کر بہت روئیں۔ آپ ﷺ نے انہیں تسلی دی اور اپنی مبارک چادر سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے آنسو پونچھے۔ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے ایک بیٹا حبشہ قیام کے دوران پیدا ہوا تھا جس کا نام عبد اللہ تھا وہ بھی چھ برس کی عمر میں وصال کر گئے۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ میں باہم بے حد محبت تھی۔ ان کے آپس میں تعلقات اتنے خوشگوار تھے کہ لوگوں میں ان کی نسبت بطور ضرب المثل مقولہ مشہور ہو گیا تھا ''اَحسن زَوجَینِ راٰھما الانسَانُ رُقیۃُ و زَوجُھا عثمانُ '' یعنی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے بہتر میاں بیوی کسی انسان نے نہیں دیکھے۔[1]

(۳) سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح بھی قبل بعثت ابو لہب کے دوسرے بیٹے عتیبہ سے ہوا تھا۔ بعثت کے بعد اس نے بھی اپنے باپ کے کہنے پر سیدہ کو طلاق دے دی تھی۔ جب سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے سیدہ ام کلثوم کا نکاح سیدنا عثمان سے کرا دیا۔ اور آپ ﷺ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنی بیٹی ام کلثوم کو اسی حق مہر پر جو رقیہ کا تھا، تمہارے عقد میں دے دوں۔ سیدہ چھ سال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عقد میں رہیں اور ۹ سنہ ھ میں وصال فرما گئیں۔ سیدہ کو غسل حضرت صفیہ بنت عبد المطلب، حضرت ام عطیہ اور حضرت اسماء بنت عمیس نے رسول اللہ ﷺ کے حکم پر دیا۔ اور آپ ﷺ نے سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو اپنی چادر مبارک کفن کے طور پر دی۔ نماز جنازہ آپ ﷺ نے پڑھائی اور سیدہ کو بقیع میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔ سیدنا انس بن مالک سے روایت ہے کہ جس وقت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو قبر میں اتارا جا رہا تھا تو آپ ﷺ قبر کے پاس ہی کھڑے تھے اور آپ ﷺ کی آنکھوں سے اشک رواں تھے۔[2] سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ سیرت نگاروں اور مؤرخین نے لکھا ہے کہ پوری کائنات میں صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ نبی کی دو صاحبزادیاں ان کے عقد میں آئیں۔

---

(1) الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ج۸، ص۱۳۸

(2) صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب قول النبی ﷺ یعذب المیت ببعض بکاء اھلہ علیہ، حدیث نمبر ۱۲۸۵، ج۲، ص۷۹

(۴) سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا

سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چوتھی، سب سے چھوٹی اور لاڈلی صاحبزادی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا پانچ سال قبل بعثت پیدا ہوئیں جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پینتیس سال تھی۔ سیدہ بچپن سے ہی نہایت متین اور انتہائی سنجیدہ تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا ابتدا سے ہی اللہ تعالیٰ کی یاد میں ہر وقت مشغول رہتی تھیں۔ مدینہ آتے ہی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے رشتے آنے لگے تھے۔ سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سیدہ کا رشتہ مانگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں فی الحال اللہ تعالیٰ کے حکم کا منتظر ہوں۔ بدر کے فوراً بعد ہی سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو بکر و عمر کے کہنے پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا: یارسول اللہ أتزوجنی فاطمۃ؟ یعنی کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ فاطمہ کو میرے عقد میں دینا پسند کریں گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا مہر دینے کیلیے تمہارے پاس کیا ہے؟ عرض کیا میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! بدر کے مال غنیمت سے جو زرہ دی تھی وہ کدھر ہے؟ عرض کیا وہ تو موجود ہے۔ فرمایا! پس اسے بیچ ڈالو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ زرہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بیچ ڈالی ۴۸۰ درھم کے عوض۔ مگر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقصد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو پتا چلا تو بعد میں انہوں نے وہی زرہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شادی کے تحفہ کی صورت میں لوٹا دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شادی سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا سے ہو گئی۔ [(1)]

حضرت سیدہ فاطمہ نے ساری زندگی مفلسی میں گزاری۔ انتہائی تنگ دستی کے حالات بھی دیکھے۔ کئی کئی دن فاقہ رہا مگر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کبھی شکایت نہ کی۔ سخاوت کا یہ عالم تھا کہ فاقہ کی حالت میں بھی کوئی سائل آگیا تو اسے ضرور دیا چاہے اس کے لیے کچھ بیچنا ہی کیوں نہ پڑا۔ جیسے بنو سلیم کا ایک بوڑھا جب اس نے سلام قبول کیا ساتھ اپنی مفلسی کا اظہار کیا تو سبھی نے تھوڑی بہت امداد کی۔ سیدہ کو جب خبر ملی تو آپ رضی اللہ عنہا خود فاقہ کی حالت میں تھیں مگر سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اپنی چادر شمعون نامی یہودی کے پاس بیچنے کے لیے بھیج دی تا کہ جو قیمت ملے اس کا سامان خورد و نوش لے آئیں۔ وہ یہودی سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے پوچھنے لگا کہ یہ چادر کس کی ہے؟ جب واقع کی ساری اطلاع ملی تو حیران و ششدر رہ گیا اور سیدہ کی اس فیاضی کو دیکھ کر فوراً مسلمان ہو گیا۔ چادر واپس بھیج دی اور کچھ غلہ بھی ہدیہ کر دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ فاطمہ سے بے حد محبت کرتے تھے۔ ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے اور ارشاد فرمایا: فاطمہ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے جس نے اس کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی جس اسے دکھ پہنچایا اس نے مجھے دکھ پہنچایا۔ جب نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال فرمایا تو سیدہ کو سب سے زیادہ صدمہ پہنچا آپ رضی اللہ عنہا کو کسی پہلو

---

(1) الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ج۸، ص۲۶۴

بھی قرار نہ آتا۔ سیدہ کو کسی نے بھی اس عرصہ میں ہنستے ہوئے نہ دیکھا۔اسی غم کے باعث جلد ۶ ماہ بعد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا عازم فردوس بریں ہو گئیں۔سیدہ کے بطن سے چھ اولادیں ہوئیں۔حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ حضرت محسن رضی اللہ عنہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا۔ حضرت محسن رضی اللہ عنہ بچپن ہی میں وفات فرما گئے تھے۔[1]

---

(1) سیرت سید الوریٰ، ج ۳ ص ۵۱۳

مبحث سوم: لے پالک کا ذکر

عرب میں ایک رواج تھا کہ اگر کوئی شخص کسی کو اپنا بیٹا بنالیتا تو اسے حقیقی بیٹے کی طرح اس متبنّٰی بنانے والے کی طرف منسوب کیا جاتا۔ اور اسے وہ تمام حقوق حاصل ہو جاتے جو حقیقی صلبی بیٹے کو حاصل ہوتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے متبنیٰ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ ملک شام کے رہنے والے تھے۔ بچپن میں انہیں پکڑ کر کسی نے آگے فروخت کر دیا۔ حکیم بن حزام بن خویلد نے (جو ام المومنین سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے تھے) انھیں خرید کر پھوپھی صاحبہ کو تحفہ پیش کیا۔ سیدہ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے حضرت زید کو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا۔ حضرت زید کے والد انھیں تلاش کرتے کرتے رسول اللہ ﷺ تک پہنچ گئے اور عرض کیا کہ یہ ہمارا بچہ ہے آپ اس کا فدیہ لے لیجئے اور اسے ہمارے حوالے کر دیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ تمہارا بچہ تمہارے ساتھ جانا چاہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں بغیر فدیہ دیے لے جاؤ۔ تم اسے اختیار دو چاہے یہاں رہے چاہے اپنے وطن واپس لوٹ جائے انہوں نے زید کو اختیار دے دیا خوش بخت زید نے وطن واپس جانے سے انکار کر دیا اور اپنے وطن پر نبی کریم ﷺ کی غلامی کو ترجیح دی۔

رسول اللہ ﷺ نے بھی کمال شفقت فرماتے ہوئے از راہ بندہ پروری زید کو متبنیٰ بنالیا۔[(1)] اس روز کے بعد سے حضرت زید کو زید بن حارثہ کے بجائے زید بن محمد کہا جانے لگا۔ اس نسبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں احکام نازل فرمائے اور اس بات سے منع کر دیا کہ زید کو اپنے باپ کی طرف منسوب کیا جائے کیونکہ منہ بولے بیٹے حقیقی اور صلبی بیٹے نہیں ہوسکتے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهِ وَمَا جَعَلَ أَزْوَاجَكُمُ اللَّائِي تُظَاهِرُونَ مِنْهُنَّ أُمَّهَاتِكُمْ وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ ذَلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِأَفْوَاهِكُمْ وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ ۝ ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ فَإِنْ لَمْ تَعْلَمُوا آبَاءَهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَمَوَالِيكُمْ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُمْ بِهِ وَلَكِنْ مَا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا﴾[(2)]

اللہ نے کسی کے دھڑ میں دو دل نہیں رکھے اور نہ ہی اس نے تمہاری ان بیویوں کو جن سے تم لوگ ظہار کر دیتے ہو (تمہارے کہنے سے) تمہاری مائیں بنادیا اور نہ ہی اس نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا حقیقی بیٹا بنایا ہے یہ سب تمہارے اپنے مونہوں کی باتیں ہیں اور اللہ حق فرماتا ہے

---

(1) الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ج۲، ص۴۹۶

(2) الاحزاب: ۴،۵

اور وہی سیدھی راہ بتاتا ہے۔ تم لوگ ان (اپنے منہ بولے بیٹوں) کو ان کے اصلی باپوں کی نسبت سے ہی پکارا کرو اللہ کے یہاں یہ پورے انصاف کی بات ہے پھر اگر تم کو ان کے باپ معلوم نہ ہوں تو وہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں اور تم پر اس صورت میں کوئی گناہ نہیں کہ تم سے (بھول) چوک ہو جائے لیکن جو بات تم اپنے دل کے ارادہ سے کہو اور اللہ پاک بڑا ہی بخشنے والا انتہائی مہربان ہے۔

امام ابن کثیر اس آیت مقدسہ کے تحت لکھتے ہیں کہ:

"زید بن حارثہ کو ہم زید بن محمد کہتے تھے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ان کو اپنا بیٹا بنایا ہوا تھا مگر اس آیت کریمہ کے نازل ہونے کے بعد حضرت زید کو زید بن حارثہ ہی کہا جانے لگا۔"[1]

سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ بڑی جانثاری سے وقت گزارا۔ اور نبی کریم ﷺ کی غلامی نے حضرت زید کے خفیہ بخت کو جگا دیا۔ سیدنا زید کو اس لشکر کا سپہ سالار بنایا گیا جو قیصر روم کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے روانہ فرمایا تھا۔ اس روز سیدنا زید کی قیادت میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ تھے حتی کہ سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ اور دیگر اکابر صحابہ بھی شامل تھے۔ پھر غزوہ موتہ میں دو لاکھ دشمن کی سپاہ کے مقابلے میں سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے اسلامی لشکر کی قیادت کی۔ اور پھر سر فرازی پرچم اسلام کی خاطر اپنی جان پیش کر دی۔ اسی غزوہ میں ہی جام شہادت نوش فرما گئے۔

---

(1) تفسیر القرآن العظیم، ج٦، ص٣٧٦

فصل سوم: اصحاب رسول کا ذکر

مبحث اول: خلفاء راشدین کا ذکر

اس مبحث میں رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے خلفائے کرام کا ذکر کیا ہے۔ ان کے بارے میں جو قرآنی آیات نازل ہوئیں ہیں ان کو ذیل میں بالترتیب ان کے احوال میں بیان کیا گیا ہے۔

سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللہُ عَنْہُ

آپ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کا اصل نام عبد اللہ بن عثمان تھا۔ جب نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم معراج کی رات مسجد اقصیٰ سے واپس تشریف لائے تو آپ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ نے بلا تعامل اس کی تصدیق فرمائی جس کی وجہ سے آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے آپ کو ابو بکر صدیق کا لقب عطا فرمایا تب سے آپ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ اسی نام سے مشہور ہوگئے۔ سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللہُ عَنْہُ واقعہ فیل کے تین برس بعد مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ آپ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کا سلسلہ نسب ساتویں پشت پر نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے جاملتا ہے۔ آپ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ نام عبد الکعبہ تھا جو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے تبدیل کرکے عبد اللہ رکھا، آپ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کی کنیت ابو بکر تھی۔ آپ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قبیلہ قریش کی ایک شاخ بنو تمیم سے تعلق رکھتے تھے۔ والد کا نام عثمان بن ابی قحافہ اور والدہ کا نام ام الخیر سلمٰی تھا۔ خاندانی پیشہ تجارت اور کاروبار تھا۔ مکہ مکرمہ میں آپ کا خاندان نہایت معزز تھا۔ بعثت سے قبل ہی آپ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے گہرے دوست تھے۔ ایک دوسرے کے ساتھ نشست وبرخاست، آمد ورفت، ہر اہم معاملات پر صلاح ومشورہ رشوز کا معمول تھا۔ مزاج میں یکسانی کے باعث باہمی انس ومحبت کمال کو پہنچا ہوا تھا۔ جب رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اسلام کی تبلیغ شروع کی تو مردوں میں سب سے پہلے صدیق اکبر رَضِیَ اللہُ عَنْہُ نے اسلام قبول کیا۔ ایمان لانے کے بعد آپ نے اپنے مال ودولت کو خرچ کرکے مؤذن رسول حضرت بلال سمیت سات سے زائد غلاموں کو آزاد کیا جن کو اسلام لانے کی پاداش میں سزائیں دی جارہی تھیں۔[1]

سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللہُ عَنْہُ نے ہجرت کی رات بھی رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ سفر کیا اور اکٹھے ۳راتیں غار ثور میں قیام فرمایا۔ جب مدینہ میں پہنچے تب بھی ساری زندگی رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ رہے ہر جنگ میں ہر سفر میں ہر حالت میں غرضیکہ شبانہ روز کی رفاقت دنیا میں بھی ساتھ ساتھ رہی اب برزخ کی زندگی میں بھی ساتھ ہی ہے۔ صدیق اکبر رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کے بہت سارے فضائل ہیں جو کہ آگے آیاتِ قرآنیہ کے تحت بیان کئے گئے ہیں۔ قرآن مجید میں آپ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ بارے میں ذکر آتا ہے۔ بعض آیات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی صفات حمیدہ کا ذکر کیا ہے۔ سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ عَنْہُ ان نفوس قدسیہ میں شامل ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بطور استحسان وتعریف بیان

(1) اسد الغابہ فی معرفہ الصحابہ، الشیبانی، ابو الحسن علی بن ابی الکرم عبد الکریم، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۵ھ، ج۳، ص ۳۱۰

کیا ہے۔ جیسا کہ سورہ الزمر میں اللہ تعالیٰ نے آپ رضی اللہ عنہ کو سب سے پہلے اسلام کی تصدیق کرنے والا کہا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ﴾(1)

اور جو سچی بات لے کر آیا اور (جنہوں نے) اس کی تصدیق کی تو یہی لوگ ہیں پرہیز گار۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اس آیت کریمہ کے مصداق میں درج ذیل متعدد اقوال نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس آیت کے حسب ذیل مصادیق مذکور ہیں۔

۱۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: صدق سے مراد لا الہ الا اللہ اور اس کے لانے والے اور اس کی تصدیق کرنے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی لا الہ الا اللہ پڑھا اور اس کی تصدیق کی۔

۲۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سچے دین کو لانے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی تصدیق کرنے والے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

۳۔ قتادہ نے کہا، صدق سے مراد قرآن اور اس کی تصدیق کرنے والے اہل ایمان ہیں۔

۴۔ مجاہد نے صدق سے مراد قرآن اور اس کی تصدیق کرنے والے اہلِ قرآن ہیں۔(2)

امام طبری کے دوسرے قول کی تائید دیگر مفسرین کے اقوال سے بھی ہوتی ہے۔ اس لیے یہ قول باقی اقوال کی نسبت زیادہ قوی ہے۔ جیسا کہ امام فخر الدین رازیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

”حضرت علی رضی اللہ عنہ اور مفسرین کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ صدق کو لانے والے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور تصدیق کرنے والے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس سے ابو بکر کا مراد ہونا بالکل واضح ہے کیونکہ انہوں نے سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوی نبوت کی تصدیق کی تھی اور جو سب سے پہلے تصدیق کرنے والا ہو، وہی سب سے افضل ہے۔“(3)

امام فخر الدین رازی کے مطابق اسلام کی تصدیق کرنے والے سب سے پہلے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں کیونکہ آپ ہی نے سب سے قبل دعوت نبوت پر لبیک کہا ہے۔ اسی طرح امام قرطبی بھی اس آیہ کریمہ کے تحت لکھتے ہیں کہ:

”راجح قول یہی ہے کہ صدق سے مراد اسلام اور اس کے لانے والے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی تصدیق

---

(1) الزمر: ۳۳

(2) جامع البیان فی تاویل القرآن، ج ۲۴، ص ۶

(3) التفسیر الکبیر، ج ۲۶، ص ۴۵۲

کرنے والے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔"[1]

گویا جمہور کے نزدیک یہ آیت شانِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں نازل ہوئی ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اور جو سچی بات لے کر آیا اور (جنھوں نے) اس کی تصدیق کی تو یہی لوگ ہیں پرہیزگار۔ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت پیش کی تو سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا اور چونکہ معاشرے میں ان کی بہت زیادہ عزت و وجاہت تھی اس سے لوگوں کو اسلام کی طرف لانے میں بھی بڑی مدد ملی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بہت سارے مسلمان لاچار غلاموں کو خرید کر آزاد کیا۔ یہی ان کی تصدیق تھی اور آگے اسلام کی سب سے زیادہ نصرت و اعانت بھی تھی۔ لہٰذا یہی قول راجح ہے۔ سورہ التوبہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں آیت نازل فرمائی ہے جس کے اندر آپ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صاحب کہا گیا ہے اور بے خوف ہونے کا مژدہ سنایا گیا ہے کہ غم نہ کرو اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَى وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾[2]

اگر تم لوگوں نے پیغمبر کی مدد نہ کی تو اللہ (خود ہی ان کی مدد کو کافی ہے سو وہ) اس وقت بھی ان کی مدد کر چکا ہے جب کہ ان کو نکال دیا تھا کافروں نے (ان کے گھر بار سے) جب کہ وہ دو میں کے دوسرے تھے، جب کہ وہ دونوں غار میں تھے، جب کہ وہ فرما رہے تھے اپنے ساتھی سے، کہ غم نہ کرو، یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے، پھر اللہ نے اتار دی ان پر اپنی سکینت اور ان کی مدد فرمائی ایسے لشکروں کے ذریعے جو تم کو نظر نہیں آرہے تھے، اور اس نے کر دیا کافروں کے بول کو نیچا، اور اللہ کا بول تو ہے ہی اونچا، اور اللہ سب پر غالب، بڑا ہی حکمت والا ہے۔

یہ آیت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے کہ جب وہ غار ثور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں تھے۔ تفصیل یوں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے نکلنے کا ارادہ کیا تو کسی کو اس کا علم نہیں تھا۔ ماسوا حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، اور ان کی اولاد کے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں چھوڑا اور حکم دیا کہ لوگوں کی امانتیں جو میرے پاس ہیں وہ ان کو لُٹا کر مدینہ آجائیں۔ اہل مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے بڑھ کر امانت دار جانتے تھے اس لیے وہ اپنی امانتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رکھتے تھے۔ ہجرت کی شب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

(1) الجامع لاحکام القرآن، ج۱۵، ص۲۵۶

(2) التوبہ:۴۰

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان کے مکان کے پیچھے سے غار ثور کی طرف نکلے جو مکہ کے نشیب میں ایک پہاڑ ہے۔ دونوں حضرات اس پہاڑ میں داخل ہو گئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے سے کہا تھا کہ وہ بغور سنیں اہل مکہ کو کہ وہ ہمارے بارے میں کیا کہتے ہیں اور پھر شام کو آکر ہمیں خبر دیں اور اپنے غلام عامر بن فہیرہ کو حکم دیا تھا کہ وہ دن میں بکریاں چرائیں اور شام میں ان کے پاس آجائیں اور حضرت اسماء بنت ابو بکر سے کہا تھا کہ شام کو ہمارے لیے کھانا لے کر آیا کریں۔ جب دونوں حضرات رات کو غار میں داخل ہونے لگے تو پہلے حضرت ابو بکر داخل ہوئے اور غار کو ٹٹول کر دیکھا کہ اس میں کہیں سانپ یا بچھو تو نہیں ہے، تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے اثر سے محفوظ رہیں۔[1]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

> "سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے غار میں پریشان ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم غار میں ہیں اور اگر کسی نے اپنے قدموں کے نشانات کو دیکھا تو وہ ہمارے نشان بھی دیکھ لے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا ان دونوں کے بارے میں کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ ہے۔"[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تین دن غار میں رہے اور قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لانے والے کو ایک سو اونٹ انعام دینے کا اعلان کر دیا تھا۔ حضرت ابو بکر کے صاحبزادے عبد اللہ بن ابی بکر دن کو قریش کی باتیں سن کر رات کو جا کر غار میں آپ تک پہنچاتے۔ عبد اللہ بن ابی بکر کے جانے کے بعد عامر بن فہیرہ بکریوں کو لے جاتے اور بکریوں کے چلنے سے عبد اللہ بن ابی بکر کے قدموں کے نشان مٹ جاتے۔ حضرت اسماء تین دن غار میں کھانا پہنچاتی رہیں۔ تین دن قیام کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ غار سے نکل کر مدینہ کی طرف چل پڑے۔ مذکورہ بالا آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ثانی اثنین (دو میں دوسرا) کہا ہے۔ اور بے شک دین کے اکثر معاملات میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ثانی تھے۔ پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے اسلام قبول کیا۔ پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو اسلام کی دعوت دی انہوں نے قبول کی اور مسلمان ہو گئے۔ اس طرح اسلام کی دعوت دینے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اول اور صدیق اکبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ثانی ہیں۔ اسی طرح غزوات کی دعوت دینے میں بھی ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ثانی رہے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو امامت میں بھی ابو بکر ثانی

---

(1) السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۹۹

(2) صحیح بخاری، کتاب الصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب مناقب المہاجرین و فضلہم، حدیث نمبر ۳۶۵۳، ج ۵، ص ۴

ہوئے، جب آپ ﷺ کا وصال پاک ہوا تب خلافت میں بھی آپ رضی اللہ عنہ ثانی ہوئے، اسی طرح جب حضرت ابو بکر فوت ہوئے تو آپ ﷺ کے پہلو مین دفن ہوئے گویا قبر میں بھی رسول اللہ ﷺ کے ثانی ہیں اور جب قبر اٹھیں گے تب بھی پہلے آپ ﷺ اٹھیں گے اور پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اٹھیں گے۔ ایسے ہی جنت میں بھی سب سے پہلے آپ ﷺ داخل ہوں گے اور پھر امت میں سب سے پہلے
ابو بکر داخل ہوں گے۔ جیسا کہ اسد الغابہ میں کہ:

«عَنْ ابْنَ عَبَّاسٍ،يَقُولُ:"وُضِعَ عُمَرُ عَلَى سَرِيرِهِ فَتَكَنَّفَهُ النَّاسُ يَدْعُونَ وَيُصَلُّونَ قَبْلَ أَنْ يُرْفَعَ وَأَنَا فِيهِمْ فَلَمْ يَرُعْنِي إِلَّا رَجُلٌ آخِذٌ مَنْكِبِي، فَإِذَا عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ فَتَرَحَّمَ عَلَى عُمَرَ، وَقَالَ: مَا خَلَّفْتَ أَحَدًا أَحَبَّ إِلَيَّ أَنْ أَلْقَى اللَّهَ بِمِثْلِ عَمَلِهِ مِنْكَ، وَايْمُ اللَّهِ إِنْ كُنْتُ لَأَظُنُّ أَنْ يَجْعَلَكَ اللَّهُ مَعَ صَاحِبَيْكَ وَحَسِبْتُ إِنِّي كُنْتُ كَثِيرًا أَسْمَعُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ:"ذَهَبْتُ أَنَا وَأَبُو بَكْرٍ،وَعُمَرُ وَدَخَلْتُ أَنَا وَأَبُو بَكْرٍ، وَعُمَرُ وَخَرَجْتُ أَنَا وَأَبُو بَكْرٍ،وَعُمَرُ»(1)

ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو (شہادت کے بعد) ان کی چارپائی پر رکھا گیا تو تمام لوگوں نے نعش مبارک کو گھیر لیا اور ان کے لیے (اللہ سے) دعا اور مغفرت طلب کرنے لگے، نعش ابھی اٹھائی نہیں گئی تھی، میں بھی وہیں موجود تھا۔ اسی حالت میں اچانک ایک صاحب نے میرا شانہ پکڑ لیا، میں نے دیکھا تو وہ علی رضی اللہ عنہ تھے، پھر انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ کے لیے دعا رحمت کی اور (ان کی نعش کو مخاطب کر کے) کہا: آپ نے اپنے بعد کسی بھی شخص کو نہیں چھوڑا کہ جسے دیکھ کر مجھے یہ تمنا ہوتی کہ اس کے عمل جیسا عمل کرتے ہوئے میں اللہ سے جاملوں اور اللہ کی قسم! مجھے تو (پہلے سے) یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے دونوں ساتھیوں کے ساتھ ہی رکھے گا۔ میرا یہ یقین اس وجہ سے تھا کہ میں نے اکثر رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سنے تھے کہ میں، ابو بکر اور عمر گئے۔ میں، ابو بکر اور عمر داخل ہوئے۔ میں، ابو بکر اور عمر باہر آئے۔

خلاصہ کلام یہی ہے کہ دین کی تبلیغ میں، ہجرت کرنے میں، غزوات میں، امامت و امارت میں، قبر میں، حشر میں، جنت میں داخل ہونے میں اور تمام اہم دینی مناصب میں اول رسول اللہ ﷺ ہیں اور ثانی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور اس مذکور الذکر آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ابو بکر رسول اللہ ﷺ کے صاحب ہیں اور تمام صحابہ کرام میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صحابیت منصوص ہے اور یہ نص قطعی ہے جس کا انکار کفر ہے۔ گویا کوئی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو صحابی نہ مانے وہ کافر ہے۔ اسی طرح سورہ التحریم میں اللہ تعالیٰ نے صدیق اکبرؓ کو صالح مومن کہہ کر رسول

---

(1) اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج۴، ص۱۵۶

اللہ ﷺ کا ولی قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا وَإِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيرٌ﴾[1]

اب اگر تم دونوں نے توبہ کرلی اللہ کی بارگاہ میں تو یقینا (یہ خود تمہارے ہی لیے بہتر ہوگا کہ) تمہارے دل کچھ مائل ہوگئے ہیں اور اگر تم نے پیغمبر کے خلاف ایک دوسرے کی مدد جاری رکھی تو (اس میں ان کا کوئی نقصان نہیں کیونکہ) ان کا تو یقینا اللہ بھی مددگار ہے جبرائیل بھی اور نیک بخت ایمان والے بھی اور اس کے بعد فرشتے بھی (آپ کے) حامی ہیں۔

اس مذکور الذکر آیت کریمہ کے بارے میں امام قرطبی لکھتے ہیں کہ:

"ایک قول یہ ہے کہ صالح مومنین سے مراد ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ ہیں، یہ دونوں ایلاء کے واقعہ میں حفصہ رضی اللہ عنہا و عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف رسول اللہ ﷺ کے مددگار تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کے سارے صحابہ ہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد جملہ نیک ایمان والے ہیں، مگر پہلا قول زیادہ قوی ہے۔"[2]

سورہ الاحزاب میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنے پر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تحسین میں آیت کریمہ نازل فرمائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا﴾[3]

وہ (ایسا مہربان ہے کہ) تم پر خود بھی رحمت بھیجتا ہے اور اسکے فرشتے بھی تاکہ وہ نکال لائے تم کو (کفر و باطل کے) طرح طرح کے اندھیروں سے (حق و ہدایت کے) نور کی طرف اور وہ بڑا ہی مہربان ہے ایمان والوں پر۔

تفسیر در منثور میں ہے کہ:

"جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ﴿ إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ﴾ یعنی بیشک اللہ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں پیغمبر پر پس تم بھی اے وہ لوگوں جو ایمان لائے ہو ان پر درود بھی

---

(1) التحریم:۴

(2) الجامع لاحکام القرآن، ج۱۸، ص۱۸۹

(3) الاحزاب:۴۳

بھیجتے رہا کرو اور خوب خوب سلام بھی، تو حضرت ابو بکرؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے جو بھی خیر آپ ﷺ پر نازل فرمائی ہے ہم اس میں شریک ہوئے (یعنی ہم بھی آپ ﷺ پر درود بھیجتے ہیں) تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ﴿هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ﴾ یہ آیت بھی صدیق اکبرؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔"[1]

سورہ والیل کی آیات طیبات بھی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئیں ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے جہنم کی آگ سے محفوظ رکھنے کا مژدہ سنایا اور آپ کی سخاوت پر بطور تحسین ارشاد فرمایا: کسی کا ابو بکر پر کوئی احسان نہیں ہے جس کا سے بدلہ دینا ہو اور یہ صرف رب کی رضا کے لیے کرتا ہے جو کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ○ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ○ وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَى ○ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى ○ وَلَسَوْفَ يَرْضَى﴾[2]

اور دور (اور محفوظ) رکھا جائے گا اس (دہکتی بھڑکتی ہولناک آگ) سے اس بڑے پرہیز گار کو۔ جو دیتا ہے اپنا مال (راہ حق میں) تا کہ وہ پاک ہو جائے (نفس کے رزائل سے)۔ اور کسی کا اس پر کوئی ایسا احسان نہیں جس کا اسے بدلہ دینا ہو۔ وہ صرف اپنے اس رب کی رضا کے لیے دیتا ہے جو سب سے برتر ہے۔ اور وہ ضرور اس سے راضی ہو گا۔

امام قرطبی ان آیات طیبات کی تفسیر کے تحت لکھتے ہیں کہ:

"متقی اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا جہنم سے دور ہو گا، حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: الاتقی سے مراد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں جنہیں جہنم میں داخل ہونے سے دور رکھا جائے گا۔ آگے اللہ تعالیٰ نے الاتقی کی صفات بیان کی ہیں کہ متقی وہ ہے جو مال اس لیے دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پاکیزہ ہو جائے۔ اور وہ ریاکاری و شہرت کا طالب نہیں بلکہ وہ صدقہ اس لیے کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو۔"[3]

یہ جملہ مذکور الذکر صفات سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ذات میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں لہذا آپ رضی اللہ عنہ ہی حقیقی معنوں میں الاتقی کے مصداق ہیں۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی ان آیات کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"یہ آیات سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئیں ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت

---

(1) الدر المنثور، ج۶، ص ۶۲۲

(2) اللیل: ۱۷۔۲۱

(3) الجامع لاحکام القرآن، ج۱۸، ص۱۸۹ (ب) اسباب نزول القرآن، نیشاپوری، ج1، ص456

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ انبیاء کے علاوہ سب لوگوں سے زیادہ متقی ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سات ایسے غلام خرید کر آزاد کئے جنہیں اسلام قبول کرنے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا تھا۔ آپ کے والد ابو قحافہ نے پوچھا! میں دیکھتا ہون کہ تم کمزور غلام خرید کر آزاد کر دیتے ہو (جو آزادی کے بعد بھی تمہاری مدد کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے) اگر تم طاقتور مردوں کو آزاد کرو تو وہ تمہاری حفاظت بھی کریں گے اور خدمت بھی۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا، اباجان: میں صرف اس چیز کا طالب ہوں جو اللہ تعالٰی کے پاس ہے۔ اس پہ آیات نازل ہوئیں ہیں۔"[1]

سورہ الحدید میں اللہ تعالٰی نے بہت بڑا انعام اور اجر عظیم پانے والے جنتیوں میں سیدنا صدیق اکبرؓ کو شامل کیا ہے۔ یعنی وہ لوگ جو اللہ تعالٰی کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور جہاد کرتے ہیں وہ اللہ تعالٰی کی طرف سے عظیم درجہ پر فائز ہوں گے۔ ارشاد باری تعالٰی ہے:

﴿وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾[2]

اور تمہیں کیا ہو گیا کہ تم خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں؟ حالانکہ اللہ ہی کے لیے ہے میراث آسمانوں اور زمین کی برابر نہیں ہو سکتے تم میں سے وہ لوگ (جو فتح کے بعد خرچ کریں گے اور جہاد کریں گے ان لوگوں کے) جنہوں نے خرچ کیا فتح سے پہلے اور وہ لڑے (راہ حق میں) ایسے لوگ درجہ کے اعتبار سے کہیں بڑھ کر ہیں ان لوگوں سے جنہوں نے خرچ کیا اس کے بعد اور وہ لڑے اور یوں اللہ نے ان سب سے وعدہ فرما رکھا ہے بھلائی کا اللہ پوری طرح باخبر ہے ان سب کاموں سے جو تم لوگ کرتے ہو۔

أُولَئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً کے تحت قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ:

"ان لوگوں کا درجہ قرب و ثواب بہت بڑا ہے جنہوں نے فتح سے پہلے مال خرچ کیا اور دشمنوں سے لڑے۔ بغوی کا بیان ہے کہ محمد بن فضل نے کلبی کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ سب سے پہلے مسلمان ہوئے اور سب سے پہلے

---

(1) التفسیر المظہری، ج ۱۰، ص ۲۷۸

(2) الحدید: ۱۰

راہ خدا میں مال خرچ کیا۔"[1]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، آپ رضی اللہ عنہ نے ایک عباء پہنی ہوئی تھی جس کے سینہ کو کانٹا چبھو کر بند کر رکھا تھا۔ اتنے میں جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور عرض کیا کہ کیا بات ہے کہ ابو بکر نے اپنی عباء کو سینہ سے کانٹا چبھو کر بند کر رکھا ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: انہوں نے فتح سے پہلے سارا مال راہ خدا خرچ کر دیا ہے۔ جبریل امین نے کہا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کو میری طرف سے سلام کہو اور پوچھو کہ تم اس مفلسی میں میرے ساتھ راضی ہو یا ناراض؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابو بکر اللہ تعالیٰ تمہیں سلام کہہ رہا ہے اور فرماتا ہے کہ اس فقر پر تم مجھ سے راضی ہو یا ناراض؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں اپنے رب ناراض ہو سکتا ہوں؟ بلاشک میں اپنے رب سے خوش ہوں۔"[2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"اس آیت سے مراد امیر المؤمنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ باقی یوں تو ان دونوں جماعتوں (فتح مکہ سے پہلے اور بعد میں خرچ کرنے والے) سے اللہ تعالیٰ نے ایمان کے صلہ میں جنت کا وعدہ کر رکھا ہے اور فرمایا جو تم خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو اس کی پوری خبر ہے۔"[3]

اللہ تعالیٰ نے سورہ الرحمٰن میں بھی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ذکر بطور استحسان و تعریف کیا ہے۔ فرمایا کہ وہ جو ڈرتا ہے اپنے رب کے سامنے پیش ہونے سے تو اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ﴾[4]

اور جو کوئی ڈر تا رہے گا اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے (اور اس کے نبی کریم پیشی) سے تو اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کریمہ کے تحت فرماتے ہیں کہ:

"ایک روز حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قیامت، میزان، عمل اور جنت و دوزخ کا ذکر کیا پھر فرمایا

---

(1) التفسیر المظہری، ج۹، ص۱۹۰

(2) معالم التنزیل فی تفسیر القرآن، ج۸، ص ۳۳

(3) تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس، ج۱، ص۴۵۷

(4) الرحمن: ۴۶

کہ میری تمنا اور خواہش یہ ہے کہ میں ان سبزیوں میں سے کوئی سبزی ہوتا جانور آتا مجھے کھا جاتا اور پیدا ہی نہ کیا گیا ہوتا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی اس قدر خشیت الٰہی پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔"[1]

ان درج بالا آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مقبولان بارگاہ الہیہ میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اقوال و افعال پر تحسین امیز آیات نازل فرمائیں ہیں۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شخصیت بھی حقیقی معنوں میں اس تحسین و تعریف کے قابل ہے۔ کیونکہ آپ نے ابتداء اسلام سے ہی پوری طرح جانثاری کو مظاہرہ کیا جیسا کہ کئی معاملات ذکر کئے گئے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے مکمل طور پر اسلام اور اہل اسلام کی مدد کی ہے یہاں تک کہ اپنا گھر بار لٹا کر اسلام کی خدمت کی ہے۔ بہت زیادہ معاوضے دے کر مسلمان غلاموں کو کافر و ظالم آقاؤں کے شکنجے سے آزادی دلائی ہے۔ اس قدر احسانات دیکھ کر قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بعد از انبیاء سب سے افضل ہیں۔ اور خود قرآن مجید نے بھی آپ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ثانی کہا ہے۔ اور حقیقتاً عملاً آپ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ثانی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی آپ رضی اللہ عنہ کے لیے عظیم اجر تیار کر رکھا ہے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ

سیدنا رضی اللہ عنہ عمر خطاب کے بیٹے ہیں اور آپ کا لقب فاروق اور کنیت ابو حفص ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا شمار ایسے لوگوں میں تھا جو پڑھنا لکنا جانتے تھے اور سپہ گری و پہلوانی میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ خانداتی طور پر علم انساب کے ماہر تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے باپ دادا بھی اس علم کے ماہر تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اسلام کی دعوت دی تو اولاً آپ ان لوگوں میں شامل تھے جو اسلام کے سخت ترین دشمن تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔[2] اس سعادت کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ کو مراد رسول بھی کہا جاتا ہے۔ قبول اسلام کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کھل کر اسلام کی حمایت کی یہاں تک کہ مسلمانوں نے آپ رضی اللہ عنہ کی وجہ سے اعلانیہ عبادت شروع کر دی۔ آپ رضی اللہ عنہ کو یہ بھی سعادت حاصل ہے کہ آپ عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد آپ رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسلمین بنے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اسلامی سرحدوں میں بہت

---

(1) تنویر المقباس، ج۱، ص ۴۵۲

(2) الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ج۴، ص ۴۸۵

زیادہ وسعت آئی اور آپ رضی اللہ عنہ ایک نیک، عادل اور زیرک حکمران تھے۔ اسلامی ریاست آپ رضی اللہ عنہ کے دور میں ۲۲ لاکھ ۵۱ ہزار ۳۰ مربع میل تک پھیل گئی۔ مصر، لیبیا، ایران، عراق، شام، خراسان، جنوبی آرمینیا، مشرقی اناطولیہ اور دیگر کئی علاقے آپ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فتح ہوئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے فضائل خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے۔ عشرہ مبشرہ میں شامل ہونے کے ساتھ ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عمر! شیطان تمہیں دیکھ کر راستہ بدل لیتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کو مسجد نبوی میں فجر کی نماز میں ایک غلام ابولولو فیروز نے خنجر سے وار کر کے شدید زخمی کر دیا۔ زخموں سے جانبر نہ ہو سکے اور شہادت پا گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی قرآن پاک میں آیات نازل ہوئیں ہیں۔ جس طرح سورہ الانفال میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (1)

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے لیے اللہ کافی ہے اور وہ مسلمان جنہوں نے آپ کی پیروی اختیار کر لی۔

اس آیت کریمہ کے تحت تفسیر ابن عباس میں ہے کہ:

"جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو مشرکین کہنے لگے آج ہماری آدھی قوم تقسیم ہو گئی ہے۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ چالیسویں مسلمان تھے۔ ان سے پہلے ۳۹ لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ جس وقت آپؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست رحمت پر اسلام قبول کیا تب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے لیے اللہ کافی ہے اور وہ مسلمان جنہوں نے آپ کی پیروی اختیار کر لی۔"(2)

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے تو مذکور الذکر آیت کریمہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کے ساتھ خاص کیا ہے جبکہ بعض مفسرین نے اس کا شان نزول کچھ اور بھی بیان فرمایا ہے۔ جیسا کہ امام قرطبی نے اس آیت کریمہ کے تحت چند اقوال ذکر کئے ہیں، لکھتے ہیں کہ:

"۱۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے بارے میں ہے۔

۲۔ کلبی کا قول یہ ہے کہ یہ آیت جنگ بدر سے قبل اسی غزوہ کے بارے میں مقام بیداء پر نازل

---

(1) الانفال: ۶۴

(2) (الف) تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس، ج ۱، ص ۱۵۱

(ب) اسباب نزول القرآن، نیشاپوری، ابو الحسن علی بن احمد بن محمد الواحدی، دمام: دار الاصلاح، 1992ء، ج 1، ص 238

ہوئی۔اور اس کا مصداق مہاجرین وانصار ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کی اتباع کی ہے۔
۳۔اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد جملہ مومنین ہیں جو کہ آپ ﷺ کی اتباع کرنے والے ہیں۔"[1]

تفسیر در منثور میں بھی یہ دونوں اقوال ذکر ہیں۔اور یہ وضاحت بھی دی گئی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق قول ذکر کرنے والے ابن عباس رضی اللہ عنہ اور انصار ومہاجرین کے بارے میں قول نقل کرنے والے ابن اسحاق ہیں۔ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول بہت سے طرق سے نقل کیا گیا ہے۔آپ کا قول عکرمہ وسعید بن جبیر نے بھی نقل کیا ہے۔[2] اس سے ہٹ کر بھی اگر ترمذی کی حدیث دیکھی جائے کہ جس میں آپ ﷺ نے دعا فرمائی کہ: اے اللہ! عمر خطاب کے بیٹے سے اسلام کو عزت عطا فرما،[3] اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ یہ آیت مراد رسول سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہے۔اور واقعتاً آپ رضی اللہ عنہ ہی وہ ہستی ہیں کہ جن کے قبول اسلام سے مسلمانوں اور اسلام کو بڑا نفع حاصل ہوا ہے۔سورہ البقرۃ میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں آیت نازل فرمائی ہے کہ جس میں روزہ کے اوقات کی تحدید کے ساتھ ساتھ رات میں بیویوں کے ساتھ ہمبستری کی بھی اجازت دی گئی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ﴾[4]

حلال کر دیا گیا تمہارے لیے روزوں کی راتوں میں اپنی بیویوں کے پاس جانا وہ ایک عظیم الشان لباس ہیں تمہارے لیے اور تم ایک عظیم الشان لباس ہو ان کے لیے اللہ کے علم میں ہے کہ تم لوگ خیانت کرتے تھے اپنی جانوں سے مگر اس نے اپنے کرم کی بناء پر تم پر عنایت فرما دی اور تم سے درگزر فرما لیا سو اب تم ان سے شب باشی کرو اور حاصل وطلب کرو وہ کچھ جو اللہ نے لکھ دیا تمہارے لیے اور تم کھاؤ پیو یہاں تک کہ اچھی طرح ظاہر ہو جائے تمہارے لیے سپیدہ صبح کی

---

(1) الجامع لاحکام القرآن، ج۸، ص۴۲

(2) الدر المنثور، ج۴، ص۱۰۱

(3) سنن الترمذی، کتاب البیوع، باب فی مناقب ابی حفص عمر بن خطاب، حدیث نمبر ۳۶۸۳، ج۵، ص۶۱۸

(4) البقرۃ:۱۸۷

سفید دھاری تاریکی شب کی سیاہ دھاری سے ف ا پھر تم لوگ پورا کرو اپنے روزوں کو رات کی آمد تک اور تم اپنی بیویوں سے مباشرت نہیں کرنا ایسی حالت میں جبکہ تم اعتکاف میں بیٹھے ہو اپنی مسجدوں میں یہ احکام اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں پس تم ان کے قریب بھی نہ پھٹکنا اسی طرح اللہ کھول کر بیان فرماتا ہے اپنے احکام لوگوں کے لیے تاکہ وہ بچ سکیں۔

تفسیر ابن عباس میں ہے کہ:

"یہ آیت کریمہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ سونے کے بعد اپنی زوجہ محترمہ کے پاس چلے گئے، اس پر اللہ تعالیٰ نے رات کو اپنی عورتوں سے میل ملاپ کی اجازت دیتے ہوئے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی اور اس میں روزہ کے اوقات اور رات میں بیویوں کے پاس جانے کے احکام بیان فرمائے۔"(1)

مسلمان ابتداء میں ہر ماہ کے تین روزے رکھتے تھے پھر بعد میں رمضان کے روزے فرض ہوئے۔ جب کوئی افطار کے وقت کھانا کھائے بغیر سو جاتا تو پھر اگلے روز افطار تک کھانا نہیں کھا سکتا تھا۔ اور اگر وہ سو جاتا یا بیوی سو جاتی تو پھر وہ بیوی سے عمل زوجیت نہیں کر سکتا تھا۔ انصار میں سے صرمہ بن مالک نامی ایک بوڑھا شخص تھا اس نے افطار کے وقت اپنی بیوی سے کہا: کھانا لاؤ، بیوی نے کہا میں گرم کر کے لاتی ہوں اتنے میں وہ سو گیا۔ دوسرا واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو عمل زوجیت کے لیے بلایا۔ انہوں نے کہا میں سو چکی ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ گمان کیا کہ وہ بہانہ کر رہی ہیں اور ان سے اپنی خواہش پوری کر لی جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔(2)

اسی طرح سورہ التحریم میں بھی اللہ تعالیٰ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو صالح مومن کہہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ولی قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا وَإِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَٰلِكَ ظَهِيرٌ﴾(3)

اب اگر تم دونوں نے توبہ کر لی اللہ کی بارگاہ میں تو یقیناً (یہ خود تمہارے ہی لیے بہتر ہو گا کہ) تمہارے دل کچھ مائل ہو گئے ہیں اور اگر تم نے پیغمبر کے خلاف ایک دوسرے کی مدد جاری رکھی تو (اس میں ان کا کوئی نقصان نہیں کیونکہ) ان کا تو یقیناً اللہ بھی مددگار ہے جبرائیل بھی اور نیک

---

(1) تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس، ج۱، ص ۲۶

(2) جامع البیان فی تاویل القرآن، ج۳، ص ۴۸۷

(3) التحریم: ۴

بخت ایمان والے بھی اور اس کے بعد فرشتے بھی (آپ کے) حامی ہیں۔

اس مذکور الذکر آیت کریمہ کے بارے میں امام قرطبی لکھتے ہیں کہ:

"ایک قول یہ ہے کہ صالح مومنین سے مراد ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ ہیں، یہ دونوں ایلاء کے واقعہ میں حفصہ رضی اللہ عنہا و عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدد گار تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے صحابہ ہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد جملہ نیک ایمان والے ہیں، مگر پہلا قول زیادہ قوی ہے۔"(1)

امام قرطبی کی طرح دیگر کئی اور مفسرین نے بھی صالح المؤمنین سے مراد سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بیان کیا ہے۔ جیسا کہ صاحب در منثور اس آیہ کریمہ کے تحت لکھتے ہیں کہ:

"ابن عساکر نے کلبی کے طریق سے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ میرے والد محترم اس آیت کو پڑھتے تھے اور وصالح المؤمنین کے بارے میں فرماتے کہ اس سے مراد ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ اسی طرح ابن عساکر نے ابن مسعود سے بھی روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصالح المؤمنین کے بارے میں فرمایا کہ اس سے مراد ابو بکرؓ اور عمرؓ ہیں۔"(2)

اسی طرح مقام ابراہیم کو مصلیٰ بنانے والی آیت بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی تائید میں نازل ہوئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِلنَّاسِ وَأَمْنًا وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى وَعَهِدْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ﴾(3)

اور (یاد کرو کہ) جب ہم نے اس گھر (خانہ کعبہ) کو سب لوگوں کیلئے ایک (عظیم الشان و بے مثل) مرکز اور امن (سکون کا گھوارہ) بنادیا، اور (حکم دیا کہ) تم لوگ مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنالو، اور ہم نے تاکید کی تھی ابراہیم اور اسماعیل کو (اس بات کی) کہ پاک رکھنا تم میرے گھر کو، طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں، اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے۔

تفسیر ابن عباس میں اس آیت کریمہ کے تحت ہے کہ مذکورہ بالا آیت کریمہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے موافقات میں سے ہے، لکھتے ہیں کہ:

"یہ آیت کریمہ موافقات عمر میں سے ہے کہ جب انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر مقام

---

(1) الجامع لاحکام القرآن، ج۱۸، ص۱۸۹

(2) الدر المنثور، ج۸، ص۲۱۹

(3) البقرۃ:۱۲۵

ابراہیم کو مصلیٰ بنالیں تو بہتر ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا۔"[1]

مذکور الصدر آیت کریمہ کی تفسیر کے تحت امام بخاری نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے۔ اس روایت کے اندر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اپنا فرمان ہے کہ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیت آپ ہی کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

«قَالَ عُمَرُ: "وَافَقْتُ اللَّهَ فِي ثَلاَثٍ، أَوْ وَافَقَنِي رَبِّي فِي ثَلاَثٍ، قُلْتُ: يَارَسُولَ اللَّهِ لَوِ اتَّخَذْتَ مَقَامَ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى، وَقُلْتُ: يَارَسُولَ اللَّهِ، يَدْخُلُ عَلَيْكَ البَرُّ وَالفَاجِرُ، فَلَوْ أَمَرْتَ أُمَّهَاتِ المُؤْمِنِينَ بِالحِجَابِ، فَأَنْزَلَ اللَّهُ آيَةَ الحِجَابِ، قَالَ: وَبَلَغَنِي مُعَاتَبَةُ النَّبِيِّ ﷺ بَعْضَ نِسَائِهِ، فَدَخَلْتُ عَلَيْهِنَّ، قُلْتُ: إِنِ انْتَهَيْتُنَّ أَوْ لَيُبَدِّلَنَّ اللَّهُ رَسُولَهُ ﷺ خَيْرًا مِنْكُنَّ، حَتَّى أَتَيْتُ إِحْدَى نِسَائِهِ، قَالَتْ: يَا عُمَرُ، أَمَا فِي رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مَا يَعِظُ نِسَاءَهُ، حَتَّى تَعِظَهُنَّ أَنْتَ؟ فَأَنْزَلَ اللَّهُ: (عَسَى رَبُّهُ إِنْ طَلَّقَكُنَّ أَنْ يُبَدِّلَهُ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِنْكُنَّ مُسْلِمَاتٍ)» [2]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، تین مواقع پر اللہ تعالیٰ کے نازل ہونے والے حکم سے میری رائے نے پہلے ہی موافقت کی یا میرے رب نے تین مواقع پر میری رائے کے موافق حکم نازل فرمایا۔ میں نے عرض کیا تھا کہ یارسول اللہ ﷺ! کیا اچھا ہوتا کہ آپ مقام ابراہیم کو طواف کے بعد نماز پڑھنے کی جگہ بناتے تو بعد میں یہی آیت نازل ہوئی۔ اور میں نے عرض کیا تھا کہ یارسول اللہ ﷺ! آپ کے گھر میں اچھے اور برے ہر طرح کے لوگ آتے ہیں۔ کیا اچھا ہوتا کہ آپ امہات المؤمنین کو پردہ کا حکم دے دیتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت حجاب (پردہ کی آیت) نازل فرمائی اور انہوں نے بیان کیا اور مجھے بعض ازواج مطہرات سے نبی کریم ﷺ کی خفگی کی خبر ملی۔ میں نے ان کے یہاں گیا اور ان سے کہا کہ تم باز آجاؤ، ورنہ اللہ تعالیٰ تم سے بہتر بیویاں نبی کریم ﷺ کے لیے بدل دے گا۔ بعد میں ازواج مطہرات میں سے ایک کے ہاں گیا تو وہ مجھ سے کہنے لگیں کہ عمر! رسول اللہ ﷺ تو اپنی ازواج کو اتنی نصیحتیں نہیں کرتے جتنی تم انہیں کرتے رہتے ہو۔ آخر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی «عسى ربه إن طلقكن أن يبدله أزواجا خيرا منكن مسلمات» کوئی تعجب نہ ہونا چاہیے اگر اس نبی کا رب تمہیں طلاق دلا دے اور دوسری مسلمان بیویاں تم سے بہتر بدل دے۔

اس آیت کے ضمن میں تقریباً سبھی مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔ پس یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں قرآن کی آیات نازل ہوئی ہیں۔ کچھ تو ان کی شان و

(1) تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس، ج۱، ص۱۸

(2) صحیح بخاری، کتاب التفسیر القرآن، باب و قالوا اتخذ اللہ ولدا، حدیث نمبر ۴۴۸۲، ج۶، ص۲۰

عظمت کے بارے میں ہیں اور کچھ ان کی تائید میں اتری ہیں جن کو موافقات عمر کہا جاتا ہے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ مکہ میں اموی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ کمسنی ہی سے شرافت وحیاء کا پیکر تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اسلام کی دعوت دی تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آواز حق پر لبیک کہا اور پھر آپ رضی اللہ عنہ کی دعوت پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نکاح ہوا۔ اور جب مکہ میں مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کیا جانے لگا تو آپ رضی اللہ عنہ اپنی زوجہ محترمہ کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حبشہ ہجرت کر گئے۔ خبر ملی کہ ذرا حالات بہتر ہوئے ہیں تو مکہ واپس آگئے۔ آکر پتا چلا کہ حالات جوں کے توں ہی ہیں بلکہ مزید ابتری کی طرف جا رہے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا تو آپ رضی اللہ عنہ اپنی زوجہ کے ساتھ مدینہ ہجرت کر کے آگئے۔ مدینہ منورہ میں دوسرے سال سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری صاحبزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔[1] اسی نسبت سے آپ رضی اللہ عنہ کی کنیت ذوالنورین تھی۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ہر دور میں اسلام اور اہل ایمان کی مالی معاونت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کو جنت اور شہادت کی بشارت بھی عطا فرمائی تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بعد آپ رضی اللہ عنہ امیر المؤمنین بنے۔ اور عرصہ بارہ سال تک خلیفۃ المسلمین رہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے دور میں تدوین قرآن ہوئی جس کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ کو جامع قرآن بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کے دور خلافت میں مسجد حرام اور مسجد نبوی کی توسیع ہوئی اور خراسان، کرمان، قفقاز، قبرص، سیستان اور افریقہ فتح ہو کر اسلامی ریاست میں شامل ہوئے۔ ۳۵ھ ۱۸ ذی الحج بیاسی سال کی عمر میں آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی اور جنت البقیع میں آپ کو دفن کیا گیا۔[2] سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں قرآن مجید کی آیات نازل ہوئیں ہیں۔

سورہ البقرۃ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴾[3]

---

(1) الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ج۸، ص۱۳۸

(2) الطبقات الکبریٰ، ج۳، ص۴۵

(3) البقرۃ:۲۶۱

مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنا مال اللہ کی راہ میں، ایسی ہے جیسے ایک دانہ (زمین میں بویا جائے) جو اگائے سات بالیں، ہر بال میں ہوں سو دانے، اور اللہ (اس سے بھی کہیں زیادہ) بڑھا چڑھا کر دیتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے، (اس کے صدق و اخلاق کے مطابق) اور اللہ بڑا ہی وسعت والا، نہایت ہی علم والا ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا عثمانؓ کی سخاوت پر انعام واکرام کا ذکر فرمایا۔ یعنی جس طرح زمین میں بیج بویا جائے تو ایک دانہ بیج سے آگے بالیاں اور پھر ان میں دانے بنتے ہیں اسی طرح میں اہل ایمان کو اپنی راہ میں خرچ کرنے پر کئی گناہ اجر بڑھا کر دیتا ہوں۔ یہ آیت کریمہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ وہ اس طرح کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کے موقعہ پر انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دلائی تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف چار ہزار لے کر حاضر ہوئے اور عرض کی، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آٹھ ہزار تھے آدھے گھر والوں کے لیے رکھ کر آدھے اپنے رب کو بطور قرضہ پیش کئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بارک اللہ لک فیما امسکت وفیما اعطیت (اللہ تعالیٰ تجھے برکت عطا فرمائے اس میں بھی جو تو گھر والوں کے لیے رکھ آیا اور اس میں بھی جو تو نے پیش کیا) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سارے لوگوں کی تیاری کا سامان میرے ذمہ ہے جن کے پاس کچھ نہیں ہے، تب ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔[1]

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ساری زندگی اسلام کی خدمت کی اور اپنی دولت سے مسلمانوں کو بہت زیادہ نفع پہنچایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لیے غزوہ تبوک کے موقعہ پر آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا کہ اے عثمان! آج کے بعد تیرا کوئی عمل تجھے نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی سخاوت کی وجہ سے آپ غنی کے لقب سے مشہور ہوئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ

حضرت علی بن ابی طالب ۵۹۹ء میں مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام ابو طالب اور والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد ہیں اور بچپن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آگئے اور وہیں آپ کی پرورش ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا جیسی ہستیوں نے آپ کی تربیت کی جس کی برکت سے

(1) الجامع لاحکام القرآن، ج۳، ص ۳۰۳

آپ نے کمسنی میں ہی اسلام قبول کر لیا۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک تقریباً دس برس تھی۔ مکہ مکرمہ میں جب رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی دعوت و تبلیغ کا کام شروع کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہر طرح سے آپ ﷺ کا ساتھ دیا اور کبھی بھی دینی سرگرمیوں سے پیچھے نہیں ہٹے۔ جب اللہ کے رسول ﷺ کفار کے مسلسل ستانے اور اللہ کے حکم سے مدینہ ہجرت کر کے جانے لگے تو آپ ﷺ نے ہجرت کی رات جب چاروں طرف سے دشمن نے آپ ﷺ کے در اقدس کو گھیر رکھا تھا تو ایسے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس رات اپنے بستر پر سلایا اور امانتیں ان کے حوالے کر کے فرمایا: کہ صبح ہوتے ہی یہ امانتیں لوگوں کو ان کے سپرد کر کے آپ بھی مدینہ چلے آئیں۔ مدینہ آکر بھی سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ہر طرح سے اسلام کے لیے خدمات سر انجام دیں۔ غزوہ تبوک کے علاوہ ہر غزوہ میں آپ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتھ رہے اور تقریباً ہر غزوہ میں نمایاں طور پر فتح کا سہرا آپ رضی اللہ عنہ کی شجاعت بہادری کے مرہون منت رہا۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بہت زیادہ شان و عظمت ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ آپ رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، خلیفہ راشد ہیں، آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «أنت منّي بمنزلة هارون من موسى، إلّا أنّك لست بنبيّ»، اسی طرح ارشاد فرمایا: «أنت أخي في الدنيا والأخرة» ایک جگہ ارشاد فرمایا: «من كنت مولاه فعليّ مولاه» رسول اللہ ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ کو آیت تطہیر میں شامل فرمایا اور جب نجران کے عیسائیوں سے مباہلہ کے لیے تشریف لے گئے تب بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے، سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی سیدۃ النساء فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کا عقد سیدنا علی المرتضیٰ کے ساتھ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ کی زندگی میں اور نکاح نہیں کیا جب سیدہ وصال فرما گئیں تب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مزید نکاح کیے جن سے آپ کی اولاد بھی ہے۔[1]

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حق میں بھی قرآن پاک کی آیات نازل ہوئیں ہیں۔ سورہ الدہر کی مندرجہ ذیل آیات آپ رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ○ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا﴾[2]

وہ کھانا کھلاتے ہیں اس کی محبت پر مسکین یتیم اور قیدی کو۔ (اور وہ دل میں یا زبان سے کہتے ہیں

---

(1) الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ج۴، ص۴۶۶

(2) الدہر: ۸،۹

کہ) ہم تو تمہیں محض اللہ کے لیے کھلا رہے ہیں تم سے نہ کوئی بدلہ لینا چاہتے ہیں نہ کوئی شکریہ۔

یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔ اس سخاوت میں ان کی اپنی کوئی ذاتی منفعت نہیں ہوتی اور نہ ہی وہ کسی کو اس واسطے کچھ دیتے ہیں کہ وہ ان سے لے کر ان کا شکریہ ادا کرے یا ان کو کوئی معاوضہ دے یا کوئی جزا دے۔ امام قرطبی اس آیت کریمہ کے تحت لکھتے ہیں کہ:

"ثعلبی کہتے ہیں کہ علماء تفسیر نے کہا ہے کہ یہ آیت حضرت علی ؓ، حضرت فاطمہ ؓ اور ان کی لونڈی فضہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔"[1]

بعض مفسرین نے تفصیل سے واقعہ کو بیان کیا ہے اور وضاحت سے بتایا ہے کہ یہ آیت حضرت علی المرتضیٰ ؓ اور سیدہ فاطمہ ؓ کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ جیسا کہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اس روایت کو لیا ہے کہ یہ آیات سیدنا علی ؓ اور سیدہ فاطمہ ؓ کے بارے میں نازل ہوئیں ہیں۔ اور واقعہ کی ساری تفصیلات بھی آپ نے بیان کیں ہیں۔ تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں کہ:

"یہ آیت حضرت علی ؓ کے حق میں نازل ہوئی۔ حضرت علی ؓ نے ایک یہودی کی مزدوری کر کے کچھ جو حاصل کیے اور ان میں سے ایک تہائی پیس کر گھر والوں کے لیے کھانا تیار کیا، جونہی کھانا پک کر تیار ہوا ایک مسکین نے آکر سوال کیا، گھر والوں نے وہ کھانا مسکین کو دے دیا۔ دوبارہ پھر ایک تہائی جو تیار کئے گئے اور جیسے ہی کھانا تیار ہوا ایک یتیم نے آکر سوال کیا، گھر والوں نے وہ کھانا اس کو دے دیا اور سب اس روز بھوکے رہے۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اس شان نزول کو مجاہد اور عطا نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے۔"[2]

مذکور الصدر شان نزول کو امام بغوی نے بھی اپنی تفسیر میں اسی سند سے نقل کیا ہے۔ اس میں صرف اضافہ اتنا ہے کہ یتیم کے بعد پھر کھانا تیسری مرتبہ تیار کیا گیا اور جس وقت کھانا تیار ہوا تو ایک قیدی نے آکر سوال کیا اب کی باری پھر گھر والوں نے وہ کھانا اس قیدی کو دے دیا جس نے آکر سوال کیا تھا۔ گھر میں پکانے کھانے کو کچھ نہیں بچا تھا اس لیے گھر والے بھوکے ہی رہے۔ اس ایثار پر اللہ تعالیٰ نے اہل بیت کی تعریف کرتے ہوئے یہ آیات طیبات نازل فرمائیں ہیں۔[3]

اسی طرح سورہ المجادلہ میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا علی المرتضیٰ ؓ کی عظمت کو بیان فرمایا ہے کہ جب تم نبی

---

(1) (الف) الجامع لاحکام القرآن، ج۱۹، ص۱۲۹ (ب) اسباب نزول القرآن، نیشاپوری، ج1، ص448

(2) التفسیر المظہری، ج۱۰، ص۱۵۴

(3) معالم التنزیل فی تفسیر القرآن، ج۸، ص۲۹۴

کریم ﷺ سے تنہائی میں ملنا چاہو تو کچھ صدقہ کر لیا کرو۔ یہ بڑا پاکیزہ عمل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً ذَلِكَ خَيْرٌ لَكُمْ وَأَطْهَرُ فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴾(1)

اے وہ لوگوں جو ایمان لائے ہو جب تمہیں اللہ کے رسول سے کوئی تخلیے میں کرنا ہو تو تم اپنی اس بات سے پہلے کچھ صدقہ کر لیا کرو یہ تمہارے لیے بہت اچھا اور بڑا پاکیزہ طریقہ ہے پس اگر تم (اس کی گنجائش) نہ پاؤ تو (کوئی حرج نہیں کہ) یقیناً اللہ بڑا ہی معاف کرنے والا انتہائی مہربان ہے۔

علامہ ابو اسحاق احمد بن ابراہیم اس آیت کریمہ کے تحت لکھتے ہیں کہ:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قرآن مجید میں ایک آیت ہے جس پر مجھ سے پہلے کسی نے عمل نہیں کیا اور نہ ہی میرے بعد کوئی کرے گا اور وہ یہی آیت کریمہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے وہ لوگوں جو ایمان لائے ہو جب تمہیں اللہ کے رسول سے کوئی تخلیے میں کرنا ہو تو تم اپنی اس بات سے پہلے کچھ صدقہ کر لیا کرو یہ تمہارے لیے بہت اچھا اور بڑا پاکیزہ طریقہ ہے پس اگر تم (اس کی گنجائش) نہ پاؤ تو (کوئی حرج نہیں) یقیناً اللہ بڑا ہی معاف کرنے والا انتہائی مہربان ہے۔''(2)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے تین خصوصیات ایسی تھیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی میرے لیے ہوتی تو وہ مجھے سرخ اونٹوں سے زیادہ محبوب ہوتیں، ۱۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ۲۔ خیبر کے موقع پر جھنڈے کا عطا کیا جانا ۳۔ سرگوشی والی آیت کا ان کے حق میں نازل ہونا۔(3) جامع ترمذی میں ان آیات کریمہ کے شان نزول میں ایک حدیث روایت ہے جس کے راوی خود سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''لَمَّا نَزَلَتْ: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ} الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً قَالَ لِي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «مَا تَرَى؟ دِينَارٌ؟» قُلْتُ: لَا يُطِيقُونَهُ، قَالَ: «فَنِصْفُ دِينَارٍ؟» قُلْتُ: لَا يُطِيقُونَهُ. قَالَ: «فَكَمْ؟» قُلْتُ: شَعِيرَةٌ. قَالَ: «إِنَّكَ لَزَهِيدٌ» قَالَ: فَنَزَلَتْ {أَأَشْفَقْتُمْ أَنْ تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَاتٍ} قَالَ: «فَبِي خَفَّفَ اللَّهُ عَنْ هَذِهِ

---

(1) المجادلہ: ۱۲

(2) الکشف والبیان، ابو اسحاق احمد بن ابراہیم، بیروت: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۲۲ھ، ج۹، ص ۲۶۱

(3) الجامع لاحکام القرآن، ج۱۹، ص ۱۲۹

الأُمَّةِ»''[1]

جب یہ آیت کریمہ {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ} نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے مشورہ لیا کہ صدقہ کی کتنی مقدار مقرر کی جائے، ایک دینار؟ میں نے عرض کیا کہ لوگ ایک دینار نہیں دے سکیں گے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا نصف دینار؟ میں نے عرض کیا لوگ نصف بھی نہیں دے سکیں گے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا پھر کتنی مقدار مقرر کی جائے۔ میں نے کہا کہ ایک جو۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم تو بہت کمی کرنے والے ہو۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ ﴿أَأَشْفَقْتُمْ أَنْ تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَاتٍ فَإِذْ لَمْ تَفْعَلُوا وَتَابَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ یعنی کیا تم لوگ اس بات سے ڈر گئے ہو کہ تمہیں تخلیے میں بات کرنے سے پہلے کچھ صدقات دینے ہوں گے؟ پس جب تم ایسا نہیں کر سکے اور اللہ نے بھی تمہارے حال پر عنایت فرمادی تو اب (تمہیں صرف یہ ہدایت ہے کہ) تم نماز قائم رکھو، زکوۃ ادا کرو، اور (صدقِ دل سے) اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور (یاد رکھو کہ) اللہ پوری طرح باخبر ہے ان سب کاموں سے جو تم لوگ کرتے ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پس میرے سبب سے اللہ تعالیٰ نے اس امت سے تخفیف کر دی۔

پس یہ آیات طیبات اللہ تعالیٰ نے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل فرمائیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اصحاب رسول ﷺ کی عقیدت ایمانی اور دین اسلام کی خاطر ایثار و قربانی پر ان کا ذکر بطور استحسان و تعریف ذکر کیا ہے۔ جو جتنا مقام و مرتبہ میں آگے ہے اس کا تذکرہ اتنا ہی زیادہ شاندار کیا گیا ہے۔

(1) سنن الترمذی، کتاب البیوع، باب و من سورہ المجادلہ، حدیث نمبر ۳۳۰۰، ج۵، ص۴۰۶

مبحث دوم: دیگر صحابہ اور درجہ اصحاب کا ذکر

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت زید رضی اللہ عنہ کا ذکر نام لے کر کیا گیا ہے۔ یہ وہ اکیلے صحابی ہیں جن کا ذکر نام لے کر کیا گیا ہے۔ ام المؤمنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی حضرت زید سے جدائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقد کے بارے میں حکم جاری کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے سورہ الاحزاب میں ارشاد فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا﴾(1)

(اور وہ بھی یاد کرو کہ) جب آپ کہہ رہے تھے (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) اس شخص سے جس پر احسان فرمایا تھا اللہ نے اور آپ نے بھی اس پر احسان کیا تھا کہ اپنے عقد زوجیت میں رکھو تم اپنی بیوی کو اور ڈرو اللہ سے اور آپ چھپا رہے تھے اپنے دل میں وہ کچھ جس کو ظاہر کرنا تھا اللہ نے اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ڈر رہے تھے لوگوں سے حالانکہ اللہ زیادہ حقدار ہے اس بات کا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اسی سے ڈرتے پھر جب پوری کر چکا زید اپنی حاجت اس خاتون سے تو (طلاق وعدت کے بعد) ہم نے اس کا نکاح آپ سے کر دیا تاکہ کوئی حرج (اور تنگی) باقی نہ رہے ایمان والوں پر ان کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں جب کہ وہ پوری کر چکیں ان سے اپنی حاجت اور اللہ کے اس حکم نے تو بہر حال ہو کر ہی رہنا ہوتا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کا نام لے کر اس امر کو واضح فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم زید اپنی حاجت پوری کر چکا اور طلاق کا ارادہ رکھتا ہے۔ طلاق کے بعد اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی کے ساتھ آپ کا نکاح زینب کے ساتھ جائز ہے۔ کیونکہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں ہوتا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ہجرت کرنے والے اصحاب کا ذکر بھی کیا ہے۔ وہ لوگ جو صدق دل سے ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے انہوں نے ہجرت کی اور خدا تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا تو ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت ہے۔ سورہ البقرۃ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾(2)

---

(1) الاحزاب: ۳۷

(2) البقرۃ: ۲۱۸

اس کے بر عکس جو لوگ ایمان لائے سچے دل سے اور انہوں نے ہجرت کی اللہ کی رضا کے اور اپنے دین کی خاطر اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں تو یقیناً ایسے لوگ امید رکھ سکتے ہیں اللہ کی رضا اور رحمت کی اور اللہ بڑا ہی بخشنے والا نہایت مہربان ہے

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کریمہ کے تحت لکھتے ہیں کہ:

"یہ آیت حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی شان میں نازل ہوئی ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی پر ایمان لے آئے اور انہوں نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی اور عمرو بن حضرمی کافر کو قتل کیا۔ یقیناً ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی جنت میں جائیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے افعال کو معاف کرنے والا ہے اور ان سے مواخذہ نہیں فرمائے گا۔"[1]

ہجرت کرنے والے حضرت عبد اللہ بن جحش ہوں یا دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہوں۔ ان جملہ ہجرت کرنے والوں نے اسلام کی خاطر گھر بار چھوڑا اور رضائے الٰہی کی خاطر جہاد کیا۔ ان مشقتوں اور مصائب کی گھڑیوں میں یہ نفوس قدسیہ ثابت قدم رہے۔ کہیں بھی ان کے پائے استقلال میں لرزش نہیں آئی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی اس قربانی کو بطور تعریف ذکر کرتے ہوئے ان کے لیے جزا کے طور پر اپنی مغفرت و بخشش کا ذکر فرمایا۔ سورہ البقرۃ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾[2]

پس اگر یہ لوگ اسی طرح کا ایمان لے آئیں جس طرح کا تم لائے ہو، تو یقیناً یہ ہدایت پا گئے، اور اگر یہ (اس کے بعد بھی) پھرے ہی رہے، تو یقیناً یہ ضد (اور ہٹ دھرمی کی دلدل) میں پڑے ہوئے ہیں، سو اللہ کافی ہے آپ کو ان سب کے مقابلے میں، اور وہی ہے سننے والا، جاننے والا۔

یہ خطاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جملہ اصحاب اور جمیع امت کو ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ لوگ ایمان لے آئیں اس طرح جیسے کہ آپ ایمان لائیں ہیں تو وہ ہدایت پا جائیں گے۔ اور فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی طرف سے اس کے دشمنوں کو کافی ہے۔ گویا یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ ہے۔ اسی طرح یہودیوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے نبوت و ایمان کے ملنے پر حسد کیا تھا جس پر اللہ تعالیٰ نے اصحاب رسول کا دفاع کرتے ہوئے ان سے فرمایا کہ کیا تم ان نعمتوں کے ملنے پر حسد کرتے ہو جو کہ اللہ نے اس سے

(1) تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس، ج۱، ص ۳۰

(2) البقرۃ: ۱۳۷

پہلے تمہیں بھی عطا کیں تھیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَى مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا﴾(1)

کیا یہ لوگ حسد کرتے ہیں دوسرے لوگوں پر، ان نعمتوں کی بناء پر جن سے اللہ نے ان کو نوازا ہے اپنے فضل (وکرم) سے، سو (اگر ایسے ہیں تو یہ جلتے رہیں کہ) بیشک ہم سرفراز کر چکے ہیں ابراہیم کی آل (اولاد) کو بھی کتاب وحکمت (کی نعمت) سے، اور ہم ان کو نواز چکے ہیں بہت بڑی بادشاہی سے۔

یہود نے نبی کریم ﷺ سے نبوت ملنے پر حسد کیا تھا اور آپ ﷺ کے اصحاب کے ایمان لانے پر حسد کیا تھا۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ حسد کرنے والا میری نعمتوں کا دشمن ہے، میری قضاء سے ناراض ہے اور میری تقسیم پر خوش نہیں ہے۔ منصور الفقیہ نے کہا: خبردار میرے حاسد کو کہو کہ کیا تو جانتا ہے کہ تو نے کس کی بے ادبی کی ہے؟ تو نے اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے سلسلہ میں اس کی بے ادبی کی ہے کہ جب تو خوش نہیں ہے جو مجھے اس نے عطا کیا ہے۔ اور کہا جاتا ہے حسد پہلا گناہ ہے جس کے ساتھ آسمان میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی گئی اور پہلا گناہ ہے جس کے ساتھ زمین میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی گئی۔ آسمان میں ابلیس نے حضرت آدم سے حسد کیا اور زمین میں قابیل نے ہابیل سے حسد کیا۔(2)

پس حسد معاشرتی برائیوں کی اصل ہے۔ لوگ ایک دوسرے کی کامیابیوں سے خوش نہیں ہوتے اور دل ہی دل میں جلتے ہیں اور حسد کا شکار ہوتے ہیں۔ اس سے وہ کسی کو نقصان نہیں پہنچاتے بلکہ وہ اپنے ایمان کو برباد کرتے ہیں۔ حقیقت میں لوگوں کا دوسروں سے حسد کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ بغاوت وعداوت کے مترادف ہے۔ کیونکہ تقدیر کا خالق اللہ تعالیٰ ہے لوگ خود اپنے مقدر کے فیصلے نہیں کرتے لہذا جو کسی کے پاس نعمت کو دیکھ کر حسد کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی عطا پر اعتراض کرنے والا ہوگا۔ آزمودہ امر ہے کہ وہ لوگ جو دوسروں سے حسد کرتے کرتے زندگی برباد کر دیتے ہیں وہ اپنی ہی پرواز میں کوتاہی کا سبب بنتے ہیں کیونکہ جب وہ لوگوں کی ٹوہ میں لگے رہیں گے تو اپنی اصلاح سے بہت پیچھے رہ جائیں گے۔ سورہ التوبہ میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میری رحمتیں ہیں نبی اور ان کا ساتھ دینے والے اصحاب پر۔ وہ اصحاب جنہوں نے آپ ﷺ پر ایمان لایا اور پھر ہر مشکل میں ساتھ کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان نفوس قدسیہ کے اوصاف ذکر کرتے ہوئے

---

(1) النساء: ۵۴

(2) الجامع لاحکام القرآن، ج۵، ص ۲۵۲

ارشاد فرمایا:

﴿لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَحِيمٌ﴾(1)

بیشک اللہ کی رحمتیں متوجہ ہو گئیں پیغمبر پر، اور ان مہاجرین و انصار پر، جنہوں نے ان (پیغمبر) کا ساتھ دیا، تنگی کی اس گھڑی میں، ان کے بعد کہ ان میں سے کچھ لوگوں کے دل پھرنے لگے تھے، مگر اللہ نے ان پر رحمت فرمادی، بیشک وہ ان پر بڑا ہی شفیق، نہایت ہی مہربان ہے۔

مذکور الذکر آیت طیبہ میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اوصاف بیان فرمائے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے سختی و تنگی کے وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا۔ اس دور میں اسلام پر اس قدر مشکلات تھیں کہ جب سواریوں، زادِ راہ کی کمی تھی۔ اہل اسلام کمزور اور دشمنان دین غلبہ و طاقت میں تھے۔ جب یہ سختی و تنگی کا دور ذرا طویل ہوا تو اہل ایمان میں سے چند افراد تذبذب کا شکار ہوئے تب اللہ تعالیٰ نے ان کے اضطراب کو دور کیا اور ان کے دلوں کو پختگی عطا فرمائی۔ یوں اہل ایمان باوجود سختیوں کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مزید استقامت کے ساتھ چلنے پر آمادہ ہو گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تذبذب اور اضطراب کا شکار ہونا، اس کے بارے میں امام فخر الدین الرازی لکھتے ہیں کہ:

"انسان اپنی زندگی میں سہو، تسامح اور لغزشوں کا شکار ہوتا ہے۔ اور یہ معاملات صغائر کے باب سے متعلق ہوتے ہیں یا ترک افضل و خلاف اولیٰ سے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب رسولؓ نے سفر تبوک میں تکالیف اٹھائیں اور مشقتیں برداشت کیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ فرمان سنایا کہ ان کا یہ تکالیف اٹھانا، مشکلات برداشت کرنا، ان کی لغزشوں یا خلاف اولیٰ کاموں کا کفارہ بن گئیں ہیں۔ اصحاب رسول کا دشوار ترین سفر میں تکلیفیں اٹھانا ان کی توبہ کے قائم مقام ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک میں نے ان کی توبہ قبول کی۔"(2)

لَقَدْ تَابَ اللَّهُ کی یہ خوبصورت وضاحت ہے جو امام فخر الدین رازی نے بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے صغائر یا خلاف اولیٰ کاموں کا کفارہ ان کی استقامت علی المصائب کو بنا دیا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا ان پر انعام ہے جو اس نے قرآن مجید میں ان کی برأت کا اعلان فرمایا ہے۔ سورہ التوبہ ہی میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے درجات اور ان کی عظمت کا ذکر کیا ہے۔ یعنی وہ لوگ جو ایمان لانے میں سبقت اختیار کرنے والے ہیں اور جنہوں نے اللہ کی رضا کے لیے ہجرت

---

(1) التوبہ:۱۱۷

(2) تفسیر الکبیر، ج ۱۶، ص ۱۶۱

کی اور جنہوں نے مہاجرین کی مدد کی، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ راضی ہیں اور اللہ نے ان کے لیے دائمی نعمتیں تیار کر رکھیں ہیں اور ان نعمتوں کا حصول ان کے لیے سب سے بڑی کامیابی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾(1)

اور سب سے پہلے سبقت لے جانے والے مہاجر و انصار اور وہ جنہوں نے ان کی پیروی کی اچھائی (اور اخلاص) کے ساتھ، اللہ راضی ہو گیا ان سب سے، اور یہ راضی ہو گئے اللہ سے، اور اس نے تیار فرما رکھی ہیں ان کے لیے ایسی عظیم الشان جنتیں، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی طرح طرح کی عظیم الشان نہریں، جہاں ان کو ہمیشہ رہنا نصیب ہو گا، یہی ہے سب سے بڑی کامیابی۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے انصار و مہاجرین کی صفات بیان فرمائیں اور ان کو آخرت میں بطور جزا عطا کی جانے والی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ سب سے بڑھ کر جزا جو کہ اصحاب رسول کی باقی امت پر امتیازی شان کی حیثیت اختیار کر گئی وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا کہ میں ان سے راضی ہو گیا ہوں اور وہ مجھ سے راضی ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے قیامت تک آنے والے منکرین عظمت صحابہ کو یہ واضح فرما دیا ہے کہ خبر دار! میں ان سے راضی ہو گیا ہوں۔ اور خدا تعالیٰ کی رضاعت ان کو دائمی کامیابی پر دال ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مہاجرین و انصار میں سے سابقین اوّلین کے مصادیق کون ہیں؟ اس پر علماء کے درج ذیل متعدد اقوال وارد ہیں۔

امام ابن جریر اس بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"عامر اور شعبی سے مروی ہے کہ سابقین اوّلین وہ صحابہ ہیں جو بیعت رضوان کے موقعہ پر حاضر تھے۔ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری، سعید بن مسیب، ابن سیرین اور قتادہ سے روایت ہے کہ یہ وہ صحابہ ہیں جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دونوں قبلوں (بیت اللہ اور بیت المقدس) کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے۔ سو وہ مہاجرین اوّلین میں سے ہیں۔"(2)

شعبی نے کہا: یہ وہ صحابہ ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت رضوان کی تھی اور یہ بیعت حدیبیہ ہے۔ عطاء بن ابی رباح نے کہا: ان سے مراد اہل بدر ہیں کیونکہ ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں سبقت حاصل ہے۔ علامہ ماوردی نے کہا: ان سے مراد وہ صحابہ ہیں جنہوں نے موت اور شہادت میں سبقت حاصل کی اور اللہ تعالیٰ

---

(1) التوبہ: ۱۰۰

(2) جامع البیان فی تاویل القرآن، ج ۱۴، ص ۴۳۴

کے ثواب کی طرف سبقت کی۔ قاضی ابو یعلی نے کہا: ان سے مراد وہ صحابہ ہیں جنہوں نے ہجرت سے پہلے اسلام قبول کیا۔[1]

پس اس امر میں کوئی چیز مانع نہیں ہے کہ ان تمام مذکور اقسام کو اس آیت کریمہ کا مصداق قرار دے دیا جائے۔ کیونکہ یہ جملہ نفوس قدسیہ اللہ تعالیٰ کے نبی کریم اعلیٰ مقام و مرتبہ کی حامل ہیں۔ البتہ بعض کے درجات بعض سے زیادہ ہیں۔ جنہوں نے پہلے اسلام قبول کیا وہ مقام و مرتبہ میں بعد میں اسلام قبول کرنے والوں سے آگے ہیں۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ کی تفسیر کے تحت لکھتے ہیں کہ:

> '' وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ سے مراد، بقیہ امت میں جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو کار ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ان سے مراد سابقین اولین کے علاوہ دوسرے انصار و مہاجرین مراد ہیں۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد قیامت تک جتنے لوگ سابقین اولین کی راہ پر چلنے والے ہوں گے یعنی ایمان لانے میں، ہجرت کرنے میں اور اسلام کی نصرت و اعانت کرنے میں جو سابقین اولین کے نقش قدم پر چلیں گے، وہ سب مراد ہیں۔ ''[2]

پس اس سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ اسلام لانے میں، ہجرت کرنے میں اور راہ خدا میں مال خرچ کرنے میں سبقت لے جانے والے ہیں وہی سابقین اوّلین کے مصداق ہیں۔ جس جس نے اسلام کے ساتھ جتنی زیادہ وفا کی اور اسلام کی خاطر قربانیاں دیں اتنا ہی زیادہ اللہ تعالیٰ نے اسے رفیع درجہ اور اعلیٰ مقام عطا فرمایا اور انہیں اپنی رضاعت کا مژدہ سنایا۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ وہ لوگ جنہوں نے ان سابقین اولین کی پیروی اختیار کی اللہ تعالیٰ ان سے بھی راضی ہوا اور ان کے لیے بھی جنت اور دائمی نعمتوں کی بشارت ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سورہ النساء میں بھی ان اصحاب کا ذکر بطور استحسان و تعریف فرمایا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کیا اور اپنی جانیں قربان کیں اور سفر جہاد کی صعوبتیں برداشت کیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> ﴿ لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ﴾[3]
>
> برابر نہیں ہو سکتے وہ مسلمان جو بغیر کسی عذر کے جہاد سے بیٹھ رہیں، اور وہ جو جہاد کرتے ہیں اللہ کی

---

(1) زاد المسیر فی علم التفسیر، الجوزی، جمال الدین ابو الفرج عبد الرحمن بن علی، بیروت: دار الکتاب العربی، ۱۴۲۲ھ۔ ج ۲، ص ۲۹۱

(2) التفسیر المظہری، ج ۴، ص ۲۸۵

(3) النساء: ۹۵

راہ میں، اپنے مالوں اور اپنی جانوں کیساتھ، اللہ نے فضیلت (اور بزرگی) بخشی ہے (اللہ کی راہ میں) جہاد کرنے والوں کو اپنے مالوں اور جانوں کیساتھ، بیٹھ رہنے والوں پر ایک عظیم الشان درجے کے اعتبار سے، اوریوں ان میں سے ہر ایک سے اللہ نے وعدہ فرما رکھا ہے اچھائی کا اور اللہ نے فضیلت (وبزرگی) بخشی ہے مجاہدین کو بیٹھ رہنے والوں پر ایک اجر عظیم سے۔یعنی عظیم الشان درجوں کے ذریعے اپنے یہاں سے اور بڑی بخشش اور رحمت کے اعتبار سے اور اللہ بڑا ہی بخشنے والا، نہایت ہی مہربان ہے۔

آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان ہستیوں کی برتری وفضیلت بیان فرمائی ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنامال اور جان پیش کی، جہاد کیا اور سفر کی صعوبتیں بھوک، پیاس اور دیگر مشکلات برداشت کیں، دشمنان دین سے لڑے، زخم کھائے اور جانیں قربان کیں۔ پھر مزید ارشاد فرمایا کہ وہ لوگ جنہوں نے یہ ساری قربانیاں دیں اور وہ لوگ جنہوں نے نہ جہاد کیا، نہ راہ حق میں مال پیش کیا اور نہ ہی کوئی تکلیف براشت کی وہ کیسے مساوی ہوسکتے ہیں؟لہذا اصحاب رسول، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر عظیم کے مستحق ہیں۔امام ابو عیسیٰ الترمذی اس آیت کریمہ کے تحت سہل بن سعد کی روایت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''عَن سَهْلُ بْنُ سَعْدٍ، قَالَ: رَأَيْتُ مَرْوَانَ بْنَ الحَكَمِ، جَالِسًا فِي المَسْجِدِ فَأَقْبَلْتُ حَتَّى جَلَسْتُ إِلَى جَنْبِهِ، فَأَخْبَرَنَا أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ، أَخْبَرَهُ " أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمْلَى عَلَيْهِ: {لَا يَسْتَوِي القَاعِدُونَ مِنَ المُؤْمِنِينَ} {وَالمجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ}قَالَ: فَجَاءَهُ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ وَهُوَ يُمِلُّهَا عَلَيَّ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَاللَّهِ لَوْ أَسْتَطِيعُ الجِهَادَ لَجَاهَدْتُ، وَكَانَ رَجُلًا أَعْمَى. فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفَخِذُهُ عَلَى فَخِذِي فَثَقُلَتْ حَتَّى هَمَّتْ تَرُضُّ فَخِذِي، ثُمَّ سُرِّيَ عَنْهُ فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْهِ {غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ}۔'' (1)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے مروان بن حکم کو مسجد میں بیٹھے ہوئے دیکھا تو میں اس کی طرف گیا اور اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔اس نے مجھے بتایا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے مجھ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے لکھوا رہے تھے﴿لَا يَسْتَوِي القَاعِدُونَ مِنَ المُؤْمِنِينَ﴾﴿وَالمجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾۔زید کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکھوا ہی رہے تھے کہ ابن ام مکتومؓ آگئے اور عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر میں جہاد کر سکتا تو ضرور کرتا۔وہ نابینا تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل کی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ران میری ران پر تھی وہ اس قدر بھاری ہوگئی کہ قریب تھا میری ران کچلی جاتی۔اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی﴿غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ﴾

(1) سنن الترمذی، کتاب البیوع، باب ومن سورہ المجادلہ، حدیث نمبر ۳۰۳۲، ج۵، ص۲۴۱

رسول اللہ ﷺ سے حضرت ابن مکتوم کا جہاد کے بارے میں سوال کرنا اور اللہ تعالیٰ کا وحی نازل فرمانا ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ﴾ اس امر کو واضح کرتا ہے کہ خداوند قدوس کی بارگاہ میں مال و جان لٹانے والے اور اعراض کرنے والے یا اسی طرح گھروں میں بیٹھے رہنے والے برابر نہیں ہوسکتے۔ سورہ الفتح میں بھی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کی صفات کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ ﷺ کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے مقابلے میں بڑے سخت اور آپس میں انتہائی مہربان ہیں تم انہیں دیکھو گے تو ان کو رکوع و سجود کرنے والے اور اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی کی تلاش کرنے والا پاؤ گے اور ان کی پیشانی چمک رہی ہو گی سجدوں کے اثرات کی وجہ سے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَى عَلَى سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا﴾[1]

محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے مقابلے میں بڑے سخت اور آپس میں انتہائی مہربان ہیں تم انہیں دیکھو گے تو ان کو رکوع و سجود کرنے والے اور (ہر حال میں) اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی کی تلاش کرتے پاؤ گے ان کی نشانی (چمک رہی ہو گی) ان کے چہروں میں سجدوں کے اثرات کی بناء پر یہ ہے ان کی صفت تورات میں اور ان کی صفت انجیل میں مثل اس کھیت کے جس نے اپنی سوئی نکالی پھر اس نے اس کو قوت دی جس سے وہ موٹی ہو گئی پھر وہ سیدھی کھڑی ہو گئی اپنے تنے پر جو خوشی کا سامان بنتی ہے کاشتکاروں کے لیے تاکہ وہ جلائے ان کے ذریعے کافروں (کے دلوں) کو وعدہ فرمایا ہے اللہ نے ان میں سے ان (خوش نصیبوں) سے جو (صدق دل سے) ایمان لائے اور (اس کے مطابق) انہوں نے کام بھی نیک کئے عظیم الشان بخشش اور بہت بڑے اجر و (ثواب) کا۔

نبی کریم ﷺ کے صحبت یافتگان میں سب سے پہلا مقام حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ہے جو سب سے پہلے مشرف با اسلام ہوئے اور کفار کو دین الہیہ کی طرف دعوت دی اور ان کا وصف یہ ہے کہ وہ کفار کے مقابلے میں تیز ہیں۔ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ میں یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں پر بہت سخت ہیں، دین الٰہی اور نصرت رسول میں بڑے طاقت ور

(1) الفتح:۲۹

ہیں اور آپس میں مسلمانوں کے ساتھ بڑے مہربان ہیں۔اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے ساتھ نرمی اور حسن سلوک کرنے میں بڑھ کر ہیں۔اور جب تم ان کو دیکھو گے تو یہ نمازوں میں بکثرت مصروف ہیں، یہ وصف سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں نمایاں ہے۔اور یہ اصحاب جہاد کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی جزا اور رضا کے طالب رہتے ہیں، یہ خوبی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ میں تھی۔اور عبدیت کے آثار جو ان کے سجدوں کی وجہ سے چہروں پر عیاں تھے ان میں سلمان رضی اللہ عنہ، بلال رضی اللہ عنہ اور صہیب رضی اللہ عنہ شامل ہیں اور ان سب کے یہی اوصاف تورات وانجیل میں بھی ذکر ہیں۔[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں قرآنی اسلوب یہ ہے کہ عموماً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لینے کی بجائے آپ کا ذکر اوصاف و القاب کے ساتھ کیا گیا ہے۔بخلاف دیگر انبیاء علیہم السلام کے کہ ان کو ناموں کے ساتھ مخاطب کیا گیا ہے۔مثلاً یا ابراہیم، یا موسیٰ، یا عیسیٰ۔۔سارے قرآن مجید میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی محمد صلی اللہ علیہ وسلم صراحتاً چار مقامات پر ذکر کیا گیا ہے۔اور جس مقام پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم پاک آیا ہے وہاں کوئی نہ کوئی مصلحت تھی۔سورہ الفتح میں اس مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم پاک ذکر کرنے کی مصلحت کیا تھی؟اس کے بارے میں تفسیر جلالین میں ہے کہ:

> ”صلح حدیبیہ میں جب معاہدہ لکھا جا رہا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم پاک کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ لکھ دیا تو مشرکین نے اس کو مٹا کر محمد بن عبد اللہ لکھوانے پر اصرار کیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم الٰہی اس کو قبول کر لیا۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر رسول اللہ کا لفظ قرآن مجید میں ذکر کیا کہ اب دائمی طور پر قیامت تک یہ لفظ بولا جائے گا۔“[2]

اس فصل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم کا ذکر کیا گیا ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار صحابہ نے شجر اسلام کی آبیاری اپنے خون سے کی۔ہر حالت میں اسلام کی بقا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کمربستہ رہے۔قرآن مجید نے ان نفوس قدسیہ کا ذکر کسی نہ کسی طرح سے بیان کیا ہے۔دعوت و ارشاد کا کام ہو یا اسلام دشمنوں کے خلاف علم جہاد بلند کرنے کی بات ہو، اللہ تعالیٰ کے نبی کریم مال و متاع کی قربانی ہو یا رضائے الٰہی کے لیے گھر بار چھوڑنا ہو، غرض کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہر طرح سے اسلام اور پیغمبر اسلام کی خدمت کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حوصلہ افزائی کے لیے ان کے عمدہ اعمال پر جابجا بطور استحسان و تعریف آیات نازل فرمائیں ہیں۔ان حضرات کو جو رضائے الٰہی کا سرٹیفیکیٹ ملا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ میں ان سے راضی ہوں اور یہ مجھ سے راضی ہیں، اس امتیازی عظمت و شان میں کوئی بھی ان کے ساتھ شریک نہیں ہے۔اسی لیے علماء نے لکھا ہے کہ انبیاء علیہم

---

(1) تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس، ج۱، ص ۴۳۴

(2) تفسیر جلالین، ج۱، ص ۶۸۴

السلام کے بعد کائنات میں سب سے افضل ترین ہستیاں جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ اور ان میں سے بھی خلفاء راشدہ سب سے افضل پھر عشرہ مبشرہ میں سے باقی چھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور پھر بدری صحابہ، پھر احد میں شریک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، پھر صلح حدیبیہ میں بیعت کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور پھر فتح مکہ کے بعد ایمان لانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم افضل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان نفوس قدسیہ کے نقش قدم پر چلنے کی سعادت عطا فرمائے۔ اٰمین

باب چہارم: قرآن حکیم اور نبی کریم ﷺ کے غزوات

فصل اول: غزوہ بدر

فصل دوم: غزوہ احد

فصل سوم: غزوہ احزاب

فصل چہارم: فتح مکہ و دیگر غزوات

فصل اول: غزوہ بدر

اسباب غزوات

نبی کریم ﷺ کی بعث سے قبل کا زمانہ عالم کفر کی اخلاقی ابتری کے عروج کا زمانہ تھا۔ ظلمت، جہالت، اور بربریت کا دور دورہ تھا۔ قتل وغارت گری، ظلم و فساد، جملہ حقوق کی پامالی اور انسانیت کی تذلیل اپنے کمالِ جوبن پر تھی۔ غرضیکہ سارا عرب و عجم جرم وعصیان کی روش میں بہہ گیا تھا۔ کمزور اور غلام افراد ظالموں، کافروں اور فاسدوں کی ظلم و ستم کا تختہ مشق بن چکے تھے۔ عرب و عجم کے اس اخلاقی ابتری کو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾(1)

ظاہر ہو گیا (اور پھیل گیا) فساد خشکی اور تری میں لوگوں کے ان اعمال کی وجہ سے جو وہ خود اپنے ہاتھوں کرتے ہیں تاکہ اللہ ان کو چکھائے ان کے اعمال کا کچھ مزہ تاکہ یہ لوگ لوٹ آئیں۔

جب آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوئی اور آپ ﷺ نے اصلاح احوال کا بیڑہ اٹھایا۔ لوگوں کو ظلمت و جبر و استبداد سے باہر نکالنے کی ٹھان لی جس سے چند افراد حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو عالم کفر میں کہرام بپا ہو گیا۔ ان کے ظلمت کدوں میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ وہ اسلام کی حقانیت سے اس قدر خائف ہوئے کے ان کی ساری دشمنیاں اطراف سے ہٹ کر ایک طرف پختہ ہو گئیں۔ ان تمام تر سختیوں کا رخ اہل اسلام کی طرف ہو گیا۔ وہ قبائل جو صدیوں سے حریف تھے اب شیر و شکر ہو کر مسلمانوں کے خلاف سر گرمِ عمل ہو گئے۔ کمزور اور غریب مسلمانوں کا قتل عام ہوا۔ مسلمانوں کو زدو کوب کیا گیا۔ عبادات میں خلل ڈالنے کے لیے طرح طرح کی اذیتیں دی گئیں جس کی وجہ سے ابتدا میں مسلمانوں نے دو دفعہ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ مسلمانوں کرب ناک حالت سے گزرنا پڑا۔ خود نبی کریم ﷺ کو بے حد ظلم ستم سہنا پڑا۔ حتی کہ تین سال تک شعب ابی طالب کی گھاٹی میں آپ ﷺ کو قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں کہ جس عرصہ میں ہر ممکن آپ ﷺ اور آپ کے خاندان کا معاشی استحصال کیا گیا۔ جب کفار و مشرکین کے ظلم و ستم کی داستان عروج کو پہنچی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کو مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کا حکم دے دیا۔ مدینہ میں پہنچ کر مسلمانوں کو ابھی تھوڑا ہی سکون نصیب ہوا تھا کہ وہاں بھی کفار و مشرکین نے پیچھا نہ چھوڑا، اور لشکر جرار لے کر قتال کرنے چل پڑے۔ اب مسلمان بھی قدرے آزادی سے جی رہے تھے مگر جیسے ہی انہیں کفار کے حملے کی خبر ملی تو ان نفوس قدسیہ کو بارگاہِ ایزدی سے اذن جہاد مل گیا۔ ارشاد فرمایا اب ظلم کے خلاف علم جہاد بلند کرو اور جو لوگ تم پر ظلم کر رہے ہیں ان کا مقابلہ کرو۔

---

(1) الروم: ۴۱

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾(1)

اور لڑو تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو تم سے لڑتے ہیں، مگر زیادتی نہ کرنا کہ بیشک اللہ پسند نہیں فرماتا زیادتی کرنے والوں کو۔

مسلمانوں پر جب ظلم کی انتہا ہو گئی اور ان کو دیارِ غیر میں بھی سکون نہ لینے دیا گیا تو تب انہیں جہاد کا حکم ملا۔ ایک اور آیت کریمہ میں بھی اذن جہاد کا اسی طرح سے ذکر ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ﴾(2)

بلاشبہ مہینوں کی تعداد اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہے اللہ کی کتاب میں، (اس دن سے) جس دن کہ پیدا فرمایا اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو، ان میں سے چار مہینے (عزت و حرمت) والے ہیں، یہی ہے سیدھا دین، پس تم لوگ مت ظلم کرو، ان مہینوں کے بارے میں اپنی جانوں پر، اور لڑو تم مشرکوں سے مل کر، اور یقین جانو کہ اللہ پرہیز گاروں کے ساتھ ہے۔

آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو مشرکین کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور ارشاد فرمایا کہ تم جب مشرکین کے خلاف لڑو گے تو اللہ اہل ایمان کے ساتھ ہو گا۔ اسی طرح سورہ الحج کے اندر بھی اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ کے ساتھ اہلِ ایمان کو ملتِ کفر کے خلاف اذنِ قتال عطا فرمایا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَى نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ﴾(3)

جہاد کی اجازت دے دی گئی ان ستم رسیدہ لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جا رہی ہے اس وجہ سے کہ ان پر ظلم کیا گیا اور بیشک اللہ ان کی مدد پر بہر حال پوری قدرت رکھتا ہے۔ جن کو نکال باہر کیا گیا ان کے گھروں سے بغیر کسی حق کے ان کا کوئی جرم و قصور نہیں سوائے اس کے کہ وہ

---

(1) البقرة: ۱۹۰

(2) التوبہ: ۳۶

(3) الحج: ۳۹،۴۰

کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اگر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت وعنایت سے لوگوں کو ایک دوسرے سے ہٹاتا اور اس طرح ان کا زور توڑتا نہ رہتا تو مسمار کر دی جاتیں تمام خانقاہیں گرجے، کلیسے، اور وہ مسجدیں جن میں بکثرت نام لیا جاتا ہے اللہ وحدہ لاشریک کا اور یقیناً اللہ مدد فرماتا ہے اس کی جو مدد کرتا ہے اس کے دین کی بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑا ہی قوت والا نہایت ہی زبردست ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کفار کے خلاف جہاد کی اجازت مانگی کیونکہ کفار نے مکہ میں انہیں بہت اذیتیں پہنچائیں تھیں تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیعت عقبہ سے پہلے جنگ کی اجازت نہیں دی تھی اور نہ کافروں کے خون مسلمانوں کے لیے حلال تھے۔ اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرنے، اذیت پر صبر کرنے، جاہل لوگوں سے درگزر کرنے کا دس سال تک حکم دیا گیا تاکہ کفار پر حجت قائم ہو جائے اور وعدہ بھی وفا ہو جائے۔ کفار کی طرف سے جب ظلم کی انتہا ہو گئی تو پھر اللہ تعالیٰ نے مومنین کو مشرکین سے لڑنے کا حکم دیا اور ان کے خون حلال کر دیے۔(1)

مذکورہ تمہید سے معترضین کا منہ بند ہو جاتا ہے جو اسلام پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے زیادتیاں شروع کیں اور قتل وغارت کی۔ حالانکہ حقیقت آشکار ہے کہ جب ظلم وبربریت انتہا کو پہنچی تو اللہ تعالیٰ نے اذن جہاد عطا فرمایا۔ کہ اب تم ظلم کے خلاف مردانہ وار مقابلہ کرو اللہ تعالیٰ بھی تمہاری نصرت واعانت فرمائے گا۔ اسی اذن سے سلسلہ غزوات شروع ہوا تو مسلمانوں نے کفار کے خلاف لڑنا شروع کر دیا۔ اور جہاں بھی مسلمان گئے اللہ تعالیٰ نے ان کی ضرور مدد فرمائی۔ تو گویا مسلمانوں نے اپنے دفاع (self-defense) کے لیے علمِ جہاد بلند کیا۔ نہ کہ از خود حملے کر کے کفار کا قتل عام کیا۔ اس باب میں ان غزوات کا ذکر ہے جن کا تذکرہ قرآن مجید میں کسی نہ کسی حوالے سے بیان ہے۔ اور ان غزوات کو ان کی فصول کے تحت ذکر کیا گیا ہے جو کہ درج ذیل ہے: اسلام کے اس عظیم معرکہ کو بدر کے نام سے کیوں منسوب کیا گیا ہے؟ اس کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ اس کے بارے میں مؤرخین کی درج ذیل متعدد آراء ہیں جو بیان کی گئی ہیں:

بدر کی وجہ تسمیہ:

اس غزوہ کو غزوہ بدر اس لیے کہتے ہیں کہ بدر ایک بستی کا نام ہے جو بدر بن مخلد بن نضر بن کنانہ سے منسوب ہے۔ اس نے یہاں پڑاؤ کیا تھا۔ یا یہ بستی بدر بن حارث سے منسوب ہے جس نے یہاں کنواں کھودوایا تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ وہاں ایک بوڑھا شخص بدر نامی ایک طویل مدت تک وہاں رہا ہے اس لیے اس بستی کو بدر سے منسوب کیا گیا ہے۔ یا اس کو بدر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا پانی اتنا صاف وشفاف تھا کہ اس میں بدر کامل نظر آتا تھا۔ علامہ ابو عبد

---

(1) الجامع لاحکام القرآن، ج ۱۲، ص ۶۸

اللہ یاقوت بن عبد اللہ معجم البلدان میں مزید لکھتے ہیں کہ:

> "بدر ایک گاؤں کا نام ہے جہاں ہر سال میلہ لگتا تھا، بدر مدینہ طیبہ تقریبا70 میل(110 کلو میٹر) کی مسافت پر واقع ہے۔ بدر کا لغوی معنی ہے "بھرنا" چودھویں رات کے چاند کو بدر کہا جاتا ہے کیونکہ وہ مکمل اور بھرا ہوا ہوتا ہے۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک وادی میں مشہور کنواں ہے جسے بدر کہتے ہیں۔"[(1)]

مسلمانوں اور مشرکین مکہ کے درمیان یہ معرکہ کیوں پیش آیا؟ اس کے اصل محرکات کیا تھے اور کن اسباب کی بنا پر یہ غزوہ پیش آیا۔ اس کے لیے غزوہ بدر کے درج ذیل اسباب ذکر کئے گئے ہیں:

اسباب غزوہ بدر

رسول اللہ ﷺ نے جب اعلان نبوت فرمایا اور کفر وشرک کے فرسودہ عقائد کی نفی کی تو سارا عالمِ کفر آپ ﷺ کے خلاف کھڑا ہوا اور سازشوں اور شرانگیزیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ کفار نے کہیں بھی مسلمانوں کو اور رسول اللہ ﷺ کو تکلیف پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تپتی ہوئی ریت پر لٹایا گیا، دہکتے ہوئے انگاروں پر دھکیلا گیا، بعض کو شہید کیا گیا اور یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کے قتل کی سازشیں تیار کی گئیں۔ شعب ابی طالب کی گھاٹی میں پیغمبر اسلام ﷺ اور آپ کے اہل خانہ کا معاشرتی استحصال کیا گیا۔ اتنا کچھ کر کے بھی دشمنان دین کی انتقامی کاروائیاں نہ رکیں اور سلسلہ در سلسلہ نفرت کا لاوا آگے بڑھتا گیا۔ بعثت کے ساتھ ہی شروع ہونے والی عداوت جو پندرہ سال تک اسی طرح جاری رہی اور پھر نتیجۃً مدینہ طیبہ ہجرت کے دوسرے سال معرکہ بدر کی صورت میں بہت بڑا تصادم ہوا۔ جس طرح کے ذکر کیا گیا ہے کہ کفار کے سینوں میں آتش نفرت بڑی مدت سے بھڑکتی چلی آرہی تھی جو غزوہ بدر کی صورت میں ابھر کر سامنے آئیں۔ یہ جنگ اچانک نہیں ہوئی بلکہ اس کے پس منظر میں چند اسباب ہیں جن کی بنا پر معرکہ رونما ہوا۔

غزوہ بد کے چند اہم اسباب درج ذیل ہیں:

ا۔ سب سے بنیادی سبب یہی تھا کہ اسلام کی ابتداء سے ہی جب کفار ومشرکین کو دعوت حق دی گئی تو انہوں نے انکار کیا اور کھل کر بغاوت پر اتر آئے پس اسی دن سے آغاز ہوگیا۔ نفرتوں کا غیر متناہی سلسلہ ایسا شروع ہوا کہ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف مکروہ سازشوں کے جال بُنے جانے لگے۔ غرض کہ کوئی ایسا حربہ نہ تھا جسے مسلمانوں کے خلاف نہ آزمایا گیا ہو۔ ہر طرف سے فتنے زوروں پر تھے اور مکمل طور پر مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کیا جانے لگا۔ دین اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے کفار اپنی عسکری قوت کا مجتمع کرنے لگے۔ شب ہجرت

---

(1) معجم البلدان، الرومی، شہاب الدین ابو عبد اللہ یاقوت الرومی، بیروت: دار صادر، ۱۹۹۵ء، ج ا، ص ۳۵۷

رسول اللہ ﷺ کے قتل کے ناپاک ارادے سے کاشانہ نبوت کا محاصرہ تنگ کیا گیا۔ کسی طرح سے اور کسی قیمت پر بھی مشرکین یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھے کہ اسلام کو فروغ ملے اور اسلامی تحریک اپنے قدم جما سکے۔ اسی تناظر میں حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے مسلمانوں کا پیچھا کرتے کرتے کفار نجاشی بادشاہ کے دربار میں بھی پہنچ گئے اور ان کی واپسی کا مطالبہ کرنے لگے۔ جب مسلمان اللہ تعالیٰ کے اذن سے مدینہ ہجرت کر کے چلے آئے تو پھر انہیں یہاں بھی چین سے جینے نہ دیا۔ اور ایک لشکر جرار تیار کر کے ہجرت کے دوسرے سال ہی حملہ کر دیا۔

۲۔ مسلمان مدینہ طیبہ جا کر قدرے مطمئن ہوئے اور سکون سے اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور اپنی معیشت کو مستحکم کرنے لگے۔ ادھر مکہ مکرمہ میں مشرکین کو یہ ہضم نہ ہوا اور ان کی اسلام دشمنی جنون اور دیوانگی کی حد تک پہنچ گئی۔ کفار بوکھلاہٹ کا شکار ہو کر جنگی تیاریوں میں مشغول ہو گئے۔ مشرکین زیادہ تر تجارت کے پیشہ سے منسلک تھے۔ وہ اپنی آمدنی کو مخصوص حصہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لیے جمع کرنے لگے۔ اور جو رقم انہوں نے تجارت سے مخصوص کر کے جنگ کے لیے جمع کی اس سے ہتھیار اور دیگر جنگی سامان خریدنے لگے۔[1]

۳۔ کفار کی جنگی تیاریوں کی خبر مدینہ میں پہنچتے ہی رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو چوکنا رہنے کا حکم دے دیا اور مسلمان مشرکین کے متوقع حملہ کا جواب دینے کے لیے دفاعی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ نے روایتی انداز اپنانے کی بجائے نئے انداز سے کاروائی کا حکم دیا اور نگران گشتی دستوں کی تشکیل کر کے دشمن کی نقل و حرکت پر توجہ مرکوز کی۔ آپ ﷺ نے مدینہ طیبہ کے داخلی استحکام کسی بھی بیرونی حملہ کے امکانات کے تحت وہاں کے غیر مسلموں سے معاہدہ کیا۔ اس طرح مسلمان اپنی دفاعی پوزیشن مضبوط کرنے میں لگ گئے۔

۴۔ جن گشتی دستوں کو رسول اللہ ﷺ نے تشکیل دیا تھا ان میں سے ایک کے امیر حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ ﷺ نے ہجرت کے دوسرے سال رجب کے مہینے میں آٹھ آدمیوں کے ہمراہ ان کو مکہ اور طائف کے درمیان دشمن کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کے لیے روانہ فرمایا۔ نخلہ کے مقام پر مشرکین کے ایک قافلہ کے ساتھ تصادم میں عمرو بن حضرمی مارا گیا، کفار کے دو آدمی قیدی ہوئے اور کفار کا مال مسلمانوں نے قبضہ میں لے لیا۔ آپ ﷺ کو جب اس امر کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ ناراض ہوئے۔ کیونکہ گشتی دستے کو لڑائی کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ مشرکین حضرمی کے قتل سے بہت مشتعل ہوئے اور اس واقعہ کو انہوں نے بہت ہوا دی کیونکہ یہ قتل حرمت والے مہینہ میں ہوا تھا۔ مشرکین مکہ نے پروپیگنڈا تیز کر دیا اور قرب و جوار کے قبائل کو مسلمانوں کے خلاف تیزی سے جمع کرنا شروع کر دیا۔ کفار اس پروپیگنڈے میں جھوٹ کے پلندے اور بہتان تراشیوں کے انبار تخلیق کر رہے تھے۔ جوں جوں مشرکین کی جنگی تیاریاں زور پکڑ رہی تھیں توں توں مسلمانوں کے سینوں میں بھی جذبہ شہادت مچلنے

---

(1) سیرۃ الرسول، القادری، ڈاکٹر محمد طاہر، لاہور: منہاج القرآن پبلیکیشنز، اشاعت نہم ۲۰۰۸، ج ۸، ص ۲۰۷

لگا۔[1]

۵۔مکہ سے آکر مدینہ کی چراگاہ پر کرز بن جابر نے حملہ کیا اور مویشی اپنے ساتھ بھگالے گیا۔ بنیادی طور پر اس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان خوفزدہ ہوجائیں کہ ہم ان کے گھر میں بھی آکر مسلمانوں کو مار سکتے ہیں۔ مگر مسلمان جن کے سینے جذبہ شہادت سے سرشار تھے وہ کفار کی اس اشتعال انگیز کاروائی سے کیسے خوفزدہ ہوسکتے تھے۔[2]

٦۔ کفار مکہ کے قافلے حفاظتی تدابیر کے ساتھ اکثر تجارتی سامان لے کر مکہ اور شام کے درمیان رواں دواں رہتے۔ آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ ابو سفیان بن حرب ایک بہت بڑا قافلہ لے کر شام کی طرف جارہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ دو سو مجاہدین لے کر اس کے تعاقب میں نکلے لیکن وہاں پہنچنے سے پہلے ہی قافلہ جاچکا تھا۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو مامور کیا گیا کہ وہ دشمن کی واپسی پر نظر رکھیں۔ ادھر ابوسفیان نے اپنے جاسوسوں کے ذریعہ مکہ میں سرداروں کو اس امر کی اطلاع دی اور فوری مدد چاہی۔ کفار مکہ جو کہ پہلے ہی مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے تیار تھے اس لیے انہوں نے ہنگامی بنیادوں پر لشکر ترتیب دیا۔ اور ایک لشکر جرار تیار کر کے مدینہ کی طرف چل پڑے۔ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ بدر کے موقعہ پر ہنگامی اجلاس بلاکر ساری صورت حال صحابہ کے سامنے رکھی تاکہ کوئی متفقہ لائحہ عمل طے ہوسکے۔ مسلمانوں سے تین، چار گناہ زیادہ کفار کی تعداد تھی۔ اشیائے خوردونوش سے لے کر سامان حرب تک ہر چیز کفا کے پاس وافر تھی۔ جبکہ مسلمان دشمن کے مقابلے میں ہر چیز میں کم تھے۔ صرف حق اور جذبہ ایمانی واور شہادت کی آرزو قابل دیدنی تھی۔ اس لیے مسلمانوں نے ملکر یہ نقطہ نظر سامنے لایا کہ ہمیں اپنے رب کی مدد و نصرت پر کامل یقین ہے۔ مہاجرین کی طرف سے کفار کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی تجاویز پیش کی گئیں۔ انصار بھی پوری طرح شانہ بشانہ لڑنے کے لیے تیار تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب اپنے اصحاب کے روح پرور کلمات سماعت فرمائے اور ان کے جذبہ شہادت کو دیکھا تو چہرہ انور پر خوشی کے آثار ہویدا ہوئے۔ اور پھر مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان یہ معرکہ حق و باطل ہوا۔ چشم فلک نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ساتھ جس نصرت و اعانت کا وعدہ کیا تھا وہ پورا ہوا۔[3]

---

(1) السیرۃ النبویہ، ج۳، ص۱۴۸

(2) سیرۃ الرسول، ج۸، ص۲۱۳

(3) البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ابوالفداء اسماعیل بن عمر، بیروت: داراحیاء التراث، ۱۴۰۸ھ، ج۳، ص۳۱۴

غزوہ بدر کے بارے میں قرآنی آیات کی تفصیل

غزوہ بدر ۱۷ رمضان المبارک ۲ھ میں پیش آیا۔اس کی تفصیل قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے۔یہ غزوہ اسلام و کفر کا پہلا بڑا معرکہ ہے جو کہ بدر کے مقام پر ہوا۔اس غزوہ کا ذکر اشارۃً یا کنایۃً نہیں بلکہ صراحتاً اسم بدر کے ساتھ قرآن مجید میں سورہ اٰل عمران کے اندر بیان ہوا ہے کہ اے اہل ایمان اللہ تعالیٰ بدر میں تمہاری مدد فرما چکا ہے درآں حالیکہ مسلمان کمزور تھے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾[1]

اور یقیناً اللہ مدد فرما چکا ہے تمہاری (اس سے پہلے) بدر کے مقام پر، جب کہ تم کمزور تھے سو ڈرتے (اور بچتے) رہو تم لوگ اللہ (کی ناراضگی و نافرمانی) سے، تاکہ تم (اس کے) شکر گزار بن سکو۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کی کمزوری کا ذکر کیا ہے کہ تمہاری مدد کی جس وقت تم کمزور تھے۔مسلمانوں کی اس کمزوری کا تذکرہ اجمالاً قرآن مجید میں ہے جبکہ مفصلاً کتب احادیث و سیر میں موجود ہے کہ تین سو پانچ یا آٹھ افراد پر مشتمل مسلمانوں کا لشکر تھا۔ جن کے پاس دو سواریاں تھیں۔ سامان حرب بھی بالکل نہ ہونے کے برابر تھا۔ اس کے برعکس لشکر دشمنانِ دیں بڑے جدید سامان حرب سے لیس تھا۔اور وہ ہر طرح کی آسائش لے کر چلے تھے،ان کی تعداد نو سو پچاس تھی۔ مسلمانوں میں چند لوگ مصلحت کے پیشِ نظر قتال سے اجتناب کرنا چاہتے تھے مگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اصحاب محمد رضی اللہ عنہم کو تذبذب کے باوجود میدان میں لے کر آیا اور پھر قرآن مجید میں اس امر کی طرف اشارہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو حق کے ساتھ بدر کے لیے نکالا جب کہ اہل ایمان میں سے بعض کو یہ امر پسند نہ تھا۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ﴾[2]

جیسا کہ آپ کو نکالا آپ کے رب نے آپ کے گھر سے حق کے ساتھ،(بدر کے معرکہ حق و باطل کی طرف) جب کہ ایمان والوں کے ایک گروہ کو یہ امر سخت ناگوار گزر رہا تھا۔

چند افراد کا اعتراض کرنا اس لیے تھا کہ وہ اپنے ضعف اور قلتِ سامان حرب و سامان خور دونوش سے بخوبی واقف تھے۔ان کا نظریہ یہ تھا کہ اس کمزوری کی حالت میں جنگ تو خود کشی کے مترادف ہے۔کیونکہ جب کچھ کھانے کو نہیں ہے تو ہم کس طرح سے اپنی طاقت کو بحال رکھ سکتے ہیں اور جب بدن میں قوت نہیں ہوگی تو ہم کس طرح ایک طاقت ور فوج سے مقابلہ کریں گے جو ہم سے تعداد میں بھی تین گناہ ہے۔اس مشکل ترین صورت حال میں وہ

---

(1) اٰل عمران:۱۲۳

(2) الانفال:۵

اپنے کریم آقا علیہ اسلام سے اپنے خدشات بھی بیان کر رہے تھے۔ ان کے اس سلسلہ گفتگو پر اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا:

﴿أُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ﴾(1)

یہی لوگ ہیں سچے اور حقیقی ایمان والے، ان کے لیے بڑے درجے ہیں ان کے رب کے یہاں اور عظیم الشان بخشش بھی اور عزت کی روزی بھی (اور تقسیم غنیمت کا یہ معاملہ ویسے ہی مبنی بر حق ہے)

ان خطرات اور خدشات کے باوجود مسلمانوں کی اکثریت رائے یہ تھی کہ اے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ جس طرح آپ حکم دیں ہم سب کچھ کر گزرنے کو تیار ہیں۔ جب جنگ کا فیصلہ ہو چکا تو ابھی یہ احتمال اور خیال باقی تھا کہ ممکن ہے کہ قریش کا جو قافلہ سامان تجارت لے کر شام سے واپس ہو رہا ہو اس سے مقابلہ ہو اور ہم مالِ غنیمت لے کر واپس آجائیں۔ یا اس لشکر سے مقابلہ ہو جو مکمل سامان حرب سے لیس ہو کر آیا ہو۔ پہلی صورت یقیناً آسان تھی۔ اس آسانی کی طرف متوجہ ہونے پر بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنی حکمت سے آگاہ فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ ۝ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ﴾(2)

اور (وہ بھی یاد کرو کہ) جب اللہ وعدہ فرما رہا تھا تم سے ان دونوں گروہوں میں سے ایک کے بارے میں، کہ وہ یقیناً تمہارے لیے ہے، اور تم یہ چاہتے تھے کہ مسلح گروہ (تجارتی قافلہ) تمہیں مل جائے، مگر اللہ یہ چاہتا تھا کہ حق کو حق کر کے دکھائے اپنے ارشادات (وفرامین) کے ذریعے، اور جڑ کاٹ کر رکھ دے ایسے کافروں کی۔ تاکہ وہ (عملاً اور عیاناً) حق کا حق ہونا ثابت (وواضح) فرما دے، اور باطل کا باطل ہونا، اگرچہ یہ ناگوار ہو مجرموں کو۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان دونوں صورتوں میں سے دوسری صورت زیادہ کامیابی کی تھی کہ لشکر کفار سے مقابلہ ہو اور ان کو شکست فاش ہو اور مسلمان غالب ہوں اور کافروں کا مال غنیمت بھی مسلمانوں کے ہاتھ آجائے اور عالم کفر پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ جائے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر کرم فرمایا ان کی مدد کی اور کفار کو ذلیل و

---

(1) الانفال: ۴

(2) ایضاً: ۷، ۸

رسوا کیا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اس مقام پر لکھتے ہیں کہ:

”عروہ بیان کرتے ہیں کہ ابو سفیان قریش کے چند سواروں کے ساتھ شام سے واپسی پر ساحل سمندر کے کنارے آرہا تھا۔ نبی کریم ﷺ کو جب اس قافلہ کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو بلایا اور ان کو بتایا کہ اس قافلہ میں بہت مال اور سامان ہے۔ اور اس کے محافظوں کی تعداد بہت کم ہے تو صحابہ کرام مدینہ سے باہر نکلے اس ارادے سے کہ وہ ابو سفیان کے قافلہ پر حملہ کریں اور صرف مال غنیمت حاصل کریں۔ مسلمانوں کا خیال تھا کہ بہت بڑی جنگ نہیں ہو گی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم چاہتے تھے کہ غیر مسلح تجارتی گروہ تمہارے ہاتھ لگے۔“(1)

لشکر اسلام جب بدر میں پہنچا تو اصحابِ رسول ﷺ نے کفار کی تعداد اور حربی تیاری دیکھ کر اللہ تعالیٰ جلیل وقدیر کی بارگاہ میں فریاد کی۔ صورت حال یہ تھی کہ ایک طرف اہل باطل کا گھمنڈ اور دوسری طرف اہل حق کا عجز تھا۔ اہل باطل کو زعم تھا اپنے عسکری قوت اور سامان حرب کی فراوانی پر جبکہ مسلمانوں کا بھروسہ صرف اپنے رب پر تھا۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے بھی رات بھر حالت سجدہ میں رہ کر اللہ تعالیٰ کے نبی کریم التجا کی، اے مولیٰ! اگر آج یہ مٹھی بھر تیرے بندے مارے گئے تو پھر قیامت تک تیرے دین کا نام لیوا کوئی باقی نہ رہے گا۔ امام مسلم نے رسول اللہ ﷺ کی اس دعا کو روایت کیا ہے۔ سیدنا عمر بن خطابؓ سے مروی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ دشمن کی تعداد ایک ہزار ہے جبکہ مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ ہے تو آپ ﷺ نے قبلہ رخ ہو کر اللہ تعالیٰ کے نبی کریم دعا مانگی۔ جس کے الفاظ یہ ہیں:

”اللهُمَّ أَنْجِزْ لِي مَا وَعَدْتَنِي،اللهُمَّ آتِ مَا وَعَدْتَنِي،اللهُمَّ إِنْ تُهْلِكْ هَذِهِ الْعِصَابَةَ مِنْ أَهْلِ الْإِسْلَامِ،لَا تُعْبَدْ فِي الْأَرْضِ“(2)

اے میرے اللہ! تو اپنا وعدہ پورا فرما، اے اللہ! اگر اہل اسلام کا یہ گروہ ہلاک ہو گیا تو قیامت تک زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ ہو گا،

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جب اس قدر استغراق سے نبی کریم ﷺ کو دعا مانگتے دیکھا تو ان سے رہا نہ گیا عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ! بس کیجیے آپ کا رب آپ کو مایوس نہیں کرے گا۔ اس کے بعد آپ ﷺ باہر

---

(1) جامع البیان فی تاویل القرآن، ج۱۱، ص۵۱

(2) الجامع لاحکام القرآن، ج۷، ص۳۶۹

تشریف لائے اور اہل ایمان کو فرشتوں کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی آئی ہوئی نصرت کی بشارت سنائی۔ اللہ تعالیٰ نے جماعت المسلمین پر کرم فرمایا اور انکی فریاد رائیگاں نہ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کے لیے فرشتوں کا نزول فرمایا جس کا ذکر سورہ انفال کی اس آیت کریمہ میں ہے:

﴿إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ [1]

یاد کرو کہ جب تم لوگ فریاد کر رہے تھے اپنے رب سے، تو اس نے تمہاری فریاد کے جواب میں فرمایا کہ میں یقینی طور پر تمہاری مدد کے لیے اتارنے والا ہوں ایک ہزار فرشتے پے در پے اترنے والے۔ اور اس (امداد) کو بھی اللہ نے نہیں بنایا مگر محض ایک خوشخبری تم لوگوں کے لیے، اور تاکہ مطمئن ہو جائیں اس سے تمہارے دل، ورنہ مدد تو (حقیقت میں) اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے، بیشک اللہ ہی بڑا زبردست، نہایت ہی حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حق و باطل کے اس عظیم معرکہ کے دن اپنے وعدہ کے مطابق اہل ایمان کی مدد فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بدر والی رات جاگ کر گریہ وزاری کے ساتھ گزار دی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے پے در پے فرشتوں کو نازل فرما کر اہل ایمان کی نصرت فرمائی۔ امام احمدؒ اپنی مسند میں ان آیات کے شان نزول کے بارے میں جو لکھا ہے اس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بدر والے دن نبی کریم ﷺ نے اپنے اصحاب کی طرف نظر ڈالی، جن کی تعداد تین سو سے کچھ اوپر تھی۔ پھر مشرکین کی طرف دیکھا کہ جن کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ تھی۔ اسی وقت رسول اللہ ﷺ قبلہ کی جانب متوجہ ہوئے درآنحال کہ آپ ﷺ چادر اوڑھے ہوئے تھے اور تہمند باندھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا شروع کی کہ یاالٰہی جو تیرا وعدہ ہے تو اسے اب پورا فرما۔ اے میرے اللہ جس طرح وعدہ تو نے مجھ سے کیا ہے تو اسی طرح فرما۔ اے اللہ اگر اہلِ اسلام کی یہ مختصر سی جماعت ہلاک ہو گئی تو پھر کبھی بھی تیری توحید کے ساتھ زمین پر عبادت نہ ہو گی۔ پس یونہی نبی کریم ﷺ دعا و فریاد میں لگے رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ کی چادر مبارک شانہ اقدس سے نیچے سرک گئی۔ اسی وقت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور آپ ﷺ کی چادر مبارک اُٹھا کر آپ ﷺ کے مبارک جسم پر ڈال دی۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کو وہاں سے ہٹانے لگے اور عرض کرنے لگے کہ یارسول اللہ ﷺ اب بس کیجیے۔ آپ ﷺ نے اپنے رب سے جی بھر کر دعا مانگی ہے۔

---

(1) الانفال: ۹،۱۰

آپ کا رب اپنے وعدے کو ضرور پورا فرمائے گا۔ اسی وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔[1]

نزول ملائیکہ کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے پورا فرمایا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خود اس نصرت و اعانت کا مشاہدہ بھی کیا اور چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو کچھ دیکھا اس کا ذکر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ تیرے لیے آسمان سے اتری ہوئی امداد تھی۔ امام مسلمؒ نے بدر کے دن نزولِ ملائیکہ کے حوالے حدیث پاک نقل کی ہے، لکھتے ہیں۔

«عن ابْنُ عَبَّاسٍ،قَالَ: بَيْنَمَا رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ يَوْمَئِذٍ يَشْتَدُّ فِي أَثَرِ رَجُلٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ أَمَامَهُ،إِذْ سَمِعَ ضَرْبَةً بِالسَّوْطِ فَوْقَهُ وَصَوْتَ الْفَارِسِ يَقُولُ:أَقْدِمْ حَيْزُومُ،فَنَظَرَ إِلَى الْمُشْرِكِ أَمَامَهُ فَخَرَّ مُسْتَلْقِيًا،فَنَظَرَ إِلَيْهِ فَإِذَا هُوَ قَدْ خُطِمَ أَنْفُهُ،وَشُقَّ وَجْهُهُ، كَضَرْبَةِ السَّوْطِ،فَاخْضَرَّ ذَلِكَ أَجْمَعُ،فَجَاءَ الْأَنْصَارِيُّ،فَحَدَّثَ بِذَلِكَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،فَقَالَ:«صَدَقْتَ، ذَلِكَ مِنْ مَدَدِ السَّمَاءِ الثَّالِثَةِ»فَقَتَلُوا يَوْمَئِذٍ سَبْعِينَ، وَأَسَرُوا سَبْعِينَ»[2]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک مسلمان ایک کافر پر حملہ کرنے کے لیے اس کا تعاقب کر رہا تھا کہ اچانک ایک کوڑا لگنے کی آواز کے ساتھ ایک گھڑ سوار کی آواز آئی کہ اے حیزوم آگے بڑھ، اس نے وہیں دیکھا کہ وہ مشرک چت گرا ہوا ہے، اس کا منہ کوڑے کے لگنے سے بگڑ گیا ہے اور اس کی ہڈیاں پسلیاں چور چور ہو گئی ہیں۔ اس انصاری صحابیؓ نے بعد میں یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تو نے سچ کہا ہے۔ یہ تیری طرف آسمانی مدد تھی۔ پس اس دن ستر کافر قتل ہوئے اور ستر قیدی بنے۔

امام بخاریؒ نے تو نزولِ ملائیکہ کے نام سے ایک مستقل باب باندھا ہے۔ جس کا نام ہے "بَابُ شُهُودِ الْمَلاَئِكَةِ بَدْرًا" اس باب کے اندر امام بخاریؒ نے ایک حدیث نقل کی ہے جس کے اندر بدری صحابہ کی فضیلت کا بھی ذکر ہے۔ اور ان فرشتوں کی بھی افضلیت کا ذکر ہے جو بدر میں نازل ہوئے تھے۔ حدیث پاک میں ہے کہ:

« عَنْ مُعَاذِ بْنِ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ الزُّرَقِيِّ،عَنْ أَبِيهِ، وَكَانَ أَبُوهُ مِنْ أَهْلِ بَدْرٍ قَالَ:جَاءَ جِبْرِيلُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ:مَا تَعُدُّونَ أَهْلَ بَدْرٍ فِيكُمْ،قَالَ: مِنْ أَفْضَلِ المسْلِمِينَ أَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا، قَالَ: وَكَذَلِكَ مَنْ شَهِدَ بَدْرًا مِنَ الملاَئِكَةِ»[3]

حضرت معاذ بن رافع رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، جو کہ بدری صحابہ میں سے ہیں، فرماتے ہیں کہ حضرت

---

(1) مسند امام احمد بن حنبل، مسند عمر، حدیث نمبر ۲۰۸، ج ۱، ص ۳۳۴

(2) صحیح مسلم، کتاب الجہاد و السیر، باب الامداد بالملائکہ فی غزوۃ بدر، حدیث نمبر ۱۷۶۳، ج ۳، ص ۱۳۸۳

(3) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب شہود الملائکۃ فی بدر، حدیث نمبر ۳۹۹۲، ج ۵، ص ۸۰

جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور پوچھا کہ بدری صحابہ کا درجہ آپ میں کیسا سمجھا جاتا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا، باقی مسلمانوں سے بہت افضل، جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا، اسی طرح بدر میں آنے والے فرشتے بھی باقی فرشتوں میں افضل مانے جاتے ہیں۔

جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان پر ایک اور بڑا احسان فرمایا، جس کا تذکرہ بھی سورت انفال میں موجود ہے۔وہ یہ کہ بدر کے میدان میں مسلمان جس جانب کھڑے تھے وہ ریت والی جگہ تھی۔ جبکہ لشکر کفار کی جانب مٹی والی جگہ تھی۔اس طرح مسلمان ریت کے اڑنے اور آنکھوں میں پڑنے کی وجہ سے قدرے مشکل میں تھے۔ اور کفار سخت جگہ پر تھے پھر پانی بھی کفار والی جانب تھا۔ نیز یہ کہ مسلمانوں میں بعض محتلم ہو گئے تھے۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا بارش نازل فرمائی۔ جس سے اہلِ ایمان پاک بھی ہو گئے اور پانی بھی بھر لیا۔ مسلمانوں والی طرف بارش سے ریت بیٹھ گئی اور زمین پختہ ہو گئی جبکہ جانبِ کفار کیچڑ بننے سے ان کے لیے بہت دُشواری ہو گئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لِيُطَهِّرَكُمْ بِهِ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَى قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ﴾[1]

یاد کرو کہ جب وہ طاری فرما رہا تھا تم پر (عین حالت جنگ میں) ایک اونگھ، تاکہ وہ نوازے تم کو اپنی طرف سے ایک خاص امن و سکون سے، اور وہ برسا رہا تھا تم پر آسماں سے پانی، تاکہ وہ پاک کر دے تم لوگوں کو اس کے ذریعے، اور دور فرما دے تم سے شیطان کی گندگی، اور مضبوط فرما دے تمہارے دلوں کو، اور جما دے اس کے ذریعے تمہارے قدموں کو۔

مسلمان تعداد میں بھی کم تھے اور عسکری ساز و سامان نہ ہونے کے برابر تھا جبکہ دشمن کی تعداد تین گناہ سے زائد تھی اور مکمل سامان حرب سے لیس تھے۔ اس صورت حال میں اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ نے مایوسی اور قلبی کمزوری سے بچانے کے لیے غنودگی اور پر سکون نیند عطا فرمائی۔ جس سے اصحاب رسول رضی اللہ عنہم بے خوف ہو گئے اور وہ دشمن سے ڈٹ کر مقابلہ کرنے لگے۔ امام قرطبی اس آیت کریمہ میں النُّعَاسَ أَمَنَةً کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''امنة''مفعول من اجلہ ہے یا مصدر ہے، کہا جاتا ہے:''امن امنة و امنا و امانا'' یہ سب برابر ہیں۔ اور ''نعاس'' (غنودگی اور نیند) اس امن والے کی حالت کو کہتے ہیں جس کو کوئی خوف نہیں ہوتا۔ اور یہ غنودگی اس رات میں طاری ہوئی جس کی صبح کو جنگ تھی۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بدر والے دن ہم میں سے حضرت مقداد کے سوا کوئی گھوڑ سوار نہ تھا، وہ ابلق

---

(1) الانفال:۱۱

گھوڑے پر سوار تھے اور میں نے دیکھا کہ ہم میں رسول اللہ ﷺ کے سوا ہر کوئی سو رہا ہے۔ اور آپ ﷺ درخت کے نیچے نماز پڑھتے رہے اور روتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔"(1)

میدان جنگ میں بارش برسنا بھی اللہ تعالیٰ کے انعام میں سے ہے کہ جس سے دشمن دین کے قدم اکھڑ گئے اور مسلمان ڈٹ کر دفاع کرنے لگے۔ اگر بارش نہ ہوتی تو ریت میں ٹھہرنا مسلمانوں کے لیے بہت مشکل ہو جاتا۔ ایسے میں لڑائی کرنا بھی دشوار ہوتا اور بھاری نقصان کا بھی اس سے بہت خدشہ تھا۔ امام ابن ہشام اس انعام الٰہی کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

"ابن اسحاق نے کہا کہ کفار قریش نے وادی بدر کے آخری کونے پر پڑاؤ ڈالا تھا اور ان کے پیچھے ریت کا ٹیلہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ اور مسلمان اس ٹیلے کے پیچھے تھے اور ریت کی زیادتی کی وجہ سے ان کے پاؤں زمین میں دھنسے جا رہے تھے۔ جبکہ پانی والی جگہ پر کفار کا قبضہ تھا، اللہ تعالیٰ نے بارش نازل فرمائی جس سے ریت بیٹھ گئی اور جہاں قریش تھے وہاں بارش کی وجہ سے کیچڑ ہو گیا۔"(2)

اس رحمت الٰہی کے برسنے سے سارا نفع مسلمانوں کو پہنچا۔ اس سے مسلمان غسل کر کے پاک ہو گئے۔ پانی جمع کر لیا۔ ریت بیٹھ گئی اور جگہ سخت ہو گئی جس کی وجہ سے مسلمان جم کر کھڑے ہو گئے کفار کی جانب کیچڑ بننے سے کھڑا رہنا مشکل ہو گیا تھا۔ نیند کی وجہ سے مسلمان بیدار ہونے پر تازہ دم ہو گئے تھے۔ ادھر مسلمانوں پر رحمت نازل فرما کر مدد فرمائی ادھر رسول ﷺ کو عالم خواب میں دشمنان دین کی تعداد کم کر کے دکھائی جس سے سپاہ اسلام کی ہمت بندھی اور ان کے حوصلے مزید بڑھ گئے۔ اگر تعداد زیادہ دکھائی جاتی تو حوصلہ شکنی کا خدشہ تھا۔ اس لیے تعداد کم دکھانے کی حکمت ہی یہی تھی کہ مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے دشمن کم کر کے دکھائے آپ کو اور دشمن کو آپ کی تعداد بڑھا کر دکھایا۔ یہ سب اس لیے کیا کہ دشمن ڈر جائے اور آپ کا حوصلہ بندھا رہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِذْ يُرِيكَهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلَكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ٥ وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ الْتَقَيْتُمْ فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا وَيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ﴾(3)

(اور وہ بھی یاد کرنے کے لائق ہے کہ) جب اللہ تعالیٰ دکھا رہا تھا کہ آپ کو وہ لوگ آپ کے

---

(1) الجامع لاحکام القرآن، ج۷، ص۳۷۱

(2) السیرہ النبویہ، ج۲، ص۲۳۲

(3) الانفال: ۴۴،۴۳

خواب میں (اے پیغمبر ﷺ!) کم کر کے، اور اگر کہیں وہ آپ کو انہیں زیادہ کر کے دکھا دیتا ہے، تو یقیناً تم لوگ (اے نبی ﷺ! کے ساتھیو) ہمت ہار جاتے اور باہمی جھگڑے میں پڑ جاتے، لیکن اللہ نے اس سے بچا لیا، بیشک وہ پوری طرح جانتا ہے، سینوں کے حال کو۔ اور (وہ بھی یاد کرنے کے لائق ہے کہ) جب اللہ کم کر کے دکھا رہا تھا ان لوگوں کو جو تمہاری نگاہوں میں (اے مسلمانو!) جب تمہارا آمنا سامنا ہوا، (معرکہ بدر میں) اور تم کو کم کر کے دکھا رہا تھا ان کی نگاہوں میں، تاکہ اللہ پورا فرما دے، ایک ایسے کام کو جس نے پورا ہو کر رہنا تھا، (اس کے حکم واذن سے) اور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں سب کام۔

کفار کا مسلمانون کو زیادہ تعداد میں اور مومنین کا کفار کو کم تعداد میں دیکھنے کی ایک شہادت کا ذکر امام قرطبی ان آیات طیبات کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بدر کے دن ایک ساتھی سے پوچھا، کیا تم کفار کو ستر کے قریب دیکھ رہے ہو؟ اس نے کہا: وہ سو کے قریب ہیں۔ پھر ایک قیدی کو گرفتار کیا تو اس سے پوچھا، اس نے کہا ہم ہزار تھے۔ جنگ کی ابتداء میں صورت حال یہ تھی کہ ابو جہل نے مسلمانوں کو دیکھ کر کہا: یہ تو اونٹ کے گوشت کے نوالہ کے برابر ہیں۔ انہیں مضبوطی سے پکڑ کر رسیوں کے ساتھ باندھ دو۔ پس جب جنگ شروع ہوئی تو مسلمان ان کی نظروں میں بڑھ گئے اور بہت زیادہ ہو گئے۔"(1)

کسی بھی معرکہ میں استقامت کے بغیر جنگ نہیں جیتی جا سکتی۔ اور استقامت اسی گروہ کے نصیب میں ہوتی ہے جو اپنا حوصلہ بلند رکھتا ہے اور دشمن کی کثرت سے خائف نہیں ہوتا۔ جب مسلمان کفار سے مقابلے کے لیے ہر طرح سے تیار ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ثابت قدمی کا حکم کا دیا۔ ارشاد فرمایا کہ جب دشمن سے تمہارا مقابلہ ہو تو بھاگنا نہیں بلکہ ثابت قدمی سے ڈٹ کر مقابلہ کرنا ہے۔ اور قدرے تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جو بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پشت کر لے گا میدان جنگ سے وہ پھر غائب وخاسر اور مستحق سزا ہو گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوهُمُ الْأَدْبَارَ ○ وَمَنْ يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَى فِئَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ﴾(2)

اے وہ لوگوں جو ایمان لائے ہو جب تمہارے مڈھ بھیڑ (مقابلہ) ہو جائے کافروں کے کسی لشکر

---

(1) الجامع لاحکام القرآن، ج۸، ص۲۲

(2) الانفال:۱۶،۱۵

سے تو خبر دار تم ان کو پیٹھ نہیں دکھانا۔ اور یاد رکھو کہ جس نے پیٹھ دکھائی ان کو سوائے اس کے کہ وہ جنگ ہی کے لیے کوئی پینترا بدلتا ہو، یا اپنی فوج کے سوا کسی دوسرے دستے سے ملنا چاہتا ہو تو وہ یقیناً لوٹا اللہ کے بھاری غضب کے ساتھ، اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے، اور بڑا ہی برا ٹھکانہ ہے وہ۔

میدان جنگ سے پیٹھ پھیر کر بھاگنا بہت سخت گناہ اور اکبر الکبائر میں سے ہے۔ آپ ﷺ نے اسے ہلاک کر دینے والا عمل قرار دیا ہے۔ جیسا کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا سات ہلاک کر دینے والی چیزوں سے بچو۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ ﷺ وہ کون سی ہیں تو ارشاد فرمایا:

«الشِّرْكُ بِاللَّهِ، وَالسِّحْرُ، وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالحَقِّ، وَأَكْلُ الرِّبَا، وَأَكْلُ مَالِ اليَتِيمِ، وَالتَّوَلِّي يَوْمَ الزَّحْفِ، وَقَذْفُ المحْصَنَاتِ المؤْمِنَاتِ الغَافِلاَتِ»(1)

اللہ تعالیٰ کا شریک بنانا، جادو کرنا، جس کے قتل کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اس کو ناحق قتل کرنا، یتیم کا مال کھانا، سود کھانا، جنگ کے دوران پیٹھ پھیرنا اور بھولی بھالی پاک دامن مسلمان عورتوں کو بدکاری کی تہمت لگانا۔

مسلمانوں کے قتال و افعال کو از راہ کرم اللہ تعالیٰ نے اپنے افعال کی طرف منسوب کیا۔ حتی کہ امام الانبیاء نے مٹھی بھر پتھر جو جانب لشکرِ کفار پھینکے وہ بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے نبی جو مٹھی بھر آپ نے پھینکی وہ درحقیقت آپ نے نہیں پھینکی بلکہ آپ کے رب نے پھینکی ہے۔ اسی طرح اصحاب رسول ﷺ کے کفار کو قتل کرنے کے متعلق فرمایا کہ تم نے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو قتل کیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَى وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءً حَسَنًا إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾(2)

(اے اصحاب رسول) پس درحقیقت ان کو تم نے قتل نہیں کیا تھا، بلکہ ان کو اللہ ہی نے قتل کیا تھا اور جو آپ نے پھینکی تھی وہ درحقیقت آپ نے نہیں پھینکی تھی بلکہ وہ اصل میں اللہ ہی نے پھینکی تھی اور تاکہ وہ تم کو نوازدے ایمان والوں کو اپنی طرف سے ایک بڑے ہی عمدہ اجر سے، بیشک اللہ بڑا ہی سننے والا، (سب کچھ) جانتا ہے۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں ایک بہت بڑے انعام کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم ﷺ اور آپ کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین پر فرمایا۔ خالق ہو کر مخلوق کے افعال کو اپنے افعال قرار دینا یہ اُس کے کرم کی

---

(1) صحیح بخاری، کتاب الوصایا، باب قولہ تعالیٰ ان الذین یاکلون اموال الیتامیٰ، حدیث نمبر ۲۷۶۶، ج۴، ص ۱۰

(2) الانفال:۱۷

انتہا ہے۔ اور منعمِ حقیقی کا انعامِ عظیم ہے اپنے خاص بندوں پر۔ فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ کی تشریح کرتے ہوئے ابن اَبی حاتم لکھتے ہیں کہ:

”جنگ بدر کے دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں بحث کرنے لگے، ایک نے کہا کہ میں نے فلاں کو قتل کیا ہے، دوسرے نے بھی کہا کہ میں نے فلاں کو قتل کیا ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی کہ تم نے ان کافروں کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو قتل کیا ہے۔“(1)

مطلب یہ ہے کہ تم ان کو قتل کرنے پر فخر نہ کرو، اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد نہ کرتا اور تمہارا حوصلہ اور قوت نہ بڑھاتا تو تم ان کو قتل نہیں کر سکتے تھے۔ پس بظاہر کافروں کو قتل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا مگر حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے ان کو قتل کیا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَى ث کی تشریح میں امام عبد اللہ بن عمر بیضاوی لکھتے ہیں کہ:

”اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم: آپ نے خاک کی مٹھی اس طرح نہیں پھینکی کہ آپ تمام کافروں کی آنکھوں میں وہ خاک پہنچا دیں۔ جب کہ صورۃ خاک کی مٹھی آپ نے پھینکی تھی لیکن یہ مقصود اللہ تعالیٰ نے پورا کیا اور وہ خاک تمام کافروں کی آنکھوں میں پہنچا دی حتی کہ وہ سب شکست کھا گئے اور آپ کافروں کی جڑ کاٹنے پر قادر ہو گئے۔ اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ آپ نے خاک کی مٹھی پھینک کر ان کو مرعوب نہیں کیا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب پیدا کر دیا۔“(2)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے احوال بدر کا ذکر کرتے ہوئے کسی حد تک میدان بدر کا نقشہ بھی کھینچا ہے۔ اس نقشہ میں ساری صورت حال واضح کر دی کہ مسلمان کس جانب اور کفار کس جانب کھڑے تھے۔ جبکہ قافلہ سامان تجارت لے کر ان کے نشیبی علاقے سے گزر کر چلا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِذْ أَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَى وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَلَوْ تَوَاعَدْتُمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَادِ وَلَكِنْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴾(3)

(یاد کرو کہ) جب تم لوگ (مدینہ منورہ کی نسبت سے) ادھر والے کنارے پر تھے، اور وہ لوگ (یعنی تمہارے دشمن) ادھر والے کنارے پر، اور قافلہ تم سے نیچے تھا، اور اگر تم اس بارے میں

---

(1) تفسیر ابن ابی حاتم، ابی حاتم، امام عبد الرحمن بن محمد بن ادریس، مکہ مکرمہ: مکتبہ نزار مصطفی الباز، ۱۴۱۹ھ، ج۵، ص ۱۶۷۲

(2) انوار التنزیل واسرار التاویل، البیضاوی، ناصر الدین ابو سعید عبد اللہ بن عمر، بیروت: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۱۸ھ، ج۳، ص ۵۳

(3) الانفال: ۴۲

باہم عہد وپیمان کرتے، تو یقیناوقت مقرر کے سلسلے میں تم لوگ آپس میں اختلاف میں پڑ جاتے، لیکن (اللہ تعالیٰ نے اس کی نوبت ہی نہ آنے دی) تاکہ اللہ پورا فرمادے ایسے کام کو جس نے (اس کے حکم واذن سے بہر کیف) پورا ہو کر رہنا تھا، تاکہ جس نے ہلاک ہونا ہے، وہ ہلاک ہو روشن دلیل کی بناء پر، اور جس نے زندہ رہنا ہے، وہ زندہ رہے روشن دلیل کی بناء پر، اور بیشک اللہ بڑا ہی سننے والا، سب کچھ جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو بدر کے معرکہ میں بشارتیں عطا فرمائی، ان کی نصرت واعانت فرمائی اور مشرکین کو ہلاک کیا اور ان میں سے جو بچ نکلے ان کو وعید وتنبیہ فرمائی۔ مشرکین مکہ یہ دعائیں کرتے رہے کہ اے خدا! ہم میں اور مسلمانوں میں سے جو قوم تجھے پسند ہے اس کو غلبہ عطا فرما۔ جو قطع تعلق کرنے والے ہیں ان کو ذلیل و رسوا فرما۔ اس اللہ تعالیٰ نے اپنا حکم نازل فرمایا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنْ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ وَإِنْ تَنْتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَإِنْ تَعُودُوا نَعُدْ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ﴾(1)

اگر تم لوگ فیصلہ چاہتے تھے تو یقینی طور پر وہ تمہارے سامنے آگیا ہے اور اگر تم باز آجاؤ تو یہ بہتر ہے خود تمہارے لیے اور اگر تمہارے لچھن پھر بھی وہی رہے تو پھر ہم بھی وہی کریں گے اور تمہارے کچھ بھی کام نہ آسکے گی تمہاری

جماعت، خواہ وہ کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو اور اللہ ساتھ ہے ایمان والوں کے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اس آیت کریمہ کے تحت لکھتے ہیں کہ:

''زہری نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں کہا ہے کہ ابو جہل بن ہشام نے دعا کی: ہم میں سے جو جھوٹا ہو اور رشتہ کو منقطع کرنے والا ہو، اس کو آج ہلاک کر دے۔ اس کی مراد رسول اللہ ﷺ اور اس کی اپنی ذات میں جو جھوٹا ہو۔ سدی کہتے ہیں کہ جب مشرکین مکہ روانہ ہوئے نبی کریم ﷺ کی طرف قتال کے لیے تو انہوں نے غلاف کعبہ کو پکڑ کو دعا کی، اے اللہ! ان دونوں لشکروں میں سے جو تجھے زیادہ عزیز ومکرم ہو اور زیادہ بہتر ہو اس کو فتح عطا فرما۔ ضحاک کہتے ہیں کہ جب مشرکین روانہ ہوئے تو وہ اپنے قافلہ کو دیکھ رہے تھے اور قافلے والے ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں نے مشرکین سے مدد مانگنے کا پیغام بھیجا۔ تب ابو جہل نے دعا کی: اے اللہ ہم میں سے جو

---

(1) الانفال: ۱۹

تیرے نزدیک بہتر ہے اس کی مدد فرما۔(اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔)"[1]

غزوہ بدر کے اسباب اور غزوہ بدر قرآن کی روشنی میں ذکر کرنے کے بعد اس غزوہ کے نتائج ذکر کئے گئے ہیں۔ حق و باطل کا پہلا بڑا معرکہ اپنے اثرات دونوں طرف چھوڑ کر گیا۔ صرف مسلمان نہیں بلکہ کافروں پر بھی اس کے اثرات مرتب ہوئے۔ قرآن مجید کی روشنی میں غزوہ بدر پر جتنی بھی بحث ہوئی ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ نے بے حد کرم فرمایا۔ ان کی کمزوریوں اور بے بسی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ عظیم فتح عطا فرمائی کہ تا صبح قیامت عالم کفر پر اس کی ہیبت طاری رہے گی۔ ذیل میں غزوہ بدر کے نتائج و اثرات بیان کئے گئے ہیں:

غزوہ بدر کے نتائج و اثرات

غزوہ بدر نے اسلام کے سفر ارتقاء کو مختلف جہتوں سے انقلاب آفریں تبدیلی بخشی۔ عالم کفر جو ایک طویل مدت سے اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی ناپاک کوششیں کر رہا تھا اس کے ایوانوں میں کہرام بپا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص نصرت سے اہل ایمان کو جو فتح عطا فرمائی، دشمنوں نے دور تک کہیں سوچا بھی نہ تھا۔ اس عبرتناک شکست نے کفار کے غرور کو خاک میں ملا دیا۔ وہ جو پیغمبر اسلام کے خلاف جنگی جنون میں انتہا تک چلے گئے تھے اور اب کسی کو منہ دکھانے کے لائق بھی نہ رہے یہاں تک کہ قریش مکہ کی عسکری و سیاسی شہرت تباہ ہو گئی۔ مکہ مکرمہ میں جن چودہ سرداروں نے رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے کی سازش کی تھی ان میں سے گیارہ بدر میں قتل ہو گئے اور باقی تین اسلام لے آئے۔ ہر اعتبار سے ذلیل و خوار ہونے والے کفار مکہ کو اب اس شکست فاش سے دوچار ہونے پر سبق حاصل کرنا چاہیے تھا مگر ان ظالموں کی آتش انتقام ٹھنڈی نہ ہوئی اور وہ پھر سے مسلمانوں پر حملہ کی تیاریوں میں لگ گئے۔ شکست خوردہ مشرکین نے اپنا غصہ مکہ کے مسلمانوں پر نکالنا شروع کر دیا۔ اور ساتھ ہی ساتھ اپنی بکھری ہوئی قوت کو دوبارہ مجتمع کرنے لگے تاکہ اسلام کے خلاف از سر نو صف بندی اور منصوبہ بندی کر سکیں۔

بدر کی کامیابی مسلمانوں کیلئے مژدہ جانفزا ثابت ہوئی۔ اس کامیابی سے مسلمانوں کے حوصلے بہت زیادہ بلند ہوئے کیونکہ ان کو اس قدر بڑی کامیابی و فتح کا اندازہ نہیں تھا۔ اس فتح عظیم سے مسلمانوں کو کفار پر نفسیاتی برتری بھی حاصل ہو گئی، جس وجہ سے مدینہ میں بسنے والے غیر مسلموں کو اب جرأت نہیں تھی کہ وہ ان سے جنگ کریں۔ مسلمانوں کے دلوں سے خوف و ہراس ختم ہو گیا تھا۔ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنگ بدر میں کسی وجہ سے شریک نہ ہو سکے تھے اب وہ شدت سے منتظر تھے کہ اگر ہمیں موقع ملا تو ہم مشرکین کے خلاف ضرور قتال کریں گے۔ منافقین کی امیدوں پر پانی پھر گیا تھا اور وہ مسلمانوں کی کامیابی دیکھ کر قدرے سہم سے گئے تھے۔ اب منافق کھل کر سازشیں کرنے کی بجائے درپردہ کاروائیاں کرنے لگے۔ منافقین کا خائف ہونا بنتا بھی تھا کیونکہ غزوہ بدر کے بعد مسلمانوں کی

(1) جامع البیان فی تاویل القرآن، ج ۱۳، ص ۴۵۰

معاشی ،سیاسی اور عسکری قوت میں خاطر خواہ اضافہ ہوا تھا۔مدینہ طیبہ کے مضافات میں بسنے والے یہودی بھی خوف، حیرت ، پریشانی اور نفرت کے ملے جلے جذبات کو اظہار کر رہے تھے۔انہوں نے تورات میں جو کچھ نبی آخر الزمان ﷺ کے بارے میں پڑھا اور سنا تھا وہ ان کو سچ ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔یہودیوں میں بعض ایسے بھی تھے جو حق کے ظاہر ہوتے ہی اسلام قبول کر رہے تھے اور جن کے دلوں میں میل تھی ان کی کیفیت مشرکین سے ملی جلی تھی۔یہود کی طرح عرب کے دیگر قبائل نے بھی مسلمانوں کو فتح عظیم کو دل سے تسلیم نہیں کیا۔وہ قبائل جو لوٹ مار سے گزر بسر کرتے تھے ان کو زیادہ پریشانی تھی کہ اگر اہل ایمان زیادہ مضبوط ہو گئے تو پھر یہ سچے دین کے احکام نافذ کریں گے جس سے ہمارا کام ختم ہو جائے گا۔اور اس طرح ان کی لوٹ مار اور قتل غارت گری رک جائے گی۔[1]

بدر کی فتح عارضی طور پر تو امن و استحکام کا پیغام لے کر آئی تھی مگر اسلام دشمن قوتیں نئے سرے سے منظم ہونے لگیں جس کی وجہ سے مسلمانوں کے لیے پھر سے خطرات بڑھنے لگے۔اس نئی سازش میں عرب کے قبائل اور مدینہ کے یہودی مل کر مسلمانوں کے خلاف درپردہ سازشوں میں مصروف تھے۔مدینہ طیبہ میں منافقین یہودیوں کے ساتھ ملکر اسلام مخالف کاروائیوں میں کھل کر حصہ لینے لگے۔مکہ میں مشرکین نے اپنے اپنے تعلقات کی بنا پر اثر و رسوخ استعمال کر کے بہت سارے قبائل مسلمانوں کے مقابلے کے لیے تیار کر لیے۔اس طرح عالم کفر بدر کی شکست کا بدلہ لینے کے لیے مسلمانوں کے خلاف متحرک ہو گئے جس کے نتیجہ میں غزوہ احد کا سانحہ پیش آیا۔غزوہ احد کی تفصیلات ذیل میں بیان کی گئی ہیں۔

---

(1) سیرۃ الرسول، ج۸، ص۳۰۷

فصل دوم: غزوہ احد

غزوہ احد

غزوہ بدر سے شکست کے بعد مشرکین کا جنگی جنون اور انتقامی جوش مزید بڑھ گیا تھا۔اس سلسلہ میں وہ بہت بڑے معرکہ کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔تمام عالم کفر ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا ہو گیا اور مسلمانوں کے خلاف ایک بڑی جنگ کا خواب دیکھنے لگ گئے۔اس ساری سازش کے پیچھے قریش کا بنیادی کردار تھا کیونکہ وہ اپنے مقتولین کا بدلہ لینے کے لیے بے چین تھے۔کفار کی انہی کارستانیوں کے باعث غزوہ احد بپا ہوا اس غزوہ کے اسباب درج ذیل ہیں۔

اسباب جنگ

غزوہ احد کا سب سے اہم اور بنیادی سبب یہ تھا کہ مشرکین اپنے مقتولین کا بدلہ لینے کے لیے مسلمانوں کے خلاف آکھڑے ہوئے تھے۔بدر میں ستر مشرک مارے گئے تھے جن میں قبائل کے بڑے بڑے سردار اور سورما بھی شامل تھے۔قریش مکہ کو مسلمانوں پر جو عسکری و افرادی قوت کے اعتبار سے برتری حاصل تھی وہ سب خاکستر ہو گئی تھی اور ان کا وقار بری طرح مجروح ہو گیا تھا۔وہ قریش جو زمانے سے عرب میں بہادری میں شہرت رکھتے تھے اب وہ کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہ رہے تھے۔لہذا جنگ بدر سے شکست فاش پانے والے مشرکین سال بھر تیاری میں رہے کہ ہم اپنے مقتولین کا بدلہ ضرور لیں گے۔اس ارادے اور مکمل تیاری کے ساتھ کفار ۳ہجری میں احد کے مقام پر پہنچ گئے۔قریش نے مسلمانوں سے جنگ کرنے کی خاطر ابوسفیان کے تجارتی قافلے کا سامان روک رکھا تھا اور فیصلہ کر لیا تھا کہ سارا مال مسلمانوں کے ساتھ جنگ پر خرچ ہو گا۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کفار کے اس منصوبے کو مسلمانوں پر آشکار کر دیا تھا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ فَسَيُنْفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ﴾(1)

بیشک کافر لوگ اپنے مال خرچ کرتے ہیں تاکہ وہ روکیں اللہ کی راہ سے، سو وہ ان کو خرچ تو کریں گے مگر آخر کار وہ ان کے لیے سراسر حسرت ہوں گے، پھر یہ مغلوب ہوں گے، پھر ان کافروں کو دوزخ کی طرف اکٹھا کر کے لایا جائے گا۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ کفار اپنا مال مشرکین کو دیتے ہیں تاکہ وہ اس مال سے عسکری قوت حاصل کر کے اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف جنگ کریں۔ارشاد فرمایا:ان کا یہ مال خرچ کرنا انہی کے لیے باعث ندامت ہو گا۔یہ اپنا مال خرچ کر کے اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھا دینا چاہتے تھے۔اس غرض سے یہ مال تو خرچ

---

(1)الانفال:۳۶

کریں گے مگر ان کی آرزو پوری نہیں ہو گی۔ بے شک اللہ تعالیٰ کفر کو پست کرتا ہے اور اسلام کو بلند کرتا ہے پس کفار مال خرچ کر کے بھی نامراد ہی ہوں گے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

> ”حکم بن عتیبہ کہتے ہیں کہ یہ آیت ابو سفیان کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ اس نے جنگ کے اوپر چالیس اوقیہ سونا خرچ کیا تھا اور ایک اوقیہ اس وقت بیالیس مثقال کا تھا۔“(1)

غزوہ احد کا ایک بڑا اور اہم سبب یہودیوں کا رد عمل تھا اور یہ رد عمل ان کے اندر مسلمانوں کی بدر میں فتح کے بعد پیدا ہوا تھا۔ دراصل یہودی مسلمانوں کو کسی بھی قیمت پر مدینہ میں تسلیم کرنے پر تیار نہیں تھے۔ وہ پہلے دن سے ہی مسلمانوں کے خلاف سازشیں کر رہے تھے مگر ان کو کوئی مناسب موقع میسر نہ آیا تھا۔ اب جبکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مسلمان بدر کی بے مثال کامیابی سے بھی سرفراز ہو چکے تھے اس لیے یہ فتح یہودی ہضم نہیں کر پا رہے تھے اور نتیجۃً وہ مشرکین کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے اور دیگر قبائل کو مشرکین کے ساتھ جنگی اتحاد کرنے کے لیے ابھار رہے تھے۔ حالانکہ یہودی مسلمانوں کے ساتھ امن کا معاہدہ کر چکے تھے اور پھر بعد میں جلد ہی اس سے منحرف بھی ہو گئے۔

غزوہ احد کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ اہل مکہ کی معیشت کا زیادہ تر انحصار ملک شام کے ساتھ تجارت پر تھا۔ شام کی طرف تجارت پر جاتے ہوئے مشرکین کو مدینہ طیبہ کے قریب سے گزرنے والی شاہراہ پر سفر کرنا پڑتا تھا۔ یہ شاہراہ مسلمانوں کے گشتی دستوں کی زد میں تھی جس کی وجہ سے مشرکین کو خوف تھا کہ یہ کسی بھی وقت بند کی جاسکتی ہے اور اگر یہ بند ہو جائے تو مشرکین کی معیشت بری طرح تباہ ہو جاتی۔ بدر میں شکست کھانے کے بعد تجارت کی متوقع بندش نے بھی مشرکین کو زیادہ مجبور کیا جس کی وجہ سے وہ زور شور سے مسلمانوں پر ایک بڑے حملے کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔

مشرکین مکہ اور دیگر ان کے اتحادیوں کی جنگی تیاریوں کی اطلاعات اہل مدینہ کو مسلسل موصول ہو رہیں تھیں جس کی وجہ مسلمان دفاعی انتظامات کرنے لگے۔ اطلاعات پہنچانے والوں میں آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ایک تیز رفتار ایلچی کو خط دے کر مدینہ طیبہ روانہ کیا جو کہ تین دن میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گیا۔ اس خط کے ذریعے آپ ﷺ کو مشرکین مکہ کی جنگی تیاریوں کی تفصیل سے آگاہ کیا گیا تھا۔ اس اطلاع کے موصول ہوتے ہی آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو جمع کیا اور ان کو قریش مکہ کے عزائم سے مطلع کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضرت ﷺ کو اپنی طرف سے مشرکین کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار

---

(1) جامع البیان فی تاویل القرآن، ج ۱۳، ص ۵۲۹

رہنے کے بارے میں مطمئن کیا۔ نبی کریم ﷺ ان کے جہادی جذبہ سے بہت زیادہ خوش ہوئے اور آئندہ کا لائحہ عمل طے کیا۔ چونکہ کسی بھی وقت مشرکین حملہ کر سکتے تھے اس لیے مسلمان ہر وقت ہتھیار سے لیس رہنے لگے حتی کہ نماز کے دوران بھی مسلمان ہتھیار پاس رکھنے لگے۔ مدینہ طیبہ کے تمام داخلی راستوں پر پہرہ سخت کر دیا گیا اور نبی کریم ﷺ کے گھر کی حفاظت کے لیے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خصوصی انتظامات کئے۔[1] آپ ﷺ کے گھر کے حفاظتی دستے میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ شامل تھے۔ جنگ کہاں لڑی جائے؟ اس بارے میں جب مشورہ کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری رائے یہ ہے کہ مدینہ میں ہی قلعہ بند ہو کے جنگ لڑی جائے۔ اس میں فائدہ یہ تھا کہ مسلمان خفیہ ٹھکانوں سے دشمن پر حملہ کرتے جس سے مشرکین کا نقصان زیادہ جبکہ مسلمانوں کا نقصان کم سے کم ہوتا۔ چھتوں سے خواتین بھی دشمن پر پتھر اؤ کر کے ان کو منتشر کر سکتی تھیں۔ رئیس المنافقین عبد اللہ ابن ابی نے رسول اللہ ﷺ کی رائے کے ساتھ اتفاق کیا اور کہا کہ شہر میں رہ کر ہم دشمن کو آسانی سے پسپا کر سکتے ہیں۔[2] حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور دیگر جوانوں نے دشمن کا مقابلہ شہر سے باہر نکل کر کرنے کو ترجیح دی اور اس پر پر جوش خطابات بھی کئے۔ اصل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جذبہ جہاد اور شہادت سے سرشار تھے اس لیے لڑکر دشمن کو مزا چکھانے کو اختیار کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے مجاہدین اسلام کا جب یہ جوش و جذبہ دیکھا تو اطمینان سے اجازت مرحمت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ مجاہدین مدینہ منورہ سے نکلنے کی تیاری کریں۔ جمعہ کی نماز کے بعد جب رسول اللہ ﷺ ہتھیار پہن کر نکلے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی چلنے کا حکم دیا تو بعض نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ اگر آپ نے شہر سے باہر نکل کر جنگ کرنے کا ارادہ ہماری رائے سے کیا ہے تو ہم اپنا مشورہ واپس لیتے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”ما ینبغی لنبی ان یضع اداته بعد ما لبسها حتیٰ یحکم الله بینه و بین عدوه“[3]

یعنی نبی جب ہتھیار بند ہو جائے تو پھر اس وقت تک ہتھیار اتارنا مناسب نہیں کہ جب تک اللہ تعالیٰ ان کے اور دشمن کے مابین فیصلہ نہ فرمادے۔

الغرض مسلمان جذبہ شہادت سے سرشار ہو کر دشمن کے مقابلے کے لیے شہر سے باہر نکل کر لڑنے کے لیے تیار تھے۔ جبکہ عبد اللہ ابن ابی رئیس المنافقین شہر کے اندر رہ کر جنگ کرنے کے حق میں تھا اور وہ اپنی بات پر اڑا ہوا تھا۔ مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑے جوش سے کفار کے خلاف ڈٹ کر لڑنے کے لیے تیار تھے۔ مسلمانون کا جذبہ قابل

---

(1) الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۳۷

(2) السیرۃ النبویہ، ج ۴، ص ۱۳

(3) البدایہ والنہایہ، ج ۴، ص ۱۱

دید تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بطور تحسین قرآن مجید میں اس عقیدت کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ﴾ (1)

اور تم لوگ تو (بڑے زور و شور سے) موت کی تمنا (آرزو) کرتے تھے، اس سے پہلے کہ تمہارا اس سے آمنا سامنا ہوتا، سو اب وہ تمہارے سامنے آ گئی، اور تم اسے کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔

صحابہ کرام میں سے بعض جنگ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ ان کی اب تمنا یہ تھی کہ بدر کی طرح کوئی معرکہ برپا ہو اور وہ اس میں شامل ہو کر داد شجاعت لیں یا شہید ہو کر اللہ تعالیٰ کے نبی کریم اجر ثواب کمائیں۔ مگر جس وقت جنگ احد ہوئی تو ان میں سے بعض کفار کے دباؤ اور ان کی کثرت کی وجہ سے ثابت قدم نہ رہے اور ان کے پاؤں اکھڑ گئے جبکہ انہیں میں سے بعض جم کر لڑتے رہے اور ان کا اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا وعدہ وفا ہو گیا۔ امام بخاریؒ نے غزوہ احد کے حوالے سے اس تناظر میں ایک حدیث یوں نقل کی ہے، لکھتے ہیں کہ:

''عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ عَمَّهُ غَابَ عَنْ بَدْرٍ، فَقَالَ: غِبْتُ عَنْ أَوَّلِ قِتَالِ النَّبِيِّ ﷺ، لَئِنْ أَشْهَدَنِي اللَّهُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ لَيَرَيَنَّ اللَّهُ مَا أُجِدُّ، فَلَقِيَ يَوْمَ أُحُدٍ فَهُزِمَ النَّاسُ، فَقَالَ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَعْتَذِرُ إِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ هَؤُلَاءِ يَعْنِي الْمُسْلِمِينَ، وَأَبْرَأُ إِلَيْكَ مِمَّا جَاءَ بِهِ الْمُشْرِكُونَ، فَتَقَدَّمَ بِسَيْفِهِ فَلَقِيَ سَعْدَ بْنَ مُعَاذٍ، فَقَالَ: أَيْنَ يَا سَعْدُ إِنِّي أَجِدُ رِيحَ الْجَنَّةِ دُونَ أُحُدٍ؟ فَمَضَى فَقُتِلَ فَمَا عُرِفَ حَتَّى عَرَفَتْهُ أُخْتُهُ بِشَامَةٍ، أَوْ بِبَنَانِهِ وَبِهِ بِضْعٌ وَثَمَانُونَ مِنْ طَعْنَةٍ وَضَرْبَةٍ وَرَمْيَةٍ بِسَهْمٍ.'' (2)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کے چچا (انس بن نضر) بدر کی لڑائی میں شریک نہ ہو سکے تھے، پھر انہوں نے کہا کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ پہلی ہی لڑائی میں غیر حاضر رہا۔ اگر نبی کریم ﷺ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے کسی اور لڑائی میں شرکت کا موقع دیا تو اللہ دیکھے گا کہ میں کتنی بے جگری سے لڑتا ہوں۔ پھر غزوہ احد کے موقع پر جب مسلمانوں کی جماعت میں افراتفری پیدا ہو گئی تو انہوں نے کہا: اے اللہ! مسلمانوں نے آج جو کچھ کیا میں تیرے نبی کریم میں اس کے لیے معذرت خواہ ہوں اور مشرکین نے جو کچھ کیا میں تیرے نبی کریم میں اس سے اپنی بیزاری ظاہر کرتا ہوں۔ پھر وہ اپنی تلوار لے کر آگے بڑھے۔ راستے میں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے ان سے کہا، سعد! کہاں جا رہے ہو؟ میں تو احد پہاڑی کے دامن میں جنت کی خوشبو سونگھ رہا ہوں۔ اس کے بعد وہ آگے بڑھے اور شہید کر دیئے گئے۔ ان کی لاش پہچانی نہیں جا رہی تھی۔ آخر ان کی بہن نے ایک تل یا ان کی انگلیوں کے

---

(1) آل عمران: ۱۴۳

(2) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوہ احد، حدیث نمبر ۴۰۴۸، ج ۵، ص ۹۵

پور سے ان کی لاش کو پہچانا۔ ان کو اسّی (80) سے زیادہ زخم بھالے اور تلوار اور تیروں کے لگے تھے۔

صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم لباسِ حرب پہن کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جمع تھے اور جنگ کی مکمل تیاری میں تھے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ہدایت دے رہے تھے۔ احد میں مسلمانوں کی تعداد ایک ہزار تھی مگر عبد اللہ ابن ابی منافق اپنے ساتھ تین سو ساتھیوں کو لے کر میدان جنگ سے واپس پلٹ گیا۔ اس طرح وہ مسلمانوں کے حوصلوں کو پست کرنا چاہتا تھا۔ رئیس المنافقین کی اس حرکت سے یہ ہوا کہ بنو حارث اور بنو سلمہ مضطرب ہو کر واپسی کا سوچنے لگے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی اور ان کے قدم پھر مضبوط ہو گئے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر ان الفاظ کے ساتھ کیاہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾[1]

اور (وہ وقت بھی یاد کرنے کے لائق ہے کہ) جب آپ (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم!) صبح کے وقت (جہاد و قتال کی غرض سے) اپنے گھر سے نکلے تھے (اور احد کے میدان میں) مسلمانوں کو بٹھا رہے تھے لڑائی کے مورچوں پر، اور اللہ بڑا ہی سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔ (اور وہ بھی یاد کرو کہ) جب تم میں سے (اے مسلمانو!) دو گروہوں نے ارادہ کر لیا کہ وہ بزدلی دکھائیں، اور اللہ مددگار تھا ان دونوں کا، اور اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے ایمان والوں کو۔

اہل ایمان کے دو گروہوں کو اللہ تعالیٰ نے ہمت عطا فرمائی درآنحالیکہ وہ تذبذب کا شکار ہو رہے تھے۔ اور پھر جب ان کی ہمت بندی تو انہوں نے ڈٹ کر دشمن کا مقابلہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے جدھر اہل ایمان کا حوصلہ بندھایا وہیں بد طینت منافقین کے گھناؤنے کردار کو بھی ظاہر کر دیا۔ فرمایا کہ منافقین نے اس روز اپنی منافقت کا اظہار کیا۔ جب ان سے مسلمانوں نے کہا کہ آؤ ہمارے ساتھ جہاد میں شامل ہو جاؤ یا مدینہ میں رہ کر شہر کا دفاع کرو تو کہنے لگے، ہمیں تو لڑنا آتا ہی نہیں اگر ہم لڑ سکتے ہوتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ گروہ اس دن کفر کے قریب تھا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوِ ادْفَعُوا قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَاتَّبَعْنَاكُمْ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ وَاللَّهُ

---

(1) آل عمران:122،121

﴿أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ﴾[1]

اور تاکہ وہ دیکھ لے ان لوگوں کو جنہوں نے منافقت کا وطیرہ اپنا رکھا تھا، اور (جن کا حال یہ تھا کہ جب) ان سے کہا گیا کہ آؤ تم (ہمارے ساتھ شامل ہو کر) لڑو اللہ کی راہ میں یا (کم از کم اس طرح تکثیر سواد کے ذریعے) تم لوگ دفاع کرو (اپنے شہر کا) تو انہوں نے (صاف) کہہ دیا کہ اگر ہم کوئی لڑائی جانتے تو ضرور تمہارے ساتھ چلتے، اس روز یہ لوگ ایمان کی بہ نسبت کفر کے زیادہ قریب تھے، یہ اپنے مونہوں سے وہ کچھ کہتے ہیں جو کہ ان کے دلوں میں نہیں، اور اللہ خوب جانتا ہے وہ سب کچھ جو کہ یہ چھپاتے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور منافقین کے درمیان ہونے والی گفتگو جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا ہے: وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی اور اس کی اطاعت کی وجہ سے لڑو۔أَوِ ادْفَعُوا یعنی تم اپنے اہل وعیال اور بچوں کا ہی دفاع کرلو۔ سدی کہتے ہیں کہ چلو لڑو نہیں صرف اہل ایمان کی صفوں میں ہی شامل ہو جاؤ تاکہ ان کی تعداد بڑھ جائے اور تم اپنی جگہ کھڑے رہو بھاگو مت۔ قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَاتَّبَعْنَاكُمْ اس سے مراد عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی تھے، جو وہ احد کے دن تین سو کے قریب لے کر چلا گیا تھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ اس دن یہ لوگ ایمان کی نسبت کفر کے زیادہ قریب تھے۔ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ یعنی وہ کلمہ ایمان صرف زبان سے کہتے تھے، دل ان کا اس ایمان کے مخالف تھا۔[2]

منافقین کے جانے کے بعد مسلمانون کی تعداد سات سو رہ گئی۔ ان کے پاس سامان حرب اور اونٹ وگھوڑے کم تھے۔ مگر ایمان کی پختگی کے باعث ان کا مکمل بھروسہ اور توکل اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس پر تھا۔ ان کا اعتقاد تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کا ولی اور مددگار ہے اور اسی پر مومنوں کو بھروسہ کرنا چاہیے۔ مومنین کے جذبہ ایمانی اور آرزوِ شہادت کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے اپنی نصرت کا وعدہ فرمایا جو حقیقت میں مومنوں کی طمانیتِ قلبی کا باعث بنا اور اس سے مومنوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿أُولَئِكَ جَزَاؤُهُمْ مَغْفِرَةٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ﴾[3]

---

(1) آل عمران: ۱۶۷

(2) معالم التنزیل فی تفسیر القرآن، ج ۱، ص ۵۳۴

(3) آل عمران: ۱۳۶

ایسے لوگوں کا بدلہ (اور انکی جزاء) ان کے رب (کی طرف) سے ملنے والی بخشش اور ایسی عظیم الشان جنتیں ہیں جن کے نیچے سے بہہ رہی ہوں گی طرح طرح کی (عظیم الشان) نہریں جن میں ان کو ہمیشہ رہنا نصیب ہو گا اور بڑا ہی عمدہ بدلہ ہے عمل کرنے والوں کا۔

اللہ تعالیٰ نے اصحاب بدر سے جس نصرت اور عمدہ انعام کا وعدہ فرمایا وہ ان حضرات کے لیے ایسے باغات ہیں جہاں گھروں اور درختوں کے نیچے سے شہد، دودھ، شراب اور پانی کی نہریں ہیں۔ یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ اس عظیم الشان جنت میں رہیں گے اور بے شک توبہ طلب کرنے والوں کی جزاء جنت ہی ہے۔ جنگ احد میں بھی اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان پر یہ انعام فرمایا کہ ان کی مدد کے لیے فرشتوں کو نازل فرمایا۔ جنگ احد میں جنگ بدر کی نسبت فرشتوں کی تعداد کئی گناہ زیادہ تھی۔ قرآن مجید میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تین ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ خاص نشانوں والے پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے گا۔ نزول ملائیکہ کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُنْزَلِينَO بَلَى إِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُمْ مِنْ فَوْرِهِمْ هَذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ﴾[1]

(اور وہ بھی یاد کرو کہ) جب آپ (اے پیغمبر!) اہل ایمان سے کہہ رہے تھے کہ کیا تمہیں کافی نہیں یہ بات کہ تمہارا رب تمہاری مدد فرمائے تین ہزار ایسے فرشتوں سے جو کہ (اسی غرض کیلئے) اتارے گئے ہیں۔ ہاں کیوں نہیں، اگر تم ثابت قدم رہے، اور تم تقوٰی (وپرہیزگاری) پر قائم رہے، اور وہ لوگ تم پر یکبارگی حملہ آور ہو گئے، تو تمہارا رب تمہاری مدد فرمائے گا، پانچ ہزار ایسے فرشتوں سے جو کہ خاص نشانوں والے ہوں گے۔

گویا یہ اللہ تعالیٰ کے خاص انعام و اکرام کی کیفیت تھی کہ آپ ﷺ جب غزوہ احد کے دن فرمارہے تھے کہ آسمان سے تین ہزار فرشتے اتر کر تمہاری مدد کریں گے پس تم صرف میرے ساتھ ثابت قدم رہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب اہل مکہ تم پر حملہ آور ہوں گے تو میں پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گا۔ اس مژدہ جانفزا کو سن کر اصحاب رسول بڑی شجاعت و بہادری سے لڑے یہاں تک کے دشمن کے چھکے چھڑا دیے اور وہ منتشر ہونا شروع ہو گئے۔ جبل رماۃ پر تعینات مسلم تیر اندازوں کے دستہ نے خالد بن ولید کی قیادت میں کیے گئے کفار کی جماعت کے تین حملے پسپا کر دیئے۔ مگر تیر اندازوں سے خطا یہ ہوئی کہ جب انہوں نے کفار کو بھاگتے دیکھا تو اپنی فتح کو یقینی جان کر اپنی

---

(1) آل عمران: ۱۲۴، ۱۲۵

جگہ سے ہٹ گئے اور مال غنیمت سمیٹنے میں لگ گئے۔ جیسے ہی تیر اندازوں نے جگہ چھوڑی تو خالد بن ولید کے دستے نے پلٹ کر پھر جو ایسا حملہ کیا کہ اس سے مسلمانون کو بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑا۔ اس طرح میدان احد میں جیتی ہوئی جنگ تیر اندازوں کی غلطی کی وجہ سے شکست میں بدل گئی۔ اللہ کریم نے اہل ایمان کی اس غلطی کا ذکر ضرور کیا مگر پھر معافی کا اعلان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری لغزش کو در گزر کر دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحُسُّونَهُمْ بِإِذْنِهِ حَتَّى إِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا أَرَاكُمْ مَا تُحِبُّونَ مِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾[1]

اور یقیناً اللہ نے سچ کر دکھایا تم لوگوں سے اپنا وعدہ، جبکہ تم لوگ ان (دشمنان اسلام) کو تہ تیغ کرتے چلے جارہے تھے اللہ کے (حکم و) اذن سے، یہاں تک جب تم لوگوں نے بزدلی دکھائی، اور جھگڑا ڈال دیا اپنے معاملے میں، اور تم نے نافرمانی کا ارتکاب کیا، اس کے بعد اللہ نے تم کو دکھادیا تھا وہ کچھ جس سے تم لوگ محبت رکھتے تھے، (یعنی فتح و نصرت) تم میں سے کچھ دنیا چاہتے تھے اور کچھ آخرت، پھر اللہ نے تم کو پھیر دیا ان لوگوں سے، (جس سے تم پسپائی سے دوچار ہو گئے) تاکہ اس طرح وہ تمہاری آزمائش کرے، اور البتہ تحقیق اس نے معاف فرمادیا تم سب کو، اور اللہ بڑا ہی فضل والا ہے ایمانداروں پر۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ احد میں ہونے والے نقصان کی ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی بات نہ مانی اور جبل رماۃ سے اتر کر مال غنیمت جمع کرنے لگ گئے۔ یہی وہ لوگ تھے جو مال دنیا کی رغبت میں آزمائش میں مبتلا ہوئے مگر اللہ تعالیٰ کا ان پر فضل و احسان یہ ہے کہ اس نے ان لوگوں کو معاف فرمادیا۔ مسلمان جب مال غنیمت کے لیے اتر آئے اور پہاڑی کی جانب سے حملہ ہو گیا۔ تو ایسی غیر متوقع صورت حال سے جب بھگدڑ مچی جس سے مسلمانوں کے ستر اصحاب شہید ہوئے ان میں مہاجر دستے کے علمبر دار سیدنا مصعب بن عمیرؓ جو شکل و شباہت میں آپ ﷺ سے مشابہت رکھتے تھے شہید ہو گئے تو کفار نے یہ مشہور کر دیا کہ محمد ﷺ شہید کر دیئے گئے ہیں۔ یہ سنتے ہی مسلمانوں میں سخت اضطراب پیدا ہو گیا اور ساتھ ہی ان کے حوصلے بھی پست ہو گئے۔ اور بعض نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اگر حضرت محمد ﷺ نہیں رہے تو ہم جنگ کس لیے کریں گے؟ مسلمانوں کو اس کیفیت پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ تم آئے تو جذبہ شہادت لے کر تھے، موت کی تمہیں بڑی تمنا تھی تو اب پیچھے کیوں ہٹتے ہو؟ آگے بڑھو، موت کا سامنا کرو، دشمن کے سامنے ڈٹ جاؤ۔ اور محمد

---

(1) آل عمران: ۱۵۲

ﷺ آئے ہیں تو انہوں نے جانا بھی ہے جیسے دیگر انبیاء علیہم السلام بھی آئے اور چلے گئے۔ اگر محمد ﷺ نہ رہے تو کیا تم دین الٰہی سے پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی ایسا کرے گا تو یہ اسی کے لیے نقصان دہ ہے اللہ تعالیٰ کا تم کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتے۔ اور جو استقامت اختیار کریں گے ان کو جزاء سے نوازا جائے گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ o وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ﴾(1)

اور تم لوگ تو (بڑے زور و شور سے) موت کی تمنا کرتے تھے، اس سے پہلے کہ تمہارا اس سے آمنا سامنا ہوتا، سو اب وہ تمہارے سامنے آگئی، اور تم اسے کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔ اور محمد ﷺ نہیں ہیں مگر ایک رسول ان سے پہلے بھی گزر چکے ہیں بہت سے رسول، تو کیا اگر وہ مر جائیں، یا قتل کر دیئے جائیں، تو تم لوگ (راہ حق و صواب سے) الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور (یاد رکھو کہ) جو کوئی پھر گیا (راہ حق و صواب سے) تو وہ (یقینا اپنا ہی نقصان کرے گا) اللہ کا کچھ بھی نہیں بگاڑے گا، اور اللہ جلد ہی نوازے گا شکر گزاروں کو ان کے (صلہ و) بدلہ سے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی اس آیت کریمہ کے تحت لکھتے ہیں کہ:

"احد کے دن جب مسلمان زخمی ہوئے اور تکالیف اٹھانی پڑیں تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو پکارا تو بعض نے جواب دیا کہ آپ ﷺ تو شہید ہو گئے ہیں۔ اس پر جن کا ایمان متزلزل ہوا کہنے لگے اگر نبی ﷺ سچے ہوتے تو مارے نہ جاتے۔ کچھ نے کہا کہ جس امر کے لیے نبی کریم ﷺ نے قتال کیا ہے تم بھی اسی مقصد کے لیے لڑو تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں فتح عطا فرما دے یا تم بھی شہید کر دیئے جاؤ۔"(2)

اسی تذبذب بھری کیفیت کی وجہ سے مسلمانوں کو احد میں شدید نقصان کا سامنا کرنا پڑا۔ اگر رسول اللہ ﷺ کی حکم عدولی نہ کرتے اور ڈٹ کر دشمن کا مقابلہ کرتے رہتے تو بدر سے بڑی شکست کا کافروں کو سامنا کرنا پڑتا۔ اس صورت حال میں بھی کفار کو فاتح قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ جب جنگ شروع ہوئی تو بری طرح کافر پسپا ہوئے بعد میں مسلمان جب پہاڑی سے اتر آئے تو مشرکین کو حملے کو کھلا موقع میسر آیا جس سے اصحاب رسول کو بہت زیادہ جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ جیسے ہی بھگدڑ مچی کچھ مالِ غنیمت سمیٹنے لگ گئے تو اور کچھ ادھر ادھر بھاگنے لگ گئے فتح کی

---

(1) آل عمران: ۱۴۴، ۱۴۳

(2) التفسیر المظہری، ج ۲، ص ۱۴۷

خوشی میں ایسی صورت حال میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو پکارا اور آوازیں دیں۔ یاعباد اللہ یاعباد اللہ، اے اللہ کے بندو! میری طرف لوٹ کر آؤ۔ اے اللہ کے بندو! میری طرف لوٹ کر آؤ جبکہ تم اس آواز کی طرف مڑ کر دیکھتے بھی نہ تھے۔ اسی نافرمانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں دکھ اور غم میں مبتلا کیا۔ اس منظر کو قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُونَ عَلَى أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أُخْرَاكُمْ فَأَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلَى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴾[1]

(اور یاد کرو کہ) جب تم لوگ بھاگے جارہے تھے، اور کسی کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے، اور تمہارے رسول تمہیں پیچھے سے پکار رہے تھے، پھر اس (وحدہ لاشریک) نے تم کو غم پر غم دیا تاکہ تم آئندہ نہ غم کرو کسی ایسی چیز پر جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائے، اور نہ (ہی تم دل برداشتہ ہوا کرو) کسی ایسی مصیبت پر جو تمہیں پیش آجائے، اور اللہ پوری طرح باخبر ہے ان سب کاموں سے جو تم لوگ کرتے ہو۔

جب اہلِ ایمان کو غم پر غم ملا کہ ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوگئے اور مال غنیمت بھی ہاتھ سے جاتا رہا تو ایسی صورت حال میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو پھر امن وسکون عطا فرمایا۔ ان کی اس خطا کو معاف کر دیا تاکہ مطمئن ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر غم اور دکھ کے اثرات کم کرنے کے لیے ان پر اونگھ طاری کر دی جس سے مسلمانوں کو سکونت حاصل ہوئی اور وہ گہری نیند سوگئے۔ مسلمان اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان سے آرام سے سوگئے جب کہ کافر بے چینی اور خوف کی کیفیت میں مبتلا رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس ساری صورت حال کو بیان فرمایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُعَاسًا يَغْشَى طَائِفَةً مِنْكُمْ وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنْفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُولُونَ هَلْ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ يُخْفُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُونَ لَكَ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَا قُتِلْنَا هَاهُنَا قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَى مَضَاجِعِهِمْ وَلِيَبْتَلِيَ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴾[2]

پھر اس (خدائے مہربان) نے (اپنی خاص رحمت وعنایت سے) تم پر (جب کہ دشمن میدان سے

---

(1) آل عمران: ۱۵۳

(2) ایضاً: ۱۵۴

نکل چکا تھا) امن کی ایک خاص کیفیت طاری کر دی یعنی ایک ایسی اونگھ سی جو چھا رہی تھی، تم میں سے ایک گروہ پر، جب کہ ایک اور گروہ کو اپنی جانوں ہی کی فکر کھائے جا رہی تھی، یہ لوگ گمان کر رہے تھے اللہ کے بارے میں ناحق طور پر جاہلیت کا گمان، یہ لوگ (اپنے خاص انداز میں) کہتے تھے کہ کیا اس کام میں ہمارا بھی کوئی (حصہ اور) اختیار ہے؟ کہو اختیار تو سب اللہ ہی کیلئے (اور اسی کے ساتھ خاص) ہے، یہ لوگ اپنے دلوں میں وہ کچھ چھپاتے ہیں جو آپ کے سامنے ظاہر نہیں کرتے، کہتے ہیں کہ اگر ہمارے لیے بھی اس معاملہ میں کوئی شئ (رائے اور اختیار کی) ہوتی، تو ہم لوگ یہاں (اس میدان احد میں اس طرح) قتل نہ ہوتے، کہو کہ اگر تم لوگ اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو بھی وہ لوگ خود بخود نکل آتے اپنی قتل گاہوں کہ طرف، جن پر قتل ہونا لکھ دیا گیا تھا، اور (یہ سب کچھ اس لیے بھی ہوا کہ) تاکہ اللہ آزمائش کرے اسکی جو کچھ کہ ان کے سینوں کے اندر (چھپا ہوا) ہے، اور تاکہ اللہ چھانٹ دے وہ کچھ، جو کہ تمہارے دلوں میں ہے (شوائب وساوس میں سے) اور اللہ خوب جانتا ہے دلوں کے (اندر چھپے بھیدوں اور) رازوں کو۔

جنگ احد کے دن جب مشرکین واپس جانے لگے تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا، ہم اگلے سال بدر میں مقابلہ کریں گے۔ آپ ﷺ نے ان کے پیچھے ایک شخص کو بھیجا کہ دیکھو یہ لوگ اپنے گھوڑوں پر بیٹھ گئے ہیں اور سازوسامان ایک طرف رکھ دیا ہے۔ اگر ایسا ہے تو یہ پھر مدینہ پر حملہ کرنے جا رہے ہیں ایسی صورت میں تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور صبر کے ساتھ جنگ کی تیاری کرو۔ مخبر نے دیکھا کہ وہ اپنے سازوسامان پر بیٹھ گئے ہیں تو اس نے جلدی سے آکے ان کے جانے کی اطلاع دی۔ مسلمانوں کو جب اس کا علم ہوا تو انہوں نے آپ ﷺ کی تصدیق کی اور بے فکر ہو کر سوگئے۔ جبکہ منافقین جاگتے رہے، انہیں خطرہ یہ تھا کہ کفار آکر حملہ کر دیں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔[1]

جنگ احد میں منافقین کی اس کیفیت اور مسلمانوں کے اونگھنے کی حالت کو بیان کرتے ہوئے امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری مزید لکھتے ہیں کہ:

> ”حضرت ابو طلحہ بیان کرتے ہیں کہ میں ان لوگوں میں سے تھا جن پر اونگھ طاری ہوگئی تھی۔ میرے ہاتھ سے تلوار بار بار گر جاتی تھی، میں نے احد کے دن سر اٹھا کر دیکھا تو ہر شخص اپنی ڈھال کے نیچے نیند سے جھونکے کھا رہا تھا، مجھ پر بھی اونگھ طاری ہو رہی تھی، میرے ایک ہاتھ سے تلوار گر جاتی تو میں دوسرے ہاتھ میں اٹھالیتا۔ دوسری طرف منافقین کو اپنی جانوں کا خطرہ لاحق

---

(1) جامع البیان فی تاویل القرآن، ج ۷، ص ۳۱۵

تھا اور وہ زمانہ جاہلیت کی طرح اللہ تعالیٰ کے متعلق طرح طرح کی بدگمانیاں کر رہے تھے۔"[1]

اس سکینت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ایک اور انعام و کرم یہ بھی عطا فرمایا کہ جو اصحاب شہید ہوئے ان کو بلند مقام و مرتبہ کی بشارت عطا فرمائی۔ اور فرمایا کہ یہ مرے نہیں بلکہ انہیں ایک نئی ایسی حیات عطا کر دی گئی ہے جس کا تم شعور نہیں رکھتے۔ ان شہدا کو کوئی حزن و ملال نہ ہو گا اور اللہ تعالیٰ انہیں مزید اپنے خصوصی فضل و کرم سے سرفراز فرمائے گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ۝ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾[2]

اور تم ان لوگوں کو جو کہ اللہ کی راہ میں مارے جائیں کبھی مردہ نہیں سمجھنا کہ وہ (حقیقت میں) زندہ ہیں، اپنے رب کے یہاں رزق پا رہے ہیں۔ وہ خوش و خرم ہیں ان نعمتوں سے جن سے اللہ نے ان کو نوازا ہے اپنے فضل (و کرم) سے، اور یہ خوش ہوتے ہیں ان لوگوں کی بناء پر بھی جو ان کے پیچھے (اور ان کے نقش قدم پر) ہیں، اور جو ابھی تک ان سے ملے نہیں کہ (وہ بھی اگر شہادت کی موت پالیں تو) ان پر بھی نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے شہداء کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ان کو باقی مرے ہوئے لوگوں کی طرح مردہ نہ کہو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے نبی کریم زندہ ہیں اور انہیں رزق دیا جاتا ہے۔ امام ابو عیسیٰ الترمذی اس آیت کریمہ کی تفسیر میں شہداء کی عظمت و رفعت کو ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کریمہ کی تفسیر پوچھی گئی تو انہوں ارشاد فرمایا کہ ہم نے بھی اس کی تفسیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان (شہداء) کی روحیں سبز پرندوں کی شکل میں ہیں، جو جنت میں جہاں چاہتے ہیں پھرتے ہیں۔ ان کا ٹھکانہ عرش سے لٹکی ہوئی قندیلیں ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کی طرف جھانکا اور پوچھا! کیا تم لوگ کچھ اور بھی چاہتے ہو جو میں تمہیں عطا کروں۔ انہوں نے عرض کیا یا اللہ ہم اس سے زیادہ کیا چاہیں گے کہ ہم جنت میں جہاں چاہتے ہیں گھومتے پھرتے ہیں۔ پھر دوبارہ اللہ تعالیٰ نے ان سے اسی طرح کہا تو شہداء نے سوچا کہ ہم اس وقت تک نہیں چھوٹیں گے جب تک کوئی فرمائش نہیں کریں گے۔ تو انہوں نے تمنا ظاہر کی کہ ہماری روحیں ہمارے

---

(1) جامع البیان فی تاویل القرآن، ج۷، ص ۳۱۵

(2) آل عمران: ۱۷۰،۱۶۹

جسموں میں واپس کر دی جائیں تا کہ ہم دنیا میں جائیں اور دوبارہ تیری راہ میں شہید ہو کر آئیں۔[1]

مذکورہ بالا آیات سے کافی حد تک غزوہ احد کے متعلق تفصیلات حاصل ہوتی ہیں۔ جن سے بخوبی جنگ کے احوال کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ کوئی شخص اگر قرآن مجید ہی سے غزوہ احد کی معلومات لینا چاہے تو اس کو تسلی بخش ذخیرہ فراہم ہو جائے گا۔ اس سے مزید معلومات جیسے مجاہدین کے نام، کفار کے مقتولین اور سپہ سالاروں کے نام، شہداء کے نام، یا دیگر تفصیلات حاصل کرنے کے لیے کتب احادیث اور کتب سیر کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے۔ البتہ قرآن حکیم بطور ماخذ غزوہ احد کے بارے میں آگاہی پیش فرماتا ہے۔

غزوہ احد کے اثرات و نتائج

آیات قرآنیہ اور دیگر کتب ماخذ سیرت سے یہی واضح ہوتا ہے کہ ابتدا غزوہ احد میں مسلمانوں کو کفار پر برتری حاصل تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عددی اعتبار سے کفار آگے تھے مگر میدان میں مسلمانوں کا پلہ بھاری تھا۔ علی الاعلان فریقین میں سے کسی بھی فریق کو فاتح نہیں کہا جا سکتا۔ جیتی ہوئی بازی الٹنے کی اصل وجہ یہ تھی کہ جبل الرماۃ پر تعینات تیر انداز امیر جنگ کی اجازت کے بغیر چوٹی چھوڑ کر نیچے آ گئے تھے۔ اس طرح دشمن کو موقعہ مل گیا اور اس نے اسی راستے سے آکر مسلمانوں پر ہلا بول دیا۔ اس طرح اہل ایمان کی فتح شکست میں بدل گئی جس سے مسلمانوں کو بھاری جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم غزوہ احد میں شہید ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی افواہ بھی پھیلا دی گئی جس کا نقصان یہ ہوا کہ بعض مسلمانوں نے دل برداشتہ ہو کر اپنے ہتھیار پھینک دیئے اس لیے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نہ رہے تو ہم نے لڑ کر کیا کرنا ہے اور بعض کھل کر لڑنے لگے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی شہید ہو گئے ہیں تو ہم نے جی کر کیا کرنا ہے۔ اسی اضطرابی کیفیت میں مسلمانوں کو بڑے جانی نقصان کا سامنا کرنا پڑا۔ مسلمانوں نے قدرے تاخیر سے ہی، دشمن پر قابو پالیا جس سے امیر کفار ابو سفیان نے اپنے ساتھیوں کو لے کر بھاگنے ہی میں عافیت سمجھی اور جاتے جاتے اپنی فتح کا اعلان بھی کر گیا حالانکہ اس غزوہ کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تھا۔

غزوہ احد اس اعتبار سے مسلمانوں پر بڑا بھاری ثابت ہوا کہ اس میں مسلمانوں کو جانی نقصان بہت زیادہ ہوا۔ بڑے بڑے بہادر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس غزوہ میں شہید ہوئے جیسے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بھاری تعداد زخمی ہوئی، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس غزوہ میں زخمی ہوئے۔ مسلمانوں نے اس جنگ میں استقامت دکھا کر دشمن کو یہ واضح کر دیا کہ مسلمان اگر ڈٹ جائیں تو یہ میدان کی کایہ پلٹ سکتے ہیں اور اسی وجہ سے دشمن نے جب دیکھا کہ مسلمان شکست کے آثار دیکھ کر بھی میدان میں جمے رہے تو کہیں ہماری فتح شکست میں نہ بدل جائے اسی لیے واپس لوٹ جانے میں عافیت ہے۔ کفار مسلمانوں کا جانی

---

(1) سنن الترمذی، حدیث نمبر ۳۰۱۱، ج ۵، ص ۲۳۱

نقصان کرنے باوجود خائف تھا کہ کہیں میدان جنگ پہلے والا نقشہ نہ پیش کر دے اور ہم بھاگنے کے لائق بھی نہ رہیں۔اس غزوہ کے بعد مسلمانوں کے دبدبے میں کمی آئی۔وہ رعب اور دبدبہ جو بدر کے بعد پیدا ہوا تھا اس میں قدرے کمی آگئی تھی۔اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ کفار یہ اعلان کر رہے تھے کہ ہم نے مسلمانوں سے بدر کا بدلہ لے لیا ہے اور آئندہ جنگ میں ہم ان پر حاوی ہو جائیں گے۔ منافقین غزوہ بدر میں مسلمانوں کی فتح سے ڈر گئے تھے اور سر اٹھا کر کسی سازش کا حصہ نہیں بنتے تھے۔احد میں عبد اللہ ابن ابی اپنے ساتھیوں کو لے کر میدان جنگ میں پہنچنے سے پہلے ہی واپس آگیا تھا۔اب جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمان کثیر تعداد میں شہید ہوئے ہیں تو پروپیگنڈا کرنا شروع کر دیا کہ ہم تو مدینہ سے باہر جا کر لڑنے کے حق میں ہی نہ تھے،اگر ہماری بات مانی ہوتی تو آج یہ دن دیکھنا نہ پڑتا حتی کہ آپ ﷺ کی کردار کشی کرنے میں بھی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔کہنے لگے کہ شکست مسلمانوں کی غلط جنگی منصوبہ بندی کی وجہ سے ہوئی اور (معاذ اللہ) آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے نبی نہیں ہیں۔(1)

عرب قبائل نے ہر دور میں طاقت ور کا ساتھ دیا ہے۔جب بدر میں مسلمان فتح یاب ہوئے تو وہ کسی حد تک ان کی طرف مائل ہوئے مگر احد میں صورت حال دیکھ کر ان کی سوچ بدل گئی کہ کیوں نہ سارے قبائل مل کر مسلمانوں پر یلغار کریں اور ان کو ختم کر دیں۔کفار مکہ نے عرب قبائل کی اس بدلی ہوئی سوچ سے فائدہ اٹھایا اور پھر سب کو جمع کیا جس کے نتیجہ میں غزوہ احزاب پیش آیا۔احد کے بعد دوسرے سال ہی عرب قبائل نے قریش کے جھنڈے تلے جمع ہو کر مسلمانوں پر چڑھائی کر دی۔قریش،قبائل عرب،یہودی اور منافقین نے گٹھ جوڑ کر کے مسلمانوں کے خلاف سازش کی اور ایک بار پھر میدان سجایا مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے لیکن اللہ تعالیٰ کی نصرت اور اہل ایمان کی ثابت قدمی ان نے ناپاک عزائم کو خاک میں ملا گئی۔

یہی مذکور الذکر نتائج ہیں غزوہ احد کے کہ جو اس بحث سے اخذ کئے گئے ہیں۔اس غزوہ سے اسلامی ریاست میں ہلچل مچ گئی اور مسلمانوں کو پھر سے اپنا تشخص اور رعب بحال کرنے کے لیے کوشاں ہونا پڑا۔لیکن جلد ہی مسلمانوں نے اپنا ہوا وقار بحال کر لیا۔دوسری طرف مشرکین نئی سازشوں کا جال بنا کر اگلے معرکہ کے لیے کوشاں تھے جس کے نتیجہ میں پانچ ہجری میں غزوہ خندق ہوا۔اس غزوہ میں بھی کفار کے دس ہزار لشکر کو شکست فاش ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے حق کو سربلند کر دیا۔

---

(1)البدایہ والنہایہ،ج۴،ص۵۹

فصل سوم: غزوه احزاب

غزوہ احزاب

غزوہ احزاب اس حوالے سے بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ مشکل ترین صورت حال سے نکال کر مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے فتح یاب فرمایا۔ مسلمانوں کی تعداد تین ہزار تھی۔ جبکہ ان کے مقابلے میں ۱۰ ہزار حملہ آور تھے جن میں عرب کے قبائل بنی غطفان، بنی سعد، بنی سلیم اور یہودی قبیلہ بنی قریظہ شامل تھے۔ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کھودنے کا حکم دیا۔ کیونکہ اتنے بڑے اور مضبوط جھتے سے مقابلہ کرنا آسان نہ تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان نفوس قدسیہ کو غلبہ عطا فرمایا اور دشمنان دین کو ذلیل ورسوا کیا جس سے اسلام کی عزت میں بیش بہا اضافہ ہوا۔ اس غزوہ کے اسباب درج ذیل ہیں:

غزوہ خندق کے اسباب

اس غزوہ کا ایک سبب یہ ہے کہ یہودی جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ امن کیا ہوا تھا وہ ہر ممکن کوشش کر رہے تھے کہ مسلمانوں کی ریاست کو مٹا کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کا کام تمام کر دیا جائے۔ مشرکین نے جب بھی مسلمانوں پر حملہ کیا، یہودیوں نے ان کا ساتھ دیا۔ قبیلہ بنو نضیر نے جب معاہدے کی خلاف ورزی کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی جاں بخشی فرمادی اور ان کو اپنے بیوی بچوں کے ساتھ دیگر سازوسامان بھی لے کر جانے کی اجازت دے دی۔ مدینہ طیبہ سے نکل جانے کے بعد بھی ان کے اندر نفرت کی آگ بھڑک رہی تھی اور یہودی سر جوڑ کر بیٹھ گئے کہ کس طرح یہ چراغ بجھایا جائے۔ انہوں نے منصوبہ تیار کیا کہ قریش اور دیگر قبائل کو ساتھ ملا کر مدینہ پر بھرپور حملہ کر دیا جائے۔ اس مشن کو لے کر حیی بن اخطب النضری، کنانہ بن الربیع بن الحقیق النضری، ہوذہ بن قیس الوائلی، سلام بن ابی الحقیق النضری، ابو عمار الوائلی، بنو نضیر اور بنو وائل کے کچھ لوگ بھی گھروں سے نکل پڑے۔ جب یہودی مکہ میں مشرکین سے آکر ملے اور انہیں مکمل طور پر تعاون کا یقین دلایا کہ تم مدینہ پر حملہ کرو سارا عرب تمہارے ساتھ ہے اور ہم اپنے سارے وسائل اس جنگ کے لیے پیش کرتے ہیں۔ قریش مکہ پہلے ہی مسلمانوں کے خلاف معرکہ آرائی کے لیے تیار تھے اور ان کے اندر احد سے عجلت میں لوٹ آنے کا قلق بھی تھا اس لیے انہوں نے یہ موقع غنیمت جانا اور یہودیوں کے کہنے پر آمادہ ہوگئے۔ قریش کو ساتھ ملانے کے بعد یہودی سرداروں نے قبیلہ غطفان (جو کہ یہودی قبیلہ تھا) کو بھی ساتھ ملا لیا۔ قبیلہ غطفان والے بھی مسلمانوں کے خلاف ایک بڑی جنگ اور بڑے حملے کے لیے تیار تھے۔ یہودیوں کی سازشوں اور گٹھ جوڑ سے دس ہزار کا ایک لشکر جرار تیار ہو گیا تھا۔[1]

ادھر مدینہ طیبہ میں مسلمانوں کو جب اطلاع ملی تو وہ دفاعی تیاریوں میں مصروف ہوگئے اور متفقہ طور پر طے

---

(1) السیرۃ النبویہ، ج۴، ص ۱۷۲

یہ ہوا کہ مدینہ طیبہ کے شرقی جانب گہری خندق کھود کر دشمن کا حملہ روکا جائے۔خندق کی کھودائی دن رات ایک کر کے مسلسل مشقت برداشت کر کے کی گئی جس میں نبی کریم ﷺ نے بھی شرکت کی۔[1] مشرکین مدینہ کی مشرقی جانب احد پہاڑ کے دامن میں آکر ٹھہرے تھے۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:جب کفار تمہارے اوپر اور تمہارے نیچے سے تم پر حملہ آور ہوئے تھے۔آپ ﷺ تین ہزار مجاہدین کے ساتھ مقابلے کے لیے نکلے تھے۔آپ ﷺ کی پشت پر سلع پہاڑ تھا اور دشمن آپ ﷺ کے سامنے تھا۔آپ ﷺ کے اور دشمن سواروں اور پیادوں کے درمیان خندق تھی،خواتین اور بچے مدینہ شہر میں تھے۔مدینہ کے دونوں شرقی جانبوں میں یہود کی ایک جماعت بنو قریظہ تھی۔انہوں نے آپ ﷺ یہ معاہدہ کیا ہوا تھا کہ اگر دشمن نے مدینہ پر حملہ کیا تو وہ مسلمانوں کی طرف سے مدافعت کریں گے۔ان میں سات سو جنگ جو تھے۔دشمن کی طرف سے حی بن اخطب النضری ان کے پاس گیا اور ان کو اس معاہدہ توڑنے پر اکسایا جس سے انہوں معاہدہ توڑ دیا۔اب صورت حال یہ تھی کہ باہر سے دس ہزار کے لشکر جرار نے گھیرا تنگ کیا ہوا تھا اور اندر سے سات سو یہودی غدار جو کہ جنگ کرنے کے لیے تیار تھے۔مسلمان دفاعی تیاریوں میں مصروف تھے لیکن ساتھ ہی ساتھ اتنے بڑے لشکر کی سن کر ہراساں بھی تھے۔اس ساری صورت حال میں مسلمانوں کے دلوں میں شدید بے چینی واضطراب تھا اور طرح طرح کے وسوسے پیدا ہو رہے تھے۔اس ساری کیفیت کو قرآن مجید نے اس طرح بیان کیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ۝ إِذْ جَاءُوكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا﴾[2]

اے وہ لوگوں جو ایمان لائے ہو یاد کرو تم اللہ کے اس احسان کو جو اس نے تم پر اس وقت فرمایا تھا جب کہ چڑھ آئے تھے تم پر بہت سے لشکر تو آخر کار ہم نے ان پر ایک سخت آندھی بھیج دی تھی اور ایسے بہت سے لشکر بھی (تمہاری مدد کے لیے) جو تمہیں نظر نہیں آرہے تھے اور اللہ پوری طرح دیکھ رہا تھا وہ سب کچھ جو تم لوگ کر رہے تھے۔جب کہ چڑھ آئے تھے تم پر وہ لوگ (یعنی تمہارے دشمن) تمہارے اوپر سے اور تمہارے نیچے سے بھی اور جب پتھرا گئی تھیں آنکھیں اور منہ کو آ گئے تھے کلیجے اور تم لوگ اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگ گئے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہارے اوپر جو لشکر جرار

---

(1) البدایہ والنہایہ، ج۴، ص۱۰۸

(2) الاحزاب:۱۰،۹

حملہ آور ہو رہا تھا تم اس کی وجہ سے پریشان تھے اور تمہیں وہ لشکر نظر نہیں آئے جو ہم نے تمہاری مدد کے لیے اتارے تھے۔ اتنے بڑے لشکر کو دیکھ کر تمہاری آنکھیں پتھرا گئیں تھیں، کلیجے منہ کو آگئے اور اس اضطرابی کیفیت میں تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگ گئے تھے۔ احزاب کے دن کی کیفیت امام مسلم نے نقل کی ہے جو یوں ہے:

حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ مجھے وہ منظر یاد ہے کہ ہم احزاب کی رات نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے، وہ ایک سرد رات تھی اور آندھی بہت تیز چل رہی تھی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی ایسا شخص ہے جو کفار کی خبریں حاصل کر کے آئے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے میری رفاقت عطا فرمائے گا۔ ہم خاموش رہے اور ہم میں سے کسی نے جواب نہیں دیا، آپ ﷺ نے پھر ارشاد فرمایا کون ہے جو کفار کی خبریں لے کر آئے، ہم پھر خاموش رہے اور کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا! اے حذیفہ تم جاؤ اور کفار کی خبریں لے کر آؤ۔ جب آنحضرت ﷺ نے میرا نام پکارا تو میرے لیے اٹھنے کے سوا چارہ نہ تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ خبریں لے کر آؤ مگر ان کو میرے خلاف غضب میں نہ لانا۔ جب میں ان کی طرف روانہ ہوا تو ایسے لگ رہا تھا جیسے میں گرم حمام میں چل رہا ہوں، جب میں ان کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ ابو سفیان اپنی پیٹھ کو آگ سے سُلکا رہا ہے، میں نے کمان پر تیر چڑھا کر اس کو مارنے کا ارادہ کیا۔ پھر مجھے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد یاد آیا کہ ان کو میرے خلاف غضب میں نہ لانا، اگر میں اس وقت تیر مارتا تو بلاشبہ وہ نشانے پر لگتا۔ میں واپس اس حال میں لوٹا کہ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میں گرم حمام میں چل رہا ہوں، واپس آکر میں نے آپ ﷺ سے کفار کی خبریں بیان کیں اور جب میں فارغ ہوا تو مجھے سردی لگنے لگی تب نبی کریم ﷺ جس چادر کو اوڑھ کر نماز ادا فرما رہے تھے آپ ﷺ نے اس کا ایک پلو مجھے اوڑھا دیا، میں اس کو اوڑھ کر صبح تک سوتا رہا، جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے بہت سونے والے اٹھ جا۔[1]

مشرکین اور یہود نے مل کر جو جتھہ تیار کیا تھا، انہوں نے آپس میں اکٹھے مرنے جینے کا عہد و پیمان کر رکھا تھا۔ اس عہد و پیمان سے قبل مشرکین نے یہود سے پوچھا کہ تم بھی اہل کتاب ہو تو کیا تمہیں معلوم ہے کہ ہمارا اور محمد (ﷺ) کا کیا اختلاف ہے؟ کیا ہمارا دین بہتر ہے یا مسلمانوں کا؟ تو یہودیوں نے کہا کہ مسلمانوں کے دین سے تمہارا دین بہتر ہے۔ اندازا کریں کس درجہ مطلب پرستی اور اسلام دشمنی کا اظہار ہے کہ خود اہل کتاب ہونے کے باوجود مشرکین کی حمایت میں کس قدر غلو سے کام لیا؟ اور مؤمنین کو نجس ترین فرقہ سے بھی نچلے درجے کا قرار دے دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی سرزنش کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جنہوں نے اسلام کو شرک سے حقیر کہا وہ اللہ تعالیٰ کی لعنت کے مستحق ہیں اور کوئی بھی ان کا مددگار نہ ہوگا۔

---

(1) صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب غزوۃ الاحزاب، حدیث نمبر ۱۷۸۸، ج ۳، ص ۱۴۱۴

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَؤُلَاءِ أَهْدَى مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا o أُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ وَمَنْ يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا﴾(1)

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو دیا گیا ایک حصہ (علم) کتاب کا، (مگر اس کے باوجود) وہ ایمان رکھتے ہیں بتوں اور شیطانوں پر، اور وہ کافروں کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان والوں کے مقابلے میں زیادہ صحیح راستے پر ہیں۔ یہ ہیں وہ لوگ جن پر لعنت (وپھٹکار) پڑ گئی اللہ کی، اور جس پر اللہ کی لعنت (وپھٹکار) پڑ جائے تو تم نہیں پا سکو گے اس کے لیے کوئی (یارو) مددگار۔

امام فخر الدین رازی اس آیت کریمہ کے شان نزول کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ حی بن اخطب اور کعب بن اشرف چند یہودیوں کے ساتھ مکہ گئے۔ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لیے قریش کو اپنا حلیف بنانا چاہتے تھے۔ قریش نے ان سے کہا، تم اہل کتاب ہو اور تم ہماری نسبت محمد (ﷺ) کے زیادہ قریب ہو۔ ہم تمہاری بات پر اس وقت تک اعتبار نہیں کریں گے جب تک تم ہمارے بتوں کو سجدہ نہ کرو تاکہ ہمارے دل مطمئن ہو جائیں۔ پس یہودیوں نے سجدہ کیا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بعض اہل کتاب جبت اور طاغوت پر ایمان لائے ہیں۔ پھر ابوسفیان نے کہا، بتاؤ ہم میں اور محمد (ﷺ) میں کون زیادہ ہدایت پر ہیں؟ کعب نے پوچھا، محمد (ﷺ) کیا کہتے ہیں؟ قریش نے کہا! وہ کہتے ہیں صرف ایک خدا کی عبادت کرو، بتوں کی پرستش چھوڑ دو اور انہوں نے اپنے باپ دادا کے دین کو چھوڑ دیا ہے اور لوگوں کو فرقہ میں ڈال دیا ہے۔ کعب نے پوچھا اور تم کیا کہتے ہو؟ قریش نے جواب دیا، ہم بیت اللہ کے محافظ ہیں، حجاج کو پانی پلاتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور قیدیوں کو چھڑاتے ہیں تب کعب نے کہا کہ تم زیادہ ہدایت پر ہو۔(2)

آخر کار کفر کی طاغوتی قوتوں سے مقابلہ کرنے کے لیے مسلمانوں نے مل کر کھدائی شروع کر دی۔ امام الانبیاء ﷺ نے بھی عام کارکنوں کی طرح سب کے ساتھ کھدائی میں شرکت فرمائی۔ خندق کی کھدائی کا کام دن رات مسلسل جاری رہا۔ اہل ایمان نے جان توڑ کوشش سے اس مشکل ترین کام کو جاری رکھا۔ اس کھدائی میں شریک اصحاب کو جب کہیں جانا ہوتا تو اجازت لے کر جاتے جبکہ منافقین بغیر اجازت کے نکل جاتے اور پھر واپسی کا رخ بھی نہ کرتے۔ گویا وہ کام سے جان چھوڑانے کے بہانے تلاش کرتے۔ منافقین کی اس حالت کو بھی قرآن مجید نے بیان کیا

---

(1) النساء: ۵۲،۵۱

(2) (الف) تفسیر الکبیر، ج ۱۰، ص ۱۰۱ (ب) اسباب نزول القرآن، نیشاپوری، ج 1، ص 156

ہے کہ مسلمان جب بھی جاتے ہیں وہ اجازت لے کر رسول اللہ ﷺ سے جاتے ہیں جبکہ منافقین اپنے انجام پر غور کریں جو کہ بغیر اجازت کے کھسک جاتے ہیں لہذا ان کو دنیا میں ہی اللہ کا عذاب آکر رہے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَى أَمْرٍ جَامِعٍ لَمْ يَذْهَبُوا حَتَّى يَسْتَأْذِنُوهُ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَنْ لِمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ο لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنْكُمْ لِوَاذًا فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴾(1)

مومن تو حقیقت میں وہی لوگ ہیں جو (دل وجان سے) ایمان لائے اللہ اور اس کے رسول پر اور جب وہ کسی اجتماعی کام میں رسول کے ساتھ ہوں تو اس وقت تک نہ جائیں جب تک کہ وہ ان سے اجازت نہ لے لیں اے پیغمبر جو لوگ آپ سے اجازت مانگتے ہیں بلاشبہ وہی ہیں جو ایمان ویقین رکھتے ہیں اللہ پر اور اس کے رسول پر پس جب یہ لوگ اپنے کسی کے لیے آپ سے اجازت مانگا کریں تو آپ ان میں سے جس کے لیے چاہیں اجازت دے دیا کریں اور ان کے لیے اللہ سے بخشش کی دعاء بھی کیا کریں بیشک اللہ بڑا ہی بخشنے والا نہایت ہی مہربان ہے۔ ایمان والو، خبردار کہیں تم رسول کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کو بلانے کی طرح نہ سمجھ لینا۔ یقینا اللہ پوری اور اچھی طرح جانتا پہچانتا ہے ان لوگوں کو جو تم میں کھسک جاتے ہیں آنکھ بچا کر سوڑنا اور اپنے ہولناک انجام سے بچنا چاہیے ان لوگوں کو جو خلاف ورزی کرتے ہیں اس وحدہ لاشریک کے حکم و ارشاد کی اس بات سے کہ کہیں اچانک اس دنیا ہی میں آن پڑے ان پر کوئی ہولناک آفت یا آپکڑے ان کو آخرت کا دردناک عذاب۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم اس سے بچو کہ رسول اللہ ﷺ تم سے ناراض ہو کر تمہارے خلاف دعا کریں کیونکہ آپ ﷺ کی ناراضگی کی دعا تمہارے لیے مصائب کے نزول کا موجب ہے اور آپ ﷺ کی دعائے ضرر کسی دوسرے کی بددعا کی طرح نہیں ہے۔ مجاہد اور قتادہ نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ایسے نام لے کر نہ بلاؤ جس طرح تم ایک دوسرے کو بلاتے ہو، جیسے محمد یا ابن عبد اللہ نہ کہو بلکہ آپ ﷺ کو تعظیم وتکریم سے مخاطب کرو، یا نبی اللہ، یا رسول اللہ کہہ کر مخاطب کرو۔ اور آپ ﷺ کی مجلس سے کسی کی آڑ لے کر چپکے سے کھسک نہ جایا کرو اور

---

(1) النور: ٦٣،٦٢

یہ آیات غزوہ خندق کے موقع پر نازل ہوئیں ہیں کیونکہ منافقین خندق کھودتے وقت رسول اللہ ﷺ سے نظریں بچا کر چپکے سے کھسک جایا کرتے تھے۔[1]

ان کے کھسک جانے کی درحقیقت اصل وجہ یہ تھی کہ منافقین مسلمانوں کے خلاف سازش میں پوری طرح سرگرم تھے۔ انہوں نے اضطراب و بے یقینی کی فضاء پیدا کرنے کی پوری کوشش کی اور کھسک جانے کا بہانہ یہ لگاتے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں۔ ان کی حفاظت کون کرے گا؟ اس لیے ہم اپنے گھروں کی حفاظت کے لیے جاتے ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کی اس مکاری کو اہل ایمان پر آشکار کیا ہے۔ کہ یہ منافق افتراء سے کام لیتے ہیں۔ ان کا اصل مقصد جنگ سے بھاگنے کا ہے اور ان کے گھر بھی غیر محفوظ نہیں ہیں مگر یہ آپ ﷺ سے کہتے کہ ہمیں گھروں کو جانیں دیں ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْ قَالَتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ إِنْ يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا ٥ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِنْ أَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَآتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوا بِهَا إِلَّا يَسِيرًا﴾[2]

اور (وہ بھی یاد کرنے کے لائق ہے کہ) جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا کہ اے یثرب کے لوگو! تمہارے لیے اب یہاں ٹھہرنے کا کوئی موقع نہیں پس تم لوٹ چلو اور ان میں سے ایک اور گروہ نبی سے اجازت مانگ رہا تھا (اس بہانے سے) کہ ہمارے گھر خطرے میں ہیں حالانکہ وہ ایسے کسی خطرے میں نہیں تھے یہ لوگ محض بھاگنا چاہتے تھے۔ اور (ان کا اندرونی حال یہ ہے کہ) اگر گھس آئے ہوتے ان پر دشمن اطراف مدینہ سے پھر ان کو دعوت دی جاتی فتنہ (وفساد) کی تو یہ (فوراً) اسمیں کو دپڑتے اور کچھ بھی توقف نہ کرتے۔

منافقین کی سازشیں اوپر سے یہود کی غداری کہ اپنے عہد سے مکر جانا، ان تمام نامصاعد حالات کے باوجود مسلمانوں کے حوصلے پست نہ ہوئے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے وعدے کو یاد رکھا۔ اہل ایمان کی اس ہمت اور ثابت قدمی کو اللہ تعالیٰ نے بطور تحسین ذکر فرمایا ہے کہ ہم نے احزاب میں جب اپنا وعدہ سچ کر دیا تو اس سے اہل ایمان کے جذبہ تسلیم ورضا اور استقامت میں مزید اضافہ ہو گیا۔ ان اہل ایمان میں سے بعض ایسے بھی تھے جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا وعدہ وفا کیا اور کسی بھی طرح سے روگردانی نہیں کی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَمَا

---

(1) معالم التنزیل فی تفسیر القرآن، ج۳، ص ۴۳۲

(2) الاحزاب: ۱۴،۱۳

زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا ۝ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَى نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا﴾[1]

اور (اس کے برعکس) جب سچے مومنوں نے دیکھا ان حملہ آور لشکروں کو تو وہ پکار اٹھے کہ اسی کا وعدہ فرمایا تھا ہم سے اللہ نے اور اس کے رسول نے اور بالکل سچ فرمایا تھا اللہ نے اور اس کے رسول نے اور اس سے ان کے ایمان اور جذبہ ٔ تسلیم و (رضا) میں اور اضافہ ہو گیا۔ ایمان والوں میں سے کچھ لوگ تو ایسے تھے جنہوں نے سچ کر دکھایا تھا اپنے اس عہد و پیمان کو جو انہوں نے اللہ سے کیا تھا پھر ان میں سے کچھ نے تو اپنی نذر پوری کر دی اور کچھ ابھی انتظار میں ہیں اور انہوں نے کسی طرح کی تبدیلی نہیں کی (اپنے جذبہ و رویہ میں)۔

دشمنان اسلام آئے تو بڑے کروفر سے تھے اور بڑی قوت کا مظاہرہ کیا تھا۔ ملت کفر کا لشکر دس ہزار کے لگ بھگ تھا۔ مگر باوجود کثرت تعداد اور ساری تدبیروں اور افراط سامان کے انہیں ناکام و نامراد لوٹنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے سخت ترین آندھی بھیج کر ان کے قدموں کو اکھاڑ دیا اور فرشتوں کو مسلمانوں کی مدد کے لیے اتارا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے لشکر اسلام کو فتح عطا فرمائی اور کفار کو منہ کی کھانی پڑی۔ ان کی جملہ کارستانیاں بے کار گئیں جبکہ مسلمان کم تعداد کے بھی ڈٹے رہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَرَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوا خَيْرًا وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ وَكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا عَزِيزًا﴾[2]

اور اللہ نے لوٹا دیا ان کافروں کو (اپنی قدرت و حکمت سے) ان کے غیظ (و غضب) کے ساتھ (اور اس طرح کہ) وہ کچھ بھی خیر نہ پاسکے اور کافی ہو گیا اللہ ایمان والوں کو اس لڑائی میں اور اللہ بڑا ہی قوت والا انتہائی زبردست ہے۔

اس غزوہ میں آٹھ مجاہدین شہید ہوئے جو کہ سب انصار میں سے تھے اور چار کافر قتل ہوئے۔ اس غزوہ کے مسلمانوں اور دیگر اقوام پر بڑے گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ کیونکہ اتنی بڑی قوت لے کر کفار جب چلے کہ ہم اس بار سارے مل کر مسلمانوں کو یکبارگی صفحہ ہستی سے مٹا دیں گے مگر ان کو منہ کی کھانی پڑی اور یہ سار گٹھ جوڑ بھی ان کے کسی کام نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو ان کی استقامت اور صدق و صفا کے باعث اپنی نصرت سے نوازا۔ اور مسلمانوں کی اس عظیم فتح سے دشمن کے قدم اکھڑ گئے کیوں کہ وہ پوری سازش و تیاری کے ساتھ مسلمانوں کو تہہ تیغ

---

(1) الاحزاب: ۲۲،۲۳

(2) ایضاً: ۲۵

کرنے چلے تھے اور ان کے ساتھ بھی بہت بڑی اتحادی قوت تھی۔ مگر جس کو اللہ تعالیٰ نے عزتوں سے سرفراز فرمانا تھا اور دشمن سے محفوظ رکھنا تھا اسے کیسے کوئی صفحہ ہستی سے مٹا سکتا تھا۔

غزوہ خندق کے نتائج

ان غزوات کے نتائج قرآن مجید کی کہ آیات سے بھی واضح ہوتے ہیں۔ دشمن جس ولولے کے ساتھ نکلا تھا اسے منہ کی کھانی پڑی۔ غزوہ خندق میں مسلمانوں کی استقامت نے دشمن کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا۔ اتحادی بڑے مادی و اتحادی وسائل ساتھ لے کر مدینہ پر حملہ آور ہوئے تھے اور ان کو یہ زعم تھا کہ کفار و مشرکین اور یہود کی مشترکہ قوت مسلمانوں کو کچل کر رکھ دے گی جس سے مسلمانوں کا نام و نشان تک مٹ جائے گا۔ لیکن جب مدینہ طیبہ کا محاصرہ کیا طول پکڑ گیا، دشمن کے وسائل بھی ختم ہونا شروع ہوگئے، اور دوسری جانب مسلمانوں کے پائے استقلال میں ذرا برابر بھی جنبش نہ آئی تو اتحادی شرمندگی اور ناکامی لے کر اپنے گھروں کو لوٹنے لگے۔ مشرکین کی اس ناکامی نے ان سب پر آشکار کر دیا کہ مسلمان ایک ناقابل تسخیر قوت ہیں۔ پہلے جو لوگ اسلام کا خاتمہ کرنے پر تُلے ہوئے تھے اب ان کو جرأت نہ ہوئی کہ دوبارہ مدینہ طیبہ کی طرف بڑھ سکیں بلکہ کہیں سے بھی مسلمانوں کو شرارت کی اطلاع ملی تو وہ خود دشمنان کی سکوبی کے لیے پہنچ گئے۔ اس طرح کفار و مشرکین کا زعم ختم ہوا اور مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے ناقابل تسخیر طاقت بنا دیا۔

اس غزوہ کے بعد قریش کی عسکری برتری بالکل ختم ہوگئی اور ان کے حوصلے پست ہوگئے۔ قریش مسلسل مسلمانوں پر حملے کر کے بھی کامیاب نہ ہوسکے یہاں تک کہ غزوہ احد میں ان کو قدرے برتری بھی حاصل ہوئی مگر کامیابی کے باوجود نہ وہ مدینہ پر حملہ کر سکے اور نہ ہی مال غنیمت سمیٹا اور کسی مسلمان کو گرفتار بھی نہ کر سکے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ احد میں مسلمانوں کے جانی نقصان پر حقیقت ان کے سامنے عیاں تھی کہ ہم تو ان سے پسپا ہو چکے تھے یہ تو بس ان کی کوئی اجتہادی خطا ہی ہے جو ہم نقصان پہنچانے میں کامیاب ہوئے ہیں تبھی تو وہ مزید آگے بڑھنے کی جرأت نہ کر سکے۔ مشرکین مکہ نے اپنی شکست کا مشاہدہ کیا ہوا تھا جس کی وجہ سے مسلمانوں کے تعاقب نے انہیں مزید جسمانی اور ذہنی طور پر ہراساں کیا۔ غزوہ خندق میں سارے عالم کفر نے مل کر بھی یلغار کی مگر شرمندگی، رسوائی اور ناکامی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔ اتنا بڑا اتحاد منہ کی کھا کر لوٹا اور نفسیاتی اعتبار سے بھی اپنی شکست کو تسلیم کر گیا اور دوبارہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کی جرأت فناہ ہوگئی۔ جن قبائل نے اس غزوہ میں مشرکین و یہود کے ساتھ اتحاد نہیں کیا اور نہ ہی کسی حوالے سے شراکت کی، ان کے دلوں میں بھی ایک دھاک سی بیٹھ گئی کہ اتنا بڑا اتحادی لشکر جب مسلمانوں کا کچھ نہ بگاڑ سکا تو کوئی ایک آدھ قبیلہ یہ ہمت کیسے کر سکتا ہے۔ مسلمانوں کو جو واضح طور پر عسکری برتری حاصل ہوئی اس سے عرب کے تمدن، ان کی سوچ و رویہ، ان کی سیاسی، معاشی، عسکری، معاشرتی، ثقافتی اور مذہبی

زندگی پر بڑے گہرے اثرات پڑے۔ تیزی سے قبائل اسلام قبول کر رہے تھے اور انفرادی اعتبار سے بھی اسلام کی نفری بڑھتی جارہی تھی۔ مسلمانوں کی اس عظیم کامیابی اور فتح کے ڈھنکے عرب سے باہر بھی بجنے لگے۔ بیرونی طاقتوں پر مسلمانوں کی کامیابی اور کفار کے لشکر جرار کی ناکامی آشکار ہوگئی۔ عالمی طاقتیں بھی اب مسلمانوں سے خائف نظر آنے لگیں۔اس سے مسلمانوں کی تعظیم و توقیر میں اضافہ ہوا اور ان کے سفارتی تعلقات بھی نسبتاً بہتر ہوئے۔ مسلمانوں کی اس قدر و منزلت میں خاطر خواہ اضافہ دیکھ کر قریش کے حوصلے اور بھی زیادہ پست ہوگئے، اس کا اندازہ اس امر سے لگائیں کہ جب آپ ﷺ نے اسلامی لشکر کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف پیش قدمی کی تو اہل مکہ میں سے کسی نے بھی باقاعدہ مزاحمت نہیں کی۔ پس یہ غزوہ مسلمانوں کے لیے ہر حوالے سے بہت زیادہ استحکام کا باعث بنا۔

فصل چہارم: فتح مکہ و دیگر غزوات

مبحث اول: فتح مکہ

شہر مکہ کو باقی سارے شہروں میں مرکزیت حاصل تھی، یہ شہر اہل عرب کا مذہبی، ثقافتی، تہذیبی اور تجارتی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ یہ شہر قریش کا مسکن تھا اور قریش کو عرب قبائل کی قیادت و سیادت حاصل تھی۔ مکہ والوں کی تجارت و عسکریت سارے عرب میں مشہور تھی۔ وہ قبائل جن کا پیشہ لوٹ مار تھا وہ بھی ان سے دبک کر رہتے تھے یہاں تک کہ ان کے تجارتی قافلوں سے کوئی تعرض نہ کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے لیے جو پر امن جنگی حکمت عملی اختیار کی اس نے سارے عرب کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ اہل عرب کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ کفار کا مرکزی شہر بغیر کسی بڑے معرکے کے مسلمانوں کے ہاتھ میں آجائے گا۔ فتح مکہ کے اسباب درج ذیل ہیں:

فتح مکہ کے اسباب

صلح حدیبیہ کے بعد چاہیے تو یہ تھا کہ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ قریش مکہ بھی اپنے عہد کی پاسداری کرتے اور جن شرائط پر معاہدہ طے پایا تھا ان کو پورا کرتے۔ مگر قریش مکہ نے بد عہدی کی تمام حدیں پار کر دیں اور اپنے کئے گئے وعدوں پر قائم نہ رہ سکے۔ رسول اللہ ﷺ نے سنہ ۸ھ میں قریش کی عہد شکنی اور بنو خزاعہ پر ظلم و ستم کیوجہ سے غزوہ مکہ کا اعلان فرمایا۔ اور دعا کی کہ اے اللہ ہماری تیاری کی خبر مکہ والوں تک نہ پہنچے تاکہ ہم اچانک ان کے سر پر پہنچ جائیں۔ دعا کے الفاظ درج ذیل ہیں:

> "اے اللہ! قریش کی آنکھوں اور خبروں کی ایسی پکڑ کر کہ ہماری تیاری سے باخبر نہ ہوں اور نہ ہی ہماری دیکھ سکیں۔ یہاں تک کہ ہم ان کے شہر پر اچانک حملہ آور ہو جائیں۔"(1)

مگر حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے ایک خط اسلامی لشکر کی تیاری کے متعلق لکھ کر ایک عورت کو دیا کہ قریش تک پہنچادے۔ اس نے یہ خط مینڈھیوں میں چھپا لیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اس معاملہ پر آگاہ کر دیا۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے اس عورت کے تعاقب میں بھیجا۔ انہوں نے راستے سے ہی اسے پکڑا اور خط لے لیا۔ آنحضرت ﷺ نے جب حضرت حاطب سے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ تو عرض کرنے لگے۔ یا رسول اللہ ﷺ میرے ایمان میں کوئی فرق نہیں بس میں نے اپنے بچوں اور خاندان والوں کی خاطر قریش کو احسان مند کرنے کے لیے ایسا کیا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ اجازت دیں تو حاطب رضی اللہ عنہ کی گردن اتار دوں؟ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ حاطب بدری صحابی ہے اور اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی رضا نازل ہو چکی ہے۔ ذیل میں ذکر کی گئی سورہ الممتحنہ کی آیات حضرت حاطب کی

---

(1) السیرۃ النبویہ، ج۵، ص ۵۳

براءت میں نازل ہوئیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَنْ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي تُسِرُّونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ٥ إِنْ يَثْقَفُوكُمْ يَكُونُوا لَكُمْ أَعْدَاءً وَيَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ وَأَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوءِ وَوَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ ٥ لَنْ تَنْفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ٥ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَا أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ٥ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ٥ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَمَنْ يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ﴾(1)

اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ تم تو دوستی سے ان کی طرف پیغام بھیجتے ہو اور وہ حق کے ساتھ جو تمہارے پاس آچکا ہے کفر کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو خود تمہیں بھی صرف اس وجہ سے جلاوطن کرتے ہیں کہ تم اپنے رب پر ایمان رکھتے ہو اگر تم میری راہ میں جہاد کے لیے اور میری رضامندی کی طلب میں نکلتے ہو تم ان کے پاس محبت کا پیغام خفیہ بھیجتے ہو اور مجھے خوب علم ہے جو تم نے چھپایا اور وہ بھی جو تم نے ظاہر کیا تم میں سے جو بھی یہ کام کرے گا وہ یقیناً راہ راست سے بھٹک گیا۔ اگر تم پر کہیں قابو پالیں اور وہ تمہارے دشمن ہو جائیں اور بری طرح تم پر دست درازی و زبان درازی کرنے لگیں اور چاہنے لگیں کہ تم بھی کفر کرنے لگ جاؤ۔ تمہاری قرابتیں، رشتہ داریاں اور اولاد قیامت کے دن تمہارے کام نہ آئیں گی اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان فیصلہ کر دے گا اور جو تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ خوب دیکھ رہا ہے۔

کفار مکہ کی سرکوبی اور مکہ کو فتح کرنے کے لیے نبی کریم ﷺ اپنے جانثاروں کے ساتھ مدینے سے چل پڑے اور ۸ ھ ۲۰ رمضان المبارک سوموار کے دن فاتحانہ انداز سے مسلمان مکہ میں داخل ہوئے۔ قریش مکہ کی طرف سے مسلمانوں پر جو ابتلاو آزمائش کو سلسلہ تھا وہ ختم ہوا۔ اس دن اسلام کی عظیم فتح تھی کہ سارے عرب نے

---

(1) الممتحنہ: ۱-۶

مسلمانوں کی اس فتح کو بادل نخواستہ تسلیم کیا۔ جن قبائل نے تعرض کیا پھر مسلمان ان کی جڑ کاٹنے نکلے حتی کہ غزوہ حنین میں مسلمانوں نے ان کو بھی شکست دے دی اوراس طرح سارا عرب مفتوح ہو گیا۔ مسلمان جس انداز سے مکہ مکرمہ میں فاتحانہ انداز میں داخل ہوئے اور تاریخ اسلام کی عظیم کامیابی سے سرفراز ہوئے کوئی خاص قتال کا سامنا بھی یہ کرنا پڑا کہ مکہ فتح ہو گیا، اللہ تعالیٰ نے اس عظیم کامیابی کو فتح مبین قرار دے دیا۔ گویا تمام کامیابیوں کا محور و مرکز یہ عظیم کامیابی تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا﴾(1)

بے شک ہم نے آپ ﷺ کو ایک فتح دی جو کہ ایک کھلی فتح (کامیابی) ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی اس آیت کریمہ کے تحت لکھتے ہیں کہ:

"حاکم وغیرہ نے حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم کی روایت سے بیان کیا ہے کہ یہ آیات حدیبیہ کے بارے میں نازل ہوئیں ہیں۔ ابو جعفر رازی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیاہے کہ اس سے مراد فتح مکہ ہے، یعنی فتح مکہ کا وعدہ کیا گیاہے۔ چونکہ مکہ کی فتح یقینی تھی اس لیے بہ لفظ ماضی اس کو بیان کیا گیاہے، گویا اللہ تعالیٰ فتح مکہ عطا کر چکا۔ اس طرح اس آیت میں بطور معجزہ ایک پیشین گوئی ہے۔"(2)

مکہ فتح ہوتے ہی پورے پورے قبیلے جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔ اس عظیم کامیابی سے اسلام کو بے پناہ تقویت ملی۔ اس کامیابی پر اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن مجید کے انداز فصیح و بلیغ تبصرہ کیاہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ○ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا﴾(3)

جب آ گئی اللہ تعالیٰ کی مدد اور فتح۔ اور آپ نے لوگوں کو دیکھ لیا کہ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں۔

اسی طرح سورہ الفتح میں مزید کامیابی اور فاتحانہ انداز سے اہل اسلام کا مکہ میں داخل ہونے ذکر بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کیا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے خواب کو سچ کر دکھایا ہے کہ عنقریب تم مسجد حرام میں امن امان سے داخل ہو گے۔ اس امن و امان سے مراد بغیر کسی جانی نقصان کے مکہ کو فتح کرنا

---

(1) الفتح:۱

(2) تفسیر المظہری، ج۹، ص۳

(3) النصر:۲،۱

ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِنْ دُونِ ذَلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا ﴾[1]

بلاشبہ اللہ نے سچا خواب دکھایا اپنے رسول کو جو کہ ٹھیک ٹھیک حق کے مطابق تھا تم لوگ ضرور بالضرور داخل ہوؤ گے مسجد حرام میں پورے امن و امان کے ساتھ تم میں سے کچھ اپنے سروں کو منڈوائے ہوں گے اور کچھ اپنے بالوں کو چھوٹا کرائے ہوں گے تمہیں کسی کا خوف نہ ہو گا سو اللہ جانتا تھا ان تمام باتوں کو جن کو تم نہیں جانتے تھے سو (اسی بناء پر) اس نے تمہیں اس سے پہلے ہی نواز دیا ایک قریبی فتح سے۔

فتح مکہ نبی کریم ﷺ کی عسکری بصیرت کا عظیم کارنامہ ہے۔ آپ ﷺ نے بڑی رازداری سے یہ سارا سفر طے فرمایا، سوائے چند ایک صحابہ کے کسی کو منزل کی خبر نہیں تھی کہ ہمارا سفر کدھر کو ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی آپ ﷺ سے پوچھنے کی جسارت نہیں کی کہ ہم کہاں جا رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے راستوں پر پہرے دار بٹھا کر اہل مکہ کے لیے بھی مشکلات کھڑی کر دی تھیں کہ وہ سمجھ ہی نہ پائے کہ اسلامی لشکر کدھر جا رہا ہے غرضیکہ سارے معاملات خفیہ طریقے سے طے پا رہے تھے یہاں تک کہ دس ہزار افراد پر مشتمل اسلامی لشکر مکہ کی حدود میں داخل ہو گیا اور اہل مکہ بے خبر رہے نہ صرف اہل مکہ بلکہ ان کے اطراف میں بسنے والے طاقتور اور مضبوط قبائل کو بھی اطلاع نہ ہو سکی جیسے قبیلہ ہوازن کو خبر اس وقت ملی جب مکہ فتح ہو چکا تھا۔ اس بے خبری کا فائدہ یہ ہوا کہ اہل مکہ اور دیگر قبائل کو گٹھ جوڑ کو موقع ہی نہ ملا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگی تیاریاں کر سکیں۔ اسی لیے انہوں نے خاموشی میں عافیت سمجھی اور مسلمانوں کے خلاف کوئی تادیبی کاروائی نہیں کی۔ یہ مسلمانوں کی بہت بڑی فتح تھی اس سے تقریباً سارا عرب اب مسلمانوں کے زیر نگیں تھا۔

اس باب میں ان غزوات کا ذکر کیا گیا ہے جن کے بارے میں قرآن مجید میں آیات نازل ہوئیں ہیں۔ قرآنی غزوات ہوں یا دیگر غزوات ان سب کی تفصیل جاننے کے بعد بخوبی واضح ہوتا ہے کہ یہ تمام غزوات کسی جنگی جنون کے تحت نہیں لڑی گئیں نہ ہی مسلمان قتل و غارت گری کے دلدادہ تھے بلکہ یہ جملہ غزوات دفاعی پوزیشن میں رہ کر لڑی گئی ہیں یا کسی بغاوت اور ظلم کو کچلنے کے لیے اعلاء کلمۃ الحق کے لئے لڑی گئی ہیں۔ مسلمانوں کے کوئی شوق پورا کرنے کے لیے کہیں بھی جنگ نہیں کی۔ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ مسلمانوں نے جہاں بھی جنگ کی اپنے سے کئی گناہ تعداد میں زیادہ اور جدید اسلحہ سے لیس فوج کے ساتھ کے مقابلہ کیا۔ جنگی جنون وہاں پورا کیا جاتا ہے جہاں کمزور اور

---

(1) الفتح: ۲۷

نہتے مد مقابل ہوتے ہیں۔اس کی مثال تاریخ میں بھی ہے اور عصر حاضر میں بھی عیاں ہے کہ ظالم طاقتوں نے کمزور ریاستوں پر پنجہ آزمائی کی ہے اور ظلم وجبر کے ساری حدیں پار کیں ہیں۔جیسا کہ اسرائیل کے فلسطین پر مظالم،انڈیا کا کشمیریوں کا قتل عام،برما میں نہتے کمزور مسلمانوں کا زندہ جلانا اور اسی طرح کئی ایک ریاستوں کو تر نوالہ سمجھ کر امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے جنگ کی نظر کیا ہے۔مگر آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے انہیں جیسی معاصر بڑی ظالم وجابر قوتوں کے خلاف آواز حق بلند کی ہے اور نعرہ تکبیر بلند کیا ہے۔اس سے ظالموں کو اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت سے مسلمانوں نے شکست سے دوچار کیا ہے۔کہیں ایسا تاریخ میں نہیں ملتا کہ مسلمانوں نے کسی کمزور ریاست یا نہتے افراد پر حملہ کیا ہو ،ہر گز نہیں بلکہ اگر مسلمانوں کے قتال کے اصول دیکھیں جائیں تو سرور کائنات ﷺ نے پہلے غزوہ سے ہی یہی تعلیم دی تھی کہ بوڑھوں،عورتوں،بچوں اور نہتوں پر تلوار نہیں اٹھانی حتی کہ راستوں کو خراب نہیں کرنا اور جانوروں اور غلاموں کو بھی کسی طرح سے تکلیف نہیں دینی بس جو مد مقابل ہو اسی سے جنگ کریں۔اب ان ہدایات کے مطابق مذکور الذکر غزوات کا مطالعہ کریں تو ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے انہیں اصولوں کی پابندی کرتے ہوئے دشمن کا مقابلہ کیا ہے مگر دشمن نے ہر بار نئی سے نئی ترکیب استعمال کر کے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور قتل کرنے کی سازشیں کیں ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے دشمن کو رسوا کیا اور اہل حق کی ہمیشہ حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔

مبحث دوم: دیگر غزوات

اس مبحث میں چند اور غزوات کا ذکر ہے۔ جن کا تذکرہ قرآن مجید میں کسی نہ کسی حوالے سے ملتا ہے۔ بعض غزوات کا جو ذکر قرآن مجید میں ہوا ہے اس کے بارے میں اختلاف نہیں ہے بلکہ سبھی مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ فلاں غزوہ کے متعلق نازل ہوئی ہے اور بعض غزوات کے متعلق اختلاف ہے کہ یہ آیت کس غزوہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، واضح نہیں ہے۔ ان غزوات کی تفصیل درج ذیل ہے۔

غزوہ بدر ثانیہ

کفار کی تیاری اور آنے کی خبریں سن کر اہل اسلام پوری ہمت و عزم کے ساتھ میدان جنگ میں آ گئے۔ ادھر سے ابوسفیان لشکر لے کر نکل آیا۔ اور ساتھ ہی مدینہ طیبہ میں پروپیگنڈہ شروع کروا دیا کہ اب مکے والوں سے لڑنا آسان نہیں۔ مگر اہل اسلام کے دل ان کی چالوں سے ذرا بھی کمزور یا ہراساں نہیں ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ لشکر لے کر نکلے مقام بدر پہنچے اور آٹھ دن تک وہیں قیام فرمایا۔ ادھر مکی لشکر کی ہمت جواب دے گئی اور راستے سے ہی واپس چلے گئے۔ طبری نے اس غزوہ کو سویق کا نام دیا ہے۔ اور موعد وعدے کی جگہ کو کہتے ہیں، ابوسفیان سے وعدے کے مطابق مسلمان بدر میں پہنچ گئے تھے اس لیے اسے غزوہ بدر الموعد بھی کہتے ہیں۔[1]

غزوہ بدر ثانیہ کے اسباب

مشرکین غزوہ احد سے فیصلہ کن فتح اپنے نام نہ کر سکے اور ایک نئے عزم کے ساتھ اگلے سال دوبارہ میدان جنگ میں اترنے کا کہہ کر لوٹ آئے۔ یہ چیلنج مسلمانوں کو ابوسفیان نے کیا تھا اور اسی تناظر میں مشرکین حملے کی تیاریوں میں مصروف ہوگئے۔ ادھر مسلمانوں کو ابوسفیان کا چیلنج یاد تھا اس لیے وہ بھی جوابی کاروائیوں میں مشغول تھے۔ مسلمان بڑے جوش و جذبے کا ساتھ لڑنے کے لیے تیار تھے۔ جس وقت آنحضرت ﷺ کو مشرکین کے لشکر کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے بھی مسلمانوں کا لشکر تیار کر لیا۔ ابوسفیان کی قیادت میں دو ہزار جنگجوؤں پر مشتمل کفار کا لشکر مکہ سے مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ آپ ﷺ نے مدینہ میں نیابت حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کی اور اپنے ساتھ پندرہ سو مجاہدین لے کر بدر کی طرف روانہ ہوئے۔ دونوں لشکر بدر کی جانب گامزن تھے مگر کیفیت دونوں کی یکسر مختلف تھی۔ مسلمان جذبہ ایمانی سے سرشار ہو کر اور شہادت کی آرزو لے کر اپنے آقا کے ساتھ استقامت کے پہاڑ بن کر میدان جنگ کی طرف رواں دواں تھے۔ جبکہ مشرکین خوفزدہ تھے اور بوجھل قدموں سے آگے بڑھ رہے تھے، لشکر میں شامل تو ہو گئے تھے مگر جنگ کرنے پر آمادہ نہ تھے۔ سپہ سالار ابوسفیان کی حالت یہ تھی کہ وہ لشکر

---

(1) السیرۃ النبویہ، ج۴، ص ۱۶۵

کی بد دلی دیکھ کر واپسی کا بہانہ تلاش کر رہا تھا۔ اس کو باور ہو چکا تھا کہ ہم مسلمانوں کی قوت ایمانی کے سامنے ٹھہر نہیں سکتے اور اگر کوئی کمزوری دکھا دی تو عرب میں ہماری عزت خاک میں مل جائے گی۔ کافی غور و فکر کے بعد ابوسفیان مسلمانوں سے جنگ کی صورت میں نقصان کا اندازہ لگا کر کانپ اٹھا، اس لیے اس نے واپسی کا پختہ فیصلہ کر لیا۔ اپنے جنگجوؤں سے کہنے لگا یہ خشک سالی کا موسم ہے جب برسات ہو گی اور ہمارے جانور موٹے تازے ہو جائیں گے، ہم بھی خوب ان کا دودھ پئیں گے اور پھر آکر مسلمانوں سے جنگ کریں گے۔ لشکریوں نے جب ابوسفیان کی بات سنی تو سکھ کا سانس لیا اور کسی نے بھی جنگ کرنے پر اصرار نہیں، فوراً واپسی چلنے پر تیار ہو گئے۔ اس طرح یہ جنگ نہیں ہوئی اور مسلمان بلا کسی نقصان اٹھائے خوش خوش فاتحانہ مدینہ طیبہ میں واپس آگئے۔[1] اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو بلا قتال عزت و تکریم کے ساتھ دشمنان دین سے محفوظ فرمالیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ۝ فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةٍ مِنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ لَمْ يَمْسَسْهُمْ سُوءٌ وَاتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللَّهِ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ﴾[2]

جن لوگوں نے حکم مانا اللہ کا اور اس کے رسول کا اس کے بعد کہ ان کو (ابھی تازہ) زخم لگ چکا تھا ان میں سے جو نیکوکار اور تقویٰ (وپرہیزگاروں) والے ہیں ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔ جن سے لوگوں نے (ان کو خوف زدہ کرنے کے لیے) کہا کہ بیشک (تمہارے دشمن) لوگوں نے تمہارے خلاف بڑی فوجیں جمع کر رکھی ہیں، پس تم ان سے ڈرو (اور ان کے مقابلے سے بچو) تو اس سے (ڈرنے اور خوفزدہ ہونے کی بجائے) ان کے ایمان میں اور اضافہ ہو گیا، اور انہوں نے (فوراً اور قوت ایمانی سے لبریز انداز میں) کہا کہ کافی ہے ہمیں اللہ اور وہی ہے سب سے (بڑا اور سب سے) اچھا کارساز۔ سو اس (ایمان و یقین اور صدق و اخلاص) کے نتیجے میں وہ اللہ (کی طرف) سے ملنے والی بڑی نعمت اور فضل کے ساتھ واپس لوٹے، اس حال میں کہ کسی (تکلیف اور) برائی نے ان کو چھوا تک نہیں، اور انہیں اللہ کی رضا کی پیروی کا شرف بھی حاصل ہو گیا، اور اللہ بڑا ہی فضل فرمانے والا (اور نوازنے والا) ہے۔

ابوسفیان نے نعیم ثقفی جو مدینہ کی طرف جا رہا تھا اس سے وعدہ کیا کہ اگر وہ مسلمانوں کو مدینہ سے باہر نکلنے

---

(1) السیرۃ النبویہ، ج۴، ص ۱۷۱

(2) آل عمران: ۱۷۴، ۱۷۳، ۱۷۲

سے روکے تو وہ اسے دس اونٹ انعام دے گا۔ جب نعیم مدینہ پہنچا تو اس نے پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ ابوسفیان نے بڑے کرّوفر سے اس دفعہ بدر کی طرف کوچ کیا ہے۔ اگر تم نے بدر کا رخ کیا تو یاد رکھو تمہاری خیر نہیں۔ تم سے زندہ بچ کر کوئی گھر نہیں آئے گا۔ لیکن مسلمانوں نے اس کے اس طلسم کو یہ کہہ کر توڑ دیا کہ حسبنا اللہ و نعم الوکیل اور جب مسلمانوں نے اپنے رب پر بھروسہ کر کے اپنے رسول ﷺ کی قیادت میں بدر کی طرف روانہ ہوئے تو دشمن ان کی روانگی کی خبر سن کر راستے ہی سے مکہ واپس لوٹ گیا۔ مسلمان چند روز تک بدر میں ٹھہرے رہے، تجارت سے خوب نفع کمایا اور شاداں و مسرت سے واپس آ گئے۔[1]

غزوہ بدر ثانیہ کے نتائج

مشرکین مسلمانوں پر حملہ کے لیے بڑے کرّوفر سے چلے تھے مگر راستے میں خوفزدہ ہو کر پلٹ آئے۔ مشرکین کے بزدلانہ راہ فرار اختیار کرنے سے مسلمانوں کے اعتماد میں اضافہ ہوا اور ان کے جذبہ ایمانی کو تقویت حاصل ہوئی۔ بدر میں پہلے بھی مسلمان اپنے سے تین گناہ بڑے لشکر کو بے سروسامانی کی حالت میں شکست فاش دے چکے تھے اور اب کی بار بھی آٹھ دن قیام کیا اور بغیر کسی جنگ کے فاتحانہ انداز میں مدینہ لوٹ آئے۔ ابو سفیان نے شوخی تو بگھار لی تھی مگر لشکر کو صحیح طریقہ سے تیار نہ کر سکا، دراصل اس کا گمان یہ تھا کہ احد میں اتنے بڑے جانی نقصان کے بعد مسلمان دوبارہ جنگ کی جرأت نہیں کر سکیں گے۔ مگر جب اس کو اطلاع ملی کہ مسلمان رسول اللہ ﷺ کی قیادت پہلے سے ہی میدان بدر میں موجود ہیں اور پوری طرح سے مقابلہ کے لیے ڈٹے ہوئے ہیں تو اس کی خوش فریبی کا محل چکنا چور ہو گیا۔ مسلمانوں کو نفسیاتی طور پر پوری طرح اس غزوہ میں برتری حاصل ہوئی اور مشرکین کے علاوہ مسلمانوں کے دوسرے دشمن بھی سنبھل گئے کہ مسلمانوں کو شکست دینا اور ان سے ڈٹ کر لڑنا آسان کام نہیں ہے۔

غزوہ بنی نضیر

مدینہ منورہ سے قبل ایک آبادی میں یہودی قبیلہ بنو نضیر آباد تھا ان کے ساتھ میثاق مدینہ کے نام سے ایک عہد ہوا تھا مسلمانوں کا لیکن یہ جلد ہی بد عہدی پر اتر آئے تھے اور مسلمانوں کو تنگ کرنے کی ٹھان لی تھی جس کی وجہ مسلمانوں کو آخر کار ان کی فوج کشی کرنی پڑی۔ بنو نضیر کو اپنی قلعہ بندی پر بڑا ناز تھا اس کے باوجود ان کو منہ کی کھانی پڑی جب یہ شکست خوردہ ہوئے تو ان کے لیے جلاوطنی کی سزا تجویز ہوئی انہیں مدینہ سے نکال کر شام کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ اس غزوہ کے اسباب درج ذیل ہیں:

---

(1) ضیاء القرآن، ج۱، ص۲۹۷

غزوہ بنو نضیر کے اسباب

یہودی بنیادی طور جنگی مہارت کے حامل نہیں تھے مگر ان کے ذہن سازش کی طرف مائل رہتے تھے۔مالی اعتبار سے مستحکم تھے اس لیے عرب میں ان کا اثر ورسوخ اچھا تھا۔غزوہ بدر کے بعد جب انہوں نے مسلمانوں کو مزید مضبوط ہوتا دیکھا تو ان کی اسلام دشمنی میں شدت آگئی، کبھی چھپ کر بغاوت کرتے تو کبھی کھل کر اعلانیہ عداوت پر اتر آتے۔بنو نضیر ان یہودی قبائل میں سے تھے جو میثاق مدینہ میں شامل تھے۔انہوں نے معاہدہ شکنی کی، مسلمانوں کا کسی بھی غزوہ میں ساتھ نہیں دیا بلکہ ایسے اقدامات اٹھاتے جن سے اہل ایمان کے لیے مزید مشکلات پیش آتیں۔یہاں تک کہ یہ آپ ﷺ کو بھی شہید کرنے کے درپے تھے اور اس کے لیے گھناؤنی سازش تیار کرلی۔آنحضرت ﷺ کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی کہ آپ ہماری طرف تشریف لائیں تاکہ بعض امور پر ہمارے علماء سے گفتگو فرمائیں۔اور اپنے ساتھ ابو بکر، عمر اور علی رضی اللہ عنہم کو بھی ساتھ لے کر آئیں۔ادھر ان کا منصوبہ یہ تھا کہ آپ ﷺ جیسے ہی ہماری طرف تشریف لائیں گے تو چھت سے پتھر لڑھکا کر آپ ﷺ کو شہید کر دیا جائے گا۔نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے پہلے ہی آگاہی ہوگئی تھی اس لیے آپ ﷺ راستے سے ہی واپس تشریف لے آئے۔

نبی کریم ﷺ جب واپس تشریف لائے تو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا، آپ جاکر یہودیوں سے کہہ دیں گے کہ وہ بدعہدی کے مرتب ہوئے ہیں اس لیے مدینہ چھوڑ کر چلے جائیں۔یہودیوں نے مدینہ چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا مگر عبد اللہ بن ابی نے انہیں منع کیا کہ تم لوگ مدینہ نہ چھوڑوں ہم ہر طرح سے تمہارا ساتھ دیں گے۔اس طرح یہودیوں نے مدینہ چھوڑنے کا فیصلہ واپس لے لیا۔آخر کار ربیع الاول ۴ ہجری میں مسلمانوں نے بنو نضیر کا محاصرہ کرلیا اور پندرہ دن تک یہ محاصرہ جاری رہا۔ان کو امید تھی کہ بنو قریظہ والے ہماری مدد کریں گے مگر وہ بھی ان کی نصرت کے لیے آگے نہ بڑھے۔آخر کار یہودیوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور کہنے لگے کہ ہمیں قتل نہ کیا جائے بے شک ہمارا لے لیا جائے۔آپ ﷺ نے فرمایا اسلحہ کے علاوہ جو چاہو لے جاؤ۔قبیلہ بنو نضیر کے دو لوگ صرف اسلام لے کر آئے باقی کچھ شام اور کچھ خیبر کی طرف نقل گئے۔(1)

اللہ تعالیٰ نے یہ سارا منظر قرآن مجید میں بیان فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ أَنْ يَخْرُجُوا وَظَنُّوا أَنَّهُمْ مَانِعَتُهُمْ حُصُونُهُمْ مِنَ اللَّهِ فَأَتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا وَقَذَفَ فِي

(1) البدایہ والنہایہ، ج۴، ص۸٦

قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُمْ بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ﴾[1]

وہ اللہ وہی ہے۔ جس نے اہل کتاب کافروں کو ان کے گھروں سے پہلی بار اکھٹا کر کے نکال دیا۔ تمہارا گمان بھی نہ تھا کہ وہ نکلیں گئے اور خود ان کا خیال تھا کہ ان کے قلعے انہیں اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچالیں گے سو اللہ تعالیٰ کا عذاب انہیں ایسی جگہ پہنچا کہ انہیں خیال بھی نہ تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی تو وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے بھی اجاڑ رہے تھے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی (اجڑ رہے تھے) پس اے اہل دانش عبرت حاصل کرو۔

قبیلہ بنو نضیر کو مسلمانوں نے جاتے وقت سارا سامان لے کر جانے کی اجازت دی تھی سوائے ہتھیار کے اس لیے وہ گھر میں موجود سارا سامان لے کر گئے حتی کہ دروازے اور چوکھٹیں بھی لے گئے۔ یہودی چونکہ ہتھیار پھینک چکے تھے اس لیے قتل سے بچ گئے وگرنہ مار دیئے جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہودی جلاوطن نہ ہوتے تو دنیا میں ہی ان کو عذاب دے دیا جاتا، اس عذاب سے مراد ان کا قتل کئے جانا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوْلَا أَنْ كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ﴾[2]

اور اگر اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں جلاوطنی نہ لکھ دی ہوتی تو وہ دنیا ہی میں انہیں عذاب دیتا (یعنی قتل عام کا) اور آخرت میں تو انہیں دوزخ کا عذاب ہونا ہی ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ بنو نضیر کی بستی میں پہنچے تو وہ اپنے قلعوں میں بند ہوگئے۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ان کی کھجور کے درختوں کو کاٹ کر جلا دیا جائے۔ اس وقت بنو نضیر نے کہا، اے محمد (ﷺ) آپ یہ کہتے ہیں کہ آپ نیک کام کرتے ہیں! کیا یہ نیکی ہے کہ درختوں کو کاٹ دیا جائے؟ کیا قرآن مجید فساد فی الارض کی اجازت دیتا ہے؟ مسلمان ان کی باتوں سے پریشان ہوئے اور ان میں باہم اختلاف پیدا ہوگیا۔ بعض نے کہا کہ ان درختوں کو نہ کاٹو، ان کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے ملک میں لوٹا دیا ہے اور بعض نے کہا ہم ان کو کاٹ کر بنو نضیر کو غیظ و غضب میں مبتلا کریں گے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔[3]

جلاوطنی سے بڑی ایک اذیت ان یہودیوں کو اور پہنچی وہ یہ کہ منافقین نے ان کے ساتھ رفاقت و نصرت کے بڑے وعدے کر رکھے تھے۔ قتال ہو یا جلاوطنی ہم ہر حال میں تمہارے ساتھ ہیں مگر جب موقع بنا تو دغا دے کر سائیڈ پر ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس منافقانہ روش کو قرآن مجید میں بیان فرمایا: تم نے دیکھا کہ منافقین اپنے

---

(1) الحشر: ۲

(2) ایضاً: ۳

(3) الکشف والبیان، ج ۹، ص ۲۷۰

بھائیوں اہل کتاب کو کہتے ہیں کہ اگر تمہیں نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے لیے ضرور نکلیں گے اور اگر تمہارے ساتھ جنگ کی گئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ منافقین بہت جھوٹے ہیں یہ ہر گز نہیں نکلیں گے اور نہ ہی ان کی مدد کریں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَدًا أَبَدًا وَإِنْ قُوتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ○ لَئِنْ أُخْرِجُوا لَا يَخْرُجُونَ مَعَهُمْ وَلَئِنْ قُوتِلُوا لَا يَنْصُرُونَهُمْ وَلَئِنْ نَصَرُوهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ﴾(1)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ منافقین اپنے بھائیوں سے جو کہ کفار اہل کتاب ہیں کہتے ہیں کہ اگر تم نکالے گئے تو ضرور ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور معاملہ میں ہم کبھی کسی کا کہا نہیں مانیں گے۔ اور اگر کسی کی لڑائی تم سے ہوئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ بہت جھوٹے ہیں اہل کتاب اگر نکالے گئے تو یہ بلکل ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر ان سے لڑائی ہوئی تو یہ لوگ ان کی مدد نہ کریں گے اگر مدد کی بھی تو (پھر) پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے پھر ان کی کوئی مدد نہ ہوگی۔

مقاتل بن سلیمان لکھتے ہیں کہ:

”منافقین میں سے یہودیوں کا ساتھ دینے والے اور ان سے مدد و نصرت کو وعدہ کرنے والے عبد اللہ بن ابی، عبد اللہ بن نبتل اور رفاعۃ بن زید تھے، جن کا تعلق انصار سے تھا۔“(2)

منافقین مسلمانوں کے خلاف کسی کی حمایت کرتے ہوئے کھل کر کیسے سامنے آسکتے تھے اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا فضل ہی یہی ہے کہ عالم کفر کے ایوانوں میں ہمیشہ اسلام کی حقانیت سے لرزہ طاری رہا۔ منافقین بھی مسلمانوں سے ڈرتے یہودیوں کی حمایت میں نہ نکلتے تھے۔ یہودیوں پر جب محاصرہ تنگ ہوا تو وہ انتظار میں تھے کہ منافقین ہماری مدد و نصرت میں نکلیں گے مگر ایسا نہ ہوا، اللہ تعالیٰ نے اس وقت جو منافقوں کی ذہنی حالت تھی ان کی وضاحت بیان فرمائی ہے کہ یہ منافق اس وقت اللہ سے بھی بڑھ کر آپ سے ڈرتے ہیں اس لیے یہ سارے جمع ہو کر بھی آپ سے جنگ نہیں کریں گے۔ اور لڑائی نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ، منافقین آپس میں متحد نہیں ہیں اور عقل کی دولت سے بھی عاری ہیں۔

---

(1) الحشر: ۱۱، ۱۲

(2) تفسیر مقاتل بن سلیمان، الازدی، ابو الحسن مقاتل بن سلیمان بن بشیر، بیروت: دار احیاء التراث، ۱۴۲۳ھ، ج ۴، ص ۲۸۱

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَأَنْتُمْ أَشَدُّ رَهْبَةً فِي صُدُورِهِمْ مِنَ اللَّهِ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ○ لَا يُقَاتِلُونَكُمْ جَمِيعًا إِلَّا فِي قُرًى مُحَصَّنَةٍ أَوْ مِنْ وَرَاءِ جُدُرٍ بَأْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيدٌ تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّى ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ﴾(1)

بے شک ان کے دلوں میں تمہارا خوف اللہ (کے خوف) سے بھی زیادہ ہے اس لیے یہ نا سمجھ لوگ ہیں یہ سب مل کر بھی آپ سے جنگ نہیں کریں گے مگرہاں قلعہ بند بستیوں یا دیواروں کی آڑ میں ان کی لڑائی آپس میں بڑی تیز ہے۔ اور تم انہیں متحد خیال کرتے ہو حالانکہ یہ آپس میں متفرق ہیں یہ اس لیے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے ہیں۔

مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے آخر کار اس معرکہ میں کامیابی عطا فرمائی اور دشمن رسوا ہو کر جلا وطن ہو گیا۔ یہودیوں کا کسی گروہ نے بھی ساتھ نہیں دیا سب وعدے دھرے رہ گئے۔ مسلمانوں کے لیے غزوہ بنو نضیر بہت دور رس نتائج کا حامل ثابت ہوا۔ مسلمانوں نے استقامت کے ساتھ ڈٹ کر مقابلہ کیا یہاں تک کہ دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے اور ان کو وطن چھوڑنا پڑا جس سے بہت سارا مال مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ یہودیوں کی قوت کا شیرازہ بکھر گیا، مسلمانوں کے معاشی استحصال کو دور ختم ہوا، منافقین پر مسلمانوں کے رعب و دبدبہ میں مزید اضافہ ہوا اور ان کے حوصلے مزید پست ہو گئے۔ مدینہ طیبہ میں سازشیں کم ہو گئیں اور داخلی استحکام بھی اور زیادہ مستحکم ہوا۔

غزوہ بنی قینقاع

غزوہ بنی نضیر سے دو سال قبل بالکل ایسا ہی ایک واقعہ گزر چکا تھا۔ اس واقعہ میں بھی بالکل یہی صورت حال تھی کہ یہودی قبیلہ بنی قینقاع اپنی قلعہ بندی پر بڑا ناز کرتا تھا۔ حقیقت میں بھی وہ بنو نضیر سے زیادہ بہادر تھے۔ انہوں نے بھی عہد شکنی کی تو مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کیا اور ان کی سزا بھی جلاوطنی ہی تھی۔

غزوہ بنی قینقاع کے اسباب

یہودی مسلمانوں کے استحکام سے سخت پریشان تھے وہ چاہتے تھے کہ اسلام کا قلع قمع کر دیا جائے، اس ارادے کے تحت انہوں نے پروپیگنڈا کرنا شروع کر دیا۔ ان کو معلوم تھا کہ قریش مکہ نبی کریم ﷺ کے جانی دشمن ہیں اس لیے یہودی، قریش کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف سازش کرنے لگ گئے۔ سازش کے تحت یہودی اسلام قبول کرنے کا ناٹک کرتے اور پھر چند دنوں بعد واپس یہودیت کا اعلان کر دیتے۔ اس طرح کے کھیل کھیلنے کا

(1) الحشر: ۱۳،۱۴

مقصد مسلمانوں کو کمزور کرنا اور ان کی باتیں لے کر آگے یہودی سر غنوں تک پہنچانا ہوتا۔اس کے علاوہ یہودی مالی طور پر مستحکم ہونے کے باعث بھاری شرح سود پر قرض دیتے اور بچوں اور عورتوں تک کو رہن رکھ لیتے۔اس سے مسلمانوں کو سخت تشویش لاحق تھی انہیں اپنی معاشی حالت اور کمزور ہوتی دکھائی دیتی۔کعب بن اشرف ایک مالدار اور بااثر یہودی تھا۔اس نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق ہرزہ سرائی کو اپنا معمول بنایا ہوا تھا۔غلیظ شاعری کر کے وہ اپنے باطنی خبث کو ظاہر کرتا تھا۔یہ بدر میں کفار کی شکست سے سخت رنجیدہ ہوا،اظہار افسوس کے لیے مکہ گیا اور وہاں بدر کے مقتولین کے مرثیے سنا سنا کر قریش کے جذبات کو بھڑکاتا رہا اور انہیں اکساتا رہا کہ مسلمانوں پر بھرپور حملہ کیا جائے تاکہ ایک ہی بار اسلام کا قلع قمع ہو جائے۔رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہودیوں کے ناپاک عزائم سے مسلمانوں کو آگاہ فرماتے رہے اس سے بھی یہودیوں کے اندر انتقام وحسد کی آگ مزید بھڑک گئی۔[1]

اس غزوہ کا ایک بنیادی سبب یہ بھی ہے کہ ایک مسلمان عورت کسی یہودی کی دکان پر سودا لینے گئی تو چند اوباش یہودی نوجوانوں نے اس کی بے حرمتی کی۔مسلمانوں کو جب اس بارے میں خبر ملی تو انہوں نے اس یہودی کی دکان پر حملہ کر دیا جس سے ایک مسلمان شہید ہو گیا۔آپ ﷺ نے صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہودیوں کو سمجھایا کہ وہ اشتعال انگیز حرکتوں سے باز آجائیں۔نبی کریم ﷺ خود تشریف لے گئے کہ ان کو تخریبی کاروائیوں سے روکیں مگر وہ بدبخت سمجھنے کی بجائے بدکلامی پر اتر آئے۔اس لیے مسلمانوں کے پاس سوائے ان کے خلاف کاروائی کرنے کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔یہودی میثاق مدینہ کے مرتکب ہوئے تھے لہذا رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر کیا اور ۱۵ شوال ۲ ہجری کو اسلامی لشکر کے ساتھ بنو قینقاع کا محاصرہ کر لیا۔یہ محاصرہ پندرہ دن جاری رہا اور کوئی شخص مقابلہ پر نہیں آیا۔آخرکار یہودیوں نے تھک کر غیر مشروط ہتھیار ڈال دیئے،مسلمانوں نے ان سب کو حراست میں لے لیا۔یہودی کسی بھی وقت دوبارہ بدامنی کا مظاہرہ کر سکتے تھے لہذا اس خدشہ کے پیش نظر ان کو جلاوطن کر دیا گیا۔مسلمانوں نے ان کو جلاوطن تو کر دیا مگر یہ اس کے بعد بھی باز نہ آئے اور مسلمانون کے خلاف سازشوں میں مشغول رہے۔[2] قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بنی قینقاع کا ذکر کرتے ہوئے بنو نضیر کو کہا ہے کہ تم نے اپنے ایک گروہ کا انجام دیکھ لیا پھر بھی سبق حاصل نہیں کرتے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كَمَثَلِ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ قَرِيبًا ذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾[3]

ان لوگوں کی مثال ان لوگوں جیسی ہے جو ان سے کچھ ہی پہلے ہو چکے ہیں اور وہ اپنے کرتوتوں کا

---

(1) السیرۃ النبویہ، ج۳، ص۳۱۸

(2) سیرۃ الرسول، ج۸، ص۳۲۵

(3) الحشر:۱۵

مزہ چکھ چکے ہیں اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

علامہ ابن کثیرؒ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

''قَالَ مُجَاهِدٌ وَالسُّدِّيُّ وَمُقَاتِلُ بْنُ حَيَّانَ: يَعْنِي كَمَثَلِ مَا أَصَابَ كُفَّارَ قُرَيْشٍ يَوْمَ بَدْرٍ، وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: كَمَثَلِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ يَعْنِي يَهُودَ بَنِي قَيْنُقَاعَ، وَكَذَا قَالَ قَتَادَةُ وَمُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ، وَهَذَا الْقَوْلُ أَشْبَهُ بِالصَّوَابِ فَإِنَّ يَهُودَ بَنِي قَيْنُقَاعَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قد أجلاهم قبل هذا.''(1)

مجاہد، سدّی اور مقاتل بن حیّان کے نزدیک اس آیت سے مراد یا تو کفار قریش ہیں کہ غزوہ بدر والے دن ان کی کمر ٹیڑی ہوگئی تھی اور انہیں سخت نقصان اٹھانا پڑا جس کی وجہ سے وہ کشتوں کے پشتے چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس آیت مقدسہ سے مراد بنو قینقاع کے یہود ہیں کہ وہ بھی شرارت پر اتر آئے تھے۔ تب اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر غلبہ عطا فرمایا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مدینہ سے خارج البلد کر دیا تھا۔ اسی طرح قتادہ اور محمد بن اسحاق نے بھی کہا ہے اور زیادہ مناسب مقام یہود کے قبیلہ بنو قینقاع کے واقعہ کا ہی ہے۔

امام قرطبی نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا مصداق بنو قینقاع ہی ہیں۔(2)

جیسا کریمانہ مزاج اسلام کا ہے ایسا کسی اور مذہب میں نہیں ہے کہ دشمن پر غلبہ پانے کے بعد اس کی جان بخشی کرنا اور نہ صرف جان بخشی بلکہ مال و اسباب بھی اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت دینا، یہ صرف اسلام ہی کا طرہ امتیاز ہے۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی اسلام کو جنگجو کہے یا فسادی کہے تو یہ اس کی جہالت اور کم علمی ہی ہے۔ اسلام نے ہمیشہ اسی وقت تلوار اٹھائی جب قیام امن کے لیے ناگزیر ہوا یا دشمن کے حملہ کرنے پر دفاع کے استحکام کے، کیونکہ اسلام جنگ برائے جنگ کا قائل نہیں ہے۔ جبکہ دشمنوں نے اسلام کے رحیمانہ و کریمانہ سلوک کا مثبت جواب کم ہی دیا ہے۔ بنو قینقاع بھی انہیں میں سے ہیں ان کی جان بخشی کی گئی مال و اسباب ساتھ لے جانے دیا گیا اور جب یہ جلاوطن ہو کے نقل گئے تو وہاں جا کر یہ دوبارہ سازشوں میں مصروف ہوگئے۔

غزوہ بنی قریظہ

یہودیوں کا ایک بڑا قبیلہ بنی قریظہ تھا۔ مسلمانوں کے خلاف شر انگیزی میں یہ کوئی حد سے بڑھے ہوئے تھے۔ بار بار مسلمانوں سے عہد کرتے پھر توڑ دیتے تھے۔ عہد کی خلاف ورزی کی حد ہی ہوگئی کہ جب یہ ایک بار جنگ

---

(1) تفسیر القرآن العظیم، ج۸، ص۱۰۴

(2) الجامع لاحکام القرآن، ج۱۸، ص۳۶

میں مشرکین مکہ کے ساتھ ملکر مسلمانوں کے خلاف سامنے آئے۔سید الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے آخر کار ان کے محاصرے کا حکم دیا۔ محاصرہ دس روز تک جاری رہا یہاں تک کہ یہ عاجز آ گئے۔اور اپنی قسمت کا فیصلہ قبیلہ اوس کے حضرت سعد بن معاذ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ پر چھوڑا۔ پھر انہیں سعد بن معاذ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کے فیصلہ کے مطابق مردوں کو قتل کر دیا گیا اور بچے اور عورتیں قیدی بنالی گئیں۔[1] اس غزوہ کے اسباب درج ذیل ہیں:

غزوہ بنی قریظہ کے اسباب

بنو قریظہ کے خلاف محاذ آرائی یکدم شروع نہیں ہوئی بلکہ ایک عرصے سے مسلمان ان کے ظلم و ستم سہتے چلے آرہے تھے۔بنو نضیر کے انجام سے بھی انہوں نے کوئی سبق نہیں سیکھا اور مزید سازشیں کرنے لگے۔انہوں نے مدینہ طیبہ میں مسلمانوں کے خاتمے کے لیے اپنے تمام وسائل وقف کر دیئے تھے۔انہوں نے ہر موقعہ پر مسلمانوں کو اذیت پہنچائی۔احد کے موقعہ پر کفار کے ساتھ جشن منانے لگے، خیبر میں بھی یہودیوں کا ساتھ دیا، خندق کے اتحادیوں کے لیے جاسوسی کرتے اور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ کئے ہوئے میثاق کو توڑ دیا، غزوہ احزاب میں جب مسلمانوں کے لیے اناج کی کمی ہوگئی تو یہ اتحادیوں کو غلے سے لدے ہوئے اونٹ بھجواتے رہے، جو مسلمان عورتیں اور بچے محفوظ مقام پر تھے ان کے لیے بھی خطرات پیدا کئے۔ان ساری سازشوں کو دیکھ کر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فیصلہ فرمایا کہ اب وقت آگیا ہے کہ بنو قریظہ کے خلاف انتہائی قدم اٹھانا پڑے گا۔یہ صرف مسلمانوں کے حق میں ہی بہتر نہیں تھا بلکہ علاقے میں بقائے امن کے لیے بھی ان پر کاری ضرب لگانا ضروری تھی۔اگر ان کو چھوڑ دیا جاتا تو ان کے فتنوں کی لپیٹ میں سارا جزیرہ عرب ہی آجاتا اور ہر طرف جنگ کا ہی سماں نظر آتا۔مسلمانوں کا ان کے خلاف قدم اٹھانا اس لیے بھی ناگزیر ہو گیا تھا کہ انہوں نے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ذات پاک پر الزام تراشی شروع کر دی تھی۔یہودی بظاہر اسلام قبول کر لیتے مگر چند ہی روز بعد یہ واپس یہودی بن جاتے اور وجہ یہ بتاتے کہ ہم نے مسلمانوں کے نبی کی ذات میں خامیاں دیکھی ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کا رسول تو خامیوں سے پاک ہوتا ہے۔ان کا گمان یہ تھا کہ اس طرح ہم مسلمانوں کو نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے خلاف کرلیں گے۔یہودیوں نے مدینے کے قبائل اوس و خزرج کو آپس میں لڑانے کے لیے بڑی سازشیں کیں تھیں۔ایک مرتبہ کچھ نوجوان تو لڑنے کے لیے تیار ہو گئے تھے حتی کہ اعلان جنگ بھی ہو گیا تھا۔جب نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو یہودیوں کی اس سازش کا علم ہوا تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فوراً تشریف لے گئے اور سارے حالات پر قابو پالیا۔نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سمجھانے سے جب اوس و خزرج کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو آپس میں ایک دوسرے سے معذرت کرنے لگے۔[2]

---

(1) السیرۃ النبویہ، ج۴، ص۲۰۱

(2) سیرۃ الرسول، ج۸، ص۵۳۶

یہودی مسلمانوں کی کامیابیوں سے سخت خائف تھے، ان کی کوشش یہ تھی کہ مسلمان کمزور ہو جائیں تا کہ ان کو آسانی سے صفحہ ہستی سے مٹایا جاسکے۔ ان کو جب بدر کے دن فتح کی خبر ملی تو حسد کی وجہ سے منفی پروپیگنڈا کرنے لگ گئے اور احد میں مشرکین کی عارضی فتح اور مسلمانوں کے بڑے نقصان کی اطلاع ملی تو خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے۔ اس کے بعد یہ مکہ میں جا کر مشرکین کو مسلمانوں کے خلاف ایک بڑے معرکے کے لیے ابھارنے اور منانے لگے، کہنے لگے ہم ہر طرح سے تمہارا ساتھ دیں گے تم صرف ایک لشکر جرار تیار کر کے مدینہ پر حملہ کر دو تا کہ یکبارگی اسلام کا قصہ تمام ہو۔ تاریخ شاہد ہے کہ یہودی مسلمانوں سے معاہدہ کر کے مشرکین کا جنگ میں ساتھ دینے لگے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ احزاب کی جنگ کا سارا منصوبہ یہودیوں کے ذہن کی پیداوار تھا۔ نبی کریم ﷺ اہتمام حجت کے لیے ان کے حلیف حضرت سعد بن معاذؓ کو بنی قریظہ کے پاس بھیجا تا کہ وہ انہیں جا کر معاہدہ کی پابندی کی تلقین بھی کریں اور انہیں یاددہانی بھی کرائیں مگر انہوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی بات سنی ان سنی کر دی اور معاہدہ کی خلاف ورزی پر ڈٹے رہے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بنی قریظہ پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ:

> ”جبریل امین علیہ السلام ریشمی عمامہ پہنے ہوئے نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور آکر عرض کرنے لگے: یارسول اللہ ﷺ آپ نے ہتھیار اتار دیئے ہیں جبکہ فرشتے ابھی تک ہتھیار بند ہیں، اللہ تعالیٰ حملے کا حکم دیتا ہے۔“(1)

نبی کریم ﷺ نے ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا حاکم مقرر کیا، جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا اور بنی قریظہ پر حملہ کے لیے روانہ ہوگئے۔ مسلمانوں کو دیکھ کر یہودی بوکھلاہٹ کا شکار ہوگئے اور بہادری سے لڑنے کی بجائے بزدلوں کی طرح گالیاں بکنے اور بدکلامی کرنے لگے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمہارے اور ہمارے درمیان تلوار ہی فیصلہ کرے گی۔ محاصرہ تنگ ہوا تو یہودی پریشان ہوگئے اور راہ فرار تلاش کرنے لگے مگر کوئی صورت نہ بنی۔ مسلمانوں نے فیصلہ کن قدم اٹھاتے ہوئے حملہ کر دیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ یہودیوں نے جب اسلامی لشکر کو آگے بڑھتا ہوا دیکھا تو غیر مشروط اطاعت کا اعلان کر دیا۔ قلعوں کے دروازے کھل گئے اور مسلمان فاتحانہ انداز میں داخل ہوئے۔ عورتوں اور بچوں کو حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا گیا اور مردوں کو مدینہ میں لا کر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے گھر قید کر دیا گیا۔ قبیلہ بنی قریظہ والوں نے اپنے حلیف قبیلہ اوس کے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو ثالثی کے مقرر کیا۔ ان کو امید تھی کہ حضرت سعد ان کے حق

---

(1) السیرۃ النبویہ، ج۴، ص ۱۹۲

میں نرمی سے فیصلہ کریں گے مگر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا کہ بنو قریظہ کے تمام بالغ مردوں کو قتل کر دیا جائے، ان کی ساری جائیداد مسلمانوں میں تقسیم کر دی جائے اور عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سعد نے منشائے الٰہی کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔ فیصلہ صادر ہونے کے بعد اس کی تنفیذ کا مرحلہ آیا تو پہلے خندق کھدوائی گئی اور پھر مجرموں کو باری باری کیفر کردار تک پہنچایا گیا۔ مجرموں کی تعداد میں اختلاف ہے۔ چھ سو سے نو سو تک بیان کی گئی ہے۔ (1)

غزوہ بنی قریظہ کے بارے میں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ الَّذِينَ عَاهَدْتَ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ O فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴾(2)

یہ لوگ ہیں جن سے آپ عہد لے چکے ہیں پھر وہ اپنا عہد ہر بار توڑ ڈالتے ہیں اور وہ متقی نہیں ہیں۔ پس وہ ڈرتے بھی نہیں، آپ انہیں اگر جنگ میں پائیں تو انہیں ایسی سزا دیں کہ دوسرے بھی سمجھ جائیں۔

معاہدہ شکن کافروں سے مراد بنی قریظہ کے خاندان کے یہودی ہیں۔ دو ورق پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان ایک تحریر لکھی تھی جس میں یہودیوں سے مصالحت کا بھی ذکر تھا۔ یہودیوں سے معاہدہ یہ تھا کہ فریقین اپنے اپنے مذہب پر قائم رہیں گے اور ہر فریق کا نفع و ضرر دوسرے فریق کا نفع و ضرر سمجھا جائے گا۔ دونوں اتحاد سے رہیں گے اور کوئی دوسرے کو نہیں ستائے گا۔ لیکن یہودیوں نے یہ معاہدہ توڑ دیا تھا اور مشرکین کو مسلمانوں کے خلاف خلاف لڑنے کے لیے ہتھیار دیے تھے۔ بعد میں کہنے لگے ہم سے غلطی ہو گئی ہم دوبارہ معاہدہ کرتے ہیں مگر پھر بھی معاہدے کی خلاف ورزی کی اور کعب بن اشرف مکہ جا کر مشرکین سے ملا جس کے باعث خندق کے دن کافر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ (3)

بنی قریظہ نے احزاب میں جو مشرکین کا ساتھ دیا تھا اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں نے ان کے خلاف جنگ کرنی ہی تھی کیونکہ یہ کسی موقع پر ان کے خلاف سامنے آ چکے ہیں۔ اس حقیقت کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورہ احزاب کے اندر کیا ہے اور بنی قریظہ کے ساتھ جنگ کا نتیجہ مسلمانوں کو فائدہ یہ ہوا کہ ان کی ساری نقدی اور جائداد سب مسلمانوں کے ہاتھ آ گئی۔ اس غزوہ کے اس خصوصی انعام کا ذکر بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن

---

(1) السیرۃ النبویہ، ج ۴، ص ۱۹۹

(2) الانفال: ۵۶،۵۷

(3) السیرۃ النبویہ، ج ۴، ص ۲۱۵

مجید میں کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَرَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوا خَيْرًا وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ وَكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا عَزِيزًا ○ وَأَنْزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُوهُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ صَيَاصِيهِمْ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيقًا تَقْتُلُونَ وَتَأْسِرُونَ فَرِيقًا ○ وَأَوْرَثَكُمْ أَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ وَأَرْضًا لَمْ تَطَئُوهَا وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ﴾(1)

اور جنگ میں اللہ تعالیٰ خود ہی مومنین کے لیے کافی ہو گیا۔ اور اللہ تعالیٰ تو ہے ہی بڑی قوت والا اور بڑا زبر دست غالب ہے اور جن اہل کتاب نے ان کی (اہل احزاب کی) مدد کی تھی اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے قلعوں سے اتار دیا اور ان کے دلوں میں تمہارا رعب ڈال دیا پھر بعض کو تم قتل کرنے لگے اور بعض کو قید۔ اور تمہیں وارث بنا دیا ان کی زمین کا اور ان کے گھروں اور ان کے حال کا اور اس زمین کا بھی جس میں تم نے اب تک قدم نہیں رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر قادر ہے۔

پس اس طرح یہودیوں کا یہ ایک بڑا قبیلہ بنی قریظہ جو کہ مسلمانوں کے خلاف شر انگیزی میں حد سے بڑھے ہوئے تھے اور ان کو یہ احساس نہ تھا کہ وہ بار بار مسلمانوں سے عہد کرتے پھر توڑ دیتے تھے۔ اس طرح ان کی طرف سے عہد کی خلاف ورزی کی حد ہی ہو گئی کہ جب یہ ایک بار جنگ میں مشرکین مکہ کے ساتھ ملکر مسلمانوں کے خلاف سامنے آئے اور یہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو وجود صفحہ ہستی سے مٹ جائے مگر اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا اور اس بہت بڑے اتحاد کو منہ کی کھانی پڑی۔ اس کے بعد بھی یہ اپنی چال بازی سے باز نہ آئے اور مسلمانوں کو ہر طرح سے تکلیف پہنچائی جس کے باعث سید الانبیاء ﷺ نے آخر کار ان کے محاصرے کا حکم دیا۔ اور نتیجۃً مسلمان فاتح ٹھہرے اور یہودیوں کو شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا۔

غزوہ خیبر

مدینہ منورہ کے شمال میں یہودیوں کی ایک بستی تھی جو تقریباً ۲۰۰ میل کے فاصلے پر تھی۔ ان یہودیوں کی مسلسل سازشوں اور جرائم کی پاداش میں رسول اللہ ﷺ نے ان کی تادیب کے لیے لشکر کشی کا ارادہ فرمایا۔ اس لشکر کشی کے لیے وہ تمام سر فروش شامل ہوئے جو بیت رضوان میں رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک میں اپنے ہاتھ دے کر ساتھ مرنے جینے کا عہد کر چکے تھے۔ ان نفوسِ قدسیہ کی تعداد صرف چودہ سو تھی۔ حدیبیہ میں پیچھے رہ جانے والے کسی بھی ساتھی کو غزوہ خیبر میں ساتھ شریک نہ کیا گیا۔ اور نہ ہی انہیں حاصل ہونے والی غنائم سے حصہ دیا گیا۔ اس غزوہ کے اسباب درج ذیل ہیں:

---

(1) الاحزاب: ۲۵،۲۶،۲۷

غزوہ خیبر کے اسباب

احزاب میں اتحادی عسکری قوت کا پارہ پارہ ہو جانا مسلمانوں کے لیے بہت بڑی کامیابی تھی۔اس عظیم کامیابی نے اسلام کے لیے مزید فتوحات کے راستے کھول دیئے۔اشاعت دین اور اسلامی تعلیمات کے فروغ کے لیے راہ ہموار ہوگئی۔قریش صلح حدیبیہ کے بعد عملاً غیر مؤثر ہوگئے تھے۔بار بار شکست فاش کا سامنا کر کر کے اور بہت بڑے جانی ومالی نقصان نے قریش کے حوصلوں کو پست کر دیا تھا اور اب وہ پہلے جیسی سرکشی ان میں نہیں نظر آتی تھی۔البتہ یہودی اپنی جگہ سرگرم اور مسلمانوں کے خلاف مسلسل سازشوں میں مصروف عمل تھے۔اہل اسلام کے خلاف ان کے جرائم کی ایک لمبی فہرست تھی۔جیسے غزوہ خندق میں انہوں نے مرکزی کردار ادا کیا تھا اور پورے عالم عرب کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا کر ایک آگ سی لگادی تھی۔قریش مکہ اور دیگر عرب قبائل مل کر مدینہ پر حملہ کے لیے دوڑ پڑے۔یہ نہ صرف منافقین کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے بلکہ بنو قریظہ کو بھی آگے لگانے اور معاہدہ کی خلاف ورزی پر مجبور کرنے والے بھی یہی تھے۔جمادی الاول میں آپ ﷺ سولہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ خیبر کی طرف چل پڑے اور مدینہ میں سباح بن عرفطہ کو اپنا نائب مقرر کیا۔لشکر اسلام نے خیبر جا کر وہاں کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا،ان میں مشہور قلعے سلالم،شق،مربطہ،قموص،ناعم،وطیح،قصارہ نطاۃ اور زبیر نامی تھے۔یہودیوں نے ہتھیاروں کے انبار لگا رکھے تھے اس لیے قلعے فتح نہیں ہو رہے تھے تو نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر جھنڈا عطا فرمایا۔مرحب کی مبارزت طلبی پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کیا اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اس کے بھائی کو قتل کیا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خیبر کا دروازہ اکھاڑا اور قلعے کے اندر داخل ہوگئے،یہ قلعہ قموص تھا جو کہ سب سے زیادہ مضبوط تھا اس کے فتح ہوتے ہی مسلمانوں کے حوصلے بلند ہوگئے اور یہودی اس کے بعد شکست فاش سے دوچار ہوئے۔محاصرہ جب طویل ہوگیا اور مسلمان کامیابیوں کی طرف سفر کر رہے تھے،یہودیوں کو ہلاکت یقینی نظر آئی تو انہوں نے جان بچانی غنیمت سمجھا اور نبی کریم ﷺ سے درخواست کی کہ اگر ہماری جان بخشی کی جائے تو ہم ہتھیار ڈالنے کے لیے تیار ہیں اور سارا مال ومتاع بھی آپ کو دینے کے لیے تیار ہیں۔آپ ﷺ نے ان کی درخواست منظور کرلی۔اس طرح سترہ مسلمان اس غزوہ میں شہید ہوئے اور ترانوے یہودی مارے گئے۔(1)

حدیبیہ میں پیچھے رہ جانے والے کسی بھی ساتھی کو غزوہ خیبر میں ساتھ شریک نہ کیا گیا۔اور نہ ہی انہیں حاصل ہونے والی غنائم سے حصہ دیا گیا۔اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ يُرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ قُلْ لَنْ تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِنْ قَبْلُ فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا بَلْ كَانُوا لَا

(1) جامع البیان فی تاویل القرآن،ج۳،ص ۱۳

يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا﴾[1]

تم مال غنیمت حاصل کرنے کے لیے لگو گے تو یہ پیچھے چھوڑے گئے لوگ کہیں گے کہ یہ ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے دو۔ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بات بدل دیں۔ ان سے کہ دینا کہ تم ہر گز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے یہ بات بتادی ہے۔ اس پر یہ لوگ کہیں گے کہ (نہیں) بلکہ تم لوگ ہم سے حسد کرتے ہو (در حقیقت) یہ لوگ کم ہی سمجھتے ہیں۔

اس آیت کریمہ کے تحت امام قرطبی لکھتے ہیں کہ:

"اس آیت سے مراد خیبر کی غنیمتیں ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اہل حدیبیہ سے فتح خیبر کا وعدہ کیا تھا اور یہ حکم صرف انہیں کے لیے خاص تھا چاہے وہ خیبر میں حاضر تھا یا غائب تھا اور اہل حدیبیہ میں سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی غائب نہیں تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے اسی طرح حصہ رکھا تھا جس طرح باقیوں کو حصہ ملا تھا۔ خیبر کی تقسیم کے ذمہ دار جبار بن صخرا انصاری جو بنی سلمہ سے تعلق رکھتے تھے اور حضرت زید بن ثابت جو بنی نجار سے تعلق رکھتے تھے، دونوں حساب کو سمجھنے والے اور تقسیم کرنے والے تھے۔"[2]

غزوہ خیبر کے موقعہ پر بہت سارے واقعات سامنے آئے جو کہ کتب احادیث میں اجمالاً اور کتب سیر میں بالتفصیل درج ہیں۔ مسلمانوں نے قلعے کا محاصرہ کئی دن جاری رکھا۔ اس طرح مسلمانوں کو چند دن کی مشکلات کے بعد اللہ تعالیٰ نے فتح یاب فرمایا اور کثیر مال غنیمت بھی عطا فرمایا۔ دوران محاصرہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر سکینت بھی نازل فرمائی جس کا ذکر قرآن مجید میں ان الفاظ کے ساتھ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ٥ وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا﴾[3]

بلاشبہ اللہ راضی ہو گیا ان (خوش نصیب) ایمانداروں سے جو بیعت کر رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم!) اس درخت کے نیچے سو اللہ نے جان لیا جو کچھ (صدق و اخلاص) ان کے دلوں میں تھا اور اس نے نازل فرما دی ان پر سکون (واطمینان) کی کیفیت اور اس نے نواز دیا ان کو اس کے (صلہ و) عوض میں قریب ہی ملنے والی ایک عظیم الشان فتح (وکامرانی) سے۔ اور

---

(1) الفتح:۱۵

(2) الجامع لاحکام القرآن، ج۱۶، ص۲۷۰

(3) الفتح:۱۹،۱۸

دوسری بہت سی ان غنیمتوں سے جو کہ (وہ عنقریب ہی) حاصل کریں گے اور اللہ بڑا ہی زبردست نہایت ہی حکمت والا ہے۔

غزوہ خیبر کے نتائج

غزوہ خیبر کے نتائج بڑے دوررس ثابت ہوئے۔ دشمنان دیں یہودیوں کی طرف سے سازشیں ختم ہوئیں جس سے مسلمانوں کو امن حاصل ہوا۔ اس سے پہلے صلح حدیبیہ کے باعث مشرکین کی سرکشی اور فتنہ انگیزی کا سد باب ہو چکا تھا۔ فریقین میں دس سال کے لیے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہو گیا تھا اور اب مدینہ بیرونی حملہ آوروں کے عسکری دباؤ سے آزاد ہو چکا تھا۔ یہودیوں کے پاس بہت زیادہ مال و اسباب تھا جس پر ان کو بڑا ناز تھا، خیبر کے قلعوں کو وہ ناقابل تسخیر سمجھتے تھے اور اب فتح خیبر کے بعد ان کی عسکری قوت کا جنازہ نکل چکا تھا۔ وہ اس قابل نہ رہے تھے کہ مسلمانوں پر حملہ کریں یا کوئی جلدی جلدی سازش کر سکیں۔ عرب کے دیگر یہودی قبائل صلح حدیبیہ کے خود کو تنہا محسوس کر رہے تھے اور اب فتح خیبر کے بعد تو مزید خوف کا شکار ہو گئے، ان میں ہمت نہ رہی کہ وہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کی جرأت بھی کر سکیں۔ اسی لیے فدک کے یہودیوں نے بغیر مقابلہ کئے اور مزاحمت کئے بغیر ہی ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ غزوہ خیبر سے مالی طور پر بھی مسلمان کافی زیادہ مستحکم ہوئے اور وافر مقدار میں مال غنیمت ان کے ہاتھ آیا۔ خیبر کے مال غنیمت سے مسلمانوں کی عسکری و سیاسی قوت میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔

غزوہ حنین

غزوہ بدر کے علاوہ دوسرا غزوہ جس کا ذکر قرآن مجید کے اندر نام کی صراحت کے ساتھ آیا ہے وہ غزوہ حنین ہے۔ جو کہ ایک وادی کا نام ہے جو طائف سے ۴۰ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس غزوہ کے اسباب درج ذیل ہیں۔

غزوہ حنین کے اسباب و واقعات

یہ علاقہ عرب کے مشہور جنگجو و جنگباز قبیلہ بنو ہوازن کا مسکن تھا۔ تیر اندازی میں اس قبیلے کا بڑا نام تھا۔ فتح مکہ کی خبر سن کر یہ مضطرب ہوئے اور کہنے لگے اگلی باری ہماری ہے۔ اس کشمکش میں ہی انہوں نے حربی تیاری شروع کر دی۔ اس تیاری میں قبیلہ بنو ثقیف نے بھی قبیلہ ہوازن کا ساتھ دیا اور اہل حنین نے اپنے ساتھ دیگر ارد گرد کے مشرک قبائل کو بھی ساتھ ملا لیا۔ اتحاد کی صورت میں ان کی جنگی قوت بڑھ گئی اس طرح ہوازن کی تقریباً تمام شاخیں جنگ کے لیے تیار تھیں۔ سارے قبائل کے سردار مالک بن عوف نصری کی سربراہی میں لڑنے کے لیے نکل پڑے۔ انہوں نے اپنے ساتھ عورتوں، بچوں اور بھیڑ بکریوں کو بھی لے لیا۔ درید بن الصمہ نے سالار لشکر کو مشورہ دیا کہ وہ عورتوں اور بچوں کو ساتھ لے کر نہ جائے جبکہ مالک بن عوف نصری نے اس کے مشورہ کو دقیانوس قرار دے کر ٹھکرا دیا۔ مالک بن عوف نصری تیس سال کا پرجوش نوجوان تھا اس کا خیال یہ تھا کہ لوگ جب اپنی عورتوں اور بچوں

کے ساتھ ہونگے تو جان کی بازی لگا دیں گے تا کہ اہل خانہ سالامت رہیں۔ یہ سارا لشکر اوطاس میں اتر گیا اور انہوں نے اہم مقامات پر قبضہ جمالیا اور گھات لگا کر اسلامی لشکر کے تاک میں بیٹھ گئے۔[1]

نبی کریم ﷺ کو جیسے ہی خبر ملی آپ ﷺ نے مکہ سے ہی خیبر کی جانب پیش قدمی کر دی۔ ۶ شوال ۸ ہجری کو اسلامی لشکر دشمن کے ساتھ مقابلہ کے لیے روانہ ہوا۔ آپ ﷺ کے ساتھ بارہ ہزار جانثاروں کا لشکر تھا۔ دس ہزار وہی تھے جو مدینہ سے ساتھ آئے تھے اور دو ہزار مکہ سے ساتھ ملے تھے۔ مکہ والوں میں اکثریت نو مسلم تھے۔ چند ایک غیر مسلم بھی ساتھ شامل ہوگئے۔ آگے چل کر نبی کریم ﷺ نے ایک گھڑ سوار کو بھیجا کہ جاکر دشمن کی صورت حال کا جائزہ لے کر آؤ، اس نے واپس آکر اطلاع دی کہ دشمن کا لشکر حنین کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے، ان کی تعداد چار ہزار ہے۔ ان کے پاس ہتھیاروں کے علاوہ سامان خر دو نوش بھی وافر مقدار میں ہے آپ ﷺ نے تبسم فرماتے ہوئے کہا، کل تک یہ سارا سامان ہمارے لشکر کا مال ہو گا۔

دشمن نے جب دیکھا کہ اسلامی لشکر مطمئن ہو کر بیٹھ گیا ہے اور یہ اپنا سامان سفر کھولنے میں لگے ہوئے ہیں ، ابھی ان کو حملے کا کوئی خوف خطرہ نہیں ہے تو مالک بن عوف نصری کے کہنے پر لشکر کفار نے مسلمانوں پر اچانک دھاوا بول دیا اور تیروں کی بارش کر دی۔ مسلمان اس اچانک حملے کے لیے تیار نہ تھے اس لیے سنبھل نہ سکے اور منتشر ہوگئے۔ آپ ﷺ کے ساتھ سو کے قریب صحابہ ڈٹ کر مقابلہ کرتے رہے اور انہوں نے دشمن کے ہر حملے کو پسپا کیا۔ نبی کریم ﷺ خود بھی دشمن کے بھرپور حملہ کرنے اور اسلامی لشکر کے بکھر جانے کے باوجود کمال استقامت اور شجاعت کا مظاہرہ فرمارہے تھے۔ آپ ﷺ اپنے خچر پر سوار ہو کر آگے بڑھ بڑھ کے دشمن پر حملہ کر رہے تھے اور ساتھ ہی اپنے بھاگتے ہوئے ساتھیوں کو پکار رہے تھے کہ تم لوگ کدھر بھاگے جا رہے ہو، ادھر آؤ۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کے ساتھ مل کر دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کیا یہاں تک کہ میدان جنگ کا پانسہ ہی پلٹ گیا اور آپ ﷺ نے چند کنکریاں بھی دشمن کی طرف پھینکی جس سے ان پر مسلمانوں کا رعب طاری ہو گیا اور اس غزوہ میں فرشتوں نے بھی مسلمانوں کی مدد کی۔ آخر کار مسلمان فاتح ٹھہرے ، بھاری تعداد میں لوگ قیدی ہوئے اور مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔[2]

اس بھگدڑ اور انتشار کی وجہ یہ تھی کہ مسلمان اپنی کثرت پر فخر کرنے لگے کہ آگے ہماری تعداد کم ہوتی تھی تب بھی ہم ہی غالب آتے تھے۔ جبکہ آج تو ہماری تعداد بھی بہت زیادہ ہے یقیناً ہم ہی غالب آنے والے ہیں۔ جنگ شروع ہوئی تو مسلمانوں کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ بہر حال مشکلات سے گزر کر آگے اللہ تعالیٰ نے آخری فتح

---

(1) السیرۃ النبویہ، ج۵، ص ۱۱۰

(2) البدایہ والنہایہ، ج۴، ص ۳۲۷

مسلمانوں کو ہی عطا فرمائی اور پھر اپنی غیبی مدد نازل فرمائی۔ اس غزوہ کا ذکر سورہ توبہ میں ان الفاظ کے ساتھ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِينَ O ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ﴾[1]

یقیناً اللہ تعالیٰ نے بہت سے مواقع پر تمہاری مدد کی ہے اور حنین کے دن بھی۔ جبکہ تمہیں اپنی کثرت تعداد نے گھمنڈ میں ڈال دیا تھا وہ تمہارے کام نہ آئی اور تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگ ہونے لگی پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے اپنے رسول ﷺ اور مومنین پر تسلی نازل فرمائی اور اس نے ایسے لشکر اتارے جنہیں تم دیکھ نہ سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو عذاب میں پکڑا اور یہی بدلہ ہے کافروں کے لیے۔

حنین میں نزول ملائکہ اور مومنین پر جو سکینت نازل ہوئی ہے اس کے بارے میں امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ:

"اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ اور اہل ایمان پر طمانیت قلب نازل فرمائی اور ساتھ ہی ایسے لشکر اتارے جن کو تم نے نہیں دیکھا۔ ہوازن کی تیر اندازی سے مسلمان اچانک گھبرا گئے تھے اور ان کے بھاگنے سے آپ ﷺ کو تشویش لاحق ہوئی تھی تب اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے کفار کو مغلوب کر دیا جس سے آپ ﷺ کی تشویش دور ہو گئی اور مسلمانوں کے دل مطمئن ہو گئے۔"[2]

حنین میں نزول ملائکہ کی حکمت بیان کرتے ہوئے امام قرطبی لکھتے ہیں کہ:

"حنین میں فرشتوں کا نزول اس لیے ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس سے مسلمانوں کے دل مضبوط کرے اور کافروں کے دل کمزور کرے۔"[3]

غزوہ حنین کے نتائج

اس غزوہ میں بعض مسلمانوں نے اپنے مادی وسائل اور افرادی قوت پر تکیہ کر لیا تھا کہ آج ہماری تعداد بھی بہت زیادہ ہے اور ہمارے پاس سامان حرب بھی وافر مقدار میں ہے، کیسے ممکن ہے کہ ہم دشمن پر غلبہ نہ حاصل کر سکیں۔ آپ ﷺ کو جب اہل لشکر کی اس سوچ کا علم ہوا تو یہ بات آپ ﷺ کو انتہائی ناگوار گزری۔ مسلمانوں کی یہ

---

(1) التوبہ: ۲۵،۲۶

(2) التفسیر الکبیر، ج۶، ص ۲۰

(3) الجامع لاحکام القرآن، ج۸، ص ۹۶

شوخی اللہ تعالیٰ کو بھی پسند نہیں آئی۔ جیسے ہی دشمن نے کمین گاہوں نے نکل کر اچانک حملہ کیا تو مسلمان گھبرا کر بوکھلاہٹ کا شکار ہوگئے۔ ذرا سی غفلت بہت بڑے نقصان کا باعث بن سکتی تھی۔ لشکر کے انتشار اور افراتفری کا سبب ہی وہ لوگ تھے، جو محض غنائم کے لالچ میں اسلامی لشکر کے ساتھ ہو لیے تھے۔ نبی کریم ﷺ کی استقامت اور جرأت نے یہ ثابت کر دیا کہ جب بھی کوئی مشکل یا پریشانی آئے اس کو اپنے اعصاب پر سوار نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی ڈر کر بھاگ جانا چاہیے بلکہ استقامت کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرنا اور اس کے ہر وار کو ناکام بنانا چاہیے اس طرح ہاری ہوئی جنگ فتح میں بدلی جا سکتی ہے۔ غزوہ حنین میں آپ ﷺ اور آپ کے چند جانثار صحابہ اگر ڈٹے نہ رہتے تو تاریخ شاید کچھ اور ہی رقم کرتی اور مسلمانوں کے لیے مستقبل کی کامیابیوں کے خواب بھی شرمندہ تعبیر نہ ہوسکتے۔ رسول اللہ ﷺ کی شجاعت و بہادری نے قبیلہ ہوازن و ثقیف کی مشترکہ قوت کو قریش کی عسکری قوت کے ہم پلہ سمجھا جاتا تھا اب مسلمانوں نے ان کے اتحاد و قوت کا بھی جنازہ نکال دیا تھا۔ اس طرح فتح مکہ کے فوراً بعد ہی ایک عظیم فتح نے مسلمانوں کے قدم چوم لیے تھے۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کی کامیابی انتہائی مثبت نتائج کی حامل ہوئی۔ غزوہ حنین کے بعد مسلمان عرب کی سب سے بڑی عسکری قوت بن کر سامنے آئے تھے۔ عرب میں کوئی ایسی قوت باقی نہ رہی تھی جو مسلمانوں کا مقابلہ کرتی یا ان کے راستے میں حائل ہوتی۔ گویا سارے عرب میں مزاحمت اور مخالفت کی سب تحریکیں دم توڑ گئیں تھیں۔

غزوہ تبوک

نبی کریم ﷺ کو خبر ملی کہ روم کے شہنشاہ کے حکم سے چالیس ہزار سپاہ مسلمانوں پر حملے کے لیے پیش قدمی کر رہا ہے۔ آپ ﷺ کو جیسے ہی اطلاع ملی آپ ﷺ نے بھی تیاری کا حکم دے دیا۔ تیس ہزار کا لشکر مسلمانوں کے طرف سے تبوک پر کیمپ لگا کر دشمن کی فوج کا انتظار کرنے لگا۔ سخت گرمی کا عالم تھا۔ مدینہ کی فصل بھی تیار تھی اوپر سے مقابلہ بھی متمدن و حربی فنون سے آراستہ فوج سے تھا۔ مگر دشمن اسلام نے جب مسلمانوں کی قوت اور شجاعت کی اطلاع سنی تو مرعوب ہو کر مقابلے کے لیے نہیں آئے۔[1] اس طرح مسلمانوں کو نفسیاتی محاذ پر بہت بڑی فتح حاصل ہوئی۔ اس غزوہ کے اسباب درج ذیل ہیں۔

غزوہ تبوک کے اسباب:

بدر سے حنین تک عرب کی جملہ طاقتیں اسلام کے خلاف جنگی محاذ پر اپنی صلاحیتیں آزما چکے تھیں۔ ان دشمن قوتوں کا سارا غرور خاک میں مل چکا تھا اور ان کو مکمل طور پر یقین ہو گیا تھا کہ اب اسلام ہمارے لیے ناقابل

---

(1) السیرۃ النبویہ، ج۵، ص۱۹۷

تسخیر بن چکا ہے۔ عرب میں کہیں کہیں جو اسلام مخالف قوتیں متحرک تھیں ان کو اپنے بازوؤں پر کوئی اعتماد نہ تھا لہذا ان کی نظریں اب عرب سے باہر اس دور کی سپر پاور قیصر روم پر لگی ہوئی تھیں۔ قیصر روم کو ابتدائے اسلام سے لے کر اب تک رونما ہونے والے تمام واقعات اور ان کے نتیجے میں عرب کی سیاسی، اقتصادی، عسکری اور مذہبی زندگی پر مسلمانوں کی مکمل گرفت کی اطلاعات ان کو مسلسل موصول ہو رہی تھیں۔ ابتدا میں تو رومیوں نے اس طرف کوئی توجہ نہیں دی لیکن جب دیکھا کہ مسلمان خطے کی سب سے بڑی اور مظبوط قوت بن کر ابھر رہے ہیں تو اس سے ان کو تشویش لاحق ہوئی اور انہوں نے مسلمانوں کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنا شروع کر دیا۔ روم اپنی بہترین اور مضبوط فوج اور بے پناہ مادی وسائل کے سبب دنیا میں پہلے نمبر پر تھا مگر انہوں نے مسلمانوں پر حملہ کرنے میں عجلت نہیں کی، اس کی دو اہم وجوہات ہیں، ایک تو یہ کہ قیصر روم کو ابوسفیان کے ذریعہ سے معلوم ہو گیا تھا کہ عرب میں نبی آخر الزمان کا ظہور ہو چکا ہے اور دوسرا رومیوں کو صحرا میں جنگ کرنے کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ رومیوں نے عرب کی سرحدوں پر آباد قبائل کو کئی مرتبہ مسلمانوں کے خلاف اکسایا جس کی وجہ سے ان قبائل کے گشتی دستوں نے چند مسلمانوں کو شہید بھی کیا۔ ان کاروائیوں نے مسلمانوں کو مجبور کیا کہ وہ رومیوں کے خلاف کوئی مضبوط قدم اٹھائیں۔ رومیوں نے بھی جب سے ایران کو شکست دی تھی تب سے یہ مسلمانوں کے خلاف کاروائی کرنے کے لیے پر تول رہے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کو جب رومیوں کی جنگی تیاریوں کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے مسلمانوں کو بھی جنگ کی تیاری کا حکم دے دیا۔ مسلمانوں نے عرب کی ساری قوتوں کو شکست دی ہوئی تھی اس لیے رومیوں کے خلاف لڑنے کے لیے ان میں خاصا جوش و خروش پایا جاتا تھا اور وہ رومیوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر لڑنے کے لیے تیار تھے۔ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ غزوہ کے لیے نکلنے سے پہلے کسی کو اپنے عزائم سے آگاہ نہیں کرتے تھے مگر اب کی بار اپنوں اور بیگانوں سب کو مطلع کیا اور اعلان کیا کہ ہم سپر پاور کے خلاف لڑنے جا رہے ہیں۔ اس اعلان میں کا ایک فائدہ تو یہ تھا کہ مسلمانوں کو جب پتا ہو گا کہ وہ ایک سپر پاور کے مقابلے میں جنگ کرنے جا رہے ہیں تو وہ بھرپور جنگی تیاریوں کے ساتھ نکلیں گے اور دوسرا فائدہ یہ ہو گا کہ رومیوں کو پتا چلے گا کہ مسلمان ان کی طرف آگے بڑھ کر ان سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ان نفسیاتی حربے کا حقیقت میں خاطر خواہ فائدہ ہوا کہ رومی فوج پر مسلمانوں کی عسکری قوت کا رعب پڑ گیا۔ نبی کریم ﷺ نے نومسلموں کو بھی لازمی طور پر اس غزوہ میں شرکت کا حکم دیا اور مختلف قبائل کو بھی خطوط لکھ کر جہاد میں شرکت کرنے کے لیے تیار کیا۔ لوگوں نے پرجوش انداز سے جوق در جوق اس غزوہ میں شرکت اختیار کی اور ایک بہت بڑا اسلامی لشکر جو کہ تیس ہزار مجاہدین پر مشتمل تھا ۹ ہجری کو رومیوں

کے خلاف صف آرا ہونے کے لیے مدینہ منورہ سے نکل پڑا۔[1]

اس غزوہ میں صاحب ثروت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایثار و قربانی کا بے مثال مظاہرہ کیا اور اسلام کی خاطر سارا مال و اسباب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سواری نہ ہونے کے باعث شریک نہ ہو سکے اور محرومی کے باعث شدت جذبات سے روتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے بطور استحسان و تعریف ان کا ذکر قرآن مجید میں کیا ہے کہ ان کمزوروں اور بیماروں پر کوئی گناہ نہیں جن کے پاس اسلام کے لیے خرچ کرنے کو کچھ نہیں ہے اور یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخلص ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَى وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنْفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾[2]

کوئی تنگی (اور گناہ) نہیں کمزوروں، اور بیماروں پر، اور نہ ان لوگوں پر، جو کچھ نہیں پاتے خرچ کرنے کو، جب کہ یہ لوگ مخلص ہوں (اپنی وفاداری میں) اللہ اور اس کے رسول کے لیے، کوئی الزام نہیں ایسے نیکوکاروں پر اور اللہ بڑا ہی بخشنے والا، نہایت ہی مہربان ہے۔

ان سخت مشکلات کے پیش نظر منافقین کترانے لگے کہنے لگے اس گرمی میں کون سفر کرے اور ایک بڑی فوج کا مقابلہ کرے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سرزنش کرتے ہوئے قرآن مجید میں ان کا تذکرہ فرمایا ہے کہ یہ جہاد میں شرکت نہ کرنے کے حیلے بہانے تراشنے والے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلَافَ رَسُولِ اللَّهِ وَكَرِهُوا أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَالُوا لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ﴾[3]

خوش ہو رہے ہیں وہ (بدنصیب) جن کو پیچھے چھوڑ دیا گیا (ان کے اپنے خبث باطن کی بناء پر، وہ خوش ہو رہے ہیں) اپنے بیٹھ رہنے پر، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے (تشریف لے جانے کے) بعد، اور ان کو گوارا نہ ہوئی یہ بات کہ یہ جہاد کریں اللہ کی راہ میں، اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ، مزید یہ کہ انہوں نے (دوسروں سے بھی) کہا کہ تم لوگ مت نکلو ایسی (سخت) گرمی میں، (ان سے) کہو کہ دوزخ کی آگ اس سے کہیں زیادہ گرم ہے، کاش کہ یہ لوگ سمجھ لیتے (حق کو)۔

اور منافقین میں سے بعض کہنے لگے کہ اگر ہم روم کی سرزمین پر چلے گئے تو وہاں کے فتنوں کا شکار ہو جائیں

---

(1) تاریخ الخمیس فی احوال انفس النفیس، دیار بکری، حسین بن محمد بن الحسن، بیروت: دار صادر، ج۲، ص۱۲۶

(2) التوبہ:۹۱

(3) ایضاً:۸۱

گے۔اس لیئے ہمارانہ جانا زیادہ بہتر ہے۔اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کے عذر کو بھی ظاہر فرمایا اور ان کی سخت سرزنش بھی کی اور فرمایا کہ ہم جہاد میں جانے سے فتنہ میں پڑ جائیں گے حالانکہ یہ پہلے سے ہی فتنہ میں پڑے ہوئے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ ائْذَنْ لِي وَلَا تَفْتِنِّي أَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ﴾(1)

ان میں بعض اشخاص کہتے ہیں کہ ہمیں (رہ جانے) کی اجازت دیجئے اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالیے، حالانکہ فتنہ میں یہ خود پڑے ہوئے ہیں اور یقیناً دوزخ ان کافروں کو گھیرے گی۔

امام ابن جریر طبری اس آیت کریمہ کے شان نزول کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

”جن ایام میں آپ ﷺ غزوہ تبوک کی تیاری فرما رہے تھے ایک دن آپ ﷺ نے بنو سلمہ کے بھائی جد بن قیس:اے جد!اس سال بنو الاصفر سے جہاد کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟اس نے کہا: کیا آپ ﷺ مجھے اس سے اجازت دیں گے؟ اور مجھے اس فتنہ میں نہ ڈالیں۔ میری قوم کو معلوم ہے کہ میں عورتوں میں سب سے زیادہ دلچسپی رکھتا ہوں اور جب میں بنو الاصفر کی عورتوں کو دیکھوں گا تو ان سے صبر نہیں کر سکوں گا۔رسول اللہ ﷺ نے اس سے اعراض کیا اور ارشاد فرمایا کہ میں نے تم کو اجازت دی، تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔“(2)

ان لوگوں کے حیلے بہانے ہونے کے باوجود تیس ہزار سپاہ کا لشکر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تبوک گیا اور وہاں تبوک میں خیمہ زن ہوا۔رومیوں کو جب مسلمانوں کے صف آرا ہونے کی خبر ملی اور ان کی جنگی تیاریوں کی اطلاع ملی تو وہ مسلمانوں کے مقابلے میں نہ نکلے۔ مسلمان دیکھتے رہے مگر رومی سپاہ کے لشکر کا دور دور تک نشان نہ تھا۔ لہٰذا رومیوں کے مقابلے پر نہ آنے کے باعث صحیح سلامت مسلمان مدینہ واپس آگئے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نبی کریم علیہ السلام اور آپ کے جانثار صحابہ کی مدح بیان فرمائی ہے کہ ان جانثاروں نے تنگی کے وقت آپ ﷺ کا ساتھ دیا، اللہ تعالیٰ ایسے مجاہدین پر بڑا مہربان ہے۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ

---

(1)التوبہ:۴۹

(2)(الف)جامع البیان فی تاویل القرآن،ج۱۰،ص۱۹۱(ب)اسباب نزول القرآن،نیشاپوری،ج1،ص248

مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَحِيمٌ﴾(1)

اللہ تعالیٰ نے ضرور نبی کے حال پر توجہ فرمائی اور مہاجرین وانصار کے حال پر بھی جنہوں نے ایسی تنگی کے وقت میں نبی کا ساتھ دیا بعد اس کے اس کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل میں کچھ تزلزل ہو چلا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے حال پر بھی توجہ فرمائی۔ بلاشبہ وہ (سب) بڑا شفیق ومہربان ہے۔

نتائج

غزوہ تبوک کا نتیجہ یہ نکلا کہ شام سے ملحقہ سرحد پر آباد جو عرب قبائل، جن میں نصرانی بھی شامل تھے، انہوں نے جزیہ ادا کرکے پورے خطہ عرب میں مسلمانوں کی حکمرانی کو عملاً تسلیم کر لیا۔ اب عرب کی فضا مکمل طور پر مسلمانوں کے لیے سازگار ہوگئی تھی اور اسلام کے خلاف مزاحمت کرنے والی تمام تحریکیں دم توڑ چکی تھیں۔ مسلسل اسلامی فتوحات نے خطہ کے باسیوں پر اسلام کی حقانیت کو آشکار کر دیا تھا جس کی وجہ سے جوق در جوق لوگ حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے اور سارے جزیرۃ العرب میں مسلمان غالب آگئے۔ جنگ نہ ہونے کے باوجود بھی یہ مہم جنگی اعتبار سے بڑے مثبت نتائج لے کر آئی۔ یہودیوں نے اپنی شکست تسلیم کر لی اور قریش مکہ عاجز آکر دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے۔ جنوب مغرب کے دور دراز علاقوں میں چند قبائل اپنی سرکشی پر ڈٹے ہوئے تھے اور اسلام کے خلاف ان کی سازشیں جاری تھیں مگر بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ان کو بھی سر کر لیا گیا۔ تبوک سے واپسی پر صورت حال یہ تھی کہ سارے عرب میں کوئی قابل ذکر طاقت ایسی نہیں رہی جو مسلمانوں کے مدمقابل آتی، جملہ قوتوں نے اسلامی ریاست کی برتری کو تسلیم کر لیا تھا۔ اصل میں عربوں کی اکثریت تو اسلام قبول کر چکی تھی جس کی وجہ سے سابقہ قوتوں کا شیرازہ بکھر چکا تھا اور اب کوئی طاقت اسلام کے مدمقابل نہ تھی۔ غزوہ تبوک کے بعد جن غیر مسلموں نے مسلمانوں کے ساتھ معاہدات کئے یا جنہوں نے اسلامی ریاست میں پناہ لی، اسلام نے ان تمام کو مذہبی اعتبار سے مکمل آزادی دی تھی۔ اس سے ان تمام پر یہ واضح ہوگیا کہ اسلام امن، عافیت، بقا اور سلامتی کا دین ہے اس لیے یہ غیر مسلموں کو بھی آزادی سے جینے کا حق دیتا ہے۔(2) مسلمانوں نے جب دیکھا کہ غیر مسلم ان کے خلاف ہتھیار نہیں اٹھا رہے اور انہوں نے اپنی شکست کو تسلیم کر لیا ہے تو انہیں زبردستی جنگ میں نہیں دھکیلا گیا اور نہ ہی ان کو قتل کیا گیا بلکہ آزادی کے ساتھ انہیں اسلامی ریاست میں رہنے کی اجازت دے دی گئی۔ اس طرح غزوہ تبوک مسلمانوں کے لیے تابناک مستقبل کا باعث بنا اور اس سے اسلامی تعلیمات کی سرمدی روشنی اکناف عالم پھیل گئی اور انسانیت اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سفر کرنے لگی۔

---

(1) التوبہ:۱۱۷

(2) سیرۃ الرسول، ج۸، ص۶۶۷

باب پنجم:

قرآن حکیم اور غیر مسلموں سے نبی کریم ﷺ کے معاملات

فصل اول: معاہدات کا ذکر

فصل دوئم: مشرکین کے ساتھ معاملات

فصل سوئم: منافقین کے ساتھ معاملات

فصل چہارم: اہل کتاب کے ساتھ معاملات

فصل اول: معاہدات کا ذکر

مبحث اول: مطلق معاہدہ

اس مبحث میں مطلق معاہدہ کا ذکر ہے۔اس میں وضاحت کی گئی ہے کہ اہل باطل کے ساتھ کن کن صورتوں میں صلح کے تحت معاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ قرآن مجید نے کفار کے ساتھ معاہدات کے احکام جاری فرمائے ہیں۔اور دوسری مبحث میں صلح حدیبیہ کا تذکرہ ہے۔اس مبحث میں حدیبیہ معاہدے کی تفصیلات قرآن کی روشنی میں بیان کی گئی ہیں اور اس معاہدے کے اثرات بیان کئے گئے ہیں۔

قرآن مجید میں جہاں کفار و مشرکین کے خلاف قتال کا صراحتاً حکم ہے وہیں صلح پسند گروہوں کے ساتھ معاہدہ کرنے کا حکم بھی موجود ہے۔اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو ارشاد فرمایا کہ اگر کافر لوگ صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی صلح کے لیے ہاتھ بڑھا دیں اور اگر وہ بظاہر صلح پر آمادہ ہوں اور اندر سے آپ کو نقصان پہنچانا چاہتے ہوں تو تب بھی فکر مند نہ ہوں اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی مدد کے لیے کافی ہے۔سورۃ الانفال میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ وَإِنْ يُرِيدُوا أَنْ يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ ۝ وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾(1)

(اے نبی ﷺ!) اگر کفار صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ ﷺ بھی مائل ہوں جائیں اس کی طرف اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیجئے بے شک وہی سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے اور اگر وہ آپ کو دھوکہ دینے کا ارادہ کریں (فکر نہ کریں) بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو کافی ہے وہی ہے جس نے آپ کی تائید اپنی مدد اور مومنین (کی جماعت) کے زریعے کی۔اور اسی نے ہی الفت پیدا کر دی ان کے دلوں میں اگر آپ خرچ کرتے جو زمین میں ہے سب کا سب تو الفت پیدا کر سکتے ان کے دلوں میں مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان الفت پیدا کر دی بلاشبہ وہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔

ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے صلح کا حکم دیا ہے کہ اگر کفار مائل بہ صلح ہوں تو آپ بھی صلح کر لیں۔اس پر علماء نے اختلاف کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے اور بعض کے نزدیک یہ منسوخ نہیں ہے۔اور بعض نے لکھا ہے کہ اس میں جو صیغہ امر ہے وہ وجوب کے لیے نہیں بلکہ اباحت کے لیے بیان ہوا ہے۔حضرت قتادہ اور عکرمہ نے کہا ہے کہ یہ آیت سورہ التوبہ کی آیت ﴿فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ

---

(1) الانفال: ۶۳،۶۲،۶۱

وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ یعنی پھر جب گزر جائیں حرمت والے مہینے تو تم قتل کرو ان مشرکوں کو جہاں بھی انہیں پاؤ انہیں پکڑو، ان کا گھیر اؤ کرو، اور ان (کی خبر) کے لیے بیٹھ جاؤ ہر گھات میں، پھر بھی اگر یہ لوگ توبہ کرلیں (اسلام لاکر) نماز قائم کریں، زکوۃ ادا کریں، تو تم خالی کردو ان کا راستہ، بیشک اللہ بڑا ہی بخشنے والا، نہایت ہی مہربان ہے، سے منسوخ ہے۔ ان دونوں صاحبان کے نزدیک ہر قسم کی صلح کی برأت منسوخ ہو چکی ہے یہاں تک کہ وہ اسلام قبول کرلیں۔ (1)

امام قرطبی حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں کہ:

> "سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کا ناسخ ﴿فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَتِرَكُمْ أَعْمَالَكُمْ﴾ یعنی پس (اے مسلمانو!) نہ تو تم سستی دکھاؤ اور نہ ہی صلح کی درخواست کرو کیونکہ غالب بہر حال تم ہی ہو اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور وہ تمہارے اعمال (کے ثواب) میں ہر گز کوئی کمی نہیں فرمائے گا) ہے۔"(2)

بعض کے نزدیک یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ اس میں اہل جزیہ سے جزیہ قبول کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ جیسا کہ اصحاب رسول نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اور آپ کے بعد آنے والے ائمہ نے بلاد عجم میں بہت سارے شہروں کی صلح اس بنا پر کی ہے کہ ان سے جزیہ وصول کر لیا اور انہیں ان کے شہروں میں ہی رہنے دیا۔ حالانکہ وہ انہیں مکمل ختم کرنے پر قدرت رکھتے تھے۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بلاد میں سے کثیر کے ساتھ اس مال پر صلح کی جو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ادا کرتے تھے۔ ان میں سے خیبر بھی ہے، اہل خیبر کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط پر وہیں رہنے دیا کہ وہ کام کرتے رہیں اور پیداوار کا نصف ادا کریں۔ علامہ قشیری کہتے ہیں کہ جب مسلمانوں کے پاس قوت اور طاقت ہو تو وہ صلح ایک سال سے کم مدت کے لیے کریں اور جب قوت و طاقت کفار کے پاس ہو تو پھر دس سال تک باہم صلح کرنا جائز ہے۔ پس صلح حدیبیہ دس سال کے لیے کی گئی تھی۔ (3)

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ مذکور الذکر آیت کریمہ کے تحت لکھتے ہیں کہ:

> "نہ آیت کریمہ کو منسوخ ماننے کی ضرورت ہے نہ اہل کتاب کے ساتھ مخصوص کرنے کی ضرورت ہے۔ اس جگہ امر کا صیغہ وجوب کے لیے نہیں بلکہ اباحت کے لیے ہے، یعنی صلح کرنا جائز ہے اور ظاہر ہے کہ امام المسلمین مناسب سمجھے تو صلح کر سکتا ہے اور آیت ﴿فَاقْتُلُوا

---

(1) الجامع لاحکام القرآن، ج ۸، ص ۴۳

(2) ایضاً

(3) ایضاً

الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ﴾کا حکم عمومی بھی نہیں ہے بلکہ مخصوص البعض ہے۔ ذمی کا فر اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔"[1]

نبی کریم ﷺ نے مشرکین، یہود اور دیگر قبائل سے معاہدات کئے۔ جب آپ ﷺ مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو میثاق مدینہ یہودی قبائل اور مسلمانوں کے مابین طے ہوا۔ سورہ توبہ کا نزول اس معاہدے کے بعد ہوا۔ معائدے کی ضرورت درج ذیل امور کی وجہ سے پیش آئی۔

۱: مدینہ میں رہنے والوں کے جملہ حقوق و فرائض کا تعین کرنا۔

۲: مہاجرین کے لیے معاشرتی ضرورتوں کا پورا کرنا۔

۳: مدینہ کے یہودی قبائل کے ساتھ سمجھوتہ کرنا تاکہ بوقت ضرورت ایک دوسرے کا تحفظ کر سکیں۔

۴: مدینہ کی سیاسی تنظیم سازی اور فوجی قوت کا مضبوط و منظم اہتمام کرنا۔

۵: قریش مکہ نے مہاجرین کو جو مالی و جانی نقصان پہنچایا ہے ان نقصانات کا ازالہ کرنا۔

ان امور کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے ایک تحریری معائدہ طرفین کی فلاح اور حقوق کے تحفظ کے لیے طے کیا۔ یہ معاہدہ جامعیت کے اعتبار سے تاریخ اسلامی کا اہم ترین باب ہے۔ اس معاہدے کی ۵۳ دفعات ہیں جو کہ ابن ہشام نے رقم کیں ہیں۔[2]

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں تشریف لانے کے بعد قبیلہ جہنیہ کے ایک وفد کی درخواست پر ان کے ساتھ چند امور پر اتفاق کرتے ہوئے معاہدہ تحریر فرمایا۔[3]

نبی کریم ﷺ چند مہاجرین کے ساتھ غزوہ ابواء کے سلسلے میں صفر ۲ھ کو ودان[4] کے مقام پر پہنچے یہ پہلا غزوہ تھا جس میں رسول اللہ ﷺ شریک ہوئے مگر لڑائی کی نوبت نہ آئی۔ قبیلہ بنو ضمرہ کے سردار مخشی بن عمرو ضمری کے ساتھ معائدہ طے پا گیا۔ معاہدہ یہ تھا: یہ تحریر محمد ﷺ کی طرف سے بنو ضمرہ کے لیے ہے ان لوگوں کا (بنو ضمرہ کا) مال و جان محفوظ رہے گا اور اگر کوئی ان پر حملہ کرے گا ان کی مدد کی جائے گی لیکن اگر یہ اپنے مذہب کے لیے لڑائی کریں گے تو ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔ جب آپ ﷺ ان کو مدد کے لیے بلائیں تو یہ مدد کو آئیں گے۔ یہ

---

(1) تفسیر المظہری، محمد ثناء اللہ، ج۴، ص۱۰۹

(2) السیرۃ النبویہ، ج۳، ص۳۰

(3) الامین، ڈوگر، محمد رفیق، لاہور: دید شنید پبلشرز، ص۳۱۳

(4) ودان مدینہ منورہ سے جنوب مغرب کی طرف 80 کلو میٹر پر واقع ایک مقام ہے۔ ودان اور ابواء کے درمیان تقریباً 9 کلو میٹر کا فاصلہ ہے۔ (زرقانی علی المواہب، ج1، ص393)

معاہدہ کرنے کے لیے آپ ﷺ پندرہ روز مدینہ سے باہر قیام کرنے کے بعد بناخون خرابا مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔[1]

اسی طرح صلح حدیبیہ کی بحث آگے آرہی ہے جو کہ رسول اللہ ﷺ نے مشرکین مکہ کے ساتھ ایک معاہدہ کیا تھا۔ یہ معاہدہ بھی مسلمانوں کے لیے بہت زیادہ مفید ثابت ہوا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو فتح مبین کی بشارت سنائی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے امن عامہ کے لیے بہت زیادہ کوششیں کیں مگر مشرکین و یہود نے بدعہدی کی انتہا کر دی اور معاہدات توڑ کر مسلمانوں کے خلاف سازشوں اور لڑائیوں میں حصہ لینے لگتے۔ جیسا کہ یہود قبائل بنی قریظہ اور بنی نضیر کے ساتھ معائدہ طے پا گیا تھا مگر انہوں نے کفار کو مسلمانوں کے خلاف اسلحہ مہیا کر کے بدعہدی کی۔ اس کے بعد تائب ہوئے اور دوبارہ معاہدہ کیا۔ لیکن جب خندق میں سارا عرب مسلمانوں پر حملہ آور ہوا تو کفار کا پلڑا بھاری دیکھ کو پھر یہ یہودی قبائل کافروں کے ساتھ ہو گئے اور عین حالت جنگ میں مسلمانوں کو دغا دیا۔ قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان بدعہدوں کو جہاں پائیں ان سے بدلہ لیں اور ان کو عبرت ناک شکست دیں۔ اس کا ذکر سورہ الانفال کے اندر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الَّذِينَ عَاهَدْتَ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ ٥ فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ٥ وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَى سَوَاءٍ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ﴾[2]

وہ جن سے (کئی بار) آپ نے معاہدہ کیا۔ پھر وہ اپنا عہد ہر بار توڑتے رہے اور وہ (عہد شکنی) سے ذرا بھی نہیں پرہیز کرتے۔ پس آپ اگر پائیں انہیں (میدان) جنگ میں تو (انہیں عبرتناک شکست دے کر) منتشر کر دو انہیں جو انکے پیچھے ہیں شاید وہ سمجھ جاہیں اور اگر آپ کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ محسوس کریں تو پھینک دیں ان کی طرف (ان کا معاہدہ) واضح طور پر بے شک اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا اور ہر گز خیال نہ رکھیں کافر کہ وہ بچ کر نکل گئے یقیناً وہ (اللہ تعالیٰ کو) عاجز نہیں کر سکتے۔

معاہدہ شکن کافروں سے مراد بنی قریظہ کے خاندان کے یہودی ہیں۔ دو ورق پر رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان ایک تحریر لکھی تھی جس میں یہودیوں سے مصالحت کا بھی ذکر تھا۔ یہودیوں سے معاہدہ یہ تھا کہ فریقین اپنے اپنے مذہب پر قائم رہیں گے اور ہر فریق کا نفع وضرر دوسرے فریق کا نفع وضرر سمجھا

---

(1) السیرۃ النبویہ، ج۳، ص ۱۳۵

(2) الانفال: ۵۶-۵۸

جائے گا۔ دونوں اتحاد سے رہیں گے اور کوئی دوسرے کو نہیں ستائے گا۔ لیکن یہودیوں نے یہ معاہدہ توڑ دیا تھا اور مشرکین کو مسلمانوں کے خلاف خلاف لڑنے کے لیے ہتھیار دیے تھے۔ بعد میں کہنے لگے ہم سے غلطی ہوگئی ہم دوبارہ معاہدہ کرتے ہیں مگر پھر بھی معاہدے کی خلاف ورزی کی اور کعب بن اشرف مکہ جاکر مشرکین سے ملا جس کے باعث خندق کے دن کافر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔[1]

اس مبحث میں کفار کے ساتھ صلح کا ذکر کیا گیا ہے۔ مسلمان حاکم صورت حال کے پیش نظر صلح کا فیصلہ کرے گا۔ اگر تو قتال ضروری ہوا تو صلح کی گنجائش باقی نہ رہے گی تاوقتیکہ کفار کلمہ پڑھ کر مسلمان نہیں ہوجاتے۔ اور اگر حاکم مصلحت اسی میں جانے گا کہ صلح کی جائے تو پھر وہ کفار کے ساتھ صلح کرے گا۔ جیسا کہ مذکور الذکر بحث میں چند معاہدات کا ذکر بطور امثلہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم جو قتال کے بارے میں ہے کہ اے نبی ﷺ آپ جہاں بھی ان دشمنوں کو پائیں ان سے قتال کریں اور ان کو چھوڑنا نہیں، ہاں اگر یہ کلمہ پڑھ لیں تو یہ تمہارے بھائی ہیں، یہ حکم اس لیے دیا کہ مشرکین اور یہودیوں نے مسلمانوں کے ساتھ کئے گئے معاہدات کو توڑا اور صرف ایک بار نہیں بار بار معاہدے کی خلاف ورزی کی تب یہ حکم نازل ہوا۔ اور دوسری حکمت یہ تھی کہ جب پہلے معاہدے کئے گئے اس وقت مسلمانوں کی حربی پوزیشن کمزور تھی اس لیے انہوں نے صلح کے ذریعے بات چیت کی اور جس وقت مسلمانوں کی فتوحات کا سلسلہ جاری ہوگیا اور دشمن بھی اہل اسلام کی مسلسل کامیابیوں سے مرعوب تھا تب اللہ تعالیٰ نے ان سے قتال کا حکم دیا۔ بعد میں جب جزیہ لینے کی باری آئی تو پھر مسلمانوں نے کئی علاقوں میں کفار کے ساتھ معاہدات کئے۔

---

(1) السیرۃ النبویہ، ج۴، ص۲۱۵

مبحث دوم: صلح حدیبیہ

نبی کریم ﷺ یکم ذی القعدہ کو چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی معیت میں عازم زیارت بیت اللہ شریف ہوئے۔ جملہ نفوس قدسیہ پر مشتمل قافلہ جب عفان کے قریب پہنچا تو انہیں اطلاع ملی کہ قریش مکہ ہماری آمد سے آگاہ ہو چکے ہیں اور انہوں نے عہد کیا ہے کہ آپ ﷺ کو زیارت کعبہ نہ کرنے دیں گے۔ دوسری جانب خالد بن ولید کی قیادت میں قریش کا ایک دستہ کراع الغمیم پہنچا تو آپ ﷺ نے راستہ تبدیل کر کے ثنیتہ المرء کی راہ اختیار کی اور حدیبیہ نامی کنویں کے قریب آکر پڑاؤ ڈالا۔ اس مقام پر پہنچ کر سفارتی سرگرمیاں شروع ہو گئیں۔ سب سے پہلے بدیل بن ورقا الخزاعی چند ساتھیوں کے ساتھ آیا۔ آنے کا مقصد پوچھا اور ساتھ ہی قریش کے عزائم کے متعلق آگاہ کیا۔ نبی کریم ﷺ نے اسے بتایا کہ ہم صرف بیت اللہ کی زیارت کی غرض سے آئے ہیں۔ ہمارا لڑائی کا کوئی ارادہ نہیں ہے بدیل نے قریش مکہ کو جا کر ساری صورت حال بتائی مگر وہ پھر بھی روکنے پر بضد رہے۔

بدیل کے بعد قریش نے مکرز بن حفص کو بھیجا اس کے ساتھ بھی وہی گفتگو ہوئی جو بدیل کے ساتھ ہوئی تھی۔ مکرز کے بعد قریش نے حلیس کو بھیجا۔ حلیس بھی بہت حد تک مسلمانوں کا طرف دار رہا مگر قریش نے بہانے سے اس کو ساتھ رکھا اور سوچنے کے لیے وقت مانگا۔ اس کے بعد قریش مکہ نے عروہ بن مسعود الثقفی کو حدیبیہ بھیجا۔ عروہ نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ آپ ضد نہ کریں واپس چلیں جائیں آپ کی قوم آپ کو چھوڑ جائے گی۔ جبکہ قریش چیتے کی کھالوں میں ملبوس ہیں وہ آپ کو مکہ میں نہیں داخل ہونے دیں گے۔[1] عروہ کی اس بات پر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تلخ کلامی ہو گئی عروہ کے جانے کے بعد آنحضرت ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ اپنا سفیر بھیجنا چاہیے جو جا کر پوری صورت حال سے قریش مکہ کو آگاہ کرے لہذا آپ ﷺ نے فراش بن امیہ رضی اللہ عنہ کو قریش کی طرف بھیجا آپ نے جا کر عمائدین قریش کو نبی کریم ﷺ کا پیغام سنا دیا۔ قریش ان کو نقصان پہنچانا چاہتے تھے مگر وہ کسی طرح بچ کر واپس آگئے۔

اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو قریش کے پاس بھیجا۔ قریش نے کہا کہ اے عثمان تم طواف کر لو مگر آپ نے یہ پیشکش ٹھکرا دی۔ قریش نے آپ کو روک لیا۔ قریش نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو روک کر افواہ پھیلا دی کہ عثمان کو شہید کر دیا گیا ہے۔ اس افواہ کے سنتے ہی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر یہ بات سچ ہے تو اب یہاں سے فیصلہ کن جنگ کے بغیر ہرگز نہ جائیں گے۔[2] اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے خون عثمان کا بدلہ لینے

---

(1) جامع البیان فی تاویل القرآن، ج ۲، ص ۶۲۵

(2) ایضاً، ص ۶۳۲

کے لیے مسلمانوں سے بیعت لی۔اس جان نثاری اور بے مثال وفا کے اظہار پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے خوشی کا اعلان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہم نے اہل ایمان کو اطمینان قلبی کے ساتھ اپنی رضا بھی عطا فرمائی ہے اور عنقریب اب ہم انہیں غنائم بھی عطا کریں گے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا O وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا O وَعَدَكُمُ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هَذِهِ وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُونَ آيَةً لِلْمُؤْمِنِينَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا﴾(1)

یقیناً اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا۔ان مومنین سے جب وہ بیعت کر رہے آپ کی اس درخت کے نیچے پس جان لیا اس نے جو ان کے دلوں میں تھا پس اتار ا اسی نے اطمینان کو ان پر اور بطور انعام انہیں یہ قریبی فتح بخشی اور بہت سی غنیمتیں بھی (عطا کیں) جن کو وہ (عنقریب) حاصل کریں گے اور اللہ تعالیٰ سب سے زبر دست بڑا دانا ہے۔(اے اصحاب رسول) اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا ہے جنہیں تم (اپنے وقت پر) حاصل کرو گے پس جلدی تمہیں دے دی ہے یہ (صلح) اور روک دیا ہے لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے تاکہ یہ ہو جائے (ہماری نصرت کی) نشانی اہل ایمان کے لیے اور تاکہ ثابت قدمی سے گامزن رکھے تمہیں صراط مستقیم پر۔

امام قرطبی اس آیت کریمہ کے تحت بیعت رضوان کی کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

”حدیبیہ میں نبی کریم ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا تاکہ یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی جانب سے بیعت ہو جائے تو گویا وہ ایسے ہو گئے جیسے وہ حاضر ہیں۔وکیع نے اسماعیل بن ابی خالد سے اور انہوں نے شعبی سے روایت کیا ہے کہ حدیبیہ کے روز سب سے قبل جس نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی وہ حضرت ابو سفیان اسدی تھے۔۔۔۔یزید بن ابی عبید سے مروی ہے کہ میں نے سلمہ سے کہا: حدیبیہ کے دن تم نے کس چیز پر بیعت کی تھی؟ اس نے جواب دیا: موت پر۔“(2)

جب آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیت لے چکے تو اس کے بعد معلوم ہوا شہادت عثمان کی خبر بے بنیاد

(1) الفتح: ۱۸۔۲۰

(2) الجامع لاحکام القرآن، ج ۱۶، ص ۲۷۵

تھی۔ بیعت کا قریش مکہ پر گہرا اثر ہوا اور وہ گھبرا گئے اور مسلمانوں کے ساتھ تجدید مذاکرات کے لیے سہیل بن عمرو کو بھیجا لیکن سہیل کو اس بات کا پابند کر دیا کہ مسلمان اس سال کسی صورت عمرہ نہ کریں گئے اس لیے یہ شرط ہر گز قبول نہیں۔ سہیل بن عمرو کے ساتھ درج ذیل امور پر معاہدہ طے پا گیا۔

ا۔ رسول اللہ ﷺ اس سال مکہ میں داخل ہوئے بغیر واپس چلے جائیں گے اگلے سال مکہ آئیں گے اور تین روز قیام کریں گے ان کے پاس تلوار نہیں ہو گی بلکہ ان کو میانوں میں رکھیں گے اور مسلمانوں کے ساتھ کسی قسم کا تعرض نہیں نہیں کیا جائے گا۔

۲۔ دس سال تک فریقین جنگ بند رکھیں گے اس عرصہ میں لوگ محفوظ و مامون ہونگے کوئی کسی پر ہتھیار نہیں اٹھائے گا۔

۳۔ جو رسول اللہ ﷺ کے عہد و پیمان میں شامل ہونا چاہے ہو سکے گا۔ جو قبیلہ جس فریق میں شامل ہو گا اس فریق کا ایک جزو سمجھا جائے گا۔ لہذا ایسے قبیلے پر زیادتی ہوئی تو خود اس فریق پر زیادتی متصور ہو گی۔

۴۔ قریش کا جو آدمی اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر یعنی بھاگ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس جائے گا اسے آپ واپس کر دیں گے لیکن جب رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں میں سے جو شخص پناہ کی غرض سے بھاگ کر قریش کے پاس چلا آئے گا اسے واپس نہیں کریں گے۔

قریش مکہ خود بھی معاہدے طے کرنے کے بعد اپنے ہی قول و قرار سے پھرنے لگے۔ حالانکہ معاہدے کی شقیں درحقیقت مسلمانوں کے لیے سخت تھیں۔ مگر معاہدہ شکن قریش مکہ ثابت ہوئے۔ اس معاہدہ شکنی کا مسلمانوں کو دو درس نتائج ملے۔ اللہ تعالیٰ کی بھی طرف سے اجازت تھی کہ معاہدہ شکن قبائل سے لڑو اور انہیں شکست فاش دو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا۔ آخر کار صلح حدیبیہ کا اصل انعام فتح مکہ کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو عطا فرمایا۔(1)

صلح حدیبیہ کے اثرات

صلح حدیبیہ سے یہ امر پوری طرح واضح ہو گیا کہ اسلام امن اور سلامتی کو پسند کرتا ہے۔ دین اسلام بلاوجہ خونریزی کی سختی سے ممانعت کرتا ہے۔ اس معاہدے نے ثابت کر دیا کہ اسلام ظلم و جبر اور استحصال کے خلاف علم جہاد بلند کرتا ہے۔ صلح حدیبیہ سے قبل عربوں نے مسلمانوں کے بارے میں یہ تاثر عام کر رکھا تھا کہ مسلمان وحشی، جنونی اور باغی ہیں۔ یہ قتل و غارت گری کے دلدادہ ہیں لہذا جملہ عرب قبائل ان کے خلاف مل کر کاروائی کریں تاکہ

---

(1) السیرۃ النبویہ، ج۴، ص ۲۸۸

مسلمانوں کی جنگی مہمات اور لوٹ مار سے سب کی جان چھوٹ سکے۔ صلح حدیبیہ نے اہل عرب کے اس منفی پروپیگنڈے کی نفی کر دی۔ مشرکین مکہ نے اپنے حلیف قبائل کے سرداروں کو نبی کریم ﷺ کے پاس بھیجا، انہوں نے آپ ﷺ کو قریب سے دیکھا اور مختلف امور پر گفتگو کی تو آپ ﷺ کے کردار کی عظمت سے متاثر ہوئے بغیر رہ نہ سکے۔ مشرکین مکہ نے جو غلط فہمیاں پھیلا رکھیں تھیں وہ ریت کی دیوار ثابت ہو رہیں تھیں اور سرداران قبائل نے دیکھا کہ مسلمان تو کسی صورت جنگ پر آمادہ نہیں ہیں بلکہ یہ تو جنگ کے خلاف ہیں جبکہ دوسری جانب مشرکین خون خرابے کے لیے تُلے ہوئے ہیں جس کے لیے آٹھ ہزار کا لشکر بھی انہوں نے تیار کر رکھا ہے۔ ان سرداروں نے جب حقیقت جان لی اور معاملے کی تہہ تک پہنچ گئے تو اندر ہی اندر مشرکین مکہ کی مخالفت کرنے لگے۔ اگر دیکھا جائے تو یہ سفارتی سطح پر مسلمانوں کی بہت بڑی فتح تھی۔ مسلمانوں کے پر امن ہونے کی ایک بہت بڑی علامت یہ بھی تھی کہ وہ حالت احرام میں قربانی کے جانوروں کو ساتھ لے کر آئے ہوئے تھے اور ان کا ارادہ عمرہ کرنے کا تھا نہ کہ جنگ کی غرض سے آئے ہوئے تھے۔ ان سارے حالات کے تناظر میں سارے سرداروں نے مل کر قریش کی مخالفت کی۔ عروہ بن مسعود قریش کو سمجھاتے رہے حتی کہ وہ ان کی ہٹ دھرمی دیکھ کر واپس چلے گئے۔ حلیس بن علقمہ نے بھی مسلمانوں کی صلح پسندی کو دیکھ کر قریش کو مشورہ دیا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کر لیں اور جنگ کا ارادہ ترک کر دیں اور اگر آپ باز نہ آئے تو میں آپ سے الگ ہو جاؤں گا۔

صلح حدیبیہ نے عالمی سطح پر دائمی امن کے قیام کی راہ ہموار کی اور فوری طور پر مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان دس سال کے لیے جنگ بندی ہوگئی۔ امن کی اس فضا میں فریقین کو ایک دوسرے کے قریب ہونے کا موقعہ ملا جس سے اسلام کی حقانیت قبول کرنے کے لیے لوگ ذہنی طور پر تیار ہوگئے۔ ہجرت مدینہ سے لے کر میدان حدیبیہ تک مشرکین مکہ اور دیگر قبائل عرب کسی بھی طرح سے مسلمانوں کی حثیت کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ مسلمانوں کے بارے میں ان کی رائے یہ تھی کہ یہ دین ابراہیمی سے بچھڑا ہوا ایک فرقہ ہے جسے وہ صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے ڈٹے ہوئے تھے اور ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ ان کے ساتھ کسی دن برابری کی سطح پر آکر معاہدہ کریں گے۔ مشرکین مکہ نے یہ ٹھان رکھی تھی کہ وہ اب مسلمانوں کو کبھی بھی مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے اور اس سال بھی عمرہ کی اجازت نہ دے کر وہ سمجھ رہے تھے کہ انہوں نے فتح حاصل کر لی ہے مگر حقیقت یہ تھی کہ انہوں نے اہل ایمان کو ایک قوت تسلیم کر لیا تھا تبھی تو ان کو اگلے سال عمرہ کرنے کی اجازت دے دی تھی۔[1]

(1) سیرۃ الرسول، ج۸، ص ۶۱۲

دس سال کے لیے امن کا معاہدہ کرنے سے مسلمانوں کو کھل کر اسلامی تعلیمات کے فروغ کا موقع ملا۔ اس دوران کئی قبائل اسلام کی تعلیمات اور امن پسندی کو دیکھ کر حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔ اشاعت دین کے ساتھ ساتھ نبی کریم ﷺ نے ریاست مدینہ کے داخلی امور کی طرف توجہ دی اور ریاست کے استحکام کے لیے اقدام اٹھائے۔ اس طرح اسلام کی افرادی قوت میں تیزی سے اضافہ ہونے لگا اور عرب کی فضا مسلمانوں کے لیے ساز گار ہونے لگی۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمانوں کی تعداد دو ہزار سے تھوڑی زیادہ تھی لیکن دو سال بعد ہی مسلمان دس ہزار مکہ فتح کرنے کے لیے مکہ میں داخل ہوئے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ صلح حدیبیہ مسلمانوں کے لیے تبلیغی اور سیاسی میدان میں بہت بڑی فتح و کامیابی لے کر آیا۔ معاہدہ کی ایک شرط یہ تھی کہ مکہ سے بھاگ کر جو مدینہ آئے گا اس کو مکہ واپس بھیج دیا جائے گا اور جو مدینہ سے مکہ آئے گا اس کو واپس نہیں کیا جائے گا۔ ابتدا میں تو قریش کو بڑا مان تھا کہ ہم نے بڑی فتح حاصل کر لی ہے لیکن بعد میں ان کو اپنی یہ شرط واپس لینی پڑی۔ قصہ کچھ یوں ہے کہ جو لوگ قریش مکہ کے ظلم سے تنگ آ کر بھاگ جاتے ان کو جب مدینہ میں بھی پناہ نہ ملتی تو یہ ساحل سمندر جا کر آباد ہونے لگے۔ آہستہ آہستہ ان کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا یہاں تک کہ ان کی نفری تین سو سے زیادہ ہو گئی اور انہوں نے قریش مکہ کے قافلوں پر حملے کرنا شروع کر دیئے۔ مسلمان صلح حدیبیہ کے پابند تھے وہ لوگ نہیں جو ساحل سمندر پر آباد تھے لہذا قریش نے تنگ آ کر نبی کریم ﷺ سے عرض کی کہ ان کو مدینہ میں پناہ دے دیں ہم اپنی یہ شرط واپس لیتے ہیں۔ پس آپ ﷺ نے قریش کی یہ شرط منظور کر لی اور ان کو مدینہ میں بلا لیا۔ اس طرح یہ صلح مسلمانوں کی فتح و کامیابی کے لیے پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

فصل دوم: مشرکین کے ساتھ معاملات کا ذکر

مشرکین مکہ کے ساتھ معاملات

قرآن مجید کے اندر مشرکین کا ذکر بہت سارے مقامات پر ہوا ہے۔ان کی سازشوں اور جنگوں کے علاوہ عقائد باطلہ کا تذکرہ بھی ہوا ہے اور ان کے دائمی عذاب کو بھی بیان کیا ہے جن کا ذکر فصل "مشرکین کے عقائد" کے تحت پہلے بیان کر دیا گیا ہے۔اس فصل میں مشرکین کے ساتھ معاملات کا ذکر کیا گیا ہے۔وہ معاملات جو اللہ تعالیٰ نے حکمیہ قرآن مجید میں مسلمانوں کو مشرکین کے ساتھ روا رکھنے کے لیے بیان فرمائے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی حالت و کیفیت بیان کرتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے کہ اے نبی ﷺ ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں اور ان کے کانوں میں ثقل پیدا کر دی ہے اب یہ علامات نبوت دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔اور قرآن مجید کے بارے میں مشرکین کہتے ہیں کہ یہ قصے کہانیوں کی کتاب ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا وَإِنْ يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَا يُؤْمِنُوا بِهَا حَتَّى إِذَا جَاءُوكَ يُجَادِلُونَكَ يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ○ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْأَوْنَ عَنْهُ وَإِنْ يُهْلِكُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ○ وَلَوْ تَرَى إِذْ وُقِفُوا عَلَى النَّارِ فَقَالُوا يَا لَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِآيَاتِ رَبِّنَا وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ○ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَا كَانُوا يُخْفُونَ مِنْ قَبْلُ وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ﴾[1]

اور ان (مشرکین) میں سے بعض ایسے ہیں جو (اے نبی) آپ کی باتوں کی طرف کان رکھتے ہیں اور ہم نے ان کے دلوں پر تو پردے ڈال دیئے ہیں کہ ان کو سمجھ نہ سکیں اور ان کے کانوں میں ثقل پیدا کر دیا ہے اور اگر یہ تمام نشانیاں دیکھ لیں تب بھی ان پر ایمان نہ لائیں۔یہاں تک کہ آپ کے پاس بحث کرنے کے لیے آتے ہیں تو جو کافر ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن کچھ بھی نہیں صرف پہلے لوگوں کی قصے کہانیاں ہیں۔اور وہ اس سے (دوسروں کو بھی) روکتے ہیں اور خود بھی پرے رہتے ہیں مگر اس طرح وہ اپنے آپ کو بھی ہلاک کرتے ہیں اور بے خبر ہیں اگر تم (ان کو دیکھو) جب دوزخ کے کنارے کھڑے کئے جائیں گے۔اور کہیں گے اے کاش ہم پھر (دنیا میں) لوٹائیں جائیں تا کہ اپنے رب کی آیات کو نہ جھٹلائیں اور ایمان لے آئیں۔ہاں یہ جو کچھ پہلے چھپاتے تھے وہ ان پر ان ظاہر ہو گیا ہے اور اگر یہ (دنیا میں) لوٹائے جائیں تو جن (کرتوتوں) سے ان کو منع کیا گیا تھا وہی پھر کرنے لگیں گے۔بے شک یہ بہت بڑے جھوٹے ہیں۔

---

(1) الانعام:۲۵۔۲۸

مشرکین نے جنوں کو خدا تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا حالانکہ اسی نے ان کو پیدا کیا ہے اور بغیر سمجھے بوجھے اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں بنالی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جملہ عقائد باطلہ کا تذکرہ کیا ہے اور یہ جو اصل خرابی ان کی گمراہی کی ہے کہ ذات وصفات باری تعالیٰ میں غیر اللہ کو شریک ٹھہرانا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی تنبیہ کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوا لَهُ بَنِينَ وَبَنَاتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يَصِفُونَ﴾(1)

اور ان لوگوں (مشرکین) نے جنوں کو خدا تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا حالانکہ اسی نے ان کو پیدا کیا ہے اور بغیر سمجھے بوجھے اس کے لیے بیٹیاں بنالی ہیں وہ ان باتوں سے جو اسکی نسبت بیان کرتے ہیں پاک ہیں اور اس کی شان بہت بلند ہے۔

ان کے شرکیہ گمراہ کن عقائد کی نجاست اس حد تک ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ان سے دور رہنے کا حکم دیا ہے کہ تم ان سے ہرگز نکاح نہ کرنا جب تک یہ اسلام قبول نہ کرلیں خواہ وہ تمہیں کتنے ہی بھلے کیوں نہ لگتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مشرک عورتوں سے مومن مرد نکاح نہ کریں خواہ وہ تمہیں کتنی بھلی ہی کیوں نہ لگتی ہوں ان سے ایمان والی لونڈیاں اچھی ہیں۔ اسی طرح مومن عورتیں مشرک مردوں سے نکاح نہیں کرسکتی خواہ وہ کتنے ہی بھلے کیوں نہ ہوں ان سے یقینا مومن غلام بہتر ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّى يُؤْمِنَّ وَلَأَمَةٌ مُؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِنْ مُشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّى يُؤْمِنُوا وَلَعَبْدٌ مُؤْمِنٌ خَيْرٌ مِنْ مُشْرِكٍ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ أُولَئِكَ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِ وَيُبَيِّنُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ﴾(2)

اور (اے اہل ایمان) مشرک عورتوں سے جب تک ایمان قبول نہ کریں نکاح نہ کرنا۔ کیونکہ مشرک عورت خواہ تم کو کتنی ہی بھلی لگے اس سے ایمان والی لونڈی بہتر ہے اور (اسی طرح) مشرک مرد جب تک ایمان نہ لائیں مومن عورتوں کو ان کی زوجیت میں نہ دینا۔ کیونکہ مشرک (مرد) سے خواہ وہ تم کو کیسا لگے مومن غلام بہتر ہے اور یہ (مشرکین لوگوں کو) دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور خدا تعالیٰ اپنی مہربانی سے بہشت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے اور اپنے احکام لوگوں سے کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ نصیحت حاصل کریں۔

---

(1) الانعام:۱۰۰

(2) البقرة:۲۲۱

علامہ جلال الدین سیوطی اس آیت کریمہ کے شان نزول میں لکھتے ہیں کہ:

"یہ آیت حضرت ابو مرثد غنوی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔انہوں نے آپ ﷺ سے اجازت طلب کی کہ وہ عناق نامی ایک مشرکہ عورت سے نکاح کر لیں جو کہ انتہائی حسین و جمیل عورت تھی۔ حضرت ابو مرثد مسلمان ہو چکے تھے اور انہوں نے عرض کی کہ وہ عورت مجھے اچھی لگتی ہے۔تب ممانعت کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی کہ مسلمان مشرکہ کے ساتھ نکاح نہ کریں۔"(1)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ آزاد مشرک کی نسبت مسلمان غلام بہتر ہے لہٰذا کسی آزاد مسلمان عورت کا نکاح مسلمان غلام سے کر دینا اس سے بہتر ہے کہ اس کا نکاح کسی آزاد مشرک سے کیا جائے۔حالانکہ غلام آزاد کا کفو نہیں ہے۔پس یہ آیت غیر کفو میں نکاح کے جواز کے لیے صریح جزیہ ہے۔جس طرح مشرکین کے ساتھ ازدواجی زندگی جوڑنے سے منع کیا گیا ہے اسی طرح ان کے ساتھ معاہدات کرنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اے نبی ﷺ اگر یہ آپ کے ساتھ معاہدہ کریں اور اس پر کاربند رہیں تو ان کے ساتھ کیے ہوئے عہد کو پورا کرو۔یعنی وہ عہد وفا کریں تو آپ بھی وفا کریں و گرنہ نہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَى مُدَّتِهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ﴾(2)

البتہ جن مشرکین کے ساتھ آپ نے عہد کیا ہو اور انہوں نے آپ کے ساتھ کس طرح کی خرابی نہ کی ہو اور نہ ہی آپ کے مقابلے میں کسی کی مدد کی ہو تو جس مدت تک ان کے ساتھ عہد کیا ہو اسے پورا کرو (کہ) اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے۔

امام بغوی اس آیت کریمہ کے تحت لکھتے ہیں کہ:

"اس آیت کا مصداق بنو ضمیرہ تھے۔ان کا تعلق کنانہ سے تھا۔اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ ان سے معاہدہ کی مدت کو پورا کریں اور نزول آیت کے وقت ان کے معاہدہ کی مدت ختم ہونے میں نو ماہ باقی تھے اور اس کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے عہد شکنی کی تھی۔"(3)

---

(1)(الف) در منثور، ج۱، ص۶۱۴ (ب) اسباب نزول القرآن، نیشاپوری، ج1، ص73

(2) التوبہ:۴

(3) معالم التنزیل فی تفسیر القرآن، ج۲، ص۳۱۸

اور پھر یہ بھی فرمایا کہ اگر یہ بد عہدی کریں تو ان کو اس بد عہدی کا مزہ چکھاؤ یعنی ان سے جنگ کرو۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اگر مشرک عہد توڑیں یا آپ کے دین اسلام میں طعنہ زنی کرنے لگ جائیں تو ان کفر کے آقاؤں کے ساتھ قتال کرو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنْ نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ مِنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوا فِي دِينِكُمْ فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُونَ﴾(1)

اگر عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین میں طعنے کرنے لگیں تو ان کفر کے آقاوں سے جنگ کرو انکی قسموں کا کچھ اعتبار نہیں عجب نہیں کہ یہ اپنی حرکات سے باز آجائیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں نبی کریم ﷺ سے ارشاد فرمایا کہ جن مشرکین سے آپ نے معاہدہ کیا تھا وہ آپ سے جنگ نہیں کریں گے اور تمہارے خلاف دشمنوں کی مدد نہیں کریں گے اور اگر وہ مشرک اس معاہدہ کی خلاف ورزی کریں اور اسلام کی مذمت و برائی کے مرتکب ہوں تو تم ان سے جنگ کرو کیونکہ ان کی قسموں اور معاہدوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اور جب آپ ان سے قتال کریں گے تو ہو سکتا ہے اس طرح وہ اسلام کی مذمت کرنے اور مسلمانوں کے خلاف دشمنوں کی مدد کرنے سے باز آجائیں۔ اور یہی لوگ کافروں کے پیشوا ہیں۔ کافروں کے سردار کون لوگ ہیں اس کے بارے میں علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ:

”عبد الرزاق و ابن جریر، ابن منذر و ابن ابی حاتم و ابو شیخ نے قتادہ سے نقل کیا ہے کہ ائمۃ الکفر سے مراد ابو سفیان بن حرب، عقبہ بن ربیعہ، ابو جہل بن ہشام (عمرو بن ہشام) اور سہیل ہیں۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے عہد کو توڑا اور رسول اللہ ﷺ کو مکہ سے نکالنے کا ارادہ کیا۔“(2)

اللہ تعالیٰ نے ان معمولات کے ساتھ ساتھ اہل ایمان کو مشرکین کی مغفرت و بخشش کی دعا مانگنے سے بھی روکا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ اور اہل ایمان کو قرآن مجید میں منع فرمایا ہے کہ مشرکین کے لیے استغفار نہ کریں خواہ وہ تمہارے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ جب آپ کو معلوم ہو جائے کہ فلاں مشرک ہے اور وہ جہنمی ہے تو ان کے لیے بخشش طلب نہ کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُمْ بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ أَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ٥ قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ

(1) التوبہ: ۱۲

(2) در منثور، ج ۴، ص ۱۳۶

عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ﴾(1)

نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ اور مومنین کو شایاں نہیں کہ جب ان پر ظاہر ہو گیا کہ مشرک اہل دوزخ ہیں تو ان کے لیے بخشش طلب کریں گو وہ ان کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے بخشش مانگنا تو ایک وعدے کے سبب تھا جو وہ اس سے کر چکے تھے لیکن جب ان کو معلوم ہو گیا کہ وہ خدا کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گئے بے شک ابراہیم بڑے نرم دل اور متحمل تھے۔

مکہ فتح ہو جانے کے بعد بھی مشرکین حرم میں آتے اور کعبہ شریف کا طواف کرتے اور اپنے انداز سے ارکان بجالاتے تو اللہ تعالیٰ نے منع فرمادیا کہ آج کے بعد مشرکین حرم میں داخل نہ ہوں کیونکہ یہ نجس وپلید ہیں، پس یہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب بھی نہ بھٹکنے پائیں اور تمہیں اگر مفلسی کا ڈر خوف ہے تو اللہ تعالیٰ تمہیں عنقریب غنی کردے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ إِنْ شَاءَ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾(2)

ایمان والو! مشرک لوگ تو نرے پلید ہیں، پس وہ مسجد حرام کے قریب بھی نہ پھٹکنے پائیں اپنے اس سال کے بعد، اور اگر تمہیں اندیشہ ہو مفلسی کا، تو اللہ (سے امید رکھو کہ وہ) عنقریب تمہیں غنی بنادے گا اپنے فضل سے اگر اس نے چاہا، بیشک اللہ بڑا ہی علم والا، نہایت ہی حکمت والا ہے۔

مشرکین نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کا مذاق اڑاتے استہزا کرتے جب پاس سے گزرتے تو کہتے یہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے اگر ہم ثابت قدم نہ ہوئے تو ان کے کہنے پر اپنے خداوں (بتوں) کو چھوڑ چکے ہوتے۔ اور کبھی مشرکین یہ خواہش کرتے تھے کہ اگر نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ اپنے دین میں نرمی اختیار کریں تو ہم بھی نرمی اختیار کرلیں گے۔ اس بات پر انہوں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کے سامنے تجویز رکھی کہ آئیں ہم دونوں فریق باہم اختلافات چھوڑ کر مصالحت کرلیں۔ کچھ دن آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ (معاذاللہ) ہمارے خداؤں کو پوج لیا کریں اور کچھ دن ہم آپ کے رب ذوالجلال کی عبادت کرلیا کریں گے۔ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ اس دورنگی نظام کو کیسے برداشت کرسکتے تھے اس لیے صراحتاً ان کی بات ماننے سے روک دیا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِينَ ○ وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ ○ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَهِينٍ﴾(3)

---

(1) التوبہ: ۱۴،۱۳

(2) ایضاً: ۲۸

(3) القلم: ۸۔۱۰

(اے نبی) پس آپ بات نہ مانیں جھٹلانے والوں کی وہ تمنا کرتے ہیں کہ کہیں آپ نرمی اختیار کریں تو وہ بھی نرم پڑ جائیں۔ اور نہ بات مانیے کسی (جھوٹی) قسمیں کھانے والے ذلیل شخص کی۔

امام قرطبی اس آیت کریمہ کے تحت لکھتے ہیں کہ:

"ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے ساتھ دوستی اور میلان سے منع کیا ہے۔ مشرکین نبی کریم ﷺ کو دعوت دیتے تھے کہ آپ ہمارے بارے میں کچھ نہ کہیں ہم آپ کے متعلق کچھ نہ کہیں گے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا کہ ان سے دوستی کرنا یا طبعاً میلان کفر ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اے نبی ﷺ آپ ان جھٹلانے والوں کی ان باتوں میں اطاعت نہ کریں جن باتوں میں وہ آپ کو اپنے خبیث دین کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ یہ آیت مشرکین قریش کے بارے میں نازل ہوئی ہے جب انہوں نے اپنے آباء کے دین کی طرف آپ ﷺ کو دعوت دی۔"(1)

مشرکین کے معاملات میں سے ایک معاملہ یہ بھی قرآن مجید میں ذکر ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے کہتے تھے آپ گواہی دیں کہ خدا کے ساتھ اور بھی معبود ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے حبیب آپ کہہ دیں میں انہی بے ہودہ اور لغو گواہی نہیں دیتا میں تو صرف ایک ہی خدا کو اپنا معبود و الٰہ مانتا ہوں۔ اور وہ جن کی تم پوجا کرتے ہو میں ان محتاجوں، بے بس، اور بے معروف بتوں سے لاتعلق اور بری ہوں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ أَيُّ شَيْءٍ أَكْبَرُ شَهَادَةً قُلِ اللَّهُ شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَذَا الْقُرْآنُ لِأُنْذِرَكُمْ بِهِ وَمَنْ بَلَغَ أَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُونَ أَنَّ مَعَ اللَّهِ آلِهَةً أُخْرَى قُلْ لَا أَشْهَدُ قُلْ إِنَّمَا هُوَ إِلَهٌ وَاحِدٌ وَإِنَّنِي بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ﴾(2)

(مشرکین نے کہا) کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور بھی خدا ہیں؟ آپ فرمایئے میں تو (ایسی جھوٹی) گواہی نہیں دیتا۔ آپ فرمایئے وہ تو صرف ایک خدا ہی ہے اور بے شک میں بیزار ہوں ان (بتوں) سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو۔

اس فصل میں قرآن مجید کی روشنی میں بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں کو مشرکین کے ساتھ معاملات کس طرح سے روا رکھنے ہیں۔ مسلمان اپنی مرضی کے پابند نہیں ہوتے بلکہ دین اسلام کے بتائے ہوئے راستے کے مطابق چلتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے ایسے ہی اطاعت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے اہل ایمان! مشرکین جس طرح اپنے آپ کو ہلاک کرتے ہیں تم نہ کرنا، نہ ہی ان کے طریقوں کو اختیار کرنا۔ مشرکانہ عقائد سے

---

(1) الجامع لاحکام القرآن، ج۱۸، ص۲۳۱

(2) الانعام:۱۹

بچنے کے ساتھ ساتھ معاملات میں بھی ان سے قطع تعلقی کا حکم دیا ہے۔ فرمایا کہ مسلمان آزاد مرد کسی مشرک عورت سے نکاح نہ کرے بلکہ اس کی جگہ اگر مسلمان لونڈی مل جائے تو اس سے نکاح کر لے مشرکہ سے نہ کرے۔ اسی طرح مسلمان آزاد عورت کسی آزاد مشرک مرد سے نکاح نہ کرے بلکہ اس کی نسبت غلام مسلمان سے نکاح کر لے۔ اسی طرح ایک حکم یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اے نبی ﷺ! اگر مشرکین آپ سے معاہدہ کر کے اس کی پاسداری کریں تو آپ بھی اس عہد کو وفا کریں اور اگر یہ لوگ آپ سے عہد شکنی کریں تو آپ ان کفر کے سرداروں سے قتال کریں اور ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس بات سے عصر حاضر کے لیے بھی جملہ اسلامی ممالک کو رہنمائی ملتی ہے کہ وہ جن غیر اسلامی ریاستوں سے معاہدات کرتے ہیں ان کی اس وقت تک ضرور پاسداری کریں جب تک کہ وہ عہد شکنی نہیں کرتے اور جس وقت وہ عہد شکنی کریں تو ان کے خلاف علم جہاد بلند کیا جائے۔ اس کی کئی مثالیں ہیں کہ غیر اسلامی ریاستوں نے مسلم ریاستوں کے ساتھ عہد شکنی بھی کی اور ان پر ہتھیار بھی اٹھائے جبکہ مسلم ممالک کی خاموشی ان کی ہلاکت کا باعث بنی۔

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ مشرکین نجس و پلید ہیں اس لیے وہ مقدس سرزمین حرم میں داخل نہ ہوں۔ مشرک تو پہلے سے نجس تھے بعد میں کیوں حکم دیا کہ وہ اب حرم میں داخل نہ ہوں؟ اس کی ایک حکمت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ پہلے مسلمان طاقت اور اقتدار میں نہیں تھے، جس وقت ان کے اقتدار کی حدود وسیع ہو گئیں تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اب ان کو حرم میں داخل نہ ہونے دیا جائے اور اگر یہ مزاحمت کریں تو ان سے لڑا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ اور اہل ایمان کو اس معاملے سے بھی روکا کہ مشرک جو آپ کو نرمی اختیار کرنے کا کہتے ہیں اور شرک کی طرف دعوت دیتے ہیں آپ ان کی اس بات کو قبول نہ کرنا، یہ جھوٹی قسمیں کھا کر آپ کو ایسے ہی گمراہی کی راغب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دنیاوی معاملات کے ساتھ اخروی خیر سے بھی مشرکین کو الگ کر دیا ہے۔ نبی کریم ﷺ اور مومنین کو حکم دیا ہے کہ جب کوئی شخص مر جائے اور اس کے شرکیہ عقائد کا اگر آپ کو علم ہے تو اس کے لیے ہرگز دعائے مغفرت و بخشش نہ کریں بے شک وہ آپ کے قریبی تعلق دار ہی کیوں نہ ہو۔ گویا مشرکین کے ساتھ معاشرتی، مذہبی اور عائلی معاملات استوار کرنے سے اللہ تعالیٰ نے مومنین کو روکا ہے اور یہ ترک معاملات قیامت تک کہ لوگوں کے لیے بیان کئے گئے ہیں۔

فصل سوم: منافقین کے ساتھ معاملات کا ذکر

نبی کریم ﷺ کے منافقین کے ساتھ معاملات

نبی کریم ﷺ کے مدینہ منورہ میں تشریف لے جانے کے بعد ایک گروہ پیدا ہوا جو مسلمانوں سے ملتے تو ان کے معاملات اختیار کر لیتے اور کہتے کہ ہم تو ایمان لائے ہیں اور ہم مسلمان ہیں۔ جب یہودیوں سے ملتے تو کہتے ہم تو مسلمانوں کو دھوکہ دے رہے ہیں ہم تو تمہارے ساتھ ہیں، ہم تو ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اس گروہ کے قلبی نفاق اور اندر کے خبط کی وجہ سے قرآن مجید نے ان کو منافقین قرار دیا ہے۔ ان کے بارے میں اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ منافقین جب مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے اور جب اپنے شیطانوں (یہودی سرداروں) سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور (مسلمانوں سے تو) ہم مذاق کرتے ہیں پس ان منافقوں کو اللہ تعالیٰ سزا دے رہا ہے اور انہیں مہلت دے رہا ہے کہ وہ شرارت و سرکشی میں پڑے بہک رہے ہیں اور منافقین وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت چھوڑ کر گمراہی خریدی تو نہ تو ان کی تجارت نے انہیں کچھ نفع دیا اور نہ ہی ہدایت یافتہ ہوئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَى شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ o اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ o أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَى فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ o مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ o صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ﴾(1)

یہ لوگ جب مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے اور جب اپنے شیطانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور (مسلمانوں سے تو) ہم مذاق کرتے ہیں۔ ان (منافقوں) کو خدا سزا دے رہا ہے اور انہیں مہلت دیئے جاتا ہے۔ کہ وہ شرارت و سرکشی میں پڑے بہک رہے ہیں۔ یہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت چھوڑ کر گمراہی خریدی تو نہ تو ان کی تجارت نے انہیں کچھ نفع دیا اور نہ ہی ہدایت یافتہ ہوئے۔ ان کی مثال اس شخص سی ہے جس نے (شب تاریک میں) آگ جلائی جب آگ نے اس کے گرد اشیاء روشن کرلیں تو خدا تعالیٰ نے ان کی روشنی زائل کر دی اور ان کو اندھیرے میں چھوڑ دیا کہ یہ کچھ نہیں دیکھتے۔ بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں کہ (کسی طرح سے صراط مستقیم کی طرف) لوٹ ہی نہیں سکتے۔

وہ شیاطین جن سے منافقین خلوت میں جا کر ملتے تھے وہ یہودیوں کے سردار تھے۔ منافق جب اصحاب

---

(1) البقرۃ:۱۴۔۱۸

رسول ﷺ سے ملتے تو کہتے کہ ہم تمہارے دین پر ہیں اور جب یہودیوں سے ملتے تو کہتے کہ ہم تو یقیناً تمہارے ساتھ ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ تو ہم استہزا کر رہے تھے۔ جیسا کہ استہزا رئیس المنافقین نے اصحاب رسول کے ساتھ کیا: عبد اللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے دیکھا کہ سامنے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کی طرف آرہے ہیں۔ اس نے اپنی قوم سے کہا کہ دیکھو میں ان بے عقلوں کو کس طرح تم سے واپس کرتا ہوں۔ اس نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا مرحبا! اے بنو تیم کے سردار، شیخ الاسلام، غار میں رسول اللہ ﷺ کے رفیق اور آپ ﷺ کے لیے اپنے مال و جان کو خرچ کرنے والے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا مرحبا! اے بنو عدی کے سردار، فاروق، دین میں قوی اور اپنی جان مال اللہ کے راستے میں خرچ کرنے والے، پھر اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا مرحبا! اے رسول اللہ کے عم زاد، آپ ﷺ کے داماد اور رسول اللہ ﷺ کے سوا تمام بنو ہاشم کے سردار۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابی اللہ تعالیٰ سے ڈر، نفاق نہ کر منافق اللہ تعالیٰ کی بدترین مخلوق ہیں۔ عبد اللہ بن ابی نے کہا: اے ابو الحسن، اللہ کی قسم! میں نے یہ باتیں از راہ نفاق نہیں کی ہیں بلکہ ہمارا ایمان بھی آپ ہی کی طرح ہے۔ پھر صحابہ کرام کے جانے کے بعد اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ دیکھا میں نے ان کو کیسے بیوقوف بنایا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔[1]

شیاطین کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے علامہ ابو اللیث سمرقندی لکھتے ہیں کہ:

> ''شیاطین سے مراد یہود کے پانچ قبیلے ہیں: کعب بن اشرف مدینہ میں، ابو بردہ اسلمی بنو اسلم میں، ابو السوداء شام میں، عبد الدار جہینہ میں اور عوف بن مالک بنو اسد سے۔ ابو عبیدہ نے کہا: ہر وہ شخص ہے جو گمراہ اور سرکش ہو وہ شیطان ہے۔''[2]

کچھ لوگ ایمان قبول کر لیتے مگر ان کو اولاد گھر بار اور خاندان کی محبت ہجرت کرنے سے روک لیتی اور پھر جب مشرکین مسلمانوں کے خلاف محاذ آرائی کرتے تو انہیں بھی مجبوراً ان معاندانہ سرگرمیوں میں شریک ہونا پڑتا اور کچھ لوگ ہجرت کر کے مدینے چلے تو جاتے مگر بعد میں وہاں کی معاشرتی و اخلاقی اور مذہبی پابندیوں کو دیکھ کر اور مشرکین کے حملوں کا خطرہ محسوس کر کے وہاں سے واپس آجاتے۔ ایسی صورت حال میں وہ مسلمانوں کے سامنے اپنے طرح طرح کے بہانے بناتے اور اپنے عذر پیش کرتے بعض مسلمان اپنی سادگی کی وجہ سے انھیں مسلمان تصور کرتے اور کچھ انہیں خارج از اسلام سمجھتے۔ جب مسلمان آپس میں مختلف الرائے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ تم کیوں اختلاف کرتے ہو اور آپس میں دو گروہ بناتے ہو ان کے بارے میں جو لوگ تو اپنی بد

---

(1) لباب التاویل فی معانی التنزیل (تفسیر خازن) الخازن، علاء الدین علی بن محمد ابو الحسن، بیروت: دار الکتب العلمیہ ۱۴۱۵ھ، ج۱، ص۲۸

(2) بحر العلوم (تفسیر ثمر قندی) السمرقندی، ابو اللیث نصر بن محمد بن احمد بن ابرہیم، مکہ مکرمہ: دار الباز، ج۱، ص۲۸

اعمالیوں کے باعث جدھر سے آئے تھے ادھر لوٹا دیئے گئے ہیں۔یعنی کفر سے نکلے تھے ادھر ہی لُٹا دیئے گئے ہیں۔اس کے متعلق سورہ النساء میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِئَتَيْنِ وَاللَّهُ أَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوا أَتُرِيدُونَ أَنْ تَهْدُوا مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا﴾(1)

پس کیا ہو گیا ہے تمہیں کہ منافقوں کے بارے میں تم دو گروہ بن گئے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اوندھا کر دیا ہے انہیں بوجہ ان کرتوں کے جو انہوں نے کیے ہیں۔کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اسے راہ دکھاو جسے گمراہ کر دیا ہے اللہ تعالیٰ نے اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اس کے لیے تم ہرگز ہدایت نہ پاوگے۔

منافقوں کی اس حالت کے بارے میں امام ابن جریر لکھتے ہیں کہ:

"مجاہد اس آیت کے شان نزول میں بیان کرتے ہیں کہ کچھ لوگ مکہ سے نکل کر مدینہ پہنچ گئے اور انہوں نے یہ ظاہر کیا کہ وہ مہاجر ہیں،پھر اس کے بعد وہ مرتد ہوگئے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے اجازت مانگی کہ وہ مکہ سے اپنا مال لا کر تجارت کریں گے تو ان کے متعلق مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔بعض مسلمانوں نے کہا کہ وہ مومن ہیں اور بعض نے کہا کہ وہ منافق ہیں۔پس اللہ تعالیٰ نے ان کے نفاق کو بیان کر دیا اور ان سے قتال کا حکم دے دیا۔"(2)

منافقین کی ایک کارستانی اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کوئی آسانی یا آسائش عطا فرماتا یا کوئی فتح یا غنائم حاصل ہوتے ہیں تو منافقوں کو بُرا لگتا،اور جب اللہ کے رسول ﷺ پر کوئی مشکل گھڑی آتی ہے تو منافقین خوش ہوتے اور اس پر جشن مناتے ہیں کہ ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِنْ تُصِبْكَ مُصِيبَةٌ يَقُولُوا قَدْ أَخَذْنَا أَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَهُمْ فَرِحُونَ ○ قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾(3)

(اے پیغمبر ﷺ!)اگر آپ کو آسائش حاصل ہوتی ہے تو ان کو بری لگتی ہے۔اور اگر کوئی

---

(1)النساء:۸۸

(2)(الف)جامع البیان فی تاویل القرآن،ج۸،ص۷ (ب)اسباب نزول القرآن،نیشاپوری،ج1،ص168

(3)التوبہ:۵۱،۵۰

مشکل پڑتی ہو تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنا کام پہلے ہی (درست) کر لیا تھا اور خوشیاں مناتے لوٹ جا تے ہیں کہہ دو (ان منافقوں سے) کہ ہم کو کوئی مصیبت نہیں پہنچ سکتی سوائے اس کے جو خدا نے ہمارے لیے لکھ دی ہو۔ وہی ہمارا کارساز ہے اور مومنو کو خدا پر ہی بھروسہ رکھنا چاہیے۔

مذکور الذکر آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کی باطنی خباثت کا ذکر فرمایا ہے کہ بعض غزوات میں نبی کریم ﷺ کو جب کامیابی حاصل ہوتی ہے یا مال غنیمت ہاتھ آتا ہے یا جن لوگوں کے خلاف آپ ﷺ نے جہاد کیا وہ مطیع ہو جاتے ہیں تو ان کو برا لگتا ہے اور اگر مسلمانوں پر کوئی مصیبت یا پریشانی آئے تو یہ خوش ہوتے ہیں۔ سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کریمہ کے تحت لکھتے ہیں کہ:

"جد بن قیس نے کہا کہ غزوہ تبوک کے سفر میں اگر مسلمانوں کو کوئی بھلائی پہنچی تو مجھے اور دیگر منافقین کو برا لگے گا۔"[1]

ایسے ہی منافقین کا یہ معمول تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو ہر طرح سے ایذا پہنچانے کی بھرپور کوشش کرتے اور کوئی موقع ہاتھ سے خالی نہ جانے دیتے۔ ان کی ایک کارستانی کا تذکرہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا:

﴿وَمِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ قُلْ أُذُنُ خَيْرٍ لَكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ O يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ لِيُرْضُوكُمْ وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضُوهُ إِنْ كَانُوا مُؤْمِنِينَ O أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّهُ مَنْ يُحَادِدِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَأَنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا ذَلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ﴾[2]

اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو نبی (ﷺ) کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ شخص نرا کان (کانوں کے کچا) ہے کہہ دیجئے کہ نبی اگر کان ہیں تو تمہاری بھلائی کیلئے ہیں۔ وہ (نبی) خدا تعالیٰ اور مومنوں کا یقین رکھتا ہے اور جو لوگ تم میں ایمان لائے ہیں ان کے لیے رحمت ہے اور جو لوگ اللہ کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان کے لیے عذاب الیم ہے۔ (اے مومنو!) یہ لوگ تمہا رے سامنے خدا کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں خوش کر دیں۔ حالانکہ اگر یہ (دل سے) مومن ہوتے تو خدا اور اس کے رسول خوش کرنے کے زیادہ مستحق ہیں۔ کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے مقابلہ کرتا ہے اس کے لیے جہنم کی آگ ہے جس میں ہمیشہ وہ (جلتا) رہے گا یہ بڑی رسوائی ہے۔

---

(1) تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس، ج۱، ص۱۵۹

(2) التوبہ: ۶۱-۶۳

سورہ التوبہ کی اگلی آیات میں منافقین کی مزید کارستانیوں کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿يَحْذَرُ الْمُنَافِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۚ قُلِ اسْتَهْزِئُوْاۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ٥ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ۚ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيَاتِه وَرَسُوْلِه كُنْتُمْ تَسْتَهْزِئُوْنَ٥ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ۚ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةً بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ﴾[1]

منافق اس بات سے ڈرتے ہیں کہ مسلمانوں پر کوئی ایسی سورۃ نازل ہو کہ انہیں بتا دے جو منافقوں کے دل میں ہے، کہہ دو ہنسی کیے جاؤ، جس بات سے تم ڈرتے ہو اللہ اسے ضرور ظاہر کر دے گا۔ اور اگر تم ان سے دریافت کرو تو کہیں گے کہ ہم یونہی بات چیت اور دل لگی کر رہے تھے، کہہ دو کیا اللہ سے اور اس کی آیتوں سے اور اس کے رسول سے تم ہنسی کرتے تھے۔ بہانے مت بناؤ ایمان لانے کے بعد تم کافر ہو گئے، اگر ہم تم میں سے بعض کو معاف کر دیں گے تو بعض کو عذاب بھی دیں گے کیونکہ وہ گناہ کرتے رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: منافق مرد اور منافق عورتیں ایک دوسرے کے ہم جنس ہیں اور وہ بے شک اللہ تعالیٰ کے نافرمان و دشمن ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلْمُنَافِقُوْنَ وَالْمُنَافِقَاتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ۚ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ۗ اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ٥ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنَافِقِيْنَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِيْنَ فِيْهَا ۚ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ﴾[2]

منافق مرد اور منافق عورتیں ایک دوسرے کے ہم جنس ہیں، برے کاموں کا حکم کرتے ہیں اور نیک کاموں سے منع کرتے ہیں اور ہاتھ بند کیے رہتے ہیں، وہ اللہ کو بھول گئے سو اللہ نے انہیں بھلا دیا، بے شک منافق وہی نافرمان ہیں۔ اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں کو دوزخ کی آگ کا وعدہ دیا ہے پڑے رہیں گے اس میں، وہی انہیں کافی ہے، اور اللہ نے ان پر لعنت کی ہے، اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے۔

قرآن مجید میں جہاں کافروں کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم ہے وہیں منافقین کے ساتھ بھی جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ منافقین اپنی سازشوں کے ذریعے کفار کی نسبت زیادہ اسلام کو نقصان پہنچاتے ہیں اسی لیے ان کے

---

(1) التوبہ: ۶۴۔۶۶

(2) ایضاً: ۶۷۔۶۸

لیے عذاب بھی زیادہ سخت اور دردناک ہے اور ان کاٹھکانہ بھی جہنم کے نچلے گھڑے میں ہو گا۔ ان کا نقصان پہنچانا اس لیے کفار سے زیادہ ہے کہ ان کی اصلیت ظاہر نہیں ہوتی۔ بظاہر کلمہ گو ہوتے ہیں مگر اندر سے اسلام کے اصل اور شدید دشمن ہوتے ہیں اور ان کا تکلیف دینا واضح نہیں ہوتا۔ ان کے عذاب کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ﴾(1)

اے نبی (ﷺ) کافروں اور منافقوں سے لڑو۔ اور ان پر سختی کرو اور ان کاٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بڑی جگہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پہلے سورہ التوبہ میں منافقین کی بداعمالیوں کا ذکر کیا ہے۔ مسلمانوں کے خلاف ان کی سازشوں اور آخرت میں ان کی سزا کو بیان فرمایا ہے۔ اس کے بعد دوبارہ منافقین کا ذکر کیا گیا ہے اور اہل ایمان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ان کے خلاف جہاد کریں۔ یہ جہاد ضرورت اور وقت کے تقاضوں کے مطابق ہو گا۔ اگر نفاق ظاہر ہو جائے تو جہاد اعلانیہ اور تلوار کے ساتھ ہو گا جیسا کہ مکہ کی طرف لوٹنے والے منافقوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ ان کے خلاف قتال کرو۔ اگر نفاق واضح نہ ہو اور وہ ظاہراً مومن بنے ہوئے ہوں تو پھر معاملہ ظاہری احوال دیکھ کر ان کے مطابق ہو گا۔ منافقوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ مزید عذاب و عتاب کا ذکر کیا ہے۔ فرمایا کہ یہ لوگ جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے اور اس حالت میں ان کا کوئی بھی مددگار نہ ہو گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا ۝ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَاعْتَصَمُوا بِاللَّهِ وَأَخْلَصُوا دِينَهُمْ لِلَّهِ فَأُولَئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا﴾(2)

کچھ شک نہیں کہ منافقین جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے اور تم ان کا کسی کو مددگار نہ پاؤ گے۔ ہاں جنہوں نے توبہ کی اور اپنی حالت کو درست کیا اور خدا (کی رسی) کو مضبوطی سے پکڑا اور خاص خدا کے حکم بردار ہو گئے تو ایسے لوگ مومنوں کے زمرے میں ہوں گے اور خدا عنقریب مومنوں کو بڑا ثواب دے گا۔

ان کے عذاب پر قہر خدا کی مہر ثبت ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بخشش و مغفرت کا کوئی راستہ نہیں رکھا یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ کو بھی ان کے لیے دعائے بخشش و مغفرت کرنے سے منع کیا ہے۔ کیونکہ عبد اللہ ابن ابی

---

(1) التوبہ: ۷۳

(2) النساء: ۱۴۵، ۱۴۶

منافق کے لیے حکمت کے پیش نظر نبی کریم ﷺ نے جب استغفار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس عمل سے روک دیا کہ اگر آپ ان کے لیے استغفار ستر مرتبہ بھی کریں تو تب بھی ان کے لیے بخشش و مغفرت کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ﴾[1]

(اے نبی!) آپ ان کے لیے بخشش مانگو یا نہ مانگو۔ اگر ستر دفعہ بھی بخشش مانگو گے تو بھی خدا ان کو نہیں بخشے گا یہ اس لیے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے انکار کیا ہے اور خدا نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

اسی طرح منافقین کا جنازہ پڑھنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَاسِقُونَ ٥ وَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ﴾[2]

اور (اے نبی ﷺ!) ان میں سے کوئی مر جائے تو کبھی اس پر نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا یہ خدا اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کرتے رہے ہیں اور مرے بھی تو نافرمان (ہی رہے) اور ان کے مال و اولاد سے تعجب نہ کرنا۔ ان چیزوں سے خدا یہ چاہتا ہے کہ ان کو دنیا میں ہی عذاب کرے اور (جب) ان کی جان نکلے تو (اس وقت بھی) یہ کافر ہی ہوں۔

ان آیات مبینات سے منافقین کی کارستانیوں کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے اور یہ امر کھلی طرح سامنے آتا ہے کہ منافقین اسلام کے بدترین دشمن ہیں۔ یہ مسلمانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم آپ ہی کی طرح کے مسلمان ہیں اور جب اپنے سرداروں، کفر کے پیشواؤں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو مسلمانوں کے ساتھ استہزا کر رہے تھے ہم تو ان کے ساتھ نہیں ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے نفاق کو بیان فرمایا ہے اور ان سے دور رہنے کا حکم دیا ہے۔ ان کے نفاق ہی کی وجہ سے ان کے لیے شدید ترین عذاب کی وعید کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور اس بات سے بھی منع کیا گیا ہے کہ جس طرح کافر مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہو جاتا ہے بالکل اسی طرح منافق بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہوتا ہے لہٰذا اس کے لیے دعائے مغفرت کرنا منع ہے بلکہ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بھی

---

(1) التوبہ: ۸۰

(2) ایضاً: ۸۵،۸۴

ان کے لیے دعا کرنے سے روک دیا ہے۔ یہ اس قدر ظالم ہیں کہ کسی بھی طرح سے کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے کہ جس سے مسلمانوں کو تکلیف ہوتی ہو۔ اس لیے منافقین کے فتنہ سے دور رہنا چاہیے۔

فصل چہارم: اہل کتاب کے ساتھ معاملات کا ذکر

نبی کریم ﷺ کے اہل کتاب کے ساتھ معاملات

اہل کتاب کے عقائد کا تذکرہ پہلے بیان کر دیا گیا ہے۔اس فصل میں ان معاملات کا ذکر ہے جن کا حکم اللہ تعالٰی نے مومنوں کو دیا ہے کہ یہ معاملات اہل کتاب کے ساتھ روا رکھنے ہیں۔ان احکام کو اللہ تعالٰی نے قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے۔جن کی تفصیلات درج ذیل ہیں۔

اہل کتاب کو دعوت توحید

﴿ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ﴾[1]

کہو اے اہل کتاب، آؤ تم ایک ایسی بات کی طرف جو کہ یکساں ہے، ہمارے اور تمہارے درمیان، کہ ہم کسی کی بھی بندگی نہیں کریں گے سوائے ایک اللہ کے، اور ہم کسی بھی چیز کو (کسی بھی طور پر) اس کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے، اور نہ ہی ہم میں سے کوئی کسی کو اپنا رب بنائے گا سوائے اللہ کے، پس اگر (اس واضح اور معقول بات کے بعد) یہ لوگ روگردانی کریں، تو کہو کہ تم لوگ گواہ رہو کہ بیشک ہم تو (بہر طور اسی کے) فرمانبردار ہیں۔

اس مذکورہ بالا آیت کریمہ میں اللہ تعالٰی نے واضح طور پر اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ اہل کتاب کو اس کلمہ سوا کی طرف بلاؤ جو تم میں اور ان میں یکساں ہیں اور بے شک اس سے مراد اللہ تعالٰی کی وحدانیت کی تعلیم ہے۔امام ابن جریر طبری بیان کرتے ہیں کہ:

"ابن جریج کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مدینہ کے یہودیوں کو اسلام کی دعوت دی۔جب انہوں نے اس دعوت کو قبول نہیں کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے۔اور سدی بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے نجران کے عیسائیوں کو دعوت دی کہ آؤ ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے۔"[2]

امام ابن جریر نے یہ دونوں قول نقل کرنے کے بعد اس قول کو ترجیح دی ہے کہ اس سے مراد دونوں یہودی اور عیسائی ہیں، کیونکہ آیت میں اہل کتاب کا ذکر ہے کسی ایک کو معین نہیں کیا گیا۔معاملات میں سے اہل کتاب کی بد عہدی کا بھی ذکر کیا گیا ہے کہ ان میں سے بعض ایسے ہیں جو دیانت دار ہیں اور بعض ایسے ہیں جو بددیانتی میں مبتلا ہیں۔اس مقام پر اللہ تعالٰی نے اہل کتاب سے ہوشیار رہنے کا حکم دیا ہے کہ معاملات میں ان سے احتیاط روا رکھو کیونکہ

---

(1) آل عمران: ۶۴

(2) جامع البیان فی تاویل القرآن، ج ۶، ص ۴۸۳

ان میں سارے امانت دار نہیں ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِنْ تَأْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ إِنْ تَأْمَنْهُ بِدِينَارٍ لَا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴾(1)

اور اہل کتاب میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کے پاس ایک دینار بھی رکھ دو تو وہ تمہیں واپس نہیں دیں گے، الا یہ کہ تم ان کے سروں پر سوار رہو، یہ (گراوٹ اور اخلاقی پستی) اس بناء پر ہے کہ ان کا کہنا یہ ہے کہ ہم امیوں (غیر اہل کتاب اور ان کا مال مار کھانے) کے بارے میں کوئی مواخذہ (والزام) نہیں، اور یہ لوگ دیدہ و دانستہ (اور جانتے بوجھتے) اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں اہل کتاب کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ ان میں سے بعض ایسے ہیں جو معاملات میں ایماندار ہیں اور بعض خائن ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے معاملات کے اندر مسلمانوں کو خبردار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ تم معاشی تعلقات، لین دین میں ان سے ہوشیار رہو کیونکہ یہ خائن ہیں اور ان کے نزدیک مسلمانوں کا مال ہڑپ کرنا جائز ہے۔ محمد طنطاوی اس آیت کریمہ کے تحت حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن سلام کے پاس بارہ سو اوقیہ (ایک اوقیہ چوتھائی چھٹانک کے برابر ہے) سونا رکھا۔ وہ سونا انہوں نے سائل کو عند الطلب ادا کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح بیان فرمائی اور ایک شخص نے فنحاص بن عازوراء نامی ایک یہودی عالم کے پاس ایک دینار امانتاً رکھا تو اس نے اس میں خیانت کی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔"(2)

اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی بدعہدی کا ذکر بھی فرمایا ہے کہ

﴿ الَّذِينَ عَاهَدْتَ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ ○ فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴾(3)

یہ لوگ ہیں جن سے آپ عہد لے چکے ہیں پھر وہ اپنا عہد ہر بار توڑ ڈالتے ہیں اور وہ ڈرتے بھی نہیں۔ آپ انہیں اگر جنگ میں پائیں تو انہیں ایسی سزا دیں کہ دوسرے بھی سمجھ جائیں۔

معاہدہ شکن کافروں سے مراد بنی قریظہ کے خاندان کے یہودی ہیں۔ دو ورق پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

(1) آل عمران:۷۵

(2) تفسیر الوسیط، ج۲، ص۱۴۸

(3) الانفال:۵۶،۵۷

مہاجرین اور انصار کے درمیان ایک تحریر لکھی تھی جس میں یہودیوں سے مصالحت کا بھی ذکر تھا۔یہودیوں سے معاہدہ یہ تھا کہ فریقین اپنے اپنے مذہب پر قائم رہیں گے اور ہر فریق کا نفع وضرر دوسرے فریق کا نفع وضرر سمجھا جائے گا۔دونوں اتحاد سے رہیں گے اور کوئی دوسرے کو نہیں ستائے گا۔لیکن یہودیوں نے یہ معاہدہ توڑ دیا تھا اور مشرکین کو مسلمانوں کے خلاف خلاف لڑنے کے لیے ہتھیار دیے تھے۔بعد میں کہنے لگے ہم سے غلطی ہوگئی ہم دوبارہ معاہدہ کرتے ہیں مگر پھر بھی معاہدے کی خلاف ورزی کی اور کعب بن اشرف مکہ جاکر مشرکین سے ملا جس کے باعث خندق کے دن کافر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔[1] بنی قریظہ نے احزاب میں جو مشرکین کا ساتھ دیا تھا اور مسلمانوں کے ساتھ بدعہدی کے مرتکب ہوئے تھے،اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں نے ان کے خلاف جنگ کرنی ہی تھی کیونکہ یہ کسی موقع پر ان کے خلاف سامنے آچکے ہیں۔اس حقیقت کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورہ احزاب کے اندر کیا ہے اور بنی قریظہ کے ساتھ جنگ کا نتیجہ مسلمانوں کو فائدہ یہ ہوا کہ ان کی ساری نقدی اور جائداد سب مسلمانوں کے ہاتھ آگئی۔اس غزوہ کے اس خصوصی انعام کا ذکر بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَرَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوا خَيْرًا وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ وَكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا عَزِيزًا ο وَأَنْزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُوهُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ صَيَاصِيهِمْ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيقًا تَقْتُلُونَ وَتَأْسِرُونَ فَرِيقًا ο وَأَوْرَثَكُمْ أَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ وَأَرْضًا لَمْ تَطَئُوهَا وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا﴾[2]

اور جنگ میں اللہ تعالیٰ خود ہی مومنین کے لیے کافی ہوگیا۔اور اللہ تعالیٰ تو ہے ہی بڑی قوت والا اور بڑا زبردست غالب ہے اور جن اہل کتاب نے ان کی (اہل احزاب کی) مدد کی تھی اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے قلعوں سے اتار دیا اور ان کے دلوں میں تمہارا رعب ڈال دیا پھر بعض کو تم قتل کرنے لگے اور بعض کو قید۔اور (اللہ تعالیٰ نے) تمہیں وارث بنا دیا ان کی زمین کا اور ان کے گھروں اور ان کے حال کا اور اس زمین کا بھی جس میں تم نے اب تک قدم نہیں رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مومنین کو اہل کتاب کے ساتھ قتال کا حکم بھی دیا ہے کہ ان کے ساتھ اس وقت تک لڑو جب تک کہ یہ جزیہ نہ ادا کردیں۔اس قتال کا اس لیے حکم دیا گیا کیونکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول ﷺ پر

(1) السیرۃ النبویہ،ج۴،ص۲۱۵

(2) الاحزاب:۲۵۔۲۷

ایمان لانے والے نہیں تھے اور نہ ہی دین اسلام کی حقانیت کو تسلیم کرنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ﴾[(1)]

تم لڑو ان لوگوں سے جو ایمان نہیں رکھتے اللہ پر، اور نہ قیامت کے دن پر، اور نہ وہ حرام جانتے ہیں ان چیزوں کو جن کو حرام فرمایا ہے اللہ نے اور اس کے رسول نے، اور نہ وہ قبول کرتے ہیں دین حق کو ان لوگوں میں سے جن کو کتاب دی گئی، یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں اپنے ہاتھ سے، اور وہ رہیں ماتحت بن کر۔

اس آیت کریمہ میں مشرکین و اہل کتاب کے ساتھ قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اہل کتاب کے ساتھ اس وقت تک لڑنے کا حکم ہے کہ جب تک وہ جزیہ کی ادائیگی پر آمادہ نہ ہو جائیں۔ جس وقت وہ جزیہ دینے پر راضی ہو جائیں تو ان سے قتال نہ کرو۔ جزیہ کی تعریف کرتے ہوئے علامہ ابو عبید القاسم بن سلام لکھتے ہیں کہ:

جزیہ کا لغوی معنی ہے ''اکتفا''[(2)]

علامہ ابو عبید القاسم نے جزیہ کا لغوی معنی اکتفا کیا ہے کہ گویا ذمی کے ساتھ قتال نہیں کیا جاتا بلکہ اس کی دی ہوئی رقم پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔ علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ:

''جزیہ وہ رقم ہے جو اہل ذمہ سے لی جاتی ہے اور وہ رقم ان کی جان کی حفاظت کے لیے کفایت کرتی ہے۔''[(3)]

جزیہ کی یہ مذکورہ بالا تعریف کافی حد تک واضح ہے مگر علامہ علاء الدین محمد بن علی نے جو جزیہ کی تعریف کی ہے وہ قدرے جامع ہے: یعنی جزیہ کا لغوی معنی ہے ''الجزاء'' یعنی بدلہ اور یہ قتل کا بدل ہے۔ کیونکہ جب کوئی شخص جزیہ ادا کرتا ہے تو اس سے قتل ساقط ہو جاتا ہے اور ''الجزاء'' سزا کو بھی کہتے ہیں اور جزیہ کی رقم ذمی کے کفر کی سزا ہے۔''[(4)]

جزیہ کن لوگوں سے وصول کیا جائے گا؟ اس کے بارے میں علامہ ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص لکھتے ہیں کہ:

''امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور امام ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ قرآن مجید کی اس آیت کی رو سے جزیہ

---

(1) التوبہ: ۲۹

(2) غریب الحدیث، ابو عبید القاسم بن سلام، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ج ۱، ص ۴۳

(3) المفردات، ج ۱، ص ۱۲۱

(4) در مختار مع رد المختار، الحصکفی، علاء الدین محمد بن علی، بیروت: دار احیاء التراث، ۱۴۱۹ھ، ج ۶، ص ۲۳

صرف اہل کتاب سے لیا جائے گا خواہ وہ عربی ہوں یا عجمی اور سنت کی رو سے بھی جزیہ لیا جائے گا اور امام مالکؒ کا مذہب یہ کہ مرتد کے سوا ہر کافر اور مشرک سے جزیہ لیا جائے گا خواہ اس کا کفر اور شرک کسی قسم کا ہو۔"[1]

معاملات میں سے ایک اور معاملہ سے بھی روکا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو منع فرمایا ہے کہ وہ اہل کتاب کو اپنا راز دار نہ بنائیں کیونکہ وہ بد دیانت ہیں، آپ کے راز کو افشاں کر دیں گے اور ہر ممکن کوشش کر کے تمہیں نقصان پہنچائیں گے اور ان کے دلوں میں بغض و عداوت بھری ہوئی ہے جس کا اندازہ تم اس بات سے لگاؤ کہ مسلمان ان کی الہامی کتب پر ایمان رکھتے ہیں اور ان سے بھی اسی نسبت سے محبت کرتے ہیں مگر وہ اہل اسلام کے لیے دل میں محبت نہیں رکھتے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ o هَا أَنْتُمْ أُولَاءِ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾[2]

اے وہ لوگو، جو ایمان لائے ہو، تم اپنوں کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ، وہ تمہاری خرابی (اور بربادی) میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں گے، وہ تو یہی چاہتے ہیں کہ تم لوگ تکلیف اور (نقصان) ہی میں مبتلا رہو، ان کے دلوں کا بغض ان کے مونہوں سے نکلا پڑتا ہے، اور جو کچھ انہوں نے اپنے سینوں میں چھپا رکھا ہے، وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے، ہم نے تو کھول کر بیان کر دیں تمہارے لیے (حقیقت سے آگاہ کرنے والی) نشانیاں (سو تم احتیاط سے کام لو) اگر تم میں عقل رکھتے ہو۔ ہاں (تم لوگ اتنے سادہ لوح اور غفلت شعار کیوں ہو کہ) تم تو ان سے محبت رکھتے ہو مگر وہ تم سے محبت نہیں رکھتے، حالانکہ تم لوگ ایمان رکھتے ہو تمام (آسمانی) کتابوں پر، اور ان کا حال یہ ہے کہ جب تم سے ملنے آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے، لیکن جب وہ الگ ہوتے ہیں، تو تم پر غیظ (وغضب) کے مارے اپنی انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں، کہو کہ جل مرو تم اپنے اس غیظ (وغضب) میں، بیشک اللہ خوب جانتا ہے دلوں کی باتوں تک کو۔

ان آیات طیبات کے تحت امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری لکھتے ہیں کہ:

---

(1) الجامع لاحکام القرآن، ج۳، ص ۱۲۵

(2) آل عمران: ۱۱۹، ۱۱۸

"حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا بعض مسلمان یہودیوں سے میل ملاپ رکھتے تھے۔ اس میل جول کی وجہ یہ تھی کہ وہ ان کے پڑوسی تھے۔ زمانہ جاہلیت میں وہ ان کے حلیف بن چکے تھے تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں اور یہودیوں کو راز دار بنانے سے منع فرمایا اور ان کے فتنوں سے آگاہ کیا۔"(1)

یہ آیات اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جس کا ثبوت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں فرمایا ہے کہ تم ان سے محبت کرتے ہو حالانکہ وہ تم سے محبت نہیں کرتے اور تمہاری محبت اظہار اس طرح سے ہے کہ تم ان کی کتابوں پر ایمان لاتے ہو جبکہ وہ اسلام کی حقانیت کو تسلیم نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اہل کتاب کے ساتھ معتدل رویہ سے پیش آنے کا حکم دیا ہے۔ فرمایا کہ ان کے ساتھ اچھے سلوک سے پیش آؤ سوائے ان لوگوں کے جو ان میں سے ظالم ہیں۔ اہل کتاب کو باور کراؤ کہ ہم اپنی کتاب کے ساتھ تمہاری طرف نازل ہونے والی کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہی ہے ہم سب کو اسی کی اطاعت کرنی چاہیے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ وَقُولُوا آمَنَّا بِالَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَأُنْزِلَ إِلَيْكُمْ وَإِلَٰهُنَا وَإِلَٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ o وَكَذَٰلِكَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ فَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَمِنْ هَٰؤُلَاءِ مَنْ يُؤْمِنُ بِهِ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الْكَافِرُونَ﴾(2)

اور جھگڑا مت کرو تم (اے مسلمانو!) اہل کتاب سے مگر اسی طریقے کے ساتھ جو کہ سب سے اچھا ہو سوائے ان لوگوں کے جو ان میں سے ظلم پر ہی کمر بستہ ہوں اور کہو کہ ہم تو بہرحال ایمان رکھتے ہیں اس (کتاب) پر جو اتاری گئی ہماری طرف اور (اس پر بھی) جو اتاری گئی تمہاری طرف اور (حق اور حقیقت بہرحال یہی ہے کہ) ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے اور ہم سب اسی کے فرماں بردار ہیں۔ اور اسی طرح ہم نے اتاری آپ کی طرف (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم!) یہ کتاب سو جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی (اس سے پہلے) وہ اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور ان لوگوں (یعنی اہل مکہ) میں سے بھی کچھ لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں اور ہماری آیتوں کا انکار نہیں کرتے مگر وہی لوگ جو منکر (اور ہٹ دھرم) ہیں۔

---

(1) جامع البیان فی تاویل القرآن، ج۷، ص۱۳۸

(2) العنکبوت: ۴۶،۴۷

امام قرطبی اس آیت کریمہ کے تحت لکھتے ہیں: علماء نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تعبیر میں اختلاف کیا ہے۔ مجاہد نے کہا ہے کہ یہ آیت محکم ہے، اہل کتاب سے احسن انداز میں مجادلہ کرنا درست ہے۔ مراد یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی جائے، حج اور دیگر احکام کی طرف دعوت دی جائے یہ امید رکھتے ہوئے کہ وہ ایمان قبول کریں گے۔ اور اہل کتاب سے جو مجادلہ کیا جائے وہ سختی اور شدت کی صورت میں نہ ہو۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اہل کتاب میں سے جو لوگ ایمان لائے ان کے ساتھ سختی نہ کیا کرو، جس طرح کہ حضرت عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھی ایمان لائے تھے۔(1)

اس آیت کریمہ کے منسوخ ہونے کے بارے میں بھی علامہ قرطبی نے قول نقل کیا ہے اور پھر مزید لکھتے ہیں کہ:

> "یہ آیت قتال والی آیت سے منسوخ ہے اور اس کا استدلال یہ ہے کہ یہ آیت مکی ہے اس وقت تو قتال فرض ہی نہیں تھا نہ ہی جزیہ کا مطالبہ تھا اور نہ ہی اس کے علاوہ کوئی اور حکم تھا۔ (امام قرطبی لکھتے ہیں) مجاہد کا قول اچھا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ منسوخ ہیں مگر ایسی خبر کے ساتھ جو عذر کو ختم کر دے یا کوئی عقلی دلیل ہو۔ ابن عربی نے بھی اسی قول کو پسند کیا ہے۔"(2)

مذکورہ بالا مباحث سے اس امر کی وضاحت ملتی ہے کہ اسلام ہمیں اغیار سے کس طرح روابط رکھنے کا حکم دیتا ہے۔ یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ اسلام کائنات واحد دین ہے جس نے عالم انسانیت کو جنگ و امن کے عالمگیر اصول عطا فرمائے۔ جنگ کے لیے ایسے اصول وضع کئے کہ صرف مقاصد کے تحت قتال کیا جائے اور وہ بھی اسلامی ضابطوں کی پابندی کرتے ہوئے۔ گویا ضرورت کے تحت جنگ ضرور لڑی جائے اصولوں اور ضوابط کے ساتھ لیکن در حقیقت اسلام جنگ جن اسباب کی وجہ سے لڑی جاتی ہے اسلام ان کا قلع قمع کرتا ہے۔ اسباب جنگ کو ختم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اسلام بنیادی حقوق کے تحفظ پر زور دیتا ہے اور جب جنگ جدل پر زور دیا جائے تو یہی بنیادی حقوق تلف ہو جاتے ہیں۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے خود جتنی بھی جنگیں لڑیں وہ کسی جنگی جنون کی وجہ سے نہیں بلکہ دفاعی پوزیشن کو مستحکم کرنے اور جوابی کاروائی میں لڑیں۔ اسلام کا حقیقی مزاج امن پسندی کا ہے خود قرآن مجید عالمگیر کتاب امن ہے۔ اس باب میں جتنے بھی اصول بیان کئے گئے ہیں مشرکین، منافقین اور اہل کتاب کے ساتھ معاملات روا رکھنے کے لیے وہ بھی سارے کے سارے ان کی بد عہدی، اسلام دشمنی اور نفاق کی وجہ سے بیان کئے گئے ہیں۔ وگرنہ آپ ﷺ نے تو مدینہ طیبہ ہجرت کرتے ہی یہودیوں سے معاہدہ کیا اور کئی دیگر قبائل سے امن کے تحت معاہدے

---

(1) الجامع لاحکام القرآن، ج ۱۳، ص ۳۵۰

(2) ایضاً

طے پائے مگر جیسے ہی ان قبائل نے بد عہدی کی اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قیام امن میں تعاون نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان بے دینوں اور کفر کے سرداروں کے ساتھ اب قتال کرو۔ حقیقت میں دیکھا جائے تو یہ قتال بھی معاشرتی امن کی بحالی کے لیے کیا گیا۔ اگر ان فاسقوں کے خلاف جنگ نہ کی جاتی تو یہ اپنی عداوت میں مزید بڑھ جاتے جس سے معاشرے کا امن تباہ ہو جاتا۔ لہٰذا اسلامی ریاستیں جہاں کہیں بھی غیر مسلموں سے تعلق بنائیں وہ قرآن کے ان احکامات کو سامنے رکھ کر بنائیں تا کہ مسلمانوں کو دشمنوں سے کوئی نقصان نہ ہو۔ آج عصر حاضر میں اسی وجہ سے مسلمان زبوں حالی کا شکار ہیں کہ ان کا آپس میں کوئی کسی قسم کا اتحاد نہیں ہے بلکہ آپس میں تو یہ تفریق در تفریق اور تقسیم در تقسیم کا شکار ہیں جس کی وجہ سے کوئی کسی یہودی کا دوست ہے تو کوئی کسی نصرانی کا دوست ہے اسی طرح ہنود سے بھی ہمارے مزاج ورواج بھی بڑے ملتے ہیں۔ ہمیں ان سے دوستی رکھنے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں ہوتی اگر تکلیف ہوتی ہے تو اپنے سے اختلاف رکھنے والے مسلمان بھائی سے ہوتی ہے کہ جس کو ہم مسلمان سمجھنا بھی گوارا نہیں کرتے اور تکفیر کا فتویٰ لگا دیتے ہیں۔ جبکہ حقیقی کافر سے تو قیام امن کا نام لے کر دوستی کے لیے ہاتھ بڑھایا جاتا ہے اور مسلمان جس کا فرقہ اور ہے وہ کافر اور اس سے شدید انتقامی نفرت۔ العیاذ باللہ۔ یا اللہ ہمیں اسلام کے دشمنوں سے دور رہنے اور آپس میں سارے مسلمانوں کو متحد ہو کر اخوت کے عالمگیر نظام کے تحت جینے کی توفیق عطا فرما۔

اسلام زندہ باد۔

سوالنامہ

اللہ تعالیٰ کا یہ احسان ہے کہ اس نے ہماری راہنمائی کے لئے مخلص اور سچے علماء کرام عطا فرمائے جن سے استفادہ کر کے ہم اپنی علمی منازل تک باآسانی پہنچ جاتے ہیں۔میں نے مقالہ ہذا کو لکھنے سے قبل چند سوالات اس موضوع سے متعلق تیار کئے اور پھر ان سوالات کو لے کر اندرونِ ملک اور بیرون ملک(سعودی عرب)علماء، محدثین، مفسرین اور سیرت نگاروں سے رجوع کیا۔مقالہ نگاری میں سوالنامے نے بہت حد تک رہنمائی کی اور تحقیق کے عمل کو نسبتاً آسان کر دیا۔سوالنامہ تیار کرنے کا فائدہ یہ ہوا کہ اس موضوع کے بارے میں مختلف علمائے کرام اور جید اسکالرز سے بہت زیادہ علمی معاونت حاصل کی جس سے مقالہ لکھنے میں آسانی ہوئی۔

سوالنامے کے ذریعے معلومات حاصل کرنا یہ کوئی نیا عمل نہیں ہے بلکہ قدیم زمانے میں علماء کرام نے اسی طرح علم حاصل کیا اور اس کے لئے انہوں نے بڑی جدوجہد کی اور دور دراز تک کا سفر کیا۔دورانِ سفر انہوں نے بڑی مشقتیں اٹھائیں اور کئی مشکلات کا سامنا بھی کیا۔آج اگر ہم اس طرح تعلیمی سفر کریں تو قدماء کی حصولِ علم کی کاوشوں اور برداشت کی گئی سختیوں کا قدرے اندازہ ہوتا ہے۔

اندرون و بیرون ملک تعلیمی اور مطالعاتی مقاصد کے لیے کئی جگہ جانا ہوا، جن میں سعودی عرب دوران حج (مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ)متعدد علمائے کرام سے ملاقات و گفتگو کا شرف حاصل ہوا۔پاکستان میں شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ فیصل آباد، شیخ القرآن والتفسیر جامعہ محمدیہ غوثیہ سرگودھا، شیخ الحدیث جامعہ بنوریہ کراچی، شیخ الحدیث و التفسیر جامعہ نعیمیہ کراچی، سیرت اسکالرز شعبہ علوم اسلامیہ جی سی یونیورسٹی لاہور، ایچ او ڈی شعبہ علوم اسلامیہ جی سی یونیورسٹی فیصل آباد، شعبہ اصول الدین انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد، ایچ او ڈی شعبہ علوم اسلامیہ یونیورسٹی آف گجرات، شعبہ علوم اسلامیہ اینڈ عریبک علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اور متعدد مقامی جید علماء کرام سے اس سوالنامہ کے تحت استفادہ کیا۔ان تمام لوگوں سے مشاورت و معاونت کا بہت زیادہ علمی فائدہ ہوا۔میں ان تمام جامعات اور ان میں راہنمائی فرمانے والے سب احباب کا بے حد ممنون ہوں جنہوں نے بڑی شفقتوں سے نوازا اور میری رہنمائی فرمائی۔

اس کے علاوہ انہی سوالات کے جوابات کی تلاش میں مختلف لائبریریوں میں بھی آنا جانا رہا۔جن میں حمید اللہ لائبریری نمایاں ہے اور وہاں کے لائبریرین نے مخلصانہ رویہ روا رکھتے ہوئے کتابوں کی تلاش میں بہت رہنمائی کی۔وہ سوالات جن کے لئے علماء کرام اور لائبریریوں کا دورہ کیا درج ذیل ہیں:

1۔سیرت طیبہ کا بنیادی ماخذ قرآن حکیم ہے، اس کے لئے کون سی تفاسیر ایسی ہیں جن میں سیرت طیبہ کے پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے؟

2۔ جب سے سیرت نگاری کی ابتداء ہوئی ہے، سیرت نگاروں نے قرآنی سیرت نگاری کو کس انداز میں پیش کیا ہے؟

3۔ محفوظ ترین دستاویز مسلمانوں کے پاس قرآن مجید ہی ہے۔ قرآن مجید نے سیرت طیبہ کے جن پہلوؤں پر بحث کی ہے کیا وہ ایک نو مسلم کو نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کے بارے میں آگاہی دینے کے لئے کافی ہے؟ اور کن امور میں اسے کتب سیرت سے رجوع کی حاجت باقی رہے گی؟

4۔ ایسے قارئین جن کی دلچسپی مطالعہ کتب میں زیادہ ہے، ان کو قرآنی سیرت کے مطالعہ اور اس کی حقانیت کی طرف توجہ کیسے دلوائی جائے؟

5۔ قرآن حکیم میں نبی کریم ﷺ کی زندگی کے مختلف پہلو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ قرآن حکیم اسلامی تعلیمات واحکام ہی کا سرچشمہ نہیں بلکہ جس ذات میں یہ تعلیمات کامل طریقے سے موجود ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کامل نمونہ کی اتباع کا حکم بھی دیا ہے، موجودہ دور میں ملت اسلامیہ کو کس طرح رسول اللہ ﷺ کے اوصاف حمیدہ کی اتباع کی طرف لایا جاسکتا ہے کہ جس سے معاشرتی برائیوں کا قلع قمع ہو اور ملکی استحکام میں اضافہ ہو؟

خلاصہ بحث

قرآنِ حکیم کو سامنے رکھا جائے تو آپ ﷺ کی سیرت وحیات پر واضح روشنی پڑتی ہے اور جس طرح قرآنِ پاک اپنی کسی بات میں اپنے غیر کا محتاج نہیں اسی طرح اپنے حامل و مبلغ کے وجود وحیات کے بیان میں اپنے خارج کا محتاج نہیں ہے۔ سیرت طیبہ کے مختلف مصادر بیان کئے گئے ہیں جن میں قرآن، حدیث، کتب سیرت، کتب تاریخ وغیرہ ہیں۔ لیکن ہمارا یہ تحقیقی کام صرف قرآن حکیم کے حوالے سے ہوا ہے۔ جس میں نبی کریم ﷺ کی سیرت کے مختلف پہلو قرآن کی روشنی میں بیان کئے گئے ہیں۔

باب اول میں سیرت طیبہ کا تعارف اور اس کے ماخذ بیان کئے گئے ہیں۔ سیرت طیبہ کا مفہوم اور اس کی اہمیت بیان کی گئی ہے اور سیرت نگاری کا ارتقائی جائزہ لیا گیا ہے۔ سیرت نگاری کے اہم اسالیب اور ماخذ سیرت ذکر کئے گئے ہیں۔

باب دوم میں نبی کریم ﷺ کے ان شمائل کا ذکر کیا گیا ہے جن کا تذکرہ قرآن مجید نے کیا ہے۔ امتیازاتِ مصطفٰے ﷺ بیان کئے گئے ہیں جن میں آپ ﷺ کی نبوت عامہ، رحمت للعالمین، اللہ تعالٰی کا آپ ﷺ کے اسمائے صفاتیہ سے خطاب فرمانا، تحویل قبہ، اسوہ حسنہ، اطاعتِ رسول ﷺ اطاعتِ خدا ہے، شرح صدر، رفعتِ ذکر، خیر کثیر، بارگاہِ رسالت کے آداب، ختم نبوت، آپ ﷺ کو لوگو ں کی اذیت سے محفوظ رکھنا، عہدِ میثاق، احسانِ الٰہی، خلق عظیم، نبی کریم ﷺ کی زندگی کی قسم، امم ماضیہ میں ذکر رسول ﷺ، حضور ﷺ کے دفاع میں اللہ تعالٰی کا جواب دینا، اللہ تعالٰی کا نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا، آپ ﷺ کا سابقہ امتوں پر شاہد ہونا، آپ ﷺ کو مقام محمود عطا کیا جانا اور آپ ﷺ کی امت کو بہترین امت قرار دیا جانے کا ذکر ہے۔ اسی باب میں نبی کریم ﷺ کی بعثت کے مقاصد بیان کئے گئے ہیں، جن میں سے آپ ﷺ کا عقائد کی اصلاح، اعمال کی اصلاح اور معاشرے کی اصلاح فرمانا بیان کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اسمائے پاک کا ذکر کیا گیا ہے اور آپ ﷺ کے اسمائے پاک کو ایک نئی تقسیم کے تحت بیان کیا گیا ہے، وہ اسمائے پاک جو کہ آپ ﷺ کے ذاتی ہیں پھر وہ اسماء جو آپ ﷺ کی صفات دائمیہ سے متعلق ہیں پھر وہ اسماء جو آپ ﷺ کی صفات دائمیہ سے متعلق تو ہیں مگر متصف باللہ ہیں اور پھر وہ اسماء جن کا تعلق نبی کریم ﷺ کی صفات عارضیہ سے ہے ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کے ان معجزات کا ذکر بھی کیا گیا ہے جن کو قرآن مجید نے بیان کیا ہے اور ان کی بھی تقسیم نئی طرز پر کی گئی ہے، پہلے آپ ﷺ کے آسمانی معجزات اور زمینی معجزات کو بیان کیا گیا ہے۔

باب سوم میں نبی کریم ﷺ کی عائلی زندگی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کے

بارے میں ہے اور اس میں جن جن امہات المؤمنینؓ کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے ان کی ساتھ وہ تفصیلات بھی بیان کی گئی ہیں۔ آپ ﷺ کے تعدد ازواج، عفت ازواج اور واقع ایلاء کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی اولاد امجاد کا ذکر کیا گیا ہے اور اسی کے تحت لے پالک حضرت زید بن حارثہؓ کا ذکر بھی کیا گیا ہے اور آپ ﷺ کے ان اصحاب کرامؓ کا ذکر کیا گیا ہے جن کا تذکرہ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے۔

باب چہارم میں ان غزوات کا ذکر کیا گیا ہے جن کا تذکرہ قرآن مجید میں ہے، ان میں غزوہ بدر، غزوہ احد، غزوہ احزاب، غزوہ بدر ثانیہ، غزوہ بنی نضیر، غزوہ بنی قینقاع، غزوہ بنی قریظہ، غزوہ خیبر، غزوہ حنین، غزوہ تبوک اور فتح مکہ شامل ہیں۔ ان غزوات کے تحت ان کی وجہ تسمیہ، اسباب غزوات و نتائج اور ان کے متعلق قرآنی آیات اور ان کی تفصیل پیش کی گئی ہے۔

باب پنجم میں قرآن حکیم کی روشنی میں نبی کریم ﷺ کے غیر مسلموں سے معاملات کو بیان کیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے غیر مسلموں سے کیے گئے معاہدات کو قرآن مجید کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے، اور آج کہ اس دور میں ہمارے لیے کیا حکم ہے کہ ہم غیر مسلموں سے کس طرح سلوک روا رکھیں اور اس کے بارے میں قرآن مجید کا حکم اور نبی کریم ﷺ کا عمل کیا ہے۔ مشرکین اور ان کے ساتھ معاملات کا ذکر بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے ساتھ کیا سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اور نبی کریم ﷺ نے کیا عمل فرمایا ہے۔ منافقین کے ساتھ معاملات کا قرآنی احکام کی روشنی میں ذکر کیا گیا ہے اور اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے بارے میں احکام ہیں کہ قرآن مجید نے کیا حکم دیا ہے کہ ہم اہل کتاب کے ساتھ کیا سلوک روا رکھیں۔

نتائج

اس تحقیقی مقالے کے نتائج درج ذیل ہیں:

1۔ نبی کریم ﷺ کے اوصاف و کمالات کا ذکر اگلے صحیفوں میں بھی موجود ہے۔

2۔ نبی کریم ﷺ کے دو اسماء ذاتیہ اور اٹھارہ اسماء صفاتیہ قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں۔

3۔ اسماء صفاتیہ میں پچیس مرتبہ صفت نبی اور ایک سو تیرہ مرتبہ صفت رسول سے کلام کیا گیا ہے۔

4۔ نبی کریم ﷺ کی بعثت کے مقاصد (عقائد، اعمال اور معاشرے کی اصلاح) کا ذکر قرآن مجید میں باون سے زائد آیات کے تحت کیا گیا ہے۔

5۔ نبی کریم ﷺ کے خصائص ذاتیہ و صفاتیہ کا ذکر قرآن حکیم کی بانوے آیات میں کیا گیا ہے۔

6۔ نبی کریم ﷺ کے پانچ معجزات کا بیان قرآن حکیم میں موجود ہے، جن میں خود قرآن حکیم بھی شامل ہے۔

7۔ نبی کریم ﷺ کی پانچ ازواج مطہرات کے بارے میں تخصیص سے آیات احکام قرآن حکیم میں نازل ہوئیں ہیں جن میں سیدہ عائشہ، سیدہ حفصہ، سیدہ ماریہ قبطیہ، سیدہ میمونہ اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہن شامل ہیں۔

8۔ تیس سے زائد آیات رسول اللہ ﷺ کے چاروں اصحاب خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئیں ہیں۔

9۔ صحابہ میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے وہ صحابی و متبنیٰ ہیں جن کا اسم قرآن مجید میں آیا ہے۔

10۔ اسّی سے زائد آیات میں نبی کریم ﷺ کے گیارہ غزوات کا بیان قرآن مجید میں موجود ہے۔

11۔ چھ سے زائد آیات میں غیر مسلموں سے نبی کریم ﷺ کے مطلق معاہدات کے احکام کا ذکر کیا گیا ہے۔

12۔ صلح حدیبیہ کا ذکر سورہ الفتح میں خصوصیت کے ساتھ آیا ہے۔

13۔ قرآن مجید میں پندرہ آیات مشرکین کے ساتھ صرف معاملات کے بارے میں نازل ہوئیں ہیں۔

14۔ قرآن حکیم کی بارہ آیات میں منافقین کے ساتھ معاملات کا ذکر کیا گیا ہے۔

15۔ قرآن حکیم کی سولہ آیات میں اہل کتاب کے ساتھ معاملات کا ذکر کیا گیا ہے۔

سفارشات

اس تحقیقی مقالہ میں بہت ساری جہتوں سے قرآنی سیرت پر کام کیا گیا ہے۔ پھر بھی مزید کام کی اس میں گنجائش ہے۔ اس مقالہ میں قرآن مجید کو سیرت طیبہ کے بنیادی ماخذ کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ درج ذیل پہلوؤں پر مزید کام کرنے کی ضرورت ہے:

1. قرآن مجید کی آیات کے ضمن میں جو تفسیر و سیرت علماء نے بیان کی ہے اس میں مذکور سیرت کے واقعات کی تحقیق کی جائے۔
2. ریاست کے متعلق قرآنی احکام جن کی عملی تطبیق نبی کریم ﷺ کی سیرت میں موجود ہے، اس پر تحقیقی کام کیا جائے۔
3. رسول اللہ ﷺ کے غزوات کے لئے جو حکمتِ عملی اختیار فرمائی اور اسے قرآن مجید نے بھی سراہا، ان اصولوں کی روشنی میں افواجِ پاکستان اپنی جنگی حکمتِ عملی تیار کرے۔
4. سیرت طیبہ میں شامل کئے گئے من گھڑت واقعات کی تحقیق قرآن مجید کی روشنی میں کی جائے۔
5. اس مقالہ میں مقام نبوت و رسالت کی اہمیت کو جس طرح سے بیان کیا گیا ہے اس کو عوام الناس تک پہنچانے کے لیے سیمینار و ورکشاپ کا اہتمام ہو تاکہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے مقام و مرتبہ سے واقف ہوں اور جھوٹے لوگوں کی نفی بھی ممکن ہو۔
6. سیرت طیبہ کے مطالعہ کے مواقع فراہم کئے جائیں۔ حکومتی سطح اور اداروں کے تحت اس کا اہتمام کیا جائے۔ اس سے معاشرے میں موجود برائیوں کا قلع قمع ہو جائے گا۔ اور لوگوں کو یہ بتایا جائے کہ قرآنی سیرت سے کس طرح عملی زندگی میں استفادہ کیا جا سکتا ہے۔
7. اس مقالے میں ذکر ہر باب پر قرآن مجید کی روشنی میں تحقیقی کام کرنے کی ضرورت ہے۔ جس طرح کہ قرآن مجید اور غیر مسلموں سے نبی کریم ﷺ کے معاملات (جو کہ انٹرنیشنل لاء سے بھی متعلق ہے) پر ہی اگر کام کیا جائے اور اسی کے مطابق اگر ریاستی اندرونی و بیرونی تعلقات استوار کئے جائیں تو پاکستان کو ایک مستحکم اسلامی نظریاتی ریاست بننے سے کوئی خارجی طاقت نہیں روک سکتی۔

فہرست آیات

نمبر شمار	آیات	سورت	آیت نمبر	صفحہ نمبر
.1	وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْآ اٰمَنَّا..........	البقرۃ:2	18-14	422
.2	وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا...	البقرۃ:2	23	230
.3	يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا...	البقرۃ:2	104	176
.4	وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا...	البقرۃ:2	111	83
.5	اِنَّآ اَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا....	البقرۃ:2	119	124
.6	فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا...	البقرۃ:2	137	317
.7	وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا ...	البقرۃ:2	143	118
.8	قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ...	البقرۃ:2	144	161
.9	اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُوْنَهٗ.......	البقرۃ:2	146	195
.10	كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا......	البقرۃ:2	151	88
.11	يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ...	البقرۃ:2	183	92
.12	اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ...	البقرۃ:2	187	306
.13	وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ.........	البقرۃ:2	190	329
.14	وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ..........	ایضاً البقرۃ:2	196	94
.15	اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا..........	البقرۃ:2	218	316

16.	وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ......	البقرة:2	221	415
17.	تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ...	البقرة:2	253	169
18.	مَّثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ....	البقرة:2	261	310
19.	قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ..........	آل عمران:3	31	13
20.	قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ..........	آل عمران:3	32	133
21.	فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ......	آل عمران:3	61	281
22.	قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ......	آل عمران:3	64	86
23.	وَمِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ..........	آل عمران:3	75	432
24.	وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ..........	آل عمران:3	81	168
25.	اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ.........	آل عمران:3	97-96	94
26.	وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا......	آل عمران:3	103	97
27.	كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ.........	آل عمران:3	110	205
28.	يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا..........	آل عمران:3	118	435
29.	وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ..........	آل عمران:3	121	352
30.	وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ.........	آل عمران:3	123	334
31.	اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ..........	آل عمران:3	124	354

353	136	آل عمران:3	أُولٰئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ..........	.32
356	143	آل عمران:3	وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ..........	.33
357	153- 154	آل عمران:3	اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰى اَحَدٍ.......	.34
192	159	آل عمران:3	فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ..........	.35
187	164	آل عمران:3	لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ......	.36
353	167	آل عمران:3	وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا	.37
359	169- 170	آل عمران:3	وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ......	.38
379	172- 173	آل عمران:3	اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ..........	.39
261	3	النساء:4	وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتَامٰى..........	.40
118	41	النساء:4	فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ......	.41
366	52-51	النساء:4	اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا..........	.42
318	54	النساء:4	اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتَاهُمُ..........	.43
13	80	النساء:4	مَّنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ..........	.44
424	88	النساء:4	فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِيْنَ فِئَتَيْنِ	.45
321	95	النساء:4	لَّا يَسْتَوِى الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ.........	.46

90	113	النساء:4	وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُه لَهَمَّتْ...	.47
427	-145 146	النساء:4	اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ.......	.48
184	3	المائدہ:5	حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ..........	.49
71	67	المائدہ:5	يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ..........	.50
82	73	المائدہ:5	لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اِنَّ اللّٰهَ..........	.51
79	103	المائدہ:5	مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ..........	.52
84	19	الانعام:6	قُلْ اَىُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً قُلِ اللّٰهُ......	.53
414	28-25	الانعام:6	وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ..........	.54
76	64-63	الانعام:6	قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ..........	.55
79	100	الانعام:6	وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ..........	.56
143	125	الانعام:6	فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَه يَشْرَحْ..........	.57
78	136	الانعام:6	وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ..........	.58
102	152	الانعام:6	وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ..........	.59
196	61-60	الاعراف:7	قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِه اِنَّا لَنَرٰكَ..........	.60
196	67-66	الاعراف:7	قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ..........	.61
194	157	الاعراف:7	اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ..........	.62

121	188	الاعراف:7	قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا..........	63.
335	4	الانفال:8	اُولٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا..........	64.
334	5	الانفال:8	كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ..........	65.
335	8-7	الانفال:8	وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ.........	66.
233	10-9	الانفال:8	اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ......	67.
339	11	الانفال:8	اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ..........	68.
341	17-15	الانفال:8	يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اِذَا لَقِيْتُمْ..........	69.
344	19	الانفال:8	اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ..........	70.
348	36	الانفال:8	اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ..........	71.
343	42	الانفال:8	اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ..........	72.
340	44-43	الانفال:8	اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا..........	73.
403	63-61	الانفال:8	وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا..........	74.
305	64	الانفال:8	يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ..........	75.
56	67	الانفال:8	مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَه اَسْرٰى......	76.
416	4	التوبة:9	اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ..........	77.
418	14-13	التوبة:9	وَاِنْ نَّكَثُوا اَيْمَانَهُمْ مِّنْ بَعْدِ..........	78.

234	27-25	التوبة:9	لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ..........	79.
418	28	التوبة:9	يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ......	80.
434	29	التوبة:9	قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ	81.
81	31-30	التوبة:9	وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ..........	82.
329	36	التوبة:9	اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ	83.
297	40	التوبة:9	اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ..........	84.
399	49	التوبة:9	وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ..........	85.
424	51-50	التوبة:9	اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ..........	86.
425	63-61	التوبة:9	وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ..........	87.
427	73	التوبة:9	يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ	88.
428	80	التوبة:9	اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ..........	89.
398	81	التوبة:9	فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلَافَ..........	90.
428	85-84	التوبة:9	لَا تُصَلِّ عَلٰى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا...	91.
398	91	التوبة:9	لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاۤءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى.......	92.
320	100	التوبة:9	وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ......	93.
93	103	التوبة:9	خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ..........	94.

319	117	التوبة:9	لَّقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِيْنَ......	.95
52	-128 129	التوبة:9	لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ..........	.96
85	3	يونس:10	اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ......	.97
78	18	يونس:10	وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا..........	.98
231	38-37	يونس:10	وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى.........	.99
121	2	هود:11	اَلَّا تَعْبُدُوا اِلَّا اللّٰهَ اِنَّنِىْ..........	.100
230	13	هود:11	اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرَاهُ قُلْ فَاْتُوْا..........	.101
177	32	هود:11	قَالُوْا يَا نُوْحُ قَدْ جَادَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ.........	.102
15	120	هود:11	وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الرُّسُلِ.......	.103
75	106	يوسف:12	وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا..........	.104
72	108	يوسف:12	قُلْ هٰذِهِ سَبِيْلِى اَدْعُوا اِلَى اللّٰهِ......	.105
10	7	الرعد:13	وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ..........	.106
146	72	الحجر:15	لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِىْ سَكْرَتِهِمْ..........	.107
86	95-94	الحجر:15	فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ..........	.108
87	36	النحل:16	وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِىْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا..........	.109
53	44	النحل:16	بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ....	.110

103/117	90-89	النحل:16	وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا..........	111.
72	125	النحل:16	اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ..........	112.
126	1	الاسراء:17	سُبْحَانَ الَّذِى اَسْرٰى بِعَبْدِه لَيْلًا.........	113.
98	15	الاسراء:17	مَّنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِىْ لِنَفْسِه..........	114.
203	79	الاسراء:17	وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِه نَافِلَةً لَّكَ..........	115.
229	88	الاسراء:17	قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ..........	116.
127	1	الكهف:18	اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِى اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ.......	117.
4	21	طٰه:20	قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ..........	118.
146	27-25	طٰه:20	قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِىْ صَدْرِىْ..........	119.
87	25	الانبياء:21	وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ..........	120.
131	107	الانبياء:21	وَمَآ اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ..........	121.
180	32	الحج:22	ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ..........	122.
329	40-39	الحج:22	اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا..........	123.
202	78	الحج:22	وَجَاهِدُوْا فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِه هُوَ.......	124.
243/244	17-11	النور:24	اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ..........	125.
367	63-62	النور:24	اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ.........	126.

127. تَبَارَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی	الفرقان:25	1	153
128. قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ یَا لُوْطُ..........	الشعراء:26	167	177
129. وَاِنَّه لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ.........	الشعراء:26	196	58
130. وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ..........	الشعراء:26	214	88
131. وَاَنْ اَتْلُوَ الْقُرْاٰنَ فَمَنِ اهْتَدٰی..........	النمل:27	92	124
132. فَلَمَّآ اَتَاهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ.......	القصص:28	30	159
133. وَلَا تُجَادِلُوا اَهْلَ الْكِتَابِ اِلَّا بِالَّتِیْ..........	العنکبوت:29	47-46	436
134. اَوَلَمْ یَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتَابَ.......	العنکبوت:29	51	229
135. وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ.........	العنکبوت:29	61	76
136. ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ...	الروم:30	41	328
137. مَّا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَیْنِ فِیْ..........	الاحزاب:33	5-4	292
138. وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ یَآ اَهْلَ یَثْرِبَ......	الاحزاب:33	14-13	368
139. لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ......	الاحزاب:33	21	11
140. وَلَمَّا رَاَی الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا....	الاحزاب:33	23-22	369
141. وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِغَیْظِهِمْ.........	الاحزاب:33	27-25	390
142. وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَم...	الاحزاب:33	37	249

143.	مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ......	الاحزاب:33	40	110
144.	هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَمَلآئِکَتُه......	الاحزاب:33	43	199
145.	یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنَاکَ شَاهِدًا.........	الاحزاب:33	46-45	48
146.	یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَکَ اَزْوَاجَکَ......	الاحزاب:33	53-50	264/257
147.	وَمَآ اَرْسَلْنَاکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا......	سباء:34	28	153
148.	اِنَّآ اَرْسَلْنَاکَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا.........	فاطر:35	24	10
149.	یٰس وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ.........	یسین:36	4-1	149
150.	وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْبَغِیْ.........	یسین:36	69	198
151.	وَنَادَیْنَاهُ اَنْ یّٰٓاِبْرَاهِیْمُ.........	الصافات:37	104	159
152.	اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا...	الزمر:39	3	77
153.	وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ.........	الزمر:39	33	296
154.	وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا	الزمر:39	69	127
155.	وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ.........	الزخرف:43	87	75
156.	قُلْ مَا کُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِیْ......	الاحقاف:46	9	123
157.	وَلِکُلٍّ دَرَجَاتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا وَلِیُوَفِّیَهُمْ......	الاحقاف:46	19	101
158.	وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَاٰمَنُوْا......	محمد:47	2	110

375	1	الفتح:48	إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا..........	159.
115	8	الفتح:48	إِنَّآ اَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا......	160.
392	15	الفتح:48	سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى......	161.
392	20-18	الفتح:48	لَّقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ	162.
374	27	الفتح:48	لَّقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ......	163.
111	29	الفتح:48	مُّحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَه..........	164.
178	3-1	الحجرات:49	يٰٓ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ...	165.
99	10	الحجرات:49	اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ..........	166.
100	13	الحجرات:49	يٰٓ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ	167.
189	17	الحجرات:49	يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا	168.
123	51-50	الذاريات:51	فَفِرُّوا اِلَى اللّٰهِ اِنِّيْ لَكُمْ..........	169.
198	29	الطور:52	فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ..........	170.
231	34	الطور:52	فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِه	171.
210	18-1	النجم:53	وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى..........	172.
224	3-1	القمر:54	اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ..........	173.
303	46	الرحمن:55	وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّه جَنَّتَانِ..........	174.

175.	وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ..........	الواقعہ:56	46-50	80
176.	هُوَ الَّذِىْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِه اٰيَاتٍ بَيِّنَاتٍ...	الحدید:57	10	302
177.	لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَاَنْزَلْنَا..........	الحدید:57	25	102
178.	يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اِذَا نَاجَيْتُمُ	المجادلہ:58	12	314
179.	هُوَ الَّذِى اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ......	الحشر:59	3-2	382
180.	اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ..........	الحشر:59	15-11	384/383
181.	لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَه......	الحشر:59	21	228
182.	يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا..........	الممتحنہ:60	6-1	374
183.	اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِه......	الصف:61	6	193
184.	هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيِّيْنَ رَسُوْلًا.......	الجمعہ:62	2	89
185.	يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ......	التحریم:66	5-1	273
186.	ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ..........	القلم:68	4-1	149
187.	فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ..........	القلم:68	10-8	418
188.	فَلَاۤ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ..........	الحاقۃ:69	43-38	197
189.	وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ..........	نوح:71	23	74
190.	وَاَنَّه لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ..........	الجن:72	19	125

191.	يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ	المزمل:73	1	160
192.	اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا..........	المزمل:73	15	117
193.	يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ..........	المدثر:74	1	139
194.	وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّه مِسْكِيْنًا......	الدہر:76	9-8	312
195.	وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ	التکویر:81	27-22	196
196.	سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنسٰى..........	الاعلیٰ:87	6	91
197.	وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى..........	اللیل:92	21-17	301
198.	وَالضُّحٰى وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى..........	الضحیٰ:93	5-1	148
199.	اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ..........	الم نشرح:94	4-1	143
200.	اِنَّآ اَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ..........	الکوثر:108	1	173

فہرست احادیث

نمبر شمار	احادیث	کتاب احادیث	صفحہ نمبر
1.	أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ، وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ..........	صحیح مسلم	186
2.	أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِي.........	صحیح مسلم	155
3.	أَلاَ تَعْجَبُونَ كَيْفَ يَصْرِفُ اللَّهُ عَنِّي شَتْمَ قُرَيْشٍ وَلَعْنَهُمْ، يَشْتِمُونَ مُذَمَّمًا، وَيَلْعَنُونَ..........	صحیح بخاری	109
4.	إِنَّ الْمُؤْمِنَ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا..........	صحیح بخاری	100
5.	أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمًا، فَصَلَّى عَلَى أَهْلِ أُحُدٍ صَلاَتَهُ عَلَى الْمَيِّتِ..........	صحیح بخاری	174
6.	أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَمْكُثُ عِنْدَ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ وَيَشْرَبُ عِنْدَهَا..........	صحیح بخاری	274
7.	إِنَّ لِي أَسْمَاءً أَنَا مُحَمَّدٌ وَأَنَا أَحْمَدُ وَأَنَا الْمَاحِي الَّذِي يَمْحُو اللَّهُ بِيَ الْكُفْرَ..........	صحیح بخاری	106
8.	إِنَّ مَثَلِي وَمَثَلَ الأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي، كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى بَيْتًا فَأَحْسَنَهُ وَأَجْمَلَهُ..........	صحیح بخاری	184
9.	أَنَّهُ رَأَى جِبْرِيلَ لَهُ سِتُّ مِائَةِ جَنَاحٍ..........	صحیح بخاری	216
10.	إِنِّي لَمْ أُبْعَثْ لَعَّانًا، وَإِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً	صحیح مسلم	157
11.	أَيُّهَا الْمَلِكُ، كُنَّا قَوْمًا أَهْلَ جَاهِلِيَّةٍ نَعْبُدُ الْأَصْنَامَ، وَنَأْكُلُ الْمَيْتَةَ وَنَأْتِي الْفَوَاحِشَ..........	مسند احمد	188
12.	بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ حُسْنَ الْأَخْلَاقِ..........	مؤطا امام مالک	192
13.	بَيْنَمَا رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ يَوْمَئِذٍ يَشْتَدُّ فِي أَثَرِ رَجُلٍ مِنَ..........	صحیح مسلم	338

.14	جَاءَ جِبْرِيلُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ:مَا تَعُدُّونَ أَهْلَ بَدْرٍ فِيكُمْ،..........	صحیح بخاری	338
.15	خَطَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطًّا ، وَخَطَّ عَنْ يَمِينِ ذَلِكَ الْخَطِّ..........	مستدرک حاکم	96
.16	خَيْرُ نِسَائِهَا مَرْيَمُ ابْنَةُ عِمْرَانَ، وَخَيْرُ نِسَائِهَا خَدِيجَةُ..........	صحیح بخاری	241
.17	دَخَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأُمِّ وَلَدِهِ مَارِيَةَ فِي بَيْتِ حَفْصَةَ..........	دار قطنی	276
.18	الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً قَالَ لِي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «مَا تَرَى؟..........	جامع الترمذی	315
.19	الشِّرْكُ بِاللَّهِ، وَالسِّحْرُ، وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالحَقِّ، وَأَكْلُ الرِّبَا، وَأَكْلُ..........	صحیح بخاری	342
.20	صلوا کما صلینا..........	صحیح بخاری	95
.21	عَنْ لَيْلَةِ أُسْرِيَ بِهِ: " بَيْنَمَا أَنَا فِي الحَطِيمِ،وَرُبَّمَا قَالَ: فِي الحِجْرِ- مُضْطَجِعًا..........	صحیح بخاری	145
.22	غِبْتُ عَنْ أَوَّلِ قِتَالِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَئِنْ أَشْهَدَنِي اللَّهُ مَعَ النَّبِيِّ..........	صحیح بخاری	351
.23	فَإِنَّ خُلُقَ نَبِيِّ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ الْقُرْآنَ..........	صحیح مسلم	46
.24	فَبَيْنَا أَنَا أَمْشِي إِذْ سَمِعْتُ صَوْتًا مِنَ السَّمَاءِ فَرَفَعْتُ رَأْسِي..........	صحیح بخاری	139
.25	فمن رغب عن سنتی فلیس منّی..........	صحیح بخاری	13
.26	فِي الكَوْثَرِ: هُوَ الخَيْرُ الَّذِي أَعْطَاهُ اللَّهُ إِيَّاهُ..........	صحیح بخاری	174
.27	قَلْبٌ وَكِيعٌ فِيهِ أُذُنَانِ سَمِيعَتَانِ وَعَيْنَانِ بَصِيرَتَانِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ الْمُقَفِّي، الْحَاشِرُ..........	سنن الدارمی	144

28.	كَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ مَاتَ إِبْرَاهِيمُ..........	صحیح بخاری	284
29.	الكَوْثَرُ نَهْرٌ فِي الجَنَّةِ، حَافَّتَاهُ مِنْ ذَهَبٍ، وَمَجْرَاهُ عَلَى الدُّرِّ وَاليَاقُوتِ، تُرْبَتُهُ أَطْيَبُ..........	جامع الترمذی	175
30.	لَمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ يَوْمَ حُنَيْنٍ، قَسَمَ فِي	صحیح بخاری	190
31.	مَا أَجْلَسَكُمْ؟ قَالُوا: جَلَسْنَا نَذْكُرُ اللهَ..........	صحیح مسلم	189
32.	مَثَلِي وَمَثَلُ الْأَنْبِيَاءِ، كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى دَارًا فَأَتَمَّهَا وَأَكْمَلَهَا إِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ..........	صحیح مسلم	185
33.	مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ، وَمَنْ يَعْصِنِي فَقَدْ عَصَى اللهَ..........	صحیح مسلم	165
34.	مَنْ صَلَّى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ عَشْرًا	صحیح مسلم	200
35.	مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ، إِلَى هِرَقْلَ عَظِيمِ الرُّومِ، سَلاَمٌ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الهُدَى،..........	صحیح بخاری	21
36.	هَذِهِ خَدِيجَةُ قَدْ أَتَتْ مَعَهَا إِنَاءٌ فِيهِ إِدَامٌ، أَوْ طَعَامٌ أَوْ شَرَابٌ، فَإِذَا هِيَ أَتَتْكَ فَاقْرَأْ	صحیح بخاری	242
37.	وَافَقْتُ اللَّهَ فِي ثَلاَثٍ، أَوْ وَافَقَنِي رَبِّي فِي ثَلاَثٍ، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ لَوِ اتَّخَذْتَ..........	صحیح بخاری	309
38.	يَا مُحَمَّدُ أَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ وَخَاتِمُ الأَنْبِيَاءِ، وَقَدْ غَفَرَ اللَّهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ..........	صحیح مسلم	185

فہرستِ اعلام

صفحہ نمبر	اعلام	نمبر شمار
363	ابو عمار الوائلی	1.
330	بدر بن حارث	2.
330	بدر بن مخلد	3.
24	حضرت ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ	4.
24	حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ	5.
364	حیّی بن اخطب	6.
247	خرزاد	7.
247	رستم	8.
307	صرمہ بن مالک	9.
317	عمرو بن حضرمی	10.
364	کنانہ بن ربیع بن الحقیق	11.
394	مالک بن عوف نصری	12.
230	نضر بن حارث	13.
379	نعیم ثقفی	14.
25	ہمام بن منبہ	15.

363	ہوذہ بن قیس الوائلی	.16
29	وہب بن منبہ	.17

فہرستِ بلاد واماکن

صفحہ نمبر	اماکن	نمبر شمار
405	ابواء	1
247	جلولاء	2
310	خراسان	3
310	سیستان	4
310	قبرص	5
310	قفقاز	6
310	کرمان	7
247	مدائن	8
405	ودان	9

مصادر و مراجع

القرآن الکریم

کتاب مقدس، پاکستان بائبل سوسائیٹی، لاہور: انار کلی، ۱۹۶۸ء

کتب تفاسیر

الاتقان فی علوم القرآن، امام جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی، (ترجمہ محمد حلیم انصاری) لاہور: مکتبۃ العلم، س ن

احکام القرآن، احمد بن علي ابو بکر الرازي الجصاص، بیروت: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۰۵ھ

انوار التنزیل واسرار التاویل، ناصر الدین ابو سعید عبد اللہ بن عمر بن محمد البیضاوی، بیروت: دار إحیاء التراث العربي

بحر العلوم (تفسیر ثمر قندی) ابو اللیث نصر بن محمد بن احمد بن ابراھیم السمرقندی، مکہ مکرمہ: دار الباز

تبیان القرآن، سعیدی، علامہ غلام رسول، لاہور: فرید بک سٹال، ۲۰۰۴ء

تفسیر الوسیط القرآن الکریم، محمد سید طنطاوي، مصر: دار نہضۃ للطباعۃ والنشر، ۱۹۹۷

تفسیر ابن ابي حاتم، امام عبد الرحمن بن محمد بن ادریس بن ابي حاتم، مکہ مکرمہ: مکتبہ نزار مصطفٰی الباز، ۱۴۱۹ھ

تفسیر احسن البیان، حافظ صلاح الدین یوسف (مترجم، مولانا محمد جوناگڑھی) ریاض: دار السلام، س ن

تفسیر الجلالین، جلال الدین محمد بن احمد المحلی، وجلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی، القاھرۃ: دار الحدیث

تفسیر الطبري، محمد بن جریر بن یزید بن کثیر، ابو جعفر الطبری، بیروت: دار ھجر للطباعۃ والنشر، ۱۴۲۲ھ

تفسیر القرآن العظیم، ابن کثیر، أبو الفداء إسماعیل بن عمر بن کثیر، بیروت: دار طیبۃ للنشر والتوزیع، ۱۴۲۰ھ

تفسیر الکبیر، ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسن بن الحسین الرازي، بیروت: دار إحیاء التراث العربی، ۱۴۲۰ھ

تفسیر المظہری، المظہری، محمد ثناء اللہ، مکتبہ الرشدیہ، الباکستان، ۱۴۱۲ھ

تفسیر النسفي (مدارک التنزیل وحقائق التأویل) عبد اللہ بن احمد بن محمود حافظ الدین النسفی، بیروت: دار الکلم الطیب، ۱۴۱۹ھ

تفسیر روح المعانی، علامہ ابو الفضل سید محمود آلوسی، بیروت: دار الفکر، ۱۴۱۷ھ

تفسیر مقاتل بن سلیمان، ابو الحسن مقاتل بن سلیمان بن بشیر الازدی، بیروت: دار احیاء التراث، ۱۴۲۳ھ

تفہیم القرآن، ابو الاعلٰی، سید مودودی، لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، ۱۹۹۶ء

جامع البیان في تاویل القرآن، محمد بن جریر بن یزید بن کثیر، ابو جعفر الطبری، مؤسسہ الرسالہ، ۱۴۲۰ھ، ج ۶، ص ۵۵۵

جامع لاحکام القرآن، ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابی بکر القرطبی، القاھرۃ: دار الکتب المصریۃ، ۱۳۸۴ھ

الدر المنثور، عبد الرحمن بن ابی بکر، جلال الدین السیوطي، الناشر: دار الفکر، بیروت، س ن

روح البیان، اسماعیل حقي بن مصطفی الاستانبولی، بیروت: دار الفکر

روح المعانی، شہاب الدین محمود بن عبد اللہ آلوسی بغدادی، الناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ الأولی، ۱۴۱۵ھ
زاد المسیر فی علم التفسیر، جمال الدین ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد الجوزی، بیروت: دار الکتاب العربی، ۱۴۲۲ھ
ضیاء القران، پیر کرم شاہ الازہری، ضیاء القران پبلیکیشنز، لاہور
فی ظلال القرآن، سید قطب شہید، القاہرہ: دار الشروق، ۲۰۰۱ء
الکشاف عن حقائق التنزیل وعیون الاقاویل في وجوه التاویل، ابو القاسم محمود بن عمر الزمخشري، بیروت: دار إحیاء التراث العربي
الکشف والبیان، ابو اسحاق احمد بن ابراہیم، بیروت: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۲۲ھ
لباب التاویل في معانی التنزیل، علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم ابو الحسن الخازن، بیروت: دار الکتب العلمیہ ۱۴۱۵ھ
معالم التنزیل في تفسیر القرآن (تفسیر البغوي) ابو محمد الحسین بن مسعود بن محمد البغوي، بیروت: دار إحیاء التراث العربي، ۱۴۲۰ھ
الوسیط في تفسیر القرآن المجید، ابو الحسن علي بن احمد بن محمد الواحدی، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۵ھ

کتب احادیث و شروح

الاحادیث المختارہ، مقدسی، ابو عبد اللہ محمد عبد الواحد الحنبلی، المکتبہ النہضۃ الحدیثیہ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۰ھ
السنن الکبری، احمد بن الحسین بن علی الخراسانی، ابو بکر البیہقی، بیروت: دار الکتب العلمیہ، الطبعہ الثالثہ، ۱۴۲۴ھ
سنن، دارمی، ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن، باب فی رخص فی کتابۃ العلم، نشر السنۃ، ملتان، ۱۹۶۶ء
سنن، ترمذی، محمد بن عیسیٰ، کتاب البیوع، باب ماجاء فی اختلافِ العراش، سعید ایچ ایم کمپنی، کراچی، ۱۹۸۲ء
صحیح بخاری، محمد بن اسماعیل ابو عبد اللہ البخاري، بیروت: دار طوق النجاۃ، ۱۴۲۲ھ
صحیح مسلم، مسلم بن الحجاج ابو الحسن القشیری، بیروت: دار احیاء التراث العربی،
عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، ابو محمد محمود بن احمد بن موسی بدر الدین العینی، بیروت: دار إحیاء التراث العربي، ۱۴۲۱ھ
فتح الباری، عسقلانی، حافظ ابن حجر احمد، امام، کتاب الجہاد والسیر، دار النشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۹۸۱ء
مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، علی بن ابی بکر بن سلیمان الہیثمی، الناشر: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۲ھ
مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ابو الحسن عبید اللہ بن محمد عبد السلام، بنارس الہند: ادارۃ البحوث العلمیہ، الطبعہ الثالثہ، ۱۴۰۴ھ
المستدرک علی الصحیحین، حاکم، ابو عبد اللہ، محمد نیشاپوری،، بیروت: دار الکتب العربی
مسند الامام احمد بن حنبل، ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل، الناشر: مؤسسہ الرسالہ، الطبعہ الأولی، ۱۴۲۱ھ
مسند، مسند علی بن ابی طالب، احمد بن حنبل، امام الشیبانی، بیروت: دار صادر، ۱۹۶۹ء، ۱/۱۲۸
مُصنف ابن ابی شیبہ، ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ، الناشر: دار القبلہ، بیروت، س ن
المصنف، اَبو بکر عبد الرزاق بن ہمام بن نافع، الناشر: المکتب الإسلامی، بیروت، الطبعہ الثانیہ، ۱۴۰۳ھ

المعجم الکبیر، سلیمان بن احمد بن ایوب، ابو القاسم الطبرانی، الناشر: مکتبہ ابن تیمیہ، القاھرۃ، الطبعۃ الأولی، ۱۴۱۵ھ
المنہاج شرح صحیح مسلم، ابوزکریا محیی الدین یحیی بن شرف النووی، بیروت: دار احیاء التراث العربی، الطبعہ الثانیہ ۱۳۹۲ھ
موطا الامام مالک، مالک بن انس بن مالک، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۶ھ

کتب سیرت

اردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور: دانش گاہ پنجاب، طبع اول ۱۹۸۰ء
اردو نثر میں سیرت نگاری، ڈاکٹر خالد محمود، لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۸۹ء
اسیرۃ النبویۃ والآثار المحمدیہ المعروف السیرۃ الدحلانیۃ علی ھامش الحلبیہ، دحلان، احمد زینی، المکتبہ الاسلامیہ، بیروت، س ن
اصول سیرت نگاری، ڈاکٹر صلاح الدین ثانی، کراچی: مکتبہ علامہ شبیر احمد عثمانی، ۲۰۰۳ء
تدوین سیر و مغازی، مبارک پوری، قاضی اطہر، لاہور: دار النوادر، ۲۰۰۵ء
جمال مصطفٰی، عبد العزیز عرفی، علامہ، کیلانی پبلشرز، کراچی، ۱۹۸۳ء
حیات رسول امی، خالد مسعود، لاہور: دار التذکیر، ۲۰۰۹ء
الخصائص الکبری، عبد الرحمن بن أبي بکر، جلال الدین السیوطي، بیروت: دار الکتب العلمیہ
الدرر فی اختصار المغازی والسیر، ابن عبد البر، یوسف، حافظ، قاہرہ: دار المعارف، ۱۴۰۳ھ
دراسات فی السیرۃ النبویۃ، محمد سرور بن زین العابدین، دار الارقم، ۱۹۸۶ء
الرحیق المختوم، مولانا صفی الرحمن مبارکپوری، لاہور: المکتبہ السلفیہ
الرسالۃ المستطرفہ البیان مشہور کتب السنۃ المشرفۃ، کتانی، محمد بن جعفر، کراچی: نور محمد اصح المطابع، ۱۹۶۰ء
رسول اللہ فی القرآن الکریم، حسن کامل المطاوی، دار المعارف، القاہرہ، ۱۹۷۲ء
رسول رحمت، ابو الکلام آزاد، شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز، لاہور
الروض الانف، سہیلی، عبد الرحمٰن بن عبد اللہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۷ء
زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، ابن قیم، الحافظ محمد ابی بکر الجوزی، مؤسسہ الرسالہ، بیروت، ۱۹۹۶ء
زرقانی علی المواہب، احمد بن محمد، قسطلانی، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۷ھ
زوجات النبی ﷺ واسرار الحکمۃ فی تعدد ھن، ابراہیم محمد حسن الجمل، القاہرۃ: مکتبہ وھبہ
سیرۃ الرسول، ڈاکٹر محمد طاہر القادری، لاہور: منہاج القرآن پبلیکیشنز، اشاعت نہم ۲۰۰۸
السیرۃ النبویۃ فی ضوءِ القرآن والسنۃ، محمد ابو شہبہ، ڈاکٹر، دار القلم، دمشق، طبع ثانیہ ۱۹۹۲ء
السیرۃ النبویۃ، ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی، بیروت: دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر، ۱۹۷۶ء

السیرۃ النبویہ فی ضوء المصادر الاصلیۃ، دکتور مہدی رزق اللہ، بیروت: دار الکتب العلمیہ

سیرۃ حلبیہ، امام علی بن برہان الدین حلبی (مترجم: مولانا اسلم قاسمی) کراچی: دار الاشاعت، ۱۹۹۹ء

سیرت النبی، شبلی نعمانی، مولانا، المصباح، اردو بازار، لاہور

سیرت النبی، الدکتور علی محمد صلابی، مترجمین، محمد یونس بٹ وغیرہم، دار السلام، ۲۰۱۲ء

سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم صور مقتبسۃ من القرآن الکریم، محمد عزت دروزہ، منشورات المکتبہ العصریہ، بیروت، ۱۹۸۰ء

سیرت رسول قرآن کے آئینے میں، عبد الغفور راشد، ڈاکٹر، نشریات، لاہور، ۲۰۰۶ء

سیرت سرور عالم، مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی، لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، ۲۰۰۹ء

سیرت مصطفیٰ، مولانا ادریس کاندھلوی، کتب خانہ مظہری، کراچی، س ن

سیرت نبوی قرآنی، عبد الماجد دریابادی، مولانا، ندیم یونس پرنٹر، لاہور، طبع دوم ۱۹۸۵

السیرۃ النبویہ لابن ھشام، عبد الملک بن ھشام، (تحقیق عبد الرءوف سعد) بیروت: دار الجیل، ۱۴۱۱ھ

فقہ السیرۃ النبویہ، ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی (مترجم: ڈاکٹر محمد رضی الاسلام) لاہور: نشریات، ۲۰۱۰ء

مکتوباتِ نبوی، رضوی، مولانا سید محبوب، یونائیٹڈ آرٹ پرنٹر، لاہور، ۱۹۸۸ء

الموسوعہ العربیہ المیسرۃ، محمد شفیق غربال، قاہرہ: المکتبۃ العرب، ۱۹۵۹ء

کتب اسماء الرجال

الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد النمری القرطبی، بیروت: دار الجیل، الطبعۃ الاولی ۱۴۱۲ھ

الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ابو الفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر العسقلانی، بیروت: دار الکتب العلمیہ، الطبعہ الاولی ۱۴۱۵ھ

الاعلان، سخاوی، محمد بن عبد الرحمٰن، بیروت: دار الکتب العربی، ۱۹۷۹ء

اکمال اکمال المعلم، علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلیفہ ابی مالکی، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۵ھ

تذکرۃ الحفاظ، ذہبی، شمس الدین، محمد بن احمد بن عثمان، بیروت: مؤسسہ الرسالہ، ۱۴۱۳ھ

تہذیب التہذیب، حافظ احمد بن حجر، بیروت: دار احیاء التراث العربی، ۱۹۹۳ء

الجرح والتعدیل، رازی، عبد الرحمٰن بن حاتم محمد بن ادریس التمیمی، بیروت: دار احیاء التراث، ۱۹۵۲ء

سیر اعلام النبلاء، علامہ شمس الدین الذہبی، مصر: المکتبۃ التوفیقیہ، ۲۰۱۴ء

شذرات الذھب، ابن العماد الحنبلی، ابو الفتح، بیروت: المکتبہ الاسلامیہ، ۱۹۷۹ء

طبقات الحفاظ، سیوطی، جلال الدین عبد الرحمٰن، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۳ھ

الطبقات الکبریٰ، ابنِ سعد، محمد الزہری، بیروت: دار صادر، ۱۹۵۷ء

کتب متفرق

ابجد العلوم، قنوجی، صدیق بن حسن، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۷۸ء

اصول تفسیر، احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ، لاہور: المکتبہ السلفیہ، ۲۰۱۴ء

البدایہ والنہایہ، ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر، بیروت: دار احیاء التراث، الطبعہ الاولی ۱۴۰۸ھ

البرہان فی علوم القرآن، بدر الدین زرکشی، بیروت: دار المعرفۃ، ۲۰۱۳ء

تاریخ الخمیس فی احوال انفس النفیس، حسین بن محمد بن الحسن الدیار بکری، بیروت: دار صادر،

تاریخ بغداد، أبو بکر أحمد بن علی بن ثابت بن أحمد بن الخطیب البغدادي، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۱۷ھ

تدریب الراوی، امام جلال الدین سیوطی، مصر: دار الکتب الحدیثہ، ۱۳۸۵ھ

جاوید نامہ، ڈاکٹر، محمد اقبال علامہ، غلام علی پرنٹرز، لاہور، ۱۹۹۲

جلاء الافہام فی فضل الصلاۃ والسلام علی محمد خیر الانام، علامہ شمس الدین ابن قیم الجوزی، بیروت: دار الکتب الاسلامی، ۱۴۱۷ھ

جمع الوسائل، علامہ علی بن سلطان محمد القاری، کراچی: نور محمد اصح الطابع، س ن

در مختار مع رد المختار، علاء الدین محمد بن علی الحصکفی، بیروت: دار احیاء التراث، ۱۴۱۹ھ

عجالہ نافعہ، محدث دہلوی، شاہ عبد العزیز، (مترجم۔ ڈاکٹر عبد الحلیم چشتی)، نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، س ن ۱۹۶۴ء

غریب الحدیث، ابو عبید القاسم بن سلام، بیروت: دار الکتب العلمیہ

فتح القدیر، محمد بن علی الشوکانی، لبنان: دار المعرفۃ، ۱۹۸۳ء

فتح الملہم، علامہ شبیر احمد عثمانی، کراچی: مکتبہ الحجاز، س ن

فتوح البلدان، علامہ ابو الفضل احمد بن یحیی بلاذری، مطبوعہ یورپ

الفہرست، علامہ ابو الفرج محمد بن ابو یعقوب، ابن ندیم، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۸۷ء

القاموس الجدید، وحید الزمان، ادارہ اسلامیات لاہور، ۱۹۹۰

قواعد التحدیث، قاسمی، محمد جمال الدین، مطبوعہ البابي الحلمی، س ن ۱۹۶۱ء

کتاب التعریفات، علی بن محمد سید الزین ابو الحسن الجرجانی، لاہور: مکتبہ رحمانیہ، س ن

کتاب المغازی، ابو عبد اللہ محمد بن عمر الواقدی، ذکر قتل ابن الاشرف، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۲۰۱۳ء

کشاف اصطلاحات الفنون، محمد علی الفاروق تھانوی، طبع، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی، س ن،

کشف الظنون عن آسامی الکتب والفنون، چلپی، حاجی خلیفہ مصطفی بن عبد اللہ، تہران: مکتبہ اسلامیہ والجعفری، ۱۳۷۸ھ

لسان العرب، ابن منظور، محمد بن مکرم الأفریقي الأنصاری، بیروت: دار صادر، س ن

معجم البلدان، شہاب الدین ابو عبد اللہ یاقوت بن عبد اللہ الرومی، بیروت: دار صادر، الطبعہالثانیہ ۱۹۹۵ء
المعجم الوسیط، ابراہیم مصطفیٰ ودیگر، استنبول: دار الدعوۃ، ۱۹۸۹ء
معرفۃ علوم الحدیث، حاکم، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ، الامام، المکتب البخاری للنشر والتوزیع، بیروت
المفردات فی غریب القرآن، ابو القاسم محمد بن الحسین، امام راغب الاصفہانی، بیروت: دار القلم، الطبعہ الاولیٰ ۱۴۱۲ھ
المفردات، علامہ حسین بن محمد راغب الاصفہانی، مکہ المکرمہ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، ۱۴۱۸ھ
The life of Mohammad: Sir William Muir.(Introduction), p.28.
ماہ نامہ اظہار سیرت نمبر، صحابہ کرام کی نعت گوئی، ڈاکٹر محمد صغیر الدین، فروری ۱۹۷۹ء